

خطبہ و دعاء اور مبلغین حضرات کے لیے ایک علمی تحفہ

زاد الخَطِيب

جلد سوم



تالیف
ڈاکٹر، حافظ محمد اسحاق زاہد

مرکز الفلاح الخیری - لاہور

زاد الخطیب

جلد سوم

تالیف
(ذاکر) حافظ محسن داسحاق زاہد

مرکز الفلاح الخیری - لاہور

تمام حقوق بحق ”مرکز الفلاح الخیری“ محفوظ ہیں

نام کتاب:

زاد الخطیب (جلد سوم)

نام مؤلف:

ڈاکٹر حافظ محمد اسحاق زاہد

اشاعت اول:

رمضان المبارک 1433ھ اگست 2012

ملنے کے پتے

مرکز الفلاح الخیری۔ لاہور

0333-4237720

فہرست

13.....	اسلام کا عام فہم تعارف
37.....	اسلام دین رحمت ہے ①
54.....	اسلام دین رحمت ہے ②
71.....	شروط لا الہ الا اللہ
96.....	عبادت..... مفہوم اور ثمرات
114.....	کتاب و سنت کی اتباع کیوں ضروری ہے؟
135.....	گناہوں کے خطرناک نتائج
149.....	دعا اور اس کے آداب
174.....	مسجد کے آداب
195.....	ایمان کے فضائل اور ارکان
215.....	تکملہ ارکان ایمان ①
231.....	تکملہ ارکان ایمان ②
251.....	انبیائے کرام علیہ السلام کے بعد سب سے افضل انسان
280.....	جہنم سے آزادی کے اسباب
295.....	امن وامان کی اہمیت اور اس کے اسباب
311.....	خودکشی..... ایک سنگین جرم
324.....	رزق حلال ہی آخر کیوں؟
343.....	اپنے دشمن کو پہچاننے!

حنفی کتب خانہ محمد معاذ خان

علماء دیوبند کے علوم کا پاسبان
دینی و علمی کتابوں کا عظیم مرکز ٹیلیگرام چینل

درس نظامی کیلئے ایک مفید ترین
ٹیلیگرام چینل

- 364 ❁ 'نفاق' اور منافق کی نشانیاں
- 384 ❁ طلاق کے اسباب اور اس کا حل
- 406 ❁ سنگدلی اور نرم دلی: اسباب و علاج
- 425 ❁ نماز میں نمازیوں کی اخطاء
- 448 ❁ حدیث (لَا ضَرْزَرَ وَلَا ضِرَارَ) کی تشریح
- 464 ❁ آلاتِ موسیقی اور گانا بجانا ایک بہت بڑی لعنت!
- 484 ❁ خرید و فروخت کے آداب و احکام

محمد اسحاق بھٹی

ڈاکٹر حافظ محمد اسحاق زاہد اور ان کی تدریسی و تصنیفی خدمات

ملتان اور اس کے قرب و جوار کو علم و عمل کے اعتبار سے خاص شہرت حاصل ہے۔ اس علاقے میں بہت سے دینی مدارس قائم ہیں اور بے شمار علمائے کرام طالبانِ علم کو تعلیم سے بہرہ ور کرنے کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ ہرے عزیز دوست ڈاکٹر حافظ محمد اسحاق زاہد کے آباء و اجداد اسی سر زمین سے تعلق رکھتے ہیں۔ ضلع ملتان کی تحصیل شجاع آباد کا ایک گاؤں ان کا مسکن ہے۔ حافظ صاحب اسی گاؤں کے دینی تعلیم کا پس منظر رکھنے والے ایک خاندان میں 10 مارچ 1968ء کو پیدا ہوئے۔ والد کا نام نامی مولانا غلام مرتضیٰ اور چچا کا مولانا غلام مصطفیٰ ہے۔

حافظ محمد اسحاق زاہد نے حصول تعلیم کا آغاز اپنے گاؤں کی مسجد میں قاری محمد طاہر سے کیا اور انھی سے قرآن مجید حفظ کرنے کی سعادت سے بہرہ اندوز ہوئے۔ پڑھنے میں تیز تھے۔ حفظ قرآن کے بعد صرف چھ مہینے میں پرائمری کا امتحان دیا اور بہتر پوزیشن حاصل کی۔ پرائمری پاس کرنے کے بعد اپنے والد گرامی اور عم محترم سے فارسی اور صرف و نحو کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ پھر عمر کی کچھ منزلیں طے کیں تو شجاع آباد کے مدرسہ اشرف العلوم میں داخلہ لیا۔ ایک سال وہاں رہے اور درس نظامی کی بعض کتابیں پڑھیں۔

1982ء میں جب کہ وہ چودہ پندرہ سال کی عمر کو پہنچ گئے تھے، لاہور آئے اور مولانا حافظ عبد الرحمن مدنی کے جاری کردہ دارالعلوم رحمانیہ (ماڈل ٹاؤن) میں داخلہ لیا۔ پھر اس کے نصاب کے مطابق 1986ء تک مسلسل چار سال وہاں تعلیم حاصل کی۔ اس دارالعلوم میں ان کے اساتذہ تھے مفتی حافظ ثناء اللہ مدنی، حافظ عبد الرحمن مدنی، پروفیسر سعید محبتی، سعیدی، مولانا عبدالحی انصاری، مولانا عبد الرحمن عظیمی، قاری نعیم الحق نعیم، حافظ عبد الرشید اظہر، مولانا محمد رمضان سلفی، حافظ عبد الرشید خلیق اور مولانا خلیق الرحمن لکھوی۔ یہاں کے فاضل اساتذہ سے انھوں نے خوب استفادہ کیا۔ اسی دوران 1985ء میں لاہور بورڈ سے میٹرک کا امتحان دیا اور فرسٹ ڈویژن میں کامیاب ہوئے۔

رابعہ ثانوی کے امتحان میں وہ دارالعلوم میں اول آئے تو اربابِ اہتمام نے ان کے کاغذات مدینہ یونیورسٹی میں

بھیج دیے۔ اللہ نے مہربانی فرمائی اور انھیں 1986ء میں یونیورسٹی میں داخل مل گیا۔ پھر 1986ء سے 1990ء تک چار سال وہ مدینہ یونیورسٹی کے کلیۃ الحدیث میں تعلیم حاصل کرتے رہے۔ اس اثنا میں انھوں نے جن اساتذہ سے حصول فیض کیا، ان میں مندرجہ ذیل حضرات شامل ہیں۔

- ① شیخ عمر حسن فلاتہ: یہ مسجد نبوی میں مدرس تھے۔ ان سے حافظ محمد اسحاق زاہد نے تدریب الراوی جز ثانی پڑھی۔
- ② ڈاکٹر انیس الرحمن: ان کا اصل وطن انڈونیشیا تھا۔ ان سے انھوں نے تدریب الراوی جز اول پڑھی۔
- ③ ڈاکٹر ضیاء الرحمن اعظمی: ان سے نیل الاوطار کا ایک حصہ پڑھا۔
- ④ ڈاکٹر عبدالصمد بکر: ان سے ”الوضع فی الحدیث“ کا مضمون پڑھا۔
- ⑤ قاری محمد ایوب: یہ مسجد نبوی کے سابق امام تھے۔ ان سے تفسیر فتح القدیر کا درس لیا۔
- ⑥ شیخ عبدالعزیز عبداللطیف: ان سے جرح و تعدیل کے موضوع میں استفادہ کیا۔

ان حضرات کے علاوہ مدینہ یونیورسٹی کے محدث شیخ حماد انصاری کے گھر جا کر ان کے مکتبے میں حصول فیض کرتے رہے۔ مدینہ یونیورسٹی کا چار سالہ نصاب مکمل کر کے واپس وطن آئے تو 1991ء میں دارالعلوم رحمانیہ (ماڈل ٹاؤن لاہور) میں خدمت تدریس انجام دینا شروع کی۔ 1994ء تک چار سال یہ سلسلہ جاری رہا۔

اب ان کا کاروان حیات ایک اور موڑ کاٹا اور نئی منزل میں داخل ہوتا ہے۔ اس متن کی تشریح یہ ہے کہ مئی 1994ء میں کویت کی وزارت اوقاف نے انھیں کویت کا ویزا بھیجا اور یہ کویت پہنچے۔ وہاں انھیں تحفیظ القرآن کی ذمہ داری سونپی گئی۔ یعنی یہ طلباء کو قرآن حفظ کرانے اور اللہ کا کلام ان کے سینوں میں محفوظ کرانے کی بابرکت ذمہ داری تھی جو حافظ محمد اسحاق زاہد کے سپرد کی گئی۔ چھ سال وہ یہ پاکیزہ ترین خدمت سرانجام دیتے رہے۔ پھر انھیں سرکاری طور پر امامت و خطابت کا فریضہ انجام دینے پر مامور کر دیا گیا، جسے وہ اب تک نہایت حسن و خوبی سے انجام دے رہے ہیں۔ علاوہ ازیں کویت کی وزارت اوقاف کے ادارہ ”دار القرآن“ کے شعبہ اردو میں درس و تدریس کا سلسلہ بھی ان کے سپرد ہے۔ حافظ صاحب ماشاء اللہ باہمت اور مستعد اہل علم ہیں۔ قیام کویت کے دوران میں انھوں نے پنجاب یونیورسٹی لاہور سے 1994ء میں ایم اے اسلامیات کا امتحان پاس کیا۔ پھر اس سے ایک سال بعد 1995ء میں بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان سے ایم اے عربی کے امتحان میں کامیابی حاصل کی۔

2003ء میں حافظ صاحب ممدوح نے جامعہ کراچی کے کلیہ معارف اسلامیہ شعبۃ القرآن والسنة میں پی ایچ ڈی کے طالب علم کی حیثیت سے رجسٹریشن کرائی۔ جامعہ کراچی کی طرف سے انھیں پی ایچ ڈی کے لیے جو تحقیقی مقالہ لکھنے کے لیے دیا گیا، اس کا عنوان تھا:

”حدیث موضوع، تاریخ، اسباب، علامت اور مشہور موضوع احادیث کا تحقیقی جائزہ۔“

جنوری 2006ء میں انھوں نے مقالہ مکمل کر کے جامعہ کراچی میں جمع کرایا، اپریل 2007ء میں انھیں جامعہ کی طرف سے پی ایچ ڈی کی ڈگری ملی اور یہ ڈاکٹر محمد اسحاق زاہد بن گئے۔

بہت سی مصروفیات کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر حافظ محمد اسحاق زاہد نے تصنیفی و تالیفی خدمات بھی سرانجام دیں اور بعض عربی کتابوں کا اردو ترجمہ کیا۔ اس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

✽ شیخ وحید عبد السلام کی کتاب ”الصارم البقاء“ کا ترجمہ ”جادو کا علاج قرآن و حدیث کی روشنی میں“ کے نام سے کیا۔

✽ شیخ وہف الخطاطی کی کتاب ”صلوة التطوع“ کا اردو ترجمہ ہے ”نماز نفل“۔ مطبوعہ کتاب کے صفحات ہیں 190۔
✽ رابعہ الطویل کی عربی کتاب کا نام ہے ”حقیقة الشہادتین“ اس کے اردو ترجمے کا نام رکھا گیا ہے: ”حقیقت شہادتین۔ یعنی أشہد ان لا اله الا الله وأشهد ان محمد رسول الله“ صفحات 284۔

✽ شیخ خالد الحسینان کی ایک جیبی قسم کی تصنیف ہے ”الف سنة في اليوم واللية“ حافظ صاحب ممدوح نے ”دن اور رات میں ایک ہزار سے زیادہ سنتیں“ کے نام سے اس کا اردو ترجمہ کیا۔

✽ اسلام میں خواتین کا مقام اور پردہ: یہ صرف پچاس صفحات کی کتاب ہے اور اپنے موضوع کی اہم کتاب ہے۔
✽ فضائل درود شریف: 64 صفحات پر مشتمل بڑی عمدہ کتاب ہے۔

✽ ارکان ایمان: ایک سو بارہ صفحات کی اس کتاب میں ایمان کے چھ ارکان کا تعارف کرایا گیا ہے۔ وہ ہیں:
① ایمان باللہ ② ایمان بالملائکہ ③ ایمان بالکتاب ④ ایمان بالرسل ⑤ ایمان بالیوم الآخر ⑥ ایمان بالقدر۔

✽ خوش گوار زندگی کے رہنما اصول: 48 صفحات کا بہترین رسالہ۔

✽ زاد الخطیب: اب آئے ان کی ایک نہایت اہم کتاب کی طرف جس کا نام ”زاد الخطیب“ ہے۔ یہ بڑے سائز کی ایک ضخیم کتاب ہے۔ اس کی پہلی جلد 552 صفحات پر مشتمل ہے اور دوسری جلد 515 صفحات کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ یہ دونوں جلدیں پہلی دفعہ 2008ء میں جمعیت احیاء التراث الاسلامی کی طرف سے چھپیں۔ اس کے بعد بھی چھپیں۔ لوگوں نے ان سے بے حد استفادہ کیا اور کر رہے ہیں۔ اب اس سلسلے کی تیسری جلد اشاعت کے مرحلے سے گزر رہی ہے۔

جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، یہ سلسلہ دراصل مساجد کے خطیب حضرات کے لیے تیار کیا گیا ہے۔ اپنی نوعیت کا یہ بالکل منفرد سلسلہ ہے۔

خطیب کے معنی ہیں: خطاب کرنے والا۔ یعنی لوگوں کو وعظ سنانے اور نصیحت کرنے والا۔ عام طور سے اس کا اطلاق جمعہ المبارک اور عیدین کے خطبے پر ہوتا ہے۔

حافظ ڈاکٹر محمد اسحاق زاہد کی یہ بہت بڑی دینی خدمت ہے جو انھوں نے خطیب حضرات کے لیے انجام دی۔ کتاب کی پہلی جلد میں انھوں نے قمری مہینوں کے لیے خطبات مرتب کیے ہیں۔ وہ قمری مہینے ہیں: محرم، صفر، ربیع الاول، رجب، شعبان، رمضان، شوال، ذوالقعدہ اور ذوالحجہ۔ ان میں سے ماہ محرم کے تین، صفر کا ایک، ربیع الاول کے چار، رجب کے تین، شعبان کے دو، رمضان کے چار، شوال کا ایک، ذوالقعدہ کے تین اور ذوالحجہ کے چار خطبات ہیں۔ یہ کل پچیس خطبات ہوئے جو صحیح احادیث اور مستند واقعات کی روشنی میں تحریر کیے گئے ہیں۔ فاضل مرتب نے ہر خطبے کی ترتیب میں بے حد محنت اور بہ درجہ غایت احتیاط سے کام لیا ہے۔ ان کی زبان صاف اور عام فہم ہے۔ یعنی ان کے ذہن میں یہ بات سما گئی ہے کہ خطیب کے سامنے ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں، ان پڑھ بھی اور پڑھے لکھے بھی۔ وہ ان سب سے مخاطب ہے اور سب کو راہ راست پر لانے کی کوشش کرتا ہے۔ اپنے اس مقصد میں وہ اسی وقت کامیاب ہو سکے گا، جب کہ اپنے تمام مخاطبین کے ذہن و فکر کی سطح کے مطابق بات کرے گا۔ آسان زبان کا فائدہ یہ ہے کہ اسے بڑے سے بڑا تعلیم یافتہ بھی بخوبی سمجھ لیتا ہے اور ان پڑھ بھی۔ لیکن مشکل زبان اور دقیق الفاظ ان پڑھ نہیں سمجھ سکتا، لہذا دونوں طبقوں کو سمجھانے کے لیے آسان انداز بیان اختیار کرنا چاہیے اور حافظ محمد اسحاق زاہد نے یہی انداز اختیار کیا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو حضرات ان خطبات کی روشنی میں خطبہ دینا چاہتے ہیں، وہ اسی قسم کی عام فہم اور آسان زبان استعمال کریں۔ یہی ابلاغ کا صحیح ترین طریقہ ہے۔ قادر الکلام خطیب اسی کو سمجھا جاتا ہے جو اپنے سامنے بیٹھے ہوئے مجمعے کے ہر فرد کی ترجمانی کرے اور اس کا ہر سامع یہ خیال کرے کہ مقرر اور خطیب نے اس کے دل کی بات کی ہے۔

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا

میں نے یہ جانا کہ گویا یہ ہی میرے دل میں ہے

بسا اوقات بڑے بڑے خطیب اور اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگ عام مجمعوں میں اسی لیے مار کھا جاتے ہیں کہ وہ اپنے سامعین کی علمی سطح اور ذہنی کیفیت کا لحاظ نہیں رکھتے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ جس طرح میں عالم ہوں، اسی طرح میرے سامعین بھی عالم ہیں، جب کہ سامعین سمجھنے کے لیے آئے ہیں اور خطیب کا کام ان کے فہم کے مطابق انھیں سمجھانا ہے۔ زاد الخطیب کی دوسری جلد بھی جو بڑے سائز کے 515 صفحات پر محیط ہے، پچیس خطبات کا روح پرور مجموعہ ہے جو قرآن مجید اور صحیح احادیث کی روشنی میں ترتیب دیا گیا ہے۔ اس کا اسلوب بیان اور طریق تفہیم وہی ہے جو پہلی جلد کے خطبات کا ہے۔ مختلف خطبات کے چند عنوانات یہ ہیں: توحید باری تعالیٰ، شرک سب سے بڑا گناہ، اسلامی بھائی چارہ،

سچ کے فوائد اور جھوٹ کے نقصانات، حقوق الزوجین، تربیت اولاد، شکر کے فضائل و فوائد، صبر کے فوائد و ثمرات۔ کتاب کے تمام عنوانات پر ”زاد الخطیب“ کے لائق مصنف نے خوب صورت انداز میں بحث کی ہے اور ہر عنوان کو مناسب تفصیل سے بیان کیا ہے۔ توحید، اسلام کا اولین رکن ہے۔ نزولِ قرآن اور نبی ﷺ کی بعثت کے وقت ملک عرب سمیت پوری دنیا کے لوگ اس سے نا آشنا تھے۔ کعبۃ اللہ میں کفار نے سیکڑوں بت تراش کر رکھے تھے، جن کی وہ باقاعدہ پوجا کرتے تھے۔ اس لیے اسلام نے مسئلہ توحید و خاص طور سے وضاحت کے ساتھ بیان کیا اور شرک کی زوردار الفاظ میں مذمت کی اور اسے سب سے بڑا گناہ قرار دیا۔ اسی طرح دیگر مسائل بھی جو انسانی معاشرے کے لیے بے حد اہمیت رکھتے ہیں، اس مجموعہ خطبات میں پوری صراحت کے ساتھ ضبط تحریر میں لائے گئے ہیں۔ قارئین کرام اس مجموعے کا مطالعہ کریں اور اس کے مندرجات سے مستفید ہوں۔ مقدمہ کتاب میں اس کے مشمولات کی طرف صرف اشارے کیے جاتے ہیں، تفصیلات سے آگاہی کتاب پڑھ کر ہوگی اور وہ قارئین کو پڑھنی چاہیے۔

اب آئیے زاد الخطیب کی تیسری جلد کی طرف!

اس جلد کا بھی پہلی دو جلدوں کی طرح بڑا سائز ہے اور یہ 538 صفحات میں پھیلی ہوئی ہے۔ پہلی اور دوسری جلدیں پچیس پچیس خطبات پر مشتمل ہیں۔ یہ بھی پچیس خطبات کو اپنے دامن صفحات میں سمیٹے ہوئے ہے۔ یعنی تینوں جلدوں میں پچھتر (75) خطبات مرقوم ہیں۔ پہلی دونوں جلدیں چھپ کر خواندگان محترم کے مطالعہ میں آچکی ہیں اور مضامین و مشتملات کی رو سے بے حد مقبولیت حاصل کر چکی ہیں، لیکن تیسری جلد چھپنے کے لیے پریس جارہی ہے۔ اس جلد کے پچیس خطبات میں سے چند خطبات کے عنوان یہ ہیں: اسلام کا عام فہم تعارف، اسلام دینِ رحمت ہے، شروطِ لا الہ الا انت، عبادت کا مفہوم اور اس کے ثمرات، کتاب و سنت کی اتباع کیوں ضروری ہے؟ دعا اور اس کے آداب، مسجد کے آداب، ایمان کے فضائل اور ارکان۔ اس طرح یہ سلسلہ آگے پچیس خطبات تک چلتا ہے۔

اب کچھ عرصے سے خطبات لکھنے اور چھاپنے کا کچھ زیادہ رواج ہو گیا ہے، جس کتب فروش کے پاس جاؤ، وہاں کسی نہ کسی خطیب کے خطبات پڑے ہوتے ہیں۔ ان میں سے بعض خطبات میں ایسے پنجابی اشعار بھی ملتے ہیں، جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اس فقیر کو تقسیم ملک سے نبل کے بھی متعدد خطبات پڑھنے کا موقع ملا، جن میں سے بعض خطبات کے مصنفین علمی اعتبار سے خاص شہرت کے مالک تھے، لیکن ان میں بھی بعض ایسے واقعات مرقوم ہیں، جن کی صحت بہر حال مشکوک ہے۔ البتہ حافظ محمد اسحاق زاہد کے خطبات غیر صحیح اور غیر مستند واقعات سے پاک ہیں۔ انھوں نے جو کچھ لکھا ہے، تحقیق سے لکھا اور لکھتے وقت واقعات کی صحت و استناد کا پورا خیال رکھا۔ ادھر ادھر کی کوئی غیر ثقہ بات ان کے قلم سے نہیں نکلی۔

واقعہ یہ ہے کہ ”زاد الخطیب“ ایک بہت بڑی سوغات ہے جو انھوں نے خوب صورت انداز میں ترتیب دے کر خطیبوں اور واعظوں کی خدمت میں پیش کی ہے۔ وہ چوں کہ ایک دینی پس منظر رکھنے والے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں، پھر ان کی تربیت بھی خالص دینی ماحول اور بہترین اساتذہ کی نگرانی میں ہوئی، اس لیے انھوں نے قلم کو حرکت دیتے وقت بے حد احتیاط کا ثبوت بہم پہنچایا۔ زاد الخطیب کی تین ضخیم جلدوں میں ثقافت ان کے ہم عنان اور صداقت ان کے ہم رکاب رہی۔ سولہ سو سے زائد صفحات کی اس تحریر میں عام واعظوں کی سی قصہ گوئی والی کوئی بات کہیں نظر نہیں آتی۔

کتاب کا مطالعہ خطباء و مقررین کے علاوہ دیگر حضرات کے لیے بھی نہایت فائدہ مند ثابت ہوگا۔ اس کے پڑھنے سے بہت سے مسائل اور صحیح ترین تاریخی واقعات نظر و بصر کے زاویوں میں آجاتے ہیں۔ اسلام کے داعیوں، واعظوں اور عام تعلیم یافتہ حضرات کو اس کتاب کے موضوعاتی مندرجات سے مستفید ہونا چاہیے۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ اس کے مصنف اور اس کی طباعت میں تعاون کرنے والے تمام دوستوں کو اجر جزیل سے نوازے۔

محمد اسحاق بھٹی

اسلامیہ کالونی، ساندہ، لاہور

27 جون 2012ء 6 شعبان 1433ھ

حرفے چند

اللہ رب العزت نے مجھ ناچیز پر بے شمار انعامات کیے ہیں، اس پر میں اس کا جتنا شکر ادا کروں اتنا ہی کم ہے۔ ان گنت انعامات میں سے ایک بہت بڑی نعمت زاد الخطیب کی پہلی دو جلدوں کی پزیرائی اور مقبولیت ہے۔ باری تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ اس کتاب کی پہلی دونوں جلدوں کو علماء، خطباء اور واعظین و مبلغین کے ہاں قابل تحسین نظروں سے دیکھا گیا اور اس کے مؤلف کی کاوش کو سراہا گیا۔ پاکستان اور ہندوستان کے علاوہ دیگر کئی ممالک میں جہاں جہاں یہ کتاب پہنچی، اسے مفید جانا گیا اور میدان دعوت و تبلیغ سے تعلق رکھنے والے بے شمار حضرات نے اس سے بھرپور استفادہ کیا۔

یہ دونوں جلدیں جمیعہ احياء التراث الاسلامی کویت کی جانب سے سب سے پہلے پاکستان میں طبع ہوئیں، پھر انھیں ہندوستان میں چھپوایا گیا، نیز پاکستان کے علاوہ پورے ہند اور نیپال میں بھی ہزاروں خطباء اور واعظین حضرات میں اسے مفت تقسیم کیا گیا۔ بعد ازاں جمیعہ احياء التراث الاسلامی کی طرف سے اردو زبان میں اہم ترین کتب کا ایک مجموعہ منتخب کیا گیا جس میں ’زاد الخطیب‘ کی دونوں جلدوں کو بھی شامل کیا گیا۔ پھر یہ سیٹ پاکستان، ہندوستان اور نیپال میں مصروف کار ہزاروں دعاۃ حضرات کو دیا گیا۔ بعض مکتبات نے پاکستان میں اور بعض نے ہندوستان میں، بعض نے اجازت کے ساتھ اور بعض نے ہماری اجازت کے بغیر اس کتاب کو پرنٹ کیا اور فروخت کیا۔ یوں یہ کتاب غیر معمولی طور پر مقبول ہوئی۔ اس کے خطبات کو بے شمار مساجد میں خطبات جمعہ اور دروس کے ذریعے بیان کیا گیا۔ فَلَلهُ الْحَمْدُ وَالْمُنَّةُ

مجھے یاد ہے کہ جب یہ کتاب ہندوستان میں منتشر ہوئی تو ہند کی مرکزی جمعیت اہل حدیث کے ناظم اعلیٰ جو بچھلے کئی سالوں سے کویت تشریف لاتے ہیں، انھوں نے مجھے مبارکباد دیتے ہوئے کہا کہ ”آپ نے تو ماشاء اللہ زاد الخطیب کے ذریعے پورا ہندوستان فتح کر لیا ہے۔“ پاکستان، ہندوستان اور نیپال کے جید علمائے کرام اور دعاۃ نے بھی اس کتاب کی افادیت کا تذکرہ فرمایا، اس پر میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہوں۔ یہ سب اسی کی توفیق سے ہوا، میرا کوئی کمال نہیں۔

یہاں میں اپنے ان محسنین کا تذکرہ بھی کرتا چلوں جنھوں نے پہلی دو جلدوں میں پائی جانے والی بعض اخطاء کی نشاندہی کر کے مجھے آگاہ کیا۔ خاص طور پر استاذ محترم حافظ ثناء اللہ مدنی حفظہ اللہ، جنھوں نے ’بیعت عقبہ‘ کے بارے میں ایک علمی غلطی کی نشاندہی فرمائی۔ اسی طرح پاکستان کے شمالی علاقہ ’بلتستان‘ سے تعلق رکھنے والے جناب عبدالوہاب خان نے پہلی جلد کو حرفاً حرفاً پڑھا اور بڑی محنت کر کے اخطاء کو مدون کیا، میں ان کا اور دیگر سب حضرات کا شکر گزار ہوں جنھوں نے کسی بھی طباعتی غلطی بارے مجھے مطلع کیا۔ اللہ تعالیٰ انھیں صحت و عافیت سے نوازے اور علم و عمل میں برکت دے۔

الحمد للہ پہلی دو جلدوں کا سندھی زبان میں ترجمہ مکمل ہو چکا ہے۔ فارسی اور پشتو زبان میں ترجمہ ہو رہا ہے۔ اسی طرح

ہندوستان کی بعض علاقائی زبانوں اور بنگالی زبان میں بھی ان کا ترجمہ کروانے کا منصوبہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو مؤلف اور ان تمام حضرات کے لیے صدقہ جاریہ بنائے جنہوں نے اس کی تیاری میں کسی بھی طرح سے تعاون کیا۔

قارئین کرام! اب 'زاد الخطیب' کی تیسری جلد حاضر خدمت ہے۔ اس میں بھی پہلی دو جلدوں کی طرح پچیس موضوعات پر خطبات جمعہ ہیں، مثلاً اسلام دین رحمت ہے * گناہوں کے خطرناک نتائج * دعا اور اس کے آداب * ارکان ایمان * جہنم سے آزادی کے اسباب * امن و امان کی اہمیت اور اس کے اسباب * رزق حلال ہی آخر کیوں؟ * اپنے دشمن کو پہچاننے! * طلاق کے اسباب اور اس کا حل * نفاق اور منافق کی نشانیاں * حدیث (لا ضرر ولا ضرار) کی تشریح * نماز میں نمازیوں کی اخطاء * آلات موسیقی اور گانا بجانا۔۔۔ ایک بہت بڑی لعنت * خرید و فروخت کے آداب و احکام * عبادت کا مفہوم اور اس کے ثمرات * کتب و سنت ہی کی اتباع کیوں ضروری ہے؟۔۔۔ وغیرہ امید ہے خطباء اور مبلغین حضرات پہلی دو جلدوں کی طرح اس جلد سے بھی خوب استفادہ کریں گے۔ ان شاء اللہ۔

اگر کسی صاحب کو اس سے کوئی فائدہ ہو تو ان سے بس اتنی گزارش ہے کہ وہ مجھے، میرے والدین اور میرے بیوی بچوں کو اپنی دعاؤں میں ضرور یاد رکھیں۔ اسی طرح لجنۃ القارة الهندیہ کے ذمہ دار جناب فلاح خالد المطیری کو بھی، جن کا بھرپور اعتماد اور تعاون مجھے حاصل رہا۔ اور انہی کے خصوصی اہتمام سے تیسری جلد پہلی دو جلدوں کی طرح زیور طباعت سے آراستہ ہو سکی۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے۔

محترم مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب میرے مہربان ہیں۔ میں ان سے ملاقات کے لیے گھر پر حاضر ہوا۔ حسب معمول بڑی اپنائیت سے پیش آئے۔ باتوں باتوں میں انھوں نے زاد الخطیب اور اس کی افادیت کا بھی تذکرہ فرمایا۔ میں نے انھیں عرض کیا کہ اس کی تیسری جلد بھی تیار ہو چکی ہے۔ ان سے گزارش کی کہ اگر آپ اس پر چند کلمات لکھ دیں تو میری خوش نصیبی ہوگی۔ انھوں نے فرمایا کہ مجھے مسودہ بھیج دیں میں ان شاء اللہ کچھ لکھ دوں گا۔ چند دنوں بعد انھوں نے مجھے کویت میں فون پر بتایا کہ وہ زاد الخطیب کے متعلق چھ صفحات پر مشتمل ایک مقدمہ تیار کر چکے ہیں۔ میں اس عنایت پر بزرگوار جناب بھٹی صاحب کا دل کی گہرائیوں سے شکر گزار ہوں اور دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ انھیں صحت و عافیت دے۔ ان کے ذریعے عالم اسلام کو مزید فائدہ پہنچائے۔ ان کی تالیفات کو ذخیرہ آخرت بنائے۔ علاوہ ازیں اپنے بھائی حافظ عبدالعظیم (ڈائریکٹر دار السلام، لاہور) کا بھی شکر گزار ہوں جن کی ذاتی دلچسپی اور خصوصی تعاون سے تیسری جلد کی شایان شان طباعت ممکن ہوئی۔ اللہ تعالیٰ انھیں جزائے خیر دے اور علم و عمل میں برکت دے۔ آمین یا رب العلمین!

حافظ محمد اسحاق زاہد۔ کویت

مورخہ 10 شعبان 1433ھ / 30 جون 2012

برائے رابطہ: hmishq68@gmail.com

اسلام کا عام فہم تعارف

اہم عناصر خطبہ

- (1) اسلام ہی اللہ تعالیٰ کا دین برحق ہے
- (2) اسلام ہی تمام انبیائے کرام ﷺ کا دین تھا
- (3) اسلام کسے کہتے ہیں؟
- (4) اسلام کی بعض خصوصیات
- (5) اسلام کی اہم تعلیمات

پہلا خطبہ

محترم حضرات! اللہ تعالیٰ کا بے انتہاء شکر ہے کہ اس نے ہمیں مسلمان بنایا اور دین برحق (دین اسلام) کو قبول کرنے کی توفیق دی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے! کیونکہ دین اسلام ہی اللہ تعالیٰ کا دین برحق ہے۔ اس کے علاوہ جتنے دین ہیں وہ سب کے سب باطل ہیں اور جو لوگ دین اسلام کے علاوہ کسی اور دین کے پیروکار ہیں وہ یقیناً دنیا میں بھی خسارے میں ہیں اور آخرت میں بھی وہ یقیناً خسارہ ہی پائیں گے اور انھیں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور اس کے عذاب کے سوا کچھ نہیں ملے گا۔

آج کے خطبہ جمعہ میں ہم اسی دین برحق (یعنی اسلام) کے بارے میں گفتگو کریں گے۔ اسلام کی حقانیت کو واضح کرتے ہوئے اس کا حقیقی مفہوم بیان کریں گے۔ اس کی بعض خصوصیات کی طرف اشارہ کریں گے اور اسلام کی اہم تعلیمات اور احکام و آداب پر روشنی ڈالیں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

﴿اللہ تعالیٰ کے نزدیک سچا اور برحق دین 'اسلام' ہے﴾

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ﴾

”بے شک دین (برحق) اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔“^(۱)

’اسلام‘ اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین ہے جیسا کہ اس کا فرمان ہے: ﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَاتَّمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾

”آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی۔ اور اسلام کو بحیثیت دین تمہارے لیے پسند کر لیا۔“^(۲)

اس لیے جو شخص اسلام کے علاوہ کسی اور دین کا پیروکار ہو اس کا دین اللہ تعالیٰ کے ہاں قابل قبول نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَسِرِينَ﴾^(۳) ”اور جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کا طلبگار ہو تو اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔“^(۴)

2 اسلام تمام انبیائے کرام علیہ السلام کا دین ہے

حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد ﷺ تک تمام انبیائے کرام علیہ السلام ایک ہی دین کے ساتھ مبعوث کیے گئے اور وہ ہے دین اسلام۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّى بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى وَعِيسَى أَنْ أَقْبِلُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ﴾

”اس نے تمہارے لیے وہی دین مقرر کیا ہے جس کا حکم اس نے نوح علیہ السلام کو دیا تھا اور جو ہم نے آپ کو بذریعہ وحی دیا ہے اور جس کا حکم ہم نے ابراہیم علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کو دیا تھا۔ اور سب سے کہا تھا کہ تم دین کو قائم رکھنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا۔“^(۵)

اس آیت کریمہ میں الوالعزم پیغمبروں کا ذکر کیا گیا ہے اور سب سے افضل پیغمبر حضرت محمد ﷺ کو آگاہ کیا گیا ہے کہ جو دین آپ پر بذریعہ وحی اتارا گیا ہے اُسی دین کا حکم ان پیغمبروں کو بھی دیا گیا۔ اور سب کو یہی کہا گیا کہ دین اسلام کو قائم رکھنا اور اس میں گروہ بندی اور فرقہ بازی سے بچنا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ ملتِ ابراہیمی کے بارے میں فرماتا ہے:

﴿وَمَنْ يَرْغَبْ عَنْ مِلَّةِ إِبْرَاهِيمَ إِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهُ وَلَقَدْ اصْطَفَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ﴾ اِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ أَسْلِمْ قَالَ أَتَقُولُ لِي بِأَلِيٍّ إِنَّهُمْ بَنِيهِ وَيَعْقُوبُ بَنِيَّ إِنَّ

① ال عمران 19:4. ② المائدة: 3:5. ③ ال عمران 85:3. ④ الشوری 13:42.

اللَّهُ اصْطَفَىٰ لَكُمْ الدِّينَ فَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُمْ مُسْلِمُونَ ﴿١﴾

”اور ابراہیم علیہ السلام کے دین سے تو وہی نفرت کر سکتا ہے جس نے خود اپنے آپ کو احمق بنا لیا ہو۔ بے شک ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو دنیا میں چن لیا اور آخرت میں بھی وہ صالح لوگوں میں سے ہوں گے۔ جب انھیں ان کے رب نے فرمایا: فرمانبردار ہو جاؤ تو انھوں نے فوراً کہا: میں جہانوں کے رب کا فرمانبردار بن گیا ہوں۔ اور ابراہیم علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو بھی اسی دین کی وصیت کی تھی۔ (انھوں نے کہا) میرے بیٹو! اللہ نے تمھارے لیے یہی دین پسند کیا ہے۔ لہذا تم مرتے دم تک مسلمان ہی رہنا۔“^(۱)

اس آیت کریمہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام اور ان کے بعد آنے والے انبیائے کرام علیہم السلام جو کہ ان کی اولاد سے ہی تھے، سب کا دین اسلام تھا۔ اور اسی پر قائم رہنے کی وصیت ابراہیم علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام نے اپنی اولاد کو بھی کی تھی۔

اور حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَأَمَرْتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ﴾

”اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں مسلمانوں میں سے ہو جاؤں۔“^(۲)

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَقَالَ مُوسَىٰ يَقَوْمُ إِن كُنْتُمْ آمَنْتُمْ بِاللَّهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوا إِن كُنْتُمْ مُسْلِمِينَ﴾

”اور موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اے میری قوم! اگر تم واقعی اللہ پر ایمان لے آئے ہو تو پھر اسی پر توکل کرو اگر تم مسلمان ہو تو۔“^(۳)

اسی طرح بلقیس نے کہا تھا:

﴿قَالَتْ رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي وَاسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمَانَ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾

”اس نے کہا: اے میرے رب! میں نے یقیناً اپنے آپ پر ظلم کیا ہے۔ اور اب میں سلیمان علیہ السلام کے ساتھ اُس اللہ کے لیے مسلمان ہو چکی ہوں جو کہ تمام جہانوں کا رب ہے۔“^(۴)

ان تمام آیات سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام کا دین ایک ہی تھا اور وہ ہے دین اسلام۔

تاہم یہاں ایک بات کی وضاحت ضروری ہے کہ دین سے مراد وہ اصول و مبادی ہیں جو کبھی تبدیل نہیں ہوئے۔ مثلاً توحید باری تعالیٰ پر ایمان لانا، شرک کی حرمت، قیامت کا دن اور اس میں لوگوں کا حساب و کتاب، قتل ناحق،

① البقرة: 130-132. ② یونس: 72. ③ یونس: 84. ④ النمل: 27-44.

چوری اور بے حیائی وغیرہ کی حرمت۔ اس طرح کے بنیادی احکام تمام انبیائے کرام ﷺ پر نازل کیے گئے اور ان میں کبھی تبدیلی نہیں کی گئی۔ ہاں دین کی جزئیات میں حالات کے مطابق تبدیلی ہوتی رہی ہے مثلاً آدم علیہ السلام کی اولاد میں بہن بھائی کا نکاح جائز تھا جو بعد میں آنے والے انبیاء ﷺ کے ادوار میں حرام قرار دے دیا گیا۔ اسی طرح اُس دور میں سجدہ تعظیمی جائز تھا جو بعد میں حرام کر دیا گیا۔ سابقہ انبیاء کی شریعتوں میں اموال غنیمت سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں تھا جبکہ آخر الزمان نبی حضرت محمد ﷺ کی شریعت میں انھیں حلال قرار دیا گیا۔ اسی طرح نمازوں کی تعداد اور طریقہ ادائیگی، زکوٰۃ کی مقدار اور روزوں کی تعداد وغیرہ میں بھی مختلف انبیاء کی شریعتوں میں فرق رہا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اصول و مبادی اور بنیادی احکام کے لحاظ سے تمام انبیائے کرام ﷺ کا دین ایک ہی تھا۔ جبکہ ان میں سے بعض کی شریعتیں ایک دوسرے سے مختلف تھیں۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((أَلْأَنْبِيَاءُ إِخْوَةٌ لِعَالَمٍ ، أُمَّهَاتُهُمْ شَتَّى وَدِينُهُمْ وَاحِدٌ))

”تمام انبیاء علانی بھائی ہیں، ان کی مائیں (شریعتیں) الگ الگ تھیں لیکن سب کا دین ایک تھا۔“¹

خاتم الانبیاء حضرت محمد ﷺ کی شریعت پر ایمان لانا فرض ہے ﴿

خاتم الانبیاء حضرت محمد ﷺ کی بعثت کے بعد آپ کی شریعت پر ایمان لانا قیامت تک آنے والے تمام لوگوں پر فرض ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ کی رسالت قیامت تک آنے والے تمام عرب و عجم کے لیے ہے۔

جیسا کہ ارشاد باری ہے: ﴿قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا﴾

”کہہ دیجئے اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔“²

نیز فرمایا: ﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾ ﴿

”ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لیے خوشخبریاں سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ مگر لوگوں کی اکثریت بے علم ہے۔“³

اور خود نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((وَكَانَ النَّبِيُّ يُبْعَثُ إِلَى قَوْمِهِ خَاصَّةً وَيُبعَثُ إِلَى النَّاسِ عَامَّةً))

”ہر نبی کو اس کی قوم کی طرف ہی بھیجا جاتا تھا جبکہ مجھے تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہے۔“⁴

1) صحیح البخاری: 3443، و صحیح مسلم: 2365، 2) الأعراف 7: 158، 3) سبأ 34: 28، 4) صحیح البخاری: 438، واللفظ له، صحیح مسلم: 521.

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے تمام لوگوں کو چاہے وہ یہودی ہوں یا نصرانی، مجوسی ہوں یا بت پرست، سب کے سب کو حکم دیا ہے کہ وہ رسول اکرم ﷺ پر ایمان لے آئیں۔ اور انھیں خبردار کیا ہے کہ اگر وہ ایسا کریں گے تو یہی ان کے لیے بہتر ہے ورنہ انھیں اللہ تعالیٰ کے عذاب کا سامنا کرنا ہوگا کیونکہ کائنات کی ہر چیز پر اس کو مکمل اختیار اور قبضہ حاصل ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ الرَّسُولُ بِالْحَقِّ مِنْ رَبِّكُمْ فَأَمِنُوا خَيْرًا لَكُمْ ۚ وَإِنْ تَكْفُرُوا فَإِنَّ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۗ﴾

”اے لوگو! رسول تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے (دین) حق لے کر آچکا، لہذا تم ایمان لے آؤ، یہی تمہارے لیے بہتر ہے۔ اور اگر تم انکار کرو گے (تو پھر یاد رکھو کہ) آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ سب اللہ کے لیے ہے۔“

انھی آیات کے پیش نظر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے اور یہ ان کے نزدیک ثابت شدہ اور یقینی عقائد میں سے ہے کہ حضرت محمد ﷺ پر ایمان لانے کے سوا اب کوئی چارہ کار نہیں۔ ہر حال میں ان پر اور ان کی شریعت پر ایمان لانا لازم ہے۔ اور حضرت محمد ﷺ کی بعثت کے بعد شریعت محمدیہ کو چھوڑ کر کسی اور نبی کی شریعت کی پیروی کرنا قطعاً درست نہیں ہے۔ اسی لیے نبی کریم ﷺ نے ہر ایسے شخص کو جہنمی قرار دیا جو آپ ﷺ کی شریعت کے علاوہ کسی اور شریعت کا پیروکار ہو۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَا يَسْمَعُ بِي أَحَدٌ مِنَ الْأُمَمَةِ يَهُودِيٍّ وَلَا نَصْرَانِيٍّ ، ثُمَّ يَمُوتُ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِالَّذِي أُرْسِلْتُ بِهِ ، إِلَّا كَانَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ))

”اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے! اس امت کا کوئی شخص خواہ یہودی ہو یا نصرانی میرے بارے میں سنے، پھر اس حالت میں اس کی موت آجائے کہ وہ اس شریعت پر ایمان نہیں لایا جس کے ساتھ مجھے بھیجا گیا ہے تو وہ یقینی طور پر جہنم والوں میں سے ہوگا۔“

اس لیے جو لوگ آج اسلام کے علاوہ کسی اور دین پر قائم ہیں یا وہ حضرت محمد ﷺ کی شریعت کے علاوہ کسی اور نبی کی شریعت پر قائم ہونے کے دعویدار ہیں تو ان کے بارے میں ہم مسلمانوں کا یہ پختہ عقیدہ ہونا چاہیے کہ وہ کافر ہیں اور اگر اسی پر ان کی موت آتی ہے تو وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنمی ہیں۔

کیونکہ جو شخص مشرکوں اور کافروں کے بارے میں یہ عقیدہ نہ رکھے کہ وہ کافر ہیں مثلاً وہ یہود و نصاریٰ یا مجوسیوں یا

بت پرستوں یا کیمونسٹوں کو کافر نہ کہے تو وہ بھی انھی کی طرح کافر ہو جاتا ہے۔ یا وہ ان کے کفر میں شک کا اظہار کرے مثلاً وہ یوں کہے کہ ہو سکتا ہے کہ یہودی حق پر ہوں! یا معلوم نہیں کہ وہ کافر ہیں یا نہیں! یا وہ یہ کہے کہ ہر انسان کو اس بات کی آزادی ہے کہ وہ یہودیت، نصرانیت اور اسلام میں سے جو نسا دین چاہے اختیار کر لے کیونکہ یہ سب کے سب آسمانی دین ہیں! جیسا کہ بعض لوگ ان تینوں ادیان کو ایک دوسرے کے قریب کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ تو جو آدمی اس طرح کا اعتقاد رکھے وہ یقیناً کافر ہے۔ لہذا اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ یہود و نصاریٰ، مجوس، بت پرستوں اور ان کے علاوہ دیگر تمام کفار کے بارے میں پختہ اعتقاد رکھے کہ وہ یقیناً کافر ہیں اور دین باطل پر قائم ہیں۔ اور وہ ان سے اور ان کے دین سے براءت کا اظہار کرے اور اللہ کی رضا کی خاطر ان سے بغض اور عداوت رکھے۔

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَءُوكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتَّى تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَحَدُّكَ﴾

”تمہارے لیے ابراہیم (علیہ السلام) اور ان کے ساتھیوں میں بہترین نمونہ ہے جبکہ ان سب نے اپنی قوم سے بر ملا کہہ دیا کہ ہم تم سے اور جن جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو ان سب سے بالکل بیزار ہیں۔ ہم تمہارے (عقائد کے) منکر ہیں اور جب تک تم اللہ کی وحدانیت پر ایمان نہیں لاتے ہم میں اور تم میں ہمیشہ کے لیے بغض و عداوت ظاہر ہو گئی۔“

اسلام کسے کہتے ہیں؟

’اسلام‘ کا معنی ہے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکا دینا، اس کے احکامات پر سر تسلیم خم کر دینا اور اس کی فرمانبرداری کرنا۔

کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تابع فرمان ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿أَفَغَيْرَ دِينِ اللَّهِ يَبْتَغُونَ وَلَهُ أَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا وَالَّذِينَ يَرْجِعُونَ﴾

”کیا یہ لوگ اللہ کے دین کے سوا کوئی اور دین چاہتے ہیں؟ حالانکہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب چار و ناچار اسی کے تابع فرمان ہیں اور سب کو اسی کی طرف وٹ کر جانا ہے۔“

مسلمانو! جب کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تابع فرمان ہے تو انسان اس کا تابع فرمان کیوں نہیں بنتا؟ انسان کو یہ سوچنا چاہیے کہ اس کو کس نے پیدا کیا؟ کس نے اسے دیکھنے کے لیے آنکھیں دیں؟ کس نے سننے کے لیے کان

دیے؟ کس نے سوچنے کے لیے دماغ عطا کیا؟ کس نے بونے کے لیے زبان دی؟ کس نے پکڑنے کے لیے ہاتھ اور چلنے کے لیے پاؤں دیے؟ وہ کون ہے جس نے اسے بے شمار نعمتوں سے نوازا؟ وہ کون ہے جس نے اسے رزق عطا کیا؟ وہ کون ہے جس نے اس انسان کے لیے شمس و قمر، زمین و آسمان، باغات و درخت اور کائنات کی ہر چیز پیدا کی؟ جس نے بغیر عوض کے انسان کو سب کچھ عطا کر دیا کیا اس کا یہ حق نہیں کہ اس کی فرمانبرداری کی جائے؟ اس کے احکامات پر عمل کیا جائے؟ اس کی منہیات سے پرہیز کیا جائے؟

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَاطِيعُوا اللَّهَ وَاطِيعُوا الرَّسُولَ وَاحْذَرُوا فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَأَعْلَمُوا أَنَّمَا عَلَى رَسُولِنَا الْبَيِّنَاتُ ۝﴾

”اور تم اللہ کی اطاعت کرتے رہو اور رسول (ﷺ) کی طاعت کرتے رہو۔ اور (نافرمانی سے) ڈرتے رہو۔

پھر اگر تم نے اعراض کیا تو جان لو کہ ہمارے رسول کے ذمہ تو بس صاف صاف پہنچا دینا ہے۔“^(۱)

اسی طرح فرمایا: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ وَأَنَّهُ إِلَيْهِ تُخْشَوْنَ ۝﴾

”اے ایمان والو! اللہ اور رسول (ﷺ) کا حکم مانو جب رسول تمہیں اس چیز کی طرف بلائے جو تمہارے لیے زندگی بخش ہو۔ اور یہ جان لو کہ اللہ تعالیٰ آدمی اور اس کے دل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔ اور اسی کے حضور تم جمع کیے جاؤ گے۔“^(۲)

ان آیات میں اور اس طرح کی دیگر بے شمار آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی فرمانبرداری اور اپنے رسول حضرت محمد ﷺ کی اطاعت گزاری کا واضح حکم دیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ انسان بحیثیت مسلمان آزاد نہیں کہ جو چاہے اور جیسے چاہے کرتا رہے بلکہ وہ اس بات کا پابند ہے کہ وہ جہاں کہیں بھی ہو اور جس حال میں بھی ہو ہر صورت میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات پر عمل درآمد کرے اور ان کی نافرمانی سے بچے۔ اسی کو ’اسلام‘ کہتے ہیں۔ ورنہ اگر وہ من مانی کرتا رہے اور جو جی میں آئے اسے پورا کرنے پر تل جائے، یہ نہ دیکھے کہ اس سے اللہ تعالیٰ راضی ہوگا یا ناراض تو ایسا انسان اپنی خواہشات کا پجاری ہوتا ہے اور وہ اس طرح کا طرز عمل اختیار کر کے جانوروں سے بھی بدتر ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿أَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَهًا هُوَ ۖ أَرَأَيْتَ تَكُونُ عَلَيْهِ وَكِيلًا ۝ أَمْ تَحْسَبُ أَنَّ أَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُونَ أَوْ يَعْقِلُونَ ۚ إِنْ هُمْ إِلَّا كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ سَبِيلًا ۝﴾

”بھلا آپ نے اس پر غور کیا جس نے اپنی خواہش کو ہی معبود بنا رکھا ہے؟ کیا (اس کو راہِ راست پر لانے کے) ذمہ دار آپ بن سکتے ہیں؟ یا آپ خیال کرنے ہیں کہ ان میں سے اکثر سنتے اور سمجھتے ہیں؟ یہ تو جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گزرے ہیں۔“^(۱)

یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ خواہشاتِ نفس کا پیروکار انسان جانوروں کی طرح بلکہ ان سے بھی بدتر ہے۔ لہذا اگر اسے صحیح معنوں میں ’مسلمان‘ بننا ہے تو نفسانی خواہشات کی پیروی کی بجائے اللہ تعالیٰ کی مکمل فرمانبرداری کرنا ہوگی اور اس کی رضامندی کے حصول کے لیے اپنی خواہشات کو قربان کرنا ہوگا۔

اسی طرح ارشاد فرمایا: ﴿أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ وَأَضَلَّهُ اللَّهُ عَلَىٰ عِلْمِهِ وَخَتَمَ عَلَىٰ سَمْعِهِ وَقَلْبِهِ وَجَعَلَ عَلَىٰ بَصَرِهِ غِشَاوَةً فَمَنْ يَهْدِيهِ مِنْ بَعْدِ اللَّهِ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ﴾

”بھلا آپ نے اس کے حال پر بھی غور کیا جس نے اپنی خواہش نفس کو معبود بنایا ہے اور اللہ نے علم کے باوجود اسے گمراہ کر دیا اور اس کے کان اور دل پر مہر لگا دی اور آنکھ پر پردہ ڈال دیا؟ اللہ کے بعد اسے کون ہدایت دے سکتا ہے؟ کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے؟“^(۲)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو شخص اپنے آپ کو کسی اسلامی ضابطے کا پابند نہیں سمجھتا اور زندگی من مانی کرتے ہوئے گذارتا ہے اور اپنی خواہشات کو ہی رہبر و مرشد اور معبود بنا لیتا ہے تو اس کے کانوں اور دل پر پردہ پڑ جاتا ہے اور وہ آنکھیں ہونے کے باوجود اندھوں جیسا ہو جاتا ہے! والعیاذ باللہ

لہذا مسلمان کو ایسا طرزِ عمل نہیں اختیار کرنا چاہیے اور صدقِ دل سے اللہ تعالیٰ کا تابع فرمان بننا چاہیے۔ اسی کو مسلمانی کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَنْ يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يَخُشِ اللَّهَ وَيَتَّقْهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ ۝﴾

”مومنوں کی تو بات ہی یہ ہے کہ جب انھیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف بلایا جائے کہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے تو کہتے ہیں کہ ’ہم نے سنا اور اطاعت کی‘۔ ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ اور جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرے، اللہ سے ڈرتا رہے اور اس کی نافرمانی سے بچتا رہے تو ایسے ہی لوگ کامیابی سے ہمکنار ہونے والے ہیں۔“^(۳)

اور جہاں تک خواہشاتِ نفس کی پیروی کا تعلق ہے تو یہ مسلمان کے لیے انتہائی تباہ کن ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

« ثَلَاثٌ مُّهِلِكَاتٌ وَثَلَاثٌ مُّنْجِيَّاتٌ : فَأَمَّا الْمُهْلِكَاتُ فَشَحُّ مُطَاعٍ وَهُوَى مُتَّبَعٌ وَإِعْجَابُ الْمَرْءِ بِنَفْسِهِ . وَأَمَّا الْمُنْجِيَّاتُ فَالْعَدْلُ فِي الْغَضَبِ وَالرِّضَا وَالْقَصْدُ فِي الْفَقْرِ وَالْغِنَى وَخَشْيَةُ اللَّهِ فِي السِّرِّ وَالْعَلَانِيَةِ »

”تین چیزیں ہلاک کرنے والی اور تین چیزیں نجات دینے والی ہیں۔ ہلاک کرنے والی چیزیں یہ ہیں: لالچ جس کو پورا کرنے پر قتل جائے، خواہش نفس جس کی پیروی کی جائے اور آدمی کی من پسندی۔ اور نجات دینے والی تین چیزیں یہ ہیں: ناراضگی اور رضا مندی دونوں حالتوں میں انصاف کرنا، تنگ حالی و خوشحالی دونوں میں میانہ روی اختیار کرنا اور خفیہ اور ظاہری دونوں حالتوں میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا۔“^(۱)

اسلام کی بعض خصوصیات

محترم حضرات! ’اسلام‘ اور ’مسلمان‘ کی حقیقت کو بیان کرنے کے بعد اب ہم ’اسلام‘ کی بعض خصوصیات کا تذکرہ کرتے ہیں۔

① دین اسلام آسان دین ہے

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ مِّلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ﴾

”اور اس نے دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی۔ یہ تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کا دین ہے۔“^(۲)

اور رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

« إِنِّي نُمُّ أُبْعَثُ بِالْهُدَى وَلَا بِالنُّصْرَانِيَّةِ ، وَلَكِنْ بُعِثْتُ بِالْحَنِيفِيَّةِ السَّمْحَةِ »

”مجھے یہودیت یا نصرانیت کے ساتھ نہیں بلکہ اس دین کے ساتھ بھیجا گیا ہے جو باطل کی آمیزش سے پاک اور نہایت آسان ہے۔“^(۳)

نیز آپ ﷺ کا ارشاد ہے: «أَخْبُ الْأَدْيَانِ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى الْحَنِيفِيَّةُ السَّمْحَةُ»

”اللہ تعالیٰ کو سب سے محبوب دین، دین حنفی ہے جو کہ آسان ہے۔“^(۴)

اسی طرح آپ ﷺ کا ارشاد ہے: «إِنَّ الدِّينَ يُسْرٌ . وَلَنْ يُشَادَّ الدِّينَ أَحَدٌ إِلَّا غَلَبَهُ . فَسَادُوا

① صحیح الجامع للکبانی: 3045. ② الحج 22: 78. ③ السلسلة الصحيحة 2924. ④ صحیح الجامع 160.

وَقَارِبُوا وَأَبْشِرُوا ، وَاسْتَعِينُوا بِالْغُدُوِّ وَالْآخِرَةِ وَسَيِّئٌ مِّنَ الدَّلَاجَةِ))

”بے شک دین آسان ہے اور جو آدمی دین میں تکلف کرے گا اور اپنی طاقت سے بڑھ کر عبادت کرنے کی کوشش کرے گا دین اس پر غالب آ جائے گا۔ لہذا تم استبدال کی راہ اپناؤ۔ اور اگر کوئی عبادت مکمل طور پر نہ کر سکو تو قریب قریب ضرور کرو۔ اور عبادت کے اجر و ثواب پر خوش ہو جاؤ۔ اور صبح کے وقت، شام کے وقت اور رات کے آخری حصہ میں عبادت کر کے اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کیا کرو۔“

اور رسول اکرم ﷺ نے جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف روانہ فرمایا تو آپ نے انہیں حکم دیا کہ ((يَسِّرَا وَلَا تُعَسِّرَا ، وَبَشِّرَا وَلَا تَنْفِرَا ، وَتَطَاوَعَا وَلَا تَكْثُلِفَا))

”لوگوں کے لیے آسانی پیدا کرنا اور انہیں سختی اور پریشانی میں نہ ڈالنا۔ اور ان کو خوشخبری دینا، دین سے نفرت نہ دلانا۔ اور دونوں مل جل کر کام کرنا اور آپس میں اختلاف نہ کرنا۔“

دین میں آسانی کی چند مثالیں

(۱) پانی کی عدم موجودگی میں اللہ تعالیٰ نے تیمم کے ذریعہ طہارت حاصل کرنے کی رخصت دی۔ اور ارشاد فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِّنْكُم مِّنَ الْغَائِطِ أَوْ لَمَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوْهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ مِنْهُ مَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ وَلَكِنْ يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ أَتَشْكُرُونَ ۝﴾

”اے ایمان والو! جب تم نماز کے لیے اٹھو تو اپنے منہ کو اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھولو۔ اپنے سروں کا مسح کرو اور اپنے پاؤں کو ٹخنوں سمیت دھولو۔ اور اگر تم جنابت کی حالت میں ہو تو غسل کرلو۔ ہاں اگر تم بیمار ہو یا سفر کی حالت میں ہو یا تم میں سے کوئی حاجت ضروری سے فارغ ہو کر آیا ہو، یا تم عورتوں سے ملے ہو اور تمہیں پانی نہ ملے تو تم پاک مٹی سے تیمم کرلو۔ اس سے اپنے چہروں اور ہاتھوں کا مسح کرلو۔ اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا کہ تم پر کوئی تنگی کرے۔ بلکہ وہ تو یہ چاہتا ہے کہ تمہیں پاک کرے اور اپنی نعمت کو تم پر مکمل کرے تاکہ تم شکر ادا کرو۔“

(۲) رمضان المبارک کے مہینے میں مسافر اور مریض کو اللہ تعالیٰ نے اجازت دی ہے کہ وہ اپنے سفر یا مرض کے دنوں

(۱) صحیح البخاری، کتاب الإیمان: 39، (۲) صحیح البخاری، الجہاد والسير باب ما یکرہ من التنازع والاختلاف فی الحرب: 3038، (۳) المائدة: 6.

میں روزہ چھوڑ دیں اور دیگر دنوں میں ان ایام کے روزے قننا کر لیں۔ پھر ارشاد فرمایا:

﴿يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾

”اللہ تعالیٰ تمہارے لیے آسانی چاہتا ہے، وہ تمہارے لیے تنگی نہیں چاہتا۔“^(۱)

(۳) حضرت عروۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کا انتظار کر رہے تھے کہ آپ ﷺ باہر تشریف لائے، آپ کے سر سے وضو یا غسل کا پانی گر رہا تھا۔ آپ نے نماز پڑھ لی۔ نماز کے بعد لوگوں نے آپ سے سوالات کرنا شروع کر دیے اور کہنے لگے: یا رسول اللہ! کیا ہم پر اس چیز میں کوئی حرج ہے؟ تو آپ ﷺ نے تین بار فرمایا: «لَا يَأْتِيَنَّ النَّاسُ! إِنَّ دِينَ اللَّهِ فِي يُسْرٍ» ”نہیں کوئی حرج نہیں ہے، لوگو! اللہ کے دین میں یقیناً آسانی ہے۔“^(۲)

(۴) حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حجۃ الوداع میں رسول اللہ ﷺ منیٰ میں کھڑے ہوئے تو لوگوں نے آپ ﷺ سے سوالات کرنا شروع کر دیے۔ چنانچہ ایک شخص آیا اور اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! مجھے پتہ نہیں چلا اور میں نے حلق قربانی کرنے سے پہلے کر لیا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: «(اَذْبَحْ وَلَا حَرْجَ)» ”جاؤ قربانی کر لو اور اس میں کوئی حرج نہیں“

پھر ایک اور شخص آیا اور کہنے لگا: اے اللہ کے رسول! مجھے بھی پتہ نہیں چلا اور میں نے قربانی رمی کرنے سے پہلے کر لی ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: «(اَزِمْ وَلَا حَرْجَ)» ”جاؤ رمی کر لو اور اس میں کوئی حرج نہیں“

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ سے ان امور کی تقدیم و تاخیر کے بارے میں جو سوال کیا گیا آپ ﷺ نے فرمایا: «(افْعَلْ وَلَا حَرْجَ)» ”جاؤ کرو اور کوئی حرج نہیں“^(۳)

(۵) شدید بارش کے دوران مقیمین کو دو نمازیں جمع تقدیم کے ساتھ پڑھنے کی اجازت، دوران سفر نماز قصر کرنے اور دو نمازوں کو جمع کرنے کی رخصت، دوران حیض و نفاس خواتین کو نمازوں کی معافی اور روزے قضا کرنے کی اجازت وغیرہ..... یہ سب رخصتیں دین میں آسانی کی دلیل ہیں۔

② اسلام ایک مکمل دین ہے

اسلام کی خصوصیات میں سے ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ یہ ایک مکمل دین ہے اور اس میں زندگی کے تمام شعبوں میں پیش آنے والے مسائل کے متعلق واضح تعلیمات موجود ہیں۔ اور یہ اللہ رب العزت کا بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے ہمارا دین ہمارے لیے مکمل کر دیا، ورنہ اگر اسے نامکمل چھوڑ دیا جاتا تو ہر شخص جیسے چاہتا اس میں کمی بیشی کر لیتا اور

① البقرة: 185، ② مسند أحمد: 20688، وقال محققه الأرنؤوط: حسن لغیره، ③ صحيح البخاري: 1736، وصحيح

یوں یہ دین لوگوں کے ہاتھوں میں ایک کھلونا بن کر رہ جاتا۔

حجۃ الوداع کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے دین کو مکمل کرنے کا اعلان یوں فرمایا:

﴿أَيُّوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَ صَيِّتُ لَكُمْ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾

”آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی۔ اور اسلام کو بحیثیت دین تمہارے لیے پسند کر لیا۔“^(۱)

اس مکمل دین کو رسول اکرم ﷺ نے امت تک پہنچا دیا تھا اور امت کی خیر خواہی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: «مَا تَرَكْتُ شَيْئًا يَفْرِيْكُمْ اِلَى اللّٰهِ وَيُبْعِدُكُمْ عَنِ النَّارِ اِلَّا اَمَرْتُكُمْ بِهِ . وَمَا

تَرَكْتُ شَيْئًا يُقْرِيْكُمْ اِلَى النَّارِ وَيُبْعِدُكُمْ عَنِ اللّٰهِ اِلَّا وَهَيْتُكُمْ عَنْهُ»

”میں نے تمہیں ہر اس بات کا حکم دے دیا ہے جو تمہیں اللہ کے قریب اور جہنم سے دور کر دے۔ اور تمہیں

ہر اس بات سے روک دیا ہے جو تمہیں جہنم کے قریب اور اللہ سے دور کر دے۔“^(۲)

نیز فرمایا: «مَا تَرَكْتُ شَيْئًا مِّمَّا اَمَرَكُمْ اللّٰهُ بِهِ اِلَّا قَدْ اَمَرْتُكُمْ بِهِ ، وَمَا تَرَكْتُ شَيْئًا مِّمَّا نَهَاكُمْ عَنْهُ

اِلَّا قَدْ نَهَيْتُكُمْ عَنْهُ»

”اللہ تعالیٰ نے تمہیں جن کاموں کا حکم دیا ہے میں نے بھی ان سب کا تمہیں حکم دے دیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ

نے تمہیں جن کاموں سے منع کیا ہے میں نے بھی ان سب سے تمہیں منع کر دیا ہے۔“^(۳)

ان احادیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے خیر و بھلائی کا کوئی ایسا کام نہیں چھوڑا جس کا آپ نے

امت کو حکم نہ دیا ہو۔ اور شر اور برائی کا کوئی عمل ایسا نہیں چھوڑا جس سے آپ نے امت کو روک نہ دیا ہو۔ لہذا اس

دین میں کمی بیشی کی کوئی گنجائش باقی نہیں ہے اور دین میں ہر نیا کام اور ہر نیا طریقہ مردود اور ناقابل قبول ہے۔ اسی

لیے رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا:

((مَنْ اَحْدَثَ فِيْ اَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ))

”جس شخص نے ہمارے اس دین میں نیا کام ایجاد کیا جو اس سے نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔“^(۴)

مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: ((مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَّيْسَ عَلَيْهِ اَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ))

”جس شخص نے کوئی ایسا عمل کیا جس پر ہمارا امر نہیں تو وہ مردود ہے۔“

(۱) المائدة 5: 3. (۲) حجة النبی ﷺ للآلکبانی، ص: 103. (۳) المرجع السابق. (۴) صحيح البخاري: 2697، و صحيح

مسلم: 1718.

اور اسی لیے امام مالک رحمہ اللہ فرماتے تھے:

« مَنْ ابْتَدَعَ فِي الْإِسْلَامِ بِدْعَةً يَرَاهَا حَسَنَةً فَقَدْ زَعَمَ أَنَّ مُحَمَّدًا ﷺ خَانَ الرِّسَالَةَ ، اِقْرَؤْا قَوْلَ اللَّهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى ﴿الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَدِينُكُمْ الَّذِي كُنْتُمْ عَلَىٰهِ وَرَاضِينَ﴾ وَلَا يَصْلُحُ آخِرُ هَذِهِ الْأُمَّةِ إِلَّا بِمَا صَلَّحَ بِهِ أَوَّلُهَا ، فَمَا لَمْ يَكُنْ يَوْمَئِذٍ دِينًا لَا يَكُونُ الْيَوْمَ دِينًا »

”جس نے اسلام میں کوئی بدعت ایجاد کی، پھر یہ خیال کیا کہ یہ اچھائی کا کام ہے تو اس نے گویا یہ دعویٰ کیا کہ محمد ﷺ نے رسالت (اللہ کا دین پہنچانے) میں خیانت کی تھی (یعنی پورا دین نہیں پہنچایا تھا)۔ تم اللہ کا یہ فرمان پڑھ لو: (ترجمہ) ”آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی۔ اور اسلام کو بحیثیت دین تمہارے لیے پسند کر لیا“..... پھر امام مالک رحمہ اللہ نے کہا: اس امت کے آخری لوگ بھی اسی چیز کے ساتھ درست ہو سکتے ہیں جس کے ساتھ اس امت کے پہلے لوگ درست ہوئے تھے۔ اور جو عمل اُس وقت دین نہیں تھا وہ آج بھی دین نہیں ہو سکتا۔“

محترم حضرات! دین اسلام کس طرح مکمل دین ہے! آئیے اس کا تفصیلی جائزہ لیتے ہیں۔

اسلام کی اہم تعلیمات

دین اسلام کی تعلیمات کو ہم چار حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ ایک حصہ عقائد سے متعلق ہے جسے ہم ایمانیات بھی کہہ سکتے ہیں۔ دوسرا حصہ اہم عبادات پر مشتمل ہے جیسے نماز، زکاۃ، روزہ اور حج بیت اللہ۔ تیسرا حصہ اخلاقیات اور چوتھا حصہ معاملات سے متعلق ہے۔ ہماری آئندہ گفتگو بھی قدرے تفصیل کے ساتھ انھی چار حصوں کے بارے میں ہوگی۔

آن دین اسلام کی بنیاد اس بات پر ہے کہ معبود حقیقی اکیلا اللہ تعالیٰ ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔ نہ ربوبیت میں اس کا کوئی شریک ہے، نہ الوہیت میں اس کا کوئی شریک ہے اور نہ اس کے اسماء و صفات میں اس کا کوئی شریک ہے۔ وہ اکیلا پوری کائنات کا خالق و مالک، رزاق اور مدبر الامور ہے، اور نظام کائنات کے چلانے میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ وہی اکیلا تمام عبادات کا مستحق ہے۔ دعا ہو، نذر و نیاز ہو، رُوع و سجود ہو، خوف و رجاء ہو، استغاثہ و استعانت ہو، توکل و بھروسہ ہو، محبت و عقیدت ہو، تعظیم ہو..... الغرض یہ کہ ہر عبادت اُس کے لیے خاص ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی طرح وہ اپنے اسماء و صفات میں بھی وحدہ لا شریک ہے اور تمام عیبوں سے پاک ہے۔

دین اسلام میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ غیروں کو شریک بنانا سب سے بڑا گناہ ہے اور جو شخص شرک کرتا ہو اور توبہ کیے

بغیر اسی شرک پر اس کی موت واقع ہو تو اسلام اس کے بارے میں یہ فیصلہ کرتا ہے کہ

﴿إِنَّهُ مَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ﴾

”یقین مانو کہ جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہو تو اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت حرام کر دی ہے اور اس کا ٹھکانا جہنم ہی ہے۔“^(۱)

اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«مَنْ مَاتَ وَهُوَ يَدْعُو مِنْ دُونِ اللَّهِ بَدَا دَخَلَ النَّارَ»

”جس شخص کی موت اس حالت میں آئی کہ وہ اللہ کے علاوہ کسی اور شریک کو پکارتا تھا تو وہ جہنم میں جائے گا۔“^(۲)

معبود برحق (اللہ تعالیٰ) کے بارے میں یہ تو ہے مسلمانوں کا عقیدہ جبکہ نصاریٰ کے ہاں عقیدہ تثلیث پایا جاتا ہے یعنی ان کے نزدیک اللہ تین ہیں: اللہ، عیسیٰ اور روح القدس۔ پھر یہ تینوں مل کر ایک الہ ہی بنتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ إِيَّاهُ ثَلَاثَةٌ ثَلَاثَةً وَمَا مِنْ إِلَهٍ إِلَّا إِلَهُ وَاحِدٌ وَإِنْ لَمْ يَنْتَهُوا عَمَّا يَقُولُونَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾

”وہ لوگ یقیناً کفر کر چکے جنہوں نے یہ کہا کہ اللہ تین کا تیسرا ہے حالانکہ الہ تو بس ایک ہی ہے۔ اور اگر وہ اپنی باتوں سے باز نہ آئے تو ان میں سے جنہوں نے کفر کا ارتکاب کیا انہیں المناک عذاب ہوگا۔“^(۳)

جبکہ بعض نصاریٰ نے کہا کہ مسیح ابن مریم ہی اللہ ہے!

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۖ وَقَالَ الْمَسِيحُ يَبْنِيْ اِسْرَآئِيْلَ اَعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ﴾

”بلاشبہ ان لوگوں نے کفر کیا جنہوں نے یہ کہا کہ مسیح ابن مریم ہی اللہ ہے حالانکہ مسیح نے تو یہ کہا تھا کہ اے بنو اسرائیل! تم اللہ کی ہی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے۔“^(۴)

(۲) اللہ رب العزت کے بارے میں مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ نہ اللہ تعالیٰ کی اولاد ہے اور نہ اس کے ماں باپ ہیں۔ سورۃ الاخلاص میں اللہ تعالیٰ نے اسی چیز کو بیان کیا ہے۔

جبکہ نصاریٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو اور یہود نے عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا قرار دیا۔

﴿وَقَالَتِ الْيَهُودُ عِزَّىٰرُ بْنُ اللَّهِ ۖ وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ ۖ ذَلِكَ قَوْلُهُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ يُضَاهَوْنَ قَوْلَ

الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَبْلُ قَتَلْتَهُمْ إِنَّهُ أَنْتَ يُؤْفِكُونَ ﴿١﴾

”اور یہودیوں نے کہا کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور نصاریٰ نے کہا کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔ یہ تو ان کے منہ کی باتیں ہیں۔ وہ ان کافروں کے قول کی تشبیہ کر رہے ہیں جو ان سے پہلے تھے۔ اللہ انھیں غارت کرے یہ کہاں پہلے جا رہے ہیں۔!“^(۱)

بلکہ یہود و نصاریٰ نے خود اپنے آپ کو بھی اللہ کے بیٹے اور چہیتے قرار دیا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَىٰ نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاؤُهُ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوبِكُمْ بَلْ أَنْتُمْ بَشَرٌ مِمَّنْ خَلَقَ﴾

”یہود و نصاریٰ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے چہیتے ہیں۔ آپ کہئے کہ (اگر ایسی بات ہے تو) پھر وہ تمہیں تمہارے گناہوں کی سزا کیوں دیتا ہے؟ بلکہ تم ویسے ہی انسان ہو جیسے دوسری خلقت۔“^(۲)

اور مشرکین نے فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی اولاد قرار دیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَنُ وَلَدًا سُبْحَانَ اللَّهِ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُونَ ﴿٣﴾﴾

”مشرکین کہتے ہیں کہ رحمن کی اولاد ہے! وہ اس سے پاک ہے۔ وہ (فرشتے) تو اس کے مكرم بندے ہیں۔“^(۳)

(۳) مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام نقائص و عیوب سے پاک ہے۔ جبکہ یہود اللہ تعالیٰ کے عیوب بیان کرتے ہیں۔ مثلاً ان کا کہنا ہے کہ

﴿وَقَالَتِ الْيَهُودُ يَدُ اللَّهِ مَغْلُولَةٌ غُلَّتْ أَيْدِيهِمْ وَلُعِنُوا بِمَا قَالُوا بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ يُنْفِقْنَ كَيْفَ يَشَاءُ﴾

”اور یہود کہتے ہیں کہ اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا (بخیل) ہے! بندھے ہوئے تو انھی کے ہاتھ ہیں۔ یہ کہنے کی وجہ سے ان پر پھٹکار پڑ گئی۔ بلکہ اللہ کے ہاتھ کھلے ہیں، وہ جیسے چاہتا ہے خرچ کرتا ہے۔“^(۴)

(۴) دین اسلام میں یہ بات لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے ساتھ ساتھ اس کے فرشتوں، اس کے تمام رسولوں، اس کی تمام کتابوں، روزِ آخرت اور اچھی اور بری تقدیر پر ایمان لایا جائے۔ یہ ایمان کے ارکان ہیں جن کے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوتا۔

(۵) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول حضرت محمد ﷺ پر ایمان لانے میں یہ بھی شامل ہے کہ ان کی اطاعت و فرمانبرداری کی

(۱) التوبة: 30، المائدة: 18، (۲) الانبياء: 26، (۳) المائدة: 64، (۴)

جائے اور ان کی نافرمانی سے اجتناب کیا جائے۔ نیز ہر عبادت اللہ کی رضا کے لیے ہو اور حضرت محمد ﷺ کے طریقے کے مطابق ہو کیونکہ جو عبادت اللہ کی رضا کے لیے انجام نہ دی جائے اس کی اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی حیثیت نہیں، اسی طرح جو عبادت رسول اکرم ﷺ کے طریقے کے مطابق نہ ہو وہ بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناقابل قبول ہے۔ یہ دین اسلام میں عبادت کی قبولیت کے لیے ایک بنیادی اصول ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ ۝﴾

”اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کا کہا مانو اور اپنے اعمال کو غارت نہ کرو۔“

(6) اللہ کی آخری کتاب قرآن مجید پر ایمان لانے سے مراد یہ ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کا برحق کلام مانا جائے۔ اسے پڑھا جائے، اس میں غور و فکر کر کے اس کو سمجھنے کی کوشش کی جائے اور اسے اپنا دستور حیات بنا کر اس پر عمل کیا جائے۔ یہ دین اسلام کے بنیادی اصولوں میں سے ایک اصول بھی ہے اور یہ اس دین کی بہت بڑی خصوصیت بھی ہے کہ اس کا جو اصل ماخذ منبع ہے (یعنی قرآن مجید) وہ ہر قسم کی تحریف سے پاک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا ذمہ لے رکھا ہے اور جب تک یہ محفوظ رہے گا دین اسلام بھی محفوظ رہے گا۔

(7) دین اسلام مسلمان کو اس بات کی تعلیم دیتا ہے کہ دنیا میں اس کی زندگی عارضی ہے، اسے یقینی طور پر موت کا ذائقہ چکھنا ہے اور مرنے کے بعد اسے قیامت تک یا جنت کی نعمتوں میں یا عذاب قبر میں رہنا ہے اور پھر قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونا ہے۔ یہ دین اسلام کی بہت بڑی خصوصیت ہے کہ وہ مسلمان کو دنیا کی رنگینیوں سے دل لگانے سے منع کرتا اور آخرت کے لیے عمل کرنے کی ترغیب داتا ہے۔

(8) دین اسلام مسلمان کو یہ بھی بتاتا ہے کہ اچھی اور بری (ہر قسم کی) تقدیر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ یعنی جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اور جو نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتا۔ اور جو کچھ ہو چکا ہے، نیز جو کچھ ہونے والا ہے اور جو نہیں ہوا اگر ہوتا تو کیسے ہوتا؟ سب کچھ اسے معلوم ہے۔ اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ جسے چاہتا ہے ہدایت سے نوازتا ہے اور جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے۔ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی مشیت کے مطابق ہی واقع ہوتی ہے۔

دین اسلام مسلمان کو تعلیم دیتا ہے کہ وہ اللہ کی تقدیر پر راضی ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ہر فیصلہ ہر قسم کی بھلائی، عدل اور حکمت سے پُر ہے۔ جو شخص اس پر مطمئن ہو جاتا ہے وہ حیرت، تردد اور پریشانی سے محفوظ ہو جاتا ہے اور اس کی زندگی میں بے قراری اور اضطراب کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ اور پھر وہ کسی چیز کے چھن جانے سے غمزدہ نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ اپنے مستقبل کے بارے میں خوفزدہ رہتا ہے۔ بلکہ وہ لوگوں میں سب سے زیادہ سعادت مند، خوشگوار اور آسودہ حال ہوتا

ہے۔ اور جس شخص کو اس بات پر یقین کامل ہو کہ اس کی زندگی محدود ہے اور اس کا رزق متعین اور محدود ہے تو وہ سمجھ جاتا ہے کہ بزدلی اس کی عمر میں اور بخیلی اس کے رزق میں کبھی اضافے کا باعث نہ بنے گی۔ ہر چیز لکھی ہوئی ہے۔

مسلمان پر لازم ہے کہ وہ تقدیر میں لکھی ہوئی چیز پر جزع و فزع کا اظہار نہ کرے بلکہ صبر کا مظاہرہ کرے۔ اور وہ اس بات پر یقین کر لے کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے جس پر اسے ہر حال میں راضی ہی رہنا اور اسے تسلیم کرنا ہے۔ اور اسے اس بات پر بھی یقین ہونا چاہیے کہ جو چیز اس کے مقدر میں لکھی جا چکی ہے وہ اس سے چوکنے والی نہیں، بلکہ اسے مل کر رہے گی۔ اور جو چیز اللہ تعالیٰ نے اس کے مقدر میں نہیں لکھی وہ اسے ملنے والی نہیں، چاہے وہ جتنی محنت کر لے اور چاہے وہ جتنے جتن کر لے۔

تقدیر پر ایمان لانا دین اسلام کا وہ بنیادی اصول ہے کہ اگر صحیح معنوں میں اس پر یقین آجائے تو انسان بہت ساری ذہنی پریشانیوں سے نجات حاصل کر لیتا ہے اور یہ وہ چیز ہے جو صرف دین اسلام کے پیروکار (سچے مسلمان) کو ہی نصیب ہو سکتی ہے کسی اور کو نہیں۔

﴿دین اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے۔﴾

پہلی بنیاد: دل کی گہرائیوں سے اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور حضرت محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔

دوسری بنیاد: دن اور رات میں پانچ نمازیں پابندی کے ساتھ ادا کرنا۔

نماز دین کا ستون ہے جو ہر مکلف پر فرض ہے اور اسے ہر حال میں ادا کرنا ضروری ہے۔ نماز اسلام کا سب سے اہم فریضہ ہے اور قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے نمازوں کو پابندی سے پڑھنے کا بار بار حکم دیا ہے۔ دین اسلام کی بنیادوں میں 'نماز' وہ عمل ہے کہ جس کے بارے میں قیامت کے روز سب سے پہلے پوچھ گچھ کی جائے گی۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: «أَوَّلُ مَا يُحَاسَبُ بِهِ الْعَبْدُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ الصَّلَاةُ، فَإِنْ صَلَحَتْ صَلَحَ سَائِرُ عَمَلِهِ، وَإِنْ فَسَدَتْ فَسَدَ سَائِرُ عَمَلِهِ»

”قیامت کے روز بندے سے سب سے پہلے نماز کا حرب لیا جائے گا، اگر نماز درست نکلی تو باقی تمام اعمال بھی درست نکلیں گے۔ اور اگر نماز فاسد نکلی تو باقی تمام اعمال بھی فاسد نکلیں گے۔“

دوسری روایت میں فرمایا: «يُنْظَرُ فِي صَلَاتِهِ . فَإِنْ صَلَحَتْ فَقَدْ أَفْلَحَ . وَإِنْ فَسَدَتْ فَقَدْ خَابَ

وَخَسِرَ»

”اس کی نماز میں دیکھا جائے گا، اگر وہ ٹھیک ہوئی تو وہ کامیاب ہو جائے گا۔ اور اگر وہ درست نہ ہوئی تو وہ

ذلیل و خوار اور خسارے والا ہوگا۔“^(۱)

مسلمان کو نہ صرف خود نماز قائم کرنی چاہیے بلکہ اپنے اہل و عیال کو بھی نماز پڑھنے کا حکم دینا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا تَسْأَلْكَ رِزْقًا نَحْنُ نَرْزُقُكَ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوَىٰ﴾

”اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دیجئے اور خود بھی اس پر ڈٹ جائیے۔ ہم آپ سے رزق نہیں مانگتے، وہ تو ہم خود آپ کو دیتے ہیں۔ اور انجام (اہل) تقویٰ ہی کے لیے ہے۔“^(۲)

اور رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: «مُرُوا أَوْلَادَكُمْ بِالصَّلَاةِ وَهُمْ أُنْشَاءُ سَبْعَ سِنِينَ ، وَاصْرِفْهُمْ عَلَيْهَا وَهُمْ أَبْنَاءُ عَشْرِ سِنِينَ»

”تمہارے بچے جب سات سال کے ہو جائیں تو انہیں نماز پڑھنے کا حکم دو اور جب دس سال کے ہو جائیں (اور نماز نہ پڑھیں) تو انہیں اس پر سزا دو۔“^(۳)

دین اسلام کی یہ بہت بڑی خصوصیت ہے کہ مسلمان اپنے دن کا آغاز بھی اللہ تعالیٰ کے سامنے سر بسجود ہو کر کرتا ہے اور دن کا اختتام بھی اس کے سامنے جھک کر اور اس سے دعا مانگ کر کرتا ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ انسان ہر وقت اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے۔ اس کے سوا اس کے لیے اور کوئی چارہ کار نہیں ہے۔ اسی لیے وہ اپنی محتاجی اور عاجزی و انکساری کا اظہار دن اور رات میں پانچ مرتبہ اس کے سامنے جھک کر کرتا ہے۔

اسی طرح نماز کے حوالے سے اسلام کی ایک اور خصوصیت یہ بھی ہے کہ نماز کے لیے چوبیس گھنٹوں میں پانچ مرتبہ مساجد سے اذان کہی جاتی ہے اور اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی توحید کا اعلان اور رسول اکرم ﷺ کی رسالت کا اقرار کرتے ہوئے مسلمانوں کو اللہ کے گھروں میں جمع ہونے کی دعوت دی جاتی ہے۔ چنانچہ وہ باجماعت نمازیں ادا کر کے اپنے دلوں کو سکون اور آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچاتے ہیں۔ یہ وہ عظیم ترین عبادت ہے جو بندوں کو اللہ تعالیٰ سے جوڑتی ہے اور ان کے دلوں میں اس کی محبت کو اجاگر کرتی ہے۔ یقیناً اس طرح کی عبادت کا وجود کسی اور دین میں نہیں ہے۔

تیسری بنیاد: زکاۃ ادا کرنا۔ یعنی مسلمانوں میں جو مالدار لوگ ہوں وہ اپنے اموال کی ایک خاص مقدار اپنے ان بھائیوں اور بہنوں کو دیں جو غریب اور محتاج ہوں۔ یہ بھی دین اسلام کی ایک بہت بڑی خصوصیت ہے کہ مال و دولت کا ارتکاز اس کے ماننے والوں میں سے ایک خاص طبقہ میں ہی نہیں ہوتا، بلکہ اسلامی معاشرہ میں بسنے والے وہ محتاج

(۱) رواہ الطبرانی فی الأوسط۔ السلسلة الصحيحة: 1358. طہ 20: 132. مسند أحمد، وسنن أبي داود، وصحيح الجامع للألبانی: 5868.

اور ضرورت مند افراد بھی جن کے پاس مال و دولت کی اس قدر کمی ہوتی ہے کہ وہ اپنی بنیادی ضروریات کے حصول پر بھی قادر نہیں ہوتے، وہ اس مال سے مستفید ہوتے اور اپنی ضرورتوں کو پورا کرنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔

اسلام کا نظام زکاۃ اگر پورے اخلاص اور مکمل دیانتداری کے ساتھ نافذ کیا جائے تو

✽ اس سے غربت کا خاتمہ ہوتا ہے۔

✽ مختلف طبقوں میں مالیاتی توازن قائم ہوتا ہے۔

✽ غریب لوگ احساس کمتری کا شکار ہونے اور اپنی ضرورتوں کی خاطر مختلف معاشرتی جرائم کا ارتکاب کرنے سے بچ جاتے ہیں۔

✽ معاشی ظلم کا سد باب ہوتا ہے۔

✽ مالداروں اور فقیروں کے درمیان محبت پیدا ہوتی ہے۔

✽ اخلاقی جرائم کا خاتمہ ہوتا ہے اور معاشرہ امن و امان کا گہوارہ بن جاتا ہے۔

✽ مال پاک ہوتا ہے اور زکاۃ دینے والوں کے گناہ معاف ہوتے ہیں۔

چوتھی بنیاد: رمضان المبارک کے روزے۔ دین اسلام کی ایک بہت بڑی خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں مسلمان کو سال بھر کے بارہ مہینوں میں سے ایک مہینہ کے روزے رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس میں یقیناً کئی حکمتیں اور متعدد فوائد و ثمرات پنہاں ہیں۔

✽ اللہ تعالیٰ نے روزے اس لیے فرض کیے کہ ان کے ذریعے مسلمان متقی اور پرہیزگار بن جائیں، گناہوں اور نافرمانیوں سے اپنے دامن کو بچانے کی تربیت حاصل کریں، نہ صرف پیٹ کا روزہ رکھیں بلکہ اپنے پورے اعضائے جسم کا برائیوں سے روزہ رکھیں۔

✽ اس طرح انھیں روزے کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا تقرب نصیب ہوتا ہے اور وہ اس کی خوشنودی حاصل کر کے اپنی گردنوں کو جہنم کی آگ سے آزاد کرانے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

✽ روزے رکھنے سے مسلمان کے گناہ معاف ہوتے ہیں۔

✽ اس کے علاوہ روزہ رکھنے سے اس کی جسمانی صحت بھی بہتر سے بہتر ہوتی ہے کیونکہ روزے کے دوران معدہ خالی رہتا ہے، روزہ دار بھوک محسوس کرتا ہے تو اس سے وہ کئی بیماریوں سے شفا یاب ہو جاتا ہے۔

پانچویں بنیاد: حج بیت اللہ۔ مسلمان پر فرض ہے کہ اگر وہ صاحب استطاعت ہو تو زندگی میں کم از کم ایک مرتبہ وہ حج بیت اللہ کی سعادت ضرور حاصل کرے۔ یقیناً اس میں بھی کئی حکمتیں ہیں۔

- ✽ سفر حج، جس میں حاجی اپنے تمام اہل و عیال کو الوداع کہہ کر میقات سے احرام کی دو چادریں پہنتا اور پھر مکہ مکرمہ کی صرف روانہ ہوتا ہے، یہ مبارک سفر اسے سفر آخرت کی یاد دلاتا ہے کہ اُس کے لیے بھی انسان کو اپنے تمام اہل و عیال اور دوست احباب کو چھوڑ کر اور سفید چادروں میں ملبوس ہو کر جانا ہوتا ہے۔
- ✽ حج بیت اللہ مسلمان کے گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے اور اس کی جزاء اللہ تعالیٰ کے ہاں جنت ہی ہے۔
- ✽ حج کے دوران دنیا بھر کے لاکھوں حجاج کرام ایک ہی جگہ پر، ایک ہی لباس میں ملبوس، ایک ہی تلبیہ پڑھتے، ایک ہی بیت اللہ کا طواف کرتے اور مقدس مقامات پر مناسک حج کی ادائیگی کرتے ہیں جس سے وحدت امت کا تصور ابھر کر سامنے آتا ہے۔
- ✽ اس کے علاوہ مسلمانانِ عالم ایک ہی مقام پر اکٹھے ہو کر اخوت و بھائی چارے کا مظاہرہ کرتے ہیں جو کہ دین اسلام کی ایک اہم خصوصیت ہے۔
- اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں سچا مسلمان بنائے اور اسلام پر ہی ہمیں ثابت قدم رکھے۔

دوسرا خطبہ

محترم حضرات! آپ نے دین اسلام کی تعلیمات کے دو اہم حصوں (ایمانیات و عبادات) پر ہماری گزارشات سن لیں۔ اب اس کے مزید دو حصوں پر بھی ہماری کچھ گزارشات سماعت کر لیں۔

(10) دین اسلام دلوں کی اصلاح کا حکم دیتا ہے کیونکہ جب دل کی اصلاح ہو جائے تو باقی اعضاء کی اصلاح خود بخود ہو جاتی ہے۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

«أَلَا وَإِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضَغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ لَهَا سَائِرُ الْجَسَدِ ، وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ ، أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ»

”خبردار! جسم میں ایک گوشت کا لوتھڑا ایسا ہے کہ جب وہ ٹھیک ہو جائے تو سارا جسم ٹھیک ہو جاتا ہے۔ اور جب خراب ہو جائے تو سارا جسم خراب ہو جاتا ہے اور وہ ہے دل۔“ (1)

(11) دین اسلام مسلمان کو اس بات کا حکم دیتا ہے کہ وہ اپنے دل کو حسد، بغض، کینہ اور نفرت جیسی امراض سے پاک رکھے۔ اور اپنے دل میں تمام مسلمانوں کے لیے خیر خواہی، محبت و پیار اور ہمدردی کے جذبات پیدا کرے۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: «لَا تَحَاسَدُوا وَلَا تَبَاغَضُوا ، وَلَا تَحْسَبُوا وَلَا تَنَاجَشُوا ، كُونُوا عِبَادَ اللَّهِ إِخْوَانًا»

(1) صحیح البخاری: 52، و صحیح مسلم: 1599۔

”تم ایک دوسرے سے بغض رکھو اور نہ باہم حسد کرو۔ نہ جاسوسی کیا کرو اور نہ ہی چوری چھپے کسی کی گفتگو سنا کرو۔ اور کسی چیز کی قیمت بڑھانے کے لیے بولی مت لگایا کرو۔ اور تم سب اللہ کے بندے اور بھائی بھائی بن کر رہو۔“⁽¹⁾

(12) دین اسلام تمام مسلمانوں کو ایک دوسرے کا بھائی قرار دیتا ہے۔ کسی مسلمان کو دوسرے مسلمان پر ظلم کرنے سے منع کرتا ہے۔ اور اپنے بھائی کی ضرورتوں کو پورا کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: «الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يُسْلِمُهُ ، وَمَنْ كَانَ فِي حَاجَةِ أَخِيهِ كَانَ اللَّهُ فِي حَاجَتِهِ»

”مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، (چنانچہ) وہ نہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ ہی اسے ظالموں کے سپرد کرتا ہے۔ اور جو شخص اپنے بھائی کی ضرورت کو پورا کرنے میں لگا رہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حاجت کو پورا کرتا رہتا ہے۔“⁽²⁾

دین اسلام ہر مسلمان کے خون، مال اور اس کی عزت کو حرمت والا قرار دیتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ . لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يَخْذُلُهُ وَلَا يَحْقِرُهُ، الثَّقَوِي هَهُنَا ، وَيُشِيرُ إِلَى صَدْرِهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ . بِحَسْبِ امْرِئٍ مِنَ الشَّرِّ أَنْ يَحْقِرَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ . كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ : دَمُهُ وَمَالُهُ وَعِزُّهُ»

”مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، وہ نہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اسے رسوا کرتا ہے اور نہ اسے حقیر سمجھتا ہے۔ اور آپ ﷺ نے اپنے سینے کی طرف تین بار اشارہ کر کے فرمایا کہ تقویٰ یہاں ہے۔ پھر فرمایا: آدمی کی برائی کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے۔ ہر مسلمان کا خون، مال اور اس کی عزت دوسرے مسلمان پر حرام ہے۔“⁽³⁾

(13) دین اسلام تمام مسلمانوں کو نیکی اور تقویٰ کی بنیاد پر ایک دوسرے سے تعاون کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اور گناہ اور زیادتی میں ایک دوسرے کا تعاون کرنے سے منع کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾

”تم نیکی اور تقویٰ کی بنیاد پر ایک دوسرے سے تعاون کرو اور گناہ اور زیادتی پر ایک دوسرے تعاون نہ کرو۔“⁽⁴⁾

(1) صحیح مسلم: 2563، (2) صحیح البخاری: 2442، و صحیح مسلم: 2580، (3) صحیح مسلم: 2564،

اور نبی کریم ﷺ نے تمام مومنوں کو ایک دیوار کی مانند قرار دیا ہے جس کا ایک حصہ دوسرے حصہ کو تقویت پہنچاتا ہے: ﴿الْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْأُنْيَانِ ، يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا﴾

”ایک مومن دوسرے مومن کے لیے دیوار کی مانند ہے جس کی ایک اینٹ دوسری اینٹ کو مضبوط بناتی ہے۔“⁽¹⁾

(14) دین اسلام تمام مسلمانوں کو ایک ہی امت قرار دیتا ہے۔

اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

﴿وَإِنَّ هَذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُونِ﴾

”اور یہ تمہاری امت ایک ہی امت ہے اور میں تمہارا رب ہوں۔ لہذا مجھ سے ڈرو۔“⁽²⁾

اس لیے گروہوں اور فرقوں میں مسلمانوں کا تقسیم ہونا درست نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا﴾

”تم سب اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور فرقوں میں مت بٹو۔“⁽³⁾

(15) دین اسلام کا ایک اہم حصہ حقوق سے متعلق ہے جن کی ادائیگی کا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے حکم دیا ہے۔

مثلاً والدین کے حقوق ، اولاد کے حقوق ، رشتہ داروں کے حقوق ، میاں بیوی کے حقوق ، عام مسلمانوں کے حقوق وغیرہ۔ لہذا ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ ان تمام حقوق کو ادا کرے اور کسی کی حق تلفی نہ کرے۔

(16) اسلام تمام معاملات میں عدل و انصاف کرنے کا حق دیتا ہے اور ظلم و زیادتی سے منع کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوِّمِينَ بِالْقِسْطِ﴾

”اے ایمان والو! تم انصاف پر سختی سے قائم رہو۔“⁽⁴⁾

(17) اسلام رزق کے حصول کے لیے جدوجہد کرنے کا حکم دیتا ہے اور رہبانیت سے منع کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ ذَلُولًا فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا وَكُلُوا مِنْ رِزْقِهِ ۚ وَإِلَيْهِ

النُّشُورُ﴾

”وہی تو ہے جس نے زمین کو تمہارے تابع کر رکھا ہے۔ لہذا تم اس کے اطراف میں چلو پھرو اور اللہ کا رزق

کھاؤ۔ اور اسی کی طرف تمہیں زندہ ہو کر جانا ہے۔“⁽⁵⁾

(1) صحیح البخاری: 481، و صحیح مسلم: 2585، (2) المؤمنون 52:23، (3) آل عمران: 103:3، (4) النساء 4:135،

(5) الملک 15:67

اور رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَا أَكَلَ أَحَدٌ طَعَامًا قَطُّ خَيْرًا مِنْ أَنْ يَأْكُلَ مِنْ عَمَلٍ يَدِهِ . وَإِنَّ نَبِيَّ اللَّهِ دَاوُدَ كَانَ يَأْكُلُ مِنْ عَمَلٍ يَدِهِ))

”کسی شخص نے کبھی اُس کھانے سے بہتر کوئی کھانا نہیں کھایا جو وہ اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھاتا ہو۔ اور اللہ کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام (باوجود بادشاہ ہونے کے) اپنے ہاتھ کی کمائی سے ہی کھایا کرتے تھے۔“^①

⑱ اسلام حلال کمانے کا حکم دیتا اور ہر ناجائز طریقے سے مال کھانے سے روکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ﴾

”اے ایمان والو! اپنے آپس کے مال ناجائز طریقے سے مت کھاؤ، ہاں تمہاری آپس کی رضامندی سے خرید و فروخت ہو (تو ٹھیک ہے)۔“^②

اس آیت کریمہ میں ﴿بِالْبَاطِلِ﴾ یعنی ناجائز طریقے سے مال کھانے سے منع کیا گیا ہے۔ اور اس میں ہر ناجائز اور ناحق طریقہ شامل ہے مثلاً چوری کرنا، کسی کا مال غصب کرنا، خرید و فروخت میں دھوکہ اور فریب کرنا، ڈاکہ زنی کرنا، سودی لین دین کرنا، امانت میں خیانت کرنا، جوے بازی کرنا اور حرام چیزوں کی تجارت کرنا وغیرہ۔

⑲ اسلام جہاں مال کمانے کے اصول متعین کرتا ہے وہاں اسے خرچ کرنے کے قواعد و ضوابط سے بھی آگاہ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَّحْسُورًا﴾

”اور نہ تو آپ اپنا ہاتھ گردن سے باندھ کر رکھیں اور نہ ہی اسے پوری طرح کھلا چھوڑ دیں، ورنہ خود ملامت زدہ اور درماندہ بن جائیں گے۔“^③

یعنی نہ تو سنجوسی کریں اور نہ ہی فضول خرچی کریں بلکہ میانہ روی اختیار کریں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ عباد الرحمن کی ایک صفت یوں بیان کرتے ہیں:

﴿وَالَّذِينَ إِذَا أَنْفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَلِكَ قَوَامًا﴾

”اور وہ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ ہی بخل کرتے ہیں۔ بلکہ ان کا خرچ ان دونوں کے درمیان اعتدال پر ہوتا ہے۔“^④

① صحیح البخاری، البيوع باب كسب الرجل وعمله بيده: 2072. ② النساء: 29. ③ الإسراء: 29. ④ الفرقان

اور اسلام فضول خرچی کرنے والوں، خاص طور پر ناجائز کاموں پر پیسہ خرچ کرنے والے لوگوں کو شیطان کے بھائی قرار دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَلَا تَبْذُرُوا ثُبُورًا ۖ إِنَّ الْبُذْرَيْنِ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيْطَانِ﴾⁽¹⁾ ”اور اسراف اور بے جا اسراف سے بچو۔ بے جا خرچ کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں۔“⁽²⁾

(20) اسلام طرزِ حکمرانی کی تعلیم بھی دیتا ہے۔ چنانچہ مسلم حکمرانوں پر لازم ہے کہ وہ عدل و انصاف کریں اور رعایا پر ظلم کرنے سے پرہیز کریں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا ۖ وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ﴾⁽³⁾ ”اللہ تعالیٰ تمہیں یقیناً یہ حکم دیتا ہے کہ جو لوگ امانتوں کے حقدار ہیں انہیں وہ ادا کر دو اور جب لوگوں میں فیصلہ کرنے لگو تو انصاف سے فیصلہ کرو۔“⁽⁴⁾

(21) دین اسلام اسلامی معاشرے میں ان افراد کو کڑی سزائیں دینے کا حکم دیتا ہے جو اس کا امن خراب کرتے، اس میں فساد پھیلاتے اور لوگوں کے جان و مال اور ان کی عزتوں سے کھیلتے ہوں۔ چنانچہ اسلام میں چور کی سزا یہ ہے کہ اس کے ہاتھ کاٹ دیے جائیں۔ شادی شدہ زانی کی سزا یہ ہے کہ اسے پتھر مار مار کر ختم کر دیا جائے اور غیر شادی شدہ زانی کی سزا یہ ہے کہ اسے سو کوڑے مارے جائیں۔ قاتل کی سزا یہ ہے کہ اسے بدلے میں قتل کر دیا جائے۔ اسی طرح باقی اسلامی سزائیں ہیں جو مسلم معاشرے میں قیام امن کی ضمانت دیتی ہیں۔

محترم حضرات! ہم نے قرآن و حدیث کی روشنی میں دین اسلام کا ایک مختصر سا خاکہ پیش کیا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ ہر مسلمان پر یہ بات لازم ہے کہ وہ اس سچے دین کو دل کی گہرائیوں سے قبول کر کے اس میں پورے کا پورا داخل ہو جائے اور پورے دین کو عملی جامہ پہنائے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً ۖ وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ۚ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ﴾⁽⁵⁾ ”اے ایمان والو! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کی اتباع نہ کرو کیونکہ وہ تمہارا واضح دشمن ہے۔“⁽⁶⁾

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو اسلام کی تمام تعلیمات پر عمل کرنے اور آخری دم تک اسلام پر ثابت رہنے کی توفیق دے۔

اسلام دینِ رحمت ہے ❶

اہم عناصر خطبہ

- ❶ اسلام دینِ رحمت کیوں ہے؟
- ❷ اللہ تعالیٰ ارحم الراحمین ہے
- ❸ رحمتِ باری تعالیٰ کا مستحق کون ہے؟
- ❹ دینِ اسلام میں رحمتِ باری تعالیٰ کی مختلف شکلیں

پہلا خطبہ

محترم حضرات! ’اسلام‘ دینِ برحق ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہی دین ہی قابلِ قبول ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ﴾

”بے شک دین (برحق) اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔“ ❶

اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین ’اسلام‘ ہی ہے۔ اس لیے جو شخص اسلام کے علاوہ کسی اور دین کا پیروکار ہوگا اس کا وہ دین اللہ تعالیٰ کے ہاں قابلِ قبول نہیں ہوگا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَسِرِينَ ۝﴾

”اور جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کو اختیار کرے گا تو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ

آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔“ ❷

لیکن نہایت افسوس کی بات ہے کہ کچھ عرصہ سے بعض لوگ شد و مد سے یہ پروپیگنڈا کر رہے ہیں کہ ’اسلام‘ وہ دین ہے جو انتہا پسندی، تشدد اور دہشت گردی کی تعلیم دیتا ہے اور اپنے پیروکاروں کو دہشت گرد بناتا ہے۔ اسی لیے وہ مسلمانوں کو دہشت گرد تصور کرتے ہیں اور ان پر طرح طرح کی پابندیاں عائد کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ محض ایک جھوٹ

اور اسلام پر بہت بڑا بہتان ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اسلام دین رحمت ہے۔ اور یہ وہ دین ہے جو پورے عالم کو امن و سلامتی کا پیغام دیتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ جس نے یہ دین عطا کیا ہے، وہ 'ارحم الراحمین' ہے اور جس کے ذریعے عطا کیا ہے وہ 'رحمۃ للعالمین' ہیں۔ آج کے خطبہ جمعہ اور آئندہ خطبہ جمعہ میں ہم یہ ثابت کریں گے (ان شاء اللہ) کہ اسلام کے خلاف لگایا جانے والا یہ الزام بالکل بے جا اور غلط ہے۔ اور "اسلام" پورے کا پورا دین رحمت ہے۔

❁ اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ پر رحمت کو لکھ دیا ہے

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ہمیں آگاہ کیا ہے کہ اس نے اپنے اوپر رحمت کو لازم کر دیا ہے۔
اس کا فرمان ہے: ﴿وَإِذَا جَاءَكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِنَا فَقُلْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلَى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ أَنَّهُ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوءًا إِبْهَامًا لَوْ ثُمَّ تَابَ مِنْ بَعْدِهِ وَاصْلَحَ فَإِنَّهُ عَفُورٌ رَحِيمٌ ٥٠﴾
”اور جب آپ کے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں تو آپ کہئے: تم پر سلامتی ہو۔ تمہارے رب نے اپنے اوپر رحمت کو لازم کر لیا ہے۔ اگر تم میں سے کوئی شخص لاعلمی سے کوئی برا کام کر بیٹھے، پھر اس کے بعد توبہ کرے اور اپنی اصلاح کر لے تو یقیناً وہ معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔“ ①

❁ 'رحمت' اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے

اس کا فرمان ہے: ﴿وَرَبُّكَ الْغَفُورُ ذُو الرَّحْمَةِ ۖ لَوْ يُؤَاخِذُكُم بِمَا كَسَبْتُمْ سَوَّاهُ الْعَذَابَ ۚ﴾
”اور آپ کا رب بہت بخشنے والا اور 'رحمت' والا ہے، ورنہ جو کچھ یہ لوگ کر رہے ہیں اگر ان پر مواخذہ کرتا تو جلد ہی ان پر عذاب لے آتا۔“ ②
اس آیت کریمہ میں رحمت کا لفظ (أَل) کے ساتھ آیا ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ پوری کی پوری رحمت کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اور اس کے خزانے سوائے اس کے کسی کے پاس نہیں۔
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿أَمْ عِنْدَهُمْ خَزَائِنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ الْعَزِيزِ الْوَهَّابِ ٥١﴾
”یا ان کے پاس آپ کے رب کی رحمت کے خزانے ہیں جو ہر چیز پر غالب اور بہت عطا کرنے والا ہے۔“ ③
اور چونکہ وہ رحمت کا مالک ہے اسی لیے وہ جس کو چاہے اپنی رحمت کے ساتھ خاص کرے۔ اور جس پر چاہے رحم کرے اور جس کو چاہے عذاب میں مبتلا کرے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَاللَّهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ٥٢﴾

”اور اللہ تو جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ خاص کر لیتا ہے اور اللہ بہت بڑے فضل والا ہے۔“ ①

اسی طرح اس کا فرمان ہے: ﴿يُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ وَيَرْحَمُ مَنْ يَشَاءُ﴾

”وہ جسے چاہتا ہے عذاب دیتا ہے اور جس پر چاہے رحمت کرتا ہے۔“ ②

اللہ تعالیٰ جس شخص کو اپنی رحمت سے نوازنا چاہے تو اسے کوئی محروم نہیں کر سکتا اور جسے وہ اپنی رحمت سے محروم کرنا چاہے تو اسے کوئی رحمت سے ہمکنار نہیں کر سکتا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿مَا يَفْتَحِ اللَّهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا وَمَا يُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهُ مِنْ بَعْدِهِ﴾

”اللہ اگر لوگوں کے لیے اپنی رحمت کا (دروازہ) کھول دے تو اسے کوئی بند کرنے والا نہیں اور جسے وہ بند کر دے تو اس کے بعد اسے کوئی کھولنے والا نہیں۔“ ③

گویا باری تعالیٰ جسے چاہے اپنی رحمت سے نواز دے اور جسے چاہے اس سے محروم کر دے، اس کا پورا اختیار اسی کے پاس ہے اور اس میں اس کا کوئی شریک نہیں۔

❁ اللہ تعالیٰ کے اسمائے گرامی میں سے ’الرحمن‘ اور ’الرحیم‘ بھی ہیں۔ یعنی بہت ہی مہربان اور نہایت ہی

رحم کرنے والا ④

اس کا فرمان ہے: ﴿وَالْهَكْمُ إِلَهُ وَاحِدٌ ۚ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ ۝﴾

”اور تمھارا الہ ایک ہی الہ ہے۔ اس کے سوا کوئی اور الہ نہیں ہے۔ وہ بہت مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔“ ⑤

اسی طرح اس کا فرمان ہے: ﴿هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۚ عَلِيمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ ۝﴾

”وہ اللہ ہی ہے جس کے سوا کوئی الہ نہیں۔ وہ غائب اور حاضر ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ وہ نہایت مہربان اور بہت رحم کرنے والا ہے۔“ ⑥

اللہ تعالیٰ کے یہ دونوں اسمائے گرامی (الرحمن الرحیم) ایک ساتھ قرآن مجید میں سوائے سورۃ التوبۃ کے باقی ہر سورت کے شروع میں (یعنی 113 مرتبہ) ذکر کیے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ مزید پانچ مقامات پر بھی یہ دونوں ایک ساتھ ذکر کیے گئے ہیں۔ جبکہ اسم گرامی ’الرحمن‘ اکیلا 57 مرتبہ اور ’الرحیم‘ اکیلا 95 مرتبہ ذکر کیا گیا ہے۔ اور (رحیم) 20 مرتبہ ذکر کیا گیا ہے۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اللہ رب العزت کس قدر مہربان اور کتنا رحم کرنے والا ہے!

❁ اللہ تعالیٰ ارحم الراحمین ہے اور اس سے بڑا رحم کرنے والا کوئی نہیں ❁

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فَاللَّهُ خَيْرٌ حِفْظًا وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ﴾

”اللہ ہی بہتر محافظ ہے اور وہی سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔“^①

اسی طرح اس کا فرمان ہے: ﴿وَقُلْ رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّاحِمِينَ﴾

”اور آپ اللہ سے دعا کیجئے کہ اے میرے رب! مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما۔ اور تو ہی سب رحم کرنے

والوں سے اچھا رحم کرنے والا ہے۔“^②

اور حدیث شفاعت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: «فَيَقُولُ اللَّهُ: شَفَعَتِ الْمَلَائِكَةُ . وَشَفَعَ

النَّبِيُّونَ ، وَشَفَعَ الْمُؤْمِنُونَ ، وَلَمْ يَبْقَ إِلَّا أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ----»

”اللہ تعالیٰ فرمائے گا: فرشتوں نے بھی سفارش کر لی، انبیاء نے بھی شفاعت کر لی اور مومن بھی سفارش کر کے

فارغ ہو گئے، اب صرف ارحم الراحمین باقی ہے.....“

”پھر اللہ تعالیٰ جہنم سے ایک مٹھی بھرے گا اور ان لوگوں کو جہنم سے نکال لے گا جنہوں نے کبھی خیر کا کام نہ کیا تھا۔

وہ جل کر کوئلے بن چکے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جنت کے سرے پر واقع ایک نہر میں پھینک دے گا جسے نہر الحیاء

کہا جائے گا۔ پھر وہ اس سے ایسے نکلیں گے جیسے ایک دانہ گذر گا وہ آب میں نکلتا ہے..... پھر وہ ایک موتی کی طرح

نکلیں گے۔ ان کی گردنوں پر مہریں لگی ہوگی جن کی وجہ سے انہیں اہل جنت پہچان لیں گے اور کہیں گے: یہ ہیں اللہ

تعالیٰ کے آزاد کردہ جنہیں اس نے کسی نیک عمل اور کسی خیر کے بغیر جنت میں داخل فرمایا ہے.....“^③

اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ کے پاس کچھ قیدی آئے۔ ان میں سے ایک

عورت اپنے بیٹے کی تلاش میں نکلی، تو اسے اس کا بیٹا قیدیوں میں مل گیا، اس نے اسے اٹھایا اور اپنے پیٹ سے چپکا کر

اسے دودھ پلانے لگی۔ تو رسول اکرم ﷺ نے ہم سے کہا:

«أَنْتَرُونَ هَذِهِ الْمَرْأَةَ طَارِحَةً وَلَدَهَا فِي النَّارِ؟»

”کیا تم سمجھتے ہو کہ یہ عورت اپنے اس بیٹے کو آگ میں پھینکے گی؟“

ہم نے کہا: اللہ کی قسم! نہیں، ہم نہیں سمجھتے کہ وہ ایسا کر سکتی ہے۔

تو رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: «لَلَّهِ أَرْحَمُ بِعِبَادِهِ مِنْ هَذِهِ بَوْلِدَهَا»

”جس قدر یہ عورت اپنے بیٹے پر مہربان ہے، اللہ تعالیٰ اس سے کہیں زیادہ اپنے بندوں پر رحم کرنے

① یوسف 64:12، ② المؤمنون 118:23، ③ صحیح البخاری: 7439، صحیح مسلم: 183 واللفظ لہ۔

والا ہے۔“ (۱)

اس حدیث میں «بِعِبَادِهِ» سے مراد اللہ کے مومن بندے ہیں۔ جیسا کہ اسی حدیث کی ایک اور روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں: «وَلَا اللَّهُ بِطَارِحٍ حَبِيبَةٍ فِي النَّارِ» جس طرح یہ عورت اپنے بیٹے کو آگ میں پھینکنے والی نہیں، اسی طرح اللہ بھی اپنے پیارے بندے کو جہنم میں پھینکنے والا نہیں۔“ (۲)

”پیارے بندے“ سے مراد مومن ہی ہو سکتا ہے۔ کافر نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ کافر اللہ تعالیٰ کو محبوب نہیں بلکہ نہایت ہی ناپسندیدہ ہوتا ہے۔ ﴿إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ﴾ (۳)

❁ اللہ کی رحمت بہت وسیع ہے اور ہر چیز کو شامل ہے۔ عاقل کو بھی اور غیر عاقل کو بھی، حیوان کو بھی اور

انسان کو بھی، فرشتوں کو بھی اور جنوں کو بھی

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ﴾ ۱ فَمَا كُتِبَ عَلَيْهَا لِلَّذِينَ يُتَّقُونَ ۚ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَالَّذِينَ هُمْ بِآيَاتِنَا يُؤْمِنُونَ ۝ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ ۖ

”اور میری رحمت ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔ لہذا میں اُن کے لیے رحمت ہی لکھوں گا جو متقی ہیں، زکاۃ دیتے ہیں اور ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں۔ اور اس رسول کی اتباع کرتے ہیں جو نبی اُمی ہے.....“ (۴)

اس آیت کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ویسے تو دنیا میں ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے، لیکن قیامت کے روز اس کی رحمت کے مستحق بس وہ لوگ ہوں گے جو متقی ہوں گے، زکاۃ ادا کریں گے، اللہ کی آیات پر ایمان لائیں گے اور رسول اکرم ﷺ کی اتباع کریں گے۔

اسی طرح اس کا فرمان ہے: ﴿فَإِنْ كَذَّبُوكَ فَقُلْ رَبُّكُمْ ذُو رَحْمَةٍ وَاسِعَةٍ ۖ وَلَا يَرْدُ بِأْسُهُ عَنِ الْقَوْمِ الْهَاجِرِينَ﴾ ۝

”پھر اگر یہ آپ کو جھٹلائیں تو ان سے کہئے کہ تمہارا رب بہت وسیع رحمت والا ہے۔ اور مجرموں سے اس کا عذاب ٹالا نہیں جاسکتا۔“ (۵)

یعنی ان کے جھٹلانے کے باوجود اللہ تعالیٰ کا عذاب ان پر نازل نہیں ہو رہا کیونکہ وہ بہت ہی وسیع رحمت والا ہے۔ البتہ قیامت کے روز ان مجرموں کو اس کا عذاب ضرور ملے گا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿الَّذِينَ يَحْمِلُونَ عُثْرَ وَمَنْ حَوْلَهُ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُونَ بِهِ

① صحیح البخاری: 5999، و صحیح مسلم: 2754. ② رواہ أحمد وغیرہ و صححہ الحاکم وأقرہ الذهبی. ③ الروم

45:30. ④ الأعراف 156:7. ⑤ الأنعام 147:6.

وَيَسْتَعِذُّونَ لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِينَ تَابُوا وَاتَّبَعُوا سَبِيلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ ﴿١٠﴾

”جو (فرشتے) عرش اٹھائے ہوئے ہیں اور جو اس کے گرد ہیں سب اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں اور ایمان والوں کے لیے بخشش کی دعا کرتے ہیں اور (کہتے ہیں) اے ہمارے رب! تو نے اپنی رحمت اور علم سے ہر چیز کا احاطہ کر رکھا ہے۔ لہذا جنہوں نے توبہ کی اور تیری راہ کی اتباع کی انہیں بخش دے اور انہیں جہنم کے عذاب سے بچالے۔“^(۱)

ﷻ اللہ تعالیٰ کن لوگوں پر رحم کرتا ہے؟

ابھی ہم ذکر کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت ان لوگوں کے لیے لکھ دی ہے جو متقی ہوں، زکاۃ دینے والے ہوں، اللہ کی آیات پر ایمان رکھنے والے ہوں اور رسول اکرم ﷺ کی اتباع کرنے والے ہوں۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ ان پر رحم کرتا ہے جو لوگوں پر رحم کرتے ہیں۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی ایک صاحبزادی (حضرت زینب رضی اللہ عنہا) نے آپ کے پاس پیغام بھیجا کہ ان کا ایک بچہ قریب المرگ ہے۔ لہذا آپ ان کے گھر تشریف لائیں۔ آپ نے پیغامبر کو کہا کہ انہیں میری طرف سے سلام کہو اور آگاہ کرو کہ «إِنَّ لِلَّهِ مَا أَخَذَ وَلَهُ مَا أُعْطِيَ، وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِأَجَلٍ مُّسَمًّى، فَلْتَصْبِرْ وَلْتَحْتَسِبْ» ”اللہ تعالیٰ کے لیے ہی ہے جو کچھ اس نے لیا اور جو کچھ اس نے عطا کیا۔ اور ہر ایک کی موت کا وقت متعین ہے۔ لہذا تم صبر کرو اور اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب طلب کرو۔“

حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے پیغامبر کو دوبارہ بھیجا اور آپ کو قسم دے کر ضرور بالضرور آنے کی درخواست کی۔ چنانچہ آپ ﷺ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ، معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، ابی بن کعب رضی اللہ عنہ، زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور چند دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہمراہ اپنی صاحبزادی کے گھر میں پہنچے۔

اُس بچے کو اٹھا کر رسول اللہ ﷺ کی گود میں رکھ دیا گیا، اُس وقت وہ موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا تھا اور اس طرح حرکت کر رہا تھا جیسے ایک پرانے مشکیزے میں حرکت ہوتی ہے۔ بچے کی یہ حالت دیکھ کر آپ ﷺ کی آنکھوں میں آنسو بہہ نکلے۔ تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! یہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

« هَذِهِ رَحْمَةٌ وَضَعَهَا اللَّهُ فِي قُلُوبِ مَنْ شَاءَ مِنْ عِبَادِهِ ، وَلَا يَرْحَمُ اللَّهُ مِنْ عِبَادِهِ

إِلَّا الرَّحْمَاءُ))

”یہ وہ رحمت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے جس کے دل میں چاہا رکھ دیا۔ اور وہ اپنے بندوں میں سے صرف ان لوگوں پر رحم کرتا ہے جو رحم دل ہوتے ہیں۔“^۱

اسی طرح فرمایا: ((الرَّاحِمُونَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمَنُ ، إِرْحَمُوا مَنْ فِي الْأَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ))

”رحم کرنے والوں پر ہی اللہ رحم کرتا ہے۔ تم زمین والوں پر رحم کرو، تم پر وہ رحم کرے گا جو آسمان پر ہے۔“^۲

کن اعمال پر باری تعالیٰ کی رحمت نصیب ہوتی ہے؟

وہ کونسے اعمال ہیں کہ جن کے کرنے پر باری تعالیٰ کی رحمت نصیب ہوتی ہے اور ان لوگوں کے اوصاف کیا ہیں کہ جو اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کے مستحق بنتے ہیں؟ آئیے قرآن مجید سے ان کی بعض انواع و اقسام معلوم کرتے ہیں:

﴿۱﴾ ایمان اور تقویٰ والے

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَآمِنُوا بِرَسُولِهِ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَحْمَتِهِ وَيَجْعَلْ لَكُمْ نُورًا تَمْشُونَ بِهِ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾

”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ، اللہ تمہیں اپنی رحمت سے دو گنا اجر عطا کرے گا اور ایسا نور بخشے گا جس کی روشنی میں تم چلو گے اور تمہیں معاف کر دے گا۔ اور اللہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔“^۳

﴿۲﴾ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرنے والے

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَاطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾

”اور اللہ اور رسول کی اطاعت کرو، تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔“^۴

﴿۳﴾ قرآن مجید کی اتباع کرنے والے

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَهَذَا كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ فَاتَّبِعُوهُ وَاتَّقُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾

”اور یہ کتاب جسے ہم نے اتارا ہے، بابرکت ہے، لہذا اس کی اتباع کرو اور ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔“^۵

① صحیح البخاری: 5655، ② جامع الترمذی: 1924، وصححه الألبانی، ③ الحدید: 28:57، ④ آل عمران: 132.

⑤ الأنعام: 155.

④ اچھے کردار والے

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿إِنَّ رَحْمَتَ اللَّهِ قَرِيبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِينَ﴾
 ”بے شک اللہ کی رحمت اچھے کردار والے لوگوں کے قریب ہے۔“^①

⑤ نماز پڑھنے، زکاۃ دینے اور اطاعتِ رسول ﷺ کرنے والے

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَاطِيعُوا الرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾
 ”اور تم نماز قائم کرو اور زکاۃ دیتے رہو اور رسول کی اطاعت کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔“^②

⑥ عمل صالح کرنے والے

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَيُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِي رَحْمَتِهِ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْبَیِّنُ﴾
 ”رہے وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے تو اللہ انھیں اپنی رحمت میں داخل کرے گا۔ یہی واضح کامیابی ہے۔“^③

⑦ استغفار کرنے والے

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿لَوْ لَا تَسْتَغْفِرُونَ اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾
 ”تم اللہ سے بخشش کیوں نہیں طلب کرتے تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔“^④

⑧ مومنوں کے درمیان صلح کرانے اور اللہ سے ڈرنے والے

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلَحُوا بَيْنَ أَخَوِيكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾
 ”مومن تو سب آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ لہذا اپنے بھائیوں کے درمیان صلح کرا دیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔“^⑤

⑨ مصیبت کے وقت صبر کرنے والے

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ ۝ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمُ مُّصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ﴾

① الأعراف 56:7 ② النور 56:24 ③ الجاثیة 30:45 ④ النمل 46:27 ⑤ الحجرات 10:49

أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَواتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَهْتَدُونَ ﴿١٠﴾

”اور آپ (اے محمد ﷺ!) صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دیجئے جنہیں جب کوئی مصیبت لاحق ہوتی ہے تو وہ کہتے ہیں: ہم یقیناً اللہ ہی کے لیے ہیں اور ہمیں اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ ایسے ہی لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی نوازشیں اور رحمت ہوتی ہے۔ اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔“^(۱)

﴿۱۰﴾ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والے

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَيُطِيعُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ أُولَٰئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللَّهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝﴾^(۲)

”مومن مرد اور مومنہ عورتیں ایک دوسرے کے (مددگار و معاون اور) دوست ہوتے ہیں، نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے منع کرتے ہیں۔ نماز قائم کرتے، زکاۃ ادا کرتے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ رحم کرے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ غالب، حکمتوں والا ہے۔“^(۳)

عزیز بھائیو! ہم نے جو آیات ذکر کی ہیں ان سے پتہ چلتا کہ رحمت باری تعالیٰ کے مستحق کون لوگ ہیں اور ان کے اوصاف کیا ہیں۔ لہذا ہمیں بھی وہی اوصاف اختیار کرنے چاہئیں تاکہ ہم بھی انھی خوش نصیب لوگوں میں شامل ہو جائیں جنہیں اللہ رب العزت کی رحمت نصیب ہوتی ہے۔ ورنہ جو شخص رحمت باری تعالیٰ سے محروم ہوتا ہے وہ یقیناً خسارہ پانے والا ہوتا ہے۔ اسی لیے حضرت آدم علیہ السلام نے دعائے ہویٰ حواء علیہا السلام نے دعا کرتے ہوئے کہا تھا:

﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِن لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝﴾

”اے ہمارے رب! ہم نے اپنے آپ پر ظلم کیا ہے اور اگر تو نے ہمیں معاف نہ کیا اور ہم پر رحم نہ کیا تو ہم یقیناً خسارہ پانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔“^(۴)

اور حضرت نوح علیہ السلام نے کہا تھا: ﴿رَبِّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ أَنْ أَسْأَلَكَ مَا لَيْسَ لِي بِهِ عِلْمٌ ۖ وَإِلَّا تَغْفِرْ لِي وَتَرْحَمْنِي أَكُنْ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝﴾

”اے میرے رب! میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ میں تجھ سے اس چیز کا سوال کروں جس کا مجھے علم نہیں۔ اور اگر تو نے مجھے معاف نہ کیا اور مجھے آغوش رحمت میں نہ لیا تو میں خسارہ پانے والوں میں سے ہو جاؤں گا۔“^(۵)

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿فَلَوْ لَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَكُنْتُمْ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝﴾

﴿البقرة: 155-157﴾ ۱. التوبة: 71-73﴾ ۲. الأعراف: 23﴾ ۳. ہود: 47﴾ ۴.

”پھر اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم خسارہ پانے والوں میں سے ہو جاتے۔“^(۱)

بلکہ اگر اللہ کی رحمت نہ ہو تو کوئی بھی انسان شیطان سے ہی نہیں بچ سکتا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطَانَ إِلَّا قَلِيلًا ۝﴾

”اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم سب سوائے چند لوگوں کے شیطان کی پیروی کرتے۔“^(۲)

دین اسلام میں رحمت باری تعالیٰ کی مختلف شکلیں

عزیز بھائیو! دین اسلام میں اللہ تعالیٰ کی رحمت ہمیں مختلف صورتوں میں نظر آتی ہے مثلاً:

(۱) اللہ تعالیٰ کسی قوم کو اس وقت تک عذاب نہیں دیتا جب تک اس کی طرف پیغمبر بھیج کر اسے اس کے فرائض کی یاد دہانی نہ کرا دے۔

اس کا فرمان ہے: ﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا ۝﴾

”اور ہم اس وقت تک عذاب نہیں دیا کرتے جب تک رسول نہ بھیجیں۔“^(۳)

اسی طرح اس کا فرمان ہے: ﴿وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرَىٰ حَتَّىٰ يَبْعَثَ فِي أُمِّهَا رَسُولًا يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرَىٰ إِلَّا وَأَهْلُهَا ظَالِمُونَ ۝﴾

”اور آپ کا رب کسی آبادی کو ہلاک نہیں کرتا حتیٰ کہ کسی مرکزی بستی میں رسول نہ بھیج لے جو انہیں ہماری

آیات پڑھ کر سنائے۔ نیز ہم صرف ایسی بستی کو ہی ہلاک کرتے ہیں جس کے رہنے والے ظالم ہوں۔“^(۴)

(۲) اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کی بناء پر کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں کرتا۔

اس کا فرمان ہے: ﴿لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ۝﴾

”اللہ کسی جان کو اس کی طاقت کے بقدر ہی پابند بناتا ہے۔“^(۵)

یہی وجہ ہے کہ

✽ جب پانی موجود نہ ہو یا موجود ہو لیکن (پیماری وغیرہ کی وجہ سے) اسے استعمال کرنے کی قدرت نہ ہو تو اللہ تعالیٰ نے تیمم کرنے کی اجازت دی ہے۔

✽ اگر کوئی شخص کھڑا ہو کر نماز نہ پڑھ سکتا ہو تو اسے بیٹھ کر پڑھنے کی اجازت ہے۔ اور اگر وہ بیٹھ کر بھی نہ پڑھ سکتا ہو تو

اسے میٹ کر پڑھنے کی اجازت ہے۔

❁ حیض و نفاس کی حالت میں خواتین اسلام کو نمازیں معاف ہیں۔

❁ حج بیت اللہ زندگی میں ایک بار فرض ہے اور وہ بھی صرف اس آدمی پر جو اس کی استطاعت رکھتا ہو۔

❁ مریض اور مسافر کو مرض اور سفر کے ایام میں روزے چھوڑنے کی اجازت ہے۔ تاہم عذر زائل ہونے پر انھیں قضا کرنا لازم ہے۔

یہ تمام باتیں اس کی دلیل ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ان کی طاقت کے مطابق ہی اپنے احکامات کا پابند بناتا ہے۔ اور انھیں ان کی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں کرتا۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کا پورا دین ہی آسان ہے اور اس میں انسان پر کوئی مشقت وغیرہ نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ﴾

”اس نے تمہیں چن لیا ہے اور دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی۔“^(۱)

❸ اللہ تعالیٰ نے کئی چیزوں کا کھانا حرام قرار دیا ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص نہایت ہی مجبور ہو جائے تو اس نے اپنی رحمت کی بناء پر اسے بقدر مجبوری حرام چیز کو کھانے کی اجازت دی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝﴾

”اس نے بلاشبہ تم پر مردار، خون اور خنزیر کا گوشت حرام کیا ہے اور وہ چیز بھی جو غیر اللہ کے نام سے مشہور

ہو، پھر جو مجبور ہو، تاہم قانون شکنی کرنے والا اور حد سے بڑھنے والا نہ ہو تو اس پر کچھ گناہ نہیں۔ اللہ یقیناً بڑا

بخشنے والا اور بے حد رحم کرنے والا ہے۔“^(۲)

❹ اللہ تعالیٰ نے اپنی ’رحمت‘ کی بناء پر لوگوں کی بھول چوک، دل کے خیالات و وساوس اور جبر و اکراہ کو معاف کر دیا ہے۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

((إِنَّ اللَّهَ تَجَاوَزَ عَنْ أُمَّتِي مَا حَدَّثَتْ بِهِ أَنْفُسُهَا مَا لَمْ تَعْمَلْ أَوْ تَتَكَلَّمْ))

”بے شک اللہ تعالیٰ نے میری امت کے دل کے خیالات اور دوسوسوں کو معاف کر دیا ہے جب تک وہ عمل نہ

کرے یا گفتگو نہ کرے۔“^(۳)

اسی طرح آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ((إِنَّ اللَّهَ قَدْ تَجَاوَزَ لِي عَنْ أُمَّتِي الْخَطَا وَالنِّسْيَانَ وَمَا اسْتُكْرِهُوا

عَلَيْهِ))

”بے شک اللہ تعالیٰ نے میرے لیے میری امت کی غلطی، بھول اور جس چیز پر وہ مجبور کر دیے جائیں اسے معاف کر دیا ہے۔“^(۱)

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کی بناء پر تین قسم کے لوگوں کو مرفوع القلم قرار دیا ہے۔ اور وہ رسول اکرم ﷺ کے ارشاد کے مطابق یہ ہیں:

فرمایا: «رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثَةٍ: عَنِ النَّائِمِ حَتَّى يَسْتَيْقِظَ، وَعَنِ الصَّغِيرِ حَتَّى يَكْبُرَ، وَعَنِ الْمَجْنُونِ حَتَّى يَعْقِلَ أَوْ يُفِيقَ»

”تین آدمیوں سے قلم اٹھالیا گیا ہے: سویا ہوا انسان جب تک وہ بیدار نہ ہو۔ چھوٹا بچہ جب تک وہ بالغ نہ ہو۔ اور مجنون جب تک وہ دماغی طور پر ٹھیک نہ ہو۔“^(۲)

(5) اللہ تعالیٰ کی رحمت اتنی وسیع ہے کہ وہ خود ہی اپنے گناہ گار بندوں کو پیار بھرے انداز میں اپنی رحمت و مغفرت کی امید دلاتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے: ﴿قُلْ يُعْبَادِي الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ۝﴾

”آپ کہہ دیجئے کہ اے میرے وہ بندو جنہوں نے (گناہوں کا ارتکاب کر کے) اپنے اوپر زیادتی کی ہے! تم اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو، بے شک اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو معاف کر دیتا ہے۔ یقیناً وہی تو ہے جو بڑا معاف کرنے والا اور بے حد مہربان ہے۔“^(۳)

اور وہ خود ہی ہر صبح و شام اپنا دست مبارک پھیلا کر اپنے بندوں کو پیش کش کرتا ہے کہ تم توبہ کر لو میں تمہیں معاف کر دوں گا۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«إِنَّ صَاحِبَ الشِّمَالِ لَيَرْفَعُ الْقَلَمَ سِتَّ سَاعَاتٍ عَنِ الْعَبْدِ الْمُسْلِمِ الْمُخْطِئِ، فَإِنْ نَدِمَ وَاسْتَغْفَرَ اللَّهَ مِنْهَا أَلْفَاها، وَإِلَّا كُتِبَتْ وَاجِدَةً»

”بے شک اللہ تعالیٰ اپنا دست رحمت رات کے وقت پھیلاتا ہے تاکہ دن میں گناہ کرنے والا شخص توبہ کر لے۔ اسی طرح دن کے وقت بھی اپنا دست رحمت پھیلاتا ہے تاکہ رات میں گناہ کرنے والا آدمی توبہ کر لے یہاں تک کہ سورج مغرب سے طلوع ہو جائے۔“^(۴)

اور جو شخص بھی کسی برائی کے بعد اخلاص دل کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ لے تو وہ اسے اپنی رحمت کی بناء

(۱) سنن ابن ماجہ: 2043، وصححه الألبانی. (۲) سنن ابن ماجہ: 2041، وصححه الألبانی. (۳) الزمر 39: 53.

(۴) صحيح مسلم: 2759.

پر معاف کر دیتا ہے۔ ارشاد باری ہے: ﴿وَمَنْ يَعْمَلْ سُوءًا أَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهُ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللَّهَ يَجِدِ اللَّهَ غَفُورًا

عَظِيمًا﴾

”جو شخص کوئی برائی کرے یا (گناہ کا ارتکاب کر کے) بنی جان پر ظلم کرے، پھر اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کر لے تو وہ اللہ تعالیٰ کو انتہائی بخشنے والا، بے حد مہربان پائے گا۔“^۱

بلکہ اللہ رب العزت اتنا رحیم ہے کہ اس نے اپنے فرشتوں کو حکم دے رکھا ہے کہ اس کا کوئی بندہ جب کسی گناہ کا ارتکاب کرے تو وہ فوری طور پر اسے نہ لکھیں، بلکہ کچھ وقت کے لیے اسے مہلت دیں، شاید کہ وہ معافی مانگ لے۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«إِنَّ صَاحِبَ الشِّمَالِ لَيَرْفَعُ الْقَلَمَ سِتَّ مِائَاتٍ سَنَ الْعَبْدِ الْمُسْلِمِ الْمُخْطِئِ ، فَإِنْ ذَمَّ وَاسْتَغْفَرَ اللَّهَ مِنْهَا أَلْفَاها ، وَإِلَّا كَتَبَتْ وَاحِدَةً»

”بے شک بائیں طرف والا فرشتہ اپنا قلم خطا کار بندہ مسلمان سے چھ گھڑیوں تک اٹھائے رکھتا ہے، پھر اگر وہ شرمندہ ہو کر معافی مانگ لے تو وہ اس کی خطا کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ ورنہ ایک ہی خطا لکھ لی جاتی ہے۔“^۲

اللہ رب العزت اتنا رحیم و کریم ہے کہ وہ کسی بھی انسان کے لیے توبہ کا دروازہ بند نہیں کرتا یہاں تک کہ اس کی موت کا وقت قریب آجائے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«إِنَّ اللَّهَ لَيَقْبَلُ تَوْبَةَ الْعَبْدِ مَا لَمْ يُغْرَعِرْ»

”جب تک بندے پر نزع کی کیفیت طاری نہ ہو اس وقت تک اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرتا رہتا ہے۔“^(۳)

اللہ رب العزت اپنے بندوں پر اتنا مہربان ہے کہ اگر وہ ایک نیکی کریں تو اس کا ثواب کئی گنا بڑھا دیتا ہے، حتیٰ کہ ایک نیکی سات سو نیکیوں کے برابر ہو جاتی ہے۔ اور اس کے برعکس اگر وہ ایک برائی کریں اور اس سے توبہ نہ کریں تو ایک ہی برائی لکھی جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۖ وَإِنْ تَكَ حَسَنَةً يُّضَعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَدُنْهُ أَجْرًا

عَظِيمًا﴾

”اللہ کسی پر ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا اور کسی نے کوئی نیکی کی ہو تو اللہ اسے دو چند کر دے گا اور اپنے ہاں سے بہت بڑا اجر عطا فرمائے گا۔“^۴

① النساء: 4: 110. ② صحيح الجامع الصغير: 2097. ③ جامع الترمذي: 3537. صحيحه الألباني. ④ النساء: 4: 40.

اور نبی کریم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

((وَمَنْ هَمَّ بِحَسَنَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا كُتِبَتْ لَهُ حَسَنَةٌ ، فَإِنْ عَمِلَهَا كُتِبَتْ لَهُ عَشْرًا ، وَمَنْ هَمَّ بِسَيِّئَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا لَمْ تُكْتَبْ شَيْئًا ، فَإِنْ عَمِلَهَا كُتِبَتْ سَيِّئَةٌ وَاحِدَةٌ))

”نمازوں کی فرضیت کے علاوہ یہ بات بھی میری طرف وحی کی گئی کہ جو نیکی کا ارادہ کرے، پھر اسے عملی طور پر انجام نہ دے تو وہ اس کے لیے ایک نیکی لکھی جاتی ہے۔ اور اگر وہ اسے عملی طور پر کر لے تو اس کے لیے دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ اور جو شخص برائی کا ارادہ کرے، پھر اس پر عمل نہ کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں لکھا جاتا۔ اور اگر وہ اس پر عمل کر لے تو ایک ہی گناہ لکھا جاتا ہے۔“^(۱)

اسی طرح نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ((إِنَّ اللَّهَ كَتَبَ الْحَسَنَاتِ وَالسَّيِّئَاتِ ، ثُمَّ بَيَّنَّ ذَلِكَ ، فَمَنْ هَمَّ بِحَسَنَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا كَتَبَهَا اللَّهُ لَهُ عِنْدَهُ حَسَنَةً كَامِلَةً ، فَإِنْ هُوَ هَمَّ بِهَا فَعَمِلَهَا كَتَبَهَا اللَّهُ لَهُ عِنْدَهُ عَشْرَ حَسَنَاتٍ إِلَى سَبْعِمِائَةٍ ضَعْفٍ إِلَى أَضْعَافٍ كَثِيرَةٍ ، وَمَنْ هَمَّ بِسَيِّئَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا كَتَبَهَا اللَّهُ لَهُ عِنْدَهُ حَسَنَةً كَامِلَةً ، فَإِنْ هُوَ هَمَّ بِهَا فَعَمِلَهَا كَتَبَهَا اللَّهُ لَهُ سَيِّئَةً وَاحِدَةً))

”بے شک اللہ تعالیٰ نے نیکیاں اور برائیاں لکھ دی ہیں۔ پھر اس نے (انھیں لکھنے کا نظام) واضح فرمایا۔ چنانچہ جو شخص کسی نیک کام کا ارادہ کرے پھر اس پر عمل نہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایک کامل نیکی لکھ دیتا ہے۔ اور اگر وہ اس کا ارادہ کرنے کے بعد اس پر عمل بھی کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں اپنے پاس دس نیکیاں لکھ دیتا ہے حتیٰ کہ یہ سات سو گنا اور اس سے بھی زیادہ تک چلی جاتی ہیں۔ اور اگر وہ کسی برائی کا ارادہ کرے پھر اس پر عمل نہ کرے تو اللہ تعالیٰ اسے بھی اپنے پاس ایک کامل نیکی لکھ دیتا ہے۔ اور اگر وہ برائی کا ارادہ کرنے کے بعد اس پر عمل بھی کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں ایک ہی برائی لکھتا ہے۔“^(۲)

(۸) اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کے غضب سے سبقت لے جا چکی ہے۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: ((إِنَّ اللَّهَ كَتَبَ كِتَابًا قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَ الْخَلْقَ ، إِنْ رَحِمْتِي سَنَنْتُ غَضَبِي ، فَهُوَ مَكْتُوبٌ عِنْدَهُ فَوْقَ الْعَرْشِ))

”بے شک اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کرنے سے قبل ایک تحریر لکھ دی تھی کہ میری رحمت میرے غضب سے سبقت لے جا چکی ہے۔ یہ عرش کے اوپر اس کے پاس لکھا ہوا ہے۔“^(۳)

(۹) اللہ تعالیٰ اس قدر رحمان و رحیم ہے کہ اس نے اپنی رحمت کو سوحصوں میں تقسیم کر کے اس کا ایک ہی حصہ زمین پر

(۱) صحیح مسلم: 162، (۲) صحیح البخاری: 6491، صحیح مسلم: 131، (۳) صحیح البخاری: 7554.

اتارا اور باقی تمام حصے اس نے اپنے پاس روک لیے۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: « جَعَلَ اللَّهُ الرَّحْمَةَ فِي مِائَةِ جُزْءٍ ، فَأَمْسَكَ عِنْدَهُ نِسْعَةً وَتِسْعِينَ جُزْءً . وَأَنْزَلَ فِي الْأَرْضِ جُزْءًا وَاحِدًا ، فَمِنْ ذَلِكَ الْجُزْءِ تَتَرَاخَمُ الْخَلْقُ ، حَتَّى تَرْفَعَ الْفَرَسُ خَافِرَهَا عَنْ وَلَدِهَا خَشْيَةً أَنْ تُصِيبَهُ ».

”اللہ تعالیٰ نے رحمت کو سو حصوں میں تقسیم کیا، پھر 99 حصے اپنے پاس روک لیے اور ایک حصہ زمین پر اتار دیا۔ اسی ایک حصے سے مخلوق آپس میں ایک دوسرے پر رحم کرتی ہے۔ یہاں تک کہ گھوڑی اپنے بچے سے اپنا گھراٹھا لیتی ہے کہ کہیں اسے تکلیف نہ پہنچے۔“¹

10. اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنی میں سے ایک اسم گرامی (الرؤف) ہے، جو قرآن مجید میں گیارہ مرتبہ ذکر کیا گیا ہے۔ اور اس کا معنی ہے: ترس کھانے والا۔ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ترس کھاتے ہوئے انھیں اپنا تقرب حاصل کرنے کی ترغیب دلاتا ہے۔ اور جب کوئی بندہ تھوڑا سا اس کی طرف بڑھتا ہے تو وہ اس سے کہیں زیادہ اس کی طرف بڑھتا ہے اور اسے اپنا تقرب نصیب کرتا اور اسے اپنی رحمت سے نوازتا ہے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: «(يَقُولُ اللَّهُ تَعَالَى : أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي بِي ، وَأَنَا مَعَهُ إِذَا ذَكَرَنِي ، فَإِنْ ذَكَرَنِي فِي نَفْسِهِ ذَكَرْتُهُ فِي نَفْسِي ، وَإِنْ ذَكَرَنِي فِي مَلَأٍ ذَكَرْتُهُ فِي مَلَأٍ خَيْرٍ مِنْهُمْ ، فَإِنْ تَقَرَّبَ إِلَيَّ بِشَيْءٍ تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ بِرَأْعًا ، وَإِنْ تَقَرَّبَ إِلَيَّ بِرَأْعًا تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ بِأَعَّا ، وَإِنْ أَتَانِي يَمْسِيئُ أَتَيْتُهُ هَرَوَلَةً)».

”اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ میں اپنے بندے کے گمان کے مطابق اس سے سلوک کرتا ہوں اور جب وہ میرا ذکر کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ اگر وہ مجھے اپنے دل میں یاد کرے تو میں بھی اسے اپنے دل میں یاد کرتا ہوں۔ اور اگر وہ کسی جماعت میں مجھے یاد کرے تو میں اس سے بہتر جماعت میں اسے یاد کرتا ہوں۔ اور اگر وہ ایک بالشت میرے نزدیک ہوتا ہے تو میں ایک ہاتھ اس کے نزدیک ہوتا ہوں۔ اور اگر وہ ایک ہاتھ میرے نزدیک ہوتا ہے تو میں ایک کلا (دونوں ہاتھ پھیلائے ہوئے) اس کے قریب ہوتا ہوں۔ اور اگر وہ چلتا ہوا میرے پاس آئے تو میں دوڑ کر اس کی طرف جاتا ہوں۔“²

بلکہ اللہ تعالیٰ تو جانوروں پر بھی ترس کھاتا ہے۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

« وَلَمْ يَمْسَعُوا الزَّكَاةَ إِلَّا مُنْبَغُوا النَّطْرَمِ السَّاءِ ، وَلَوْ لَا الْبَهَائِمُ لَمْ يُمَطَّرُوا »

① صحیح البخاری: 6000، ② صحیح البخاری: 4705، صحیح مسلم: 2675.

”لوگ جب زکاۃ روک لیں گے تو ان پر بارش نازل نہیں ہوگی۔ اور اگر چوپائے جانور نہ ہوتے تو ان پر بارش بالکل ہی بند ہو جاتی۔“^(۱)

یعنی لوگوں کی طرف سے زکاۃ کی عدم ادائیگی کے باوجود اللہ تعالیٰ چوپائے جانوروں پر ترس کھاتے ہوئے بارش کا نزول بند نہیں کرے گا۔

عزیز بھائیو! اللہ تعالیٰ جانوروں پر اس قدر ترس کھاتا ہے کہ اگر کوئی بدکار انسان جانور پر ترس کھاتے ہوئے اسے پانی پلا دے تو اللہ تعالیٰ اسے بھی معاف کر دیتا ہے۔

صحیحین میں ہے کہ ایک بدکار عورت نے ایک کتے کو دیکھا جو سخت گرم دن میں ایک کنویں کے ارد گرد چکر لگا رہا تھا اور شدید پیاس کے عالم میں ہانپ رہا تھا۔ اس نے اپنا موزا اتارا اور اس کے ذریعے کنویں سے پانی کھینچا، پھر اسے پانی پلایا۔ چنانچہ اُس کے اسی عمل کی وجہ سے اسے معاف کر دیا گیا۔^(۲)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”ایک شخص ایک راستے پر چل کر جا رہا تھا کہ اسے شدید پیاس محسوس ہوئی، اسے ایک کنواں ملا، وہ اس میں اترتا اور پانی نوش کر لیا۔ باہر نکلا تو اس نے ایک کتے کو ہانپتے ہوئے دیکھا جو شدید پیاس کی وجہ سے گیلی مٹی کھا رہا تھا، وہ (اپنے دل میں) کہنے لگا: پیاس نے اس کتے کا برا حال کر رکھا ہے جیسا کہ میرا برا حال تھا۔

پھر وہ دوبارہ کنویں میں اترتا، اپنے موزے میں پانی بھر، اسے اپنے منہ کے ساتھ پکڑ کر اوپر کو چڑھا اور باہر آ کر کتے کو پانی پلایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «فَشَكَرَ اللَّهُ لَهُ فَنَفَرَ لَهُ» ”اللہ تعالیٰ نے اس کی قدر کی اور اسے معاف کر دیا۔“^(۳)

اس سے معلوم ہوا کہ ہمارا دین دین رحمت ہے کہ جو کتے جیسے جانور پر بھی ترس کھانے کی دعوت دیتا ہے۔ چہ جائیکہ وہ انسانوں کو خوفزدہ کرنے یا انھیں دہشت گردی کا نشانہ بنانے یا انھیں ناجائز طور پر قتل کرنے کی ترغیب دے! دین اسلام اس طرح کی چیزوں سے بالکل پاک ہے۔

سامعین کرام! ہم نے اللہ تعالیٰ کی رحمت کے چند نمونے پیش کیے ہیں۔ مقصد صرف یہ ہے کہ جو اللہ اپنے بندوں کے لیے اس قدر رحمان و رحیم ہے اور اس سے بڑا رحم کرنے والا کوئی نہیں تو کیا اُس کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس نے جو دین بھیجا وہ دین رحمت نہیں، بلکہ ایسا دین ہے کہ جس میں خوف و دہشت ہے اور جس میں مار دھاڑ اور جنگ و جدال کے سوا کچھ نہیں؟ ہرگز نہیں۔ اللہ ارحم الراحمین کا بھیجا ہوا دین، دین رحمت ہے اور اس میں تمام انسانوں

(۱) رواہ الحاكم وصححه ووافقه الذهبي. (۲) صحيح البخاري: 3467، وصحيح مسلم: 2244. (۳) صحيح البخاري: 2363، وصحيح مسلم: 2244.

کے لیے امن و سلامتی کا پیغام ہے۔
ہم باری تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اپنی رحمتوں سے نوازے اور ہمارے حال پر رحم فرمائے۔

دوسرا خطبہ

عزیز بھائیو!

ہمارا دین دین اسلام ہے جو کہ سلامتی کا سبق دیتا ہے۔ اور ہمارا خالق و مالک اور معبود برحق اللہ تعالیٰ ہے جس کے اسمائے گرامی میں سے ایک اسم گرامی (السلام) ہے۔ اور اس کا معنی بھی یہی ہے: سراسر سلامتی والا، یعنی وہ جس کے ظلم سے مخلوق سلامتی میں ہو۔ اسی طرح اس کے اسمائے حسنیٰ میں سے ایک (المؤمن) بھی ہے جس کا معنی ہے: امن دینے والا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے مسلمان بندوں کو وقت ملاقات ایک دوسرے کو جو تحفہ پیش کرنے کی تعلیم دی ہے وہ ہے: (السلام علیکم) یعنی 'تم پر سلامتی ہو'۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ جو سلامتی والا اور امن دینے والا ہے اس نے اپنے ماننے والوں کو بھی یہی تعلیم دی ہے کہ وہ امن و سلامتی کے پیغام کو عام کریں اور دنیا بھر کے لوگوں کو باور کرائیں کہ ہم امن و سلامتی کو پسند کرتے ہیں اور خود بھی امن و سلامتی کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں اور دوسروں کی بھی سلامتی کے خواہشمند ہیں۔

اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کا جو ابدی ٹھکانا بنایا ہے اور جس میں وہ نعمتیں ہیں کہ جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے اور نہ ان کے بارے میں کسی کان نے سنا ہے اور نہ ہی کوئی شخص ان کا تصور کر سکتا ہے، وہ ہے: (دار السلام) یعنی سلامتی کا گھر۔ یہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کو امن و سلامتی بہت پسند ہے۔

لہذا جو اللہ تعالیٰ خود سلامتی والا ہے، امن دینے والا ہے، مسلمانوں کو آپس میں پیغام امن دینے کی تعلیم دیتا ہے اور اس نے ان کے لیے سلامتی والا گھر تیار کر رکھا ہے، کیا اس کا دین دین خوف و دہشت ہو سکتا ہے؟ نہیں، ہرگز نہیں۔ یقینی طور پر اس کا بھیجا ہوا دین دین رحمت ہے اور دین امن و سلامتی ہے۔ جو ساری دنیا کو یہ پیغام دیتا ہے کہ اس سچے دین کو قبول کر لو، تمہارے لیے دنیا و آخرت میں سلامتی ہی سلامتی ہوگی۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو مرتے دم تک اس سلامتی والے دین اسلام پر قائم و دائم رہنے کی توفیق دے۔ اور ہمارا خاتمہ ایمان و عمل کی سلامتی کے ساتھ فرمائے۔

اسلام دینِ رحمت ہے ﴿2﴾

اہم عناصرِ خطبہ ﴿۱﴾

- (۱) رسول اکرم ﷺ رحمۃ للعالمین ہیں
- (۲) رحمتِ عالم ﷺ کی رحمت کے متعدد پہلو
- (۳) رسول اکرم ﷺ سب کے لیے رحمت بنے
- (۴) رحمتِ عالم ﷺ اور جہادِ بالسیف!

پہلا خطبہ ﴿۱﴾

محترم حضرات! پچھلے خطبہ جمعہ میں ہم نے عرض کیا تھا کہ اسلام دینِ رحمت ہے۔ کیونکہ ایک تو اس دین کو بھیجنے والا وہ ہے جو ارحم الراحمین ہے اور اس سے بڑا رحم کرنے والا کوئی نہیں۔ دوسرا اس لیے کہ اس نے یہ دین جس شخصیت کے ذریعے ہماری طرف بھیجا ہے وہ رحمۃ للعالمین ہیں۔ ہم نے 'ارحم الراحمین' کے حوالے سے چند گزارشات قرآن و حدیث کی روشنی میں عرض کی تھیں۔ آج کے خطبہ جمعہ میں اس موضوع کے دوسرے پہلو، یعنی رحمۃ للعالمین ﷺ کے بارے میں چند گزارشات پیش خدمت ہیں۔

رسول اکرم ﷺ رحمۃ للعالمین ہیں

اللہ تعالیٰ 'ارحم الراحمین' ہے تو اس نے جس شخصیت کو اپنا پیغمبر بنا کر بھیجا اسے اس نے 'رحمۃ للعالمین' بنایا اور اس کے ذریعے دنیا بھر کو پیغامِ رحمت دیا۔ لہذا آپ ﷺ کی ذات گرامی سراپا رحمت ہے، آپ ﷺ دینِ رحمت کے ساتھ مبعوث کیے گئے ہیں، آپ «رُؤْفٌ رَّحِيمٌ» ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے پوری دنیا کے لیے رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ ۝﴾

”اور ہم نے آپ کو تمام دنیا والوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔“^(۱)

عزیز بھائیو! ذرا غور فرمائیے، اس آیت مبارکہ میں لفظ ((رَحْمَةً)) نکرہ ہے اور یہ نفی ((وَمَا أَرْسَلْنَاكَ)) کے بعد آیا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ آپ ﷺ صرف انسانوں کے لیے ہی نہیں بلکہ دنیا بھر کی تمام مخلوقات کے لیے رحمت ہیں، کیونکہ جو اسم نکرہ نفی کے بعد آتا ہے وہ عموم وشمول کے لیے ہوتا ہے۔ آپ انسانوں کے لیے بھی رحمت ہیں اور جنوں کے لیے بھی۔ مومنوں کے لیے بھی اور کافروں کے لیے بھی۔ چھوٹوں کے لیے بھی اور بڑوں کے لیے بھی۔ نیکوں کے لیے بھی اور بروں کے لیے بھی۔ مردوں کے لیے بھی اور عورتوں کے لیے بھی۔ حیوانات کے لیے بھی اور جمادات کے لیے بھی۔ اور آپ ﷺ ایسی رحمت ہیں کہ جسے اللہ تعالیٰ نے دین و دنیا اور دارین کی سعادت کے حصول کا ذریعہ بنایا۔ چنانچہ آپ ﷺ پر ایمان لانے کے بعد آپ کی اطاعت و فرمانبرداری کی جائے تو دنیا بھی سنور جاتی ہے اور آخرت بھی۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس آیت کریمہ میں ((وَمَا)) کے بعد ((أَلَا)) آیا ہے، یعنی حصر کا اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کی بعثت و رسالت اول تا آخر رحمت ہی رحمت ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ آپ ﷺ کا ’رحمۃ للعالمین‘ ہونا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ کسی انسان کی طرف سے نہیں۔ آپ ﷺ کو ’رحمۃ للعالمین‘ کا مقام و مرتبہ کسی جد و جہد یا ٹریننگ کے نتیجے میں نہیں ملا بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ ﷺ کو ہبہ کیا گیا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِنْتَ لَهُمْ﴾^(۲) ”اللہ کی یہ کتنی بڑی رحمت ہے کہ آپ ان کے حق میں نرم مزاج واقع ہوئے ہیں۔“

اسی طرح آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ

((يَا أَيُّهَا النَّاسُ ! إِنَّمَا أَنَا رَحْمَةٌ مُّهِدَاةٌ))

”اے لوگو! میں تو رحمت ہی ہوں جسے ہدیہ کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔“^(۳)

اور حضرت محمد ﷺ خاص طور پر مومنوں کے لیے بڑے ہی مہربان تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ۝﴾

”تمہارے پاس ایسے پیغمبر تشریف لائے ہیں جو تمہاری ہی جنس سے ہیں، جن کو تمہارے نقصان کی بات نہایت ہی گراں گذرتی ہے، جو تمہاری منفعت کے بڑے خواہشمند رہتے ہیں، ایمانداروں کے ساتھ بڑے ہی شفیق اور مہربان ہیں۔“^(۴)

”اے میرے رب! کافروں میں سے کوئی بھی گھرانہ اس زمین پر نہ چھوڑ۔ اگر تو نے انھیں چھوڑ دیا تو وہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور ان سے جو اولاد ہوگی وہ بھی بدکردار اور سخت کافر ہوگی۔“^(۱)

جبکہ رحمۃ للعالمین ﷺ سے جب اہل طائف نے بدسلوکی کی تھی اور آپ ﷺ اس کے بعد طائف سے مکہ مکرمہ واپس لوٹ رہے تھے تو حضرت جبریل علیہ السلام نے انھیں پیش کش کی تھی کہ یہ پہاڑوں کا فرشتہ میرے ساتھ موجود ہے، اسے آپ جو چاہیں حکم دیں، پھر اس فرشتے نے کہا کہ اگر آپ چاہیں تو ان لوگوں کو دو پہاڑوں کے درمیان پیس کر رکھ دوں۔ تب آپ ﷺ نے فرمایا تھا:

«بَلْ أَرْجُو أَنْ يُخْرِجَ اللَّهُ مِنْ أَصْلَابِهِمْ مَنْ يَعْْبُدُ اللَّهَ وَحْدَهُ لَا يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا»

”نہیں، بلکہ میں امید رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی نسلوں میں ایسے لوگ پیدا کرے گا جو اس کے لیے کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گے۔“^(۲)

یہ واقعہ اس بات کی دلیل ہے کہ رسول اکرم ﷺ اپنی امت کے لیے نہایت ہی رحم دل تھے۔

اسی طرح جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بنو اسرائیل کو بیت المقدس میں موجود ظالم قوم کے خلاف جہاد کے لیے آمادہ نہ کر سکے اور انھوں نے سرزمین فلسطین میں داخل ہونے سے انکار کر دیا تھا اور یہ کہا تھا کہ اے موسیٰ! آپ اور آپ کا رب جائیں اور ظالم قوم سے قتال کریں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی بے بسی کا اور اپنی قوم سے براءت کا اظہار کرتے ہوئے کہا تھا:

«قَالَ رَبِّ إِنِّي لَا أَمْلِكُ إِلَّا نَفْسِي وَأَخِي فَافْرِقْ بَيْنَنَا وَقَوْمِ الْفَاسِقِينَ»

”انھوں نے کہا: اے میرے رب! بلاشبہ میں تو بس اپنے اوپر اور اپنے بھائی پر ہی اختیار رکھتا ہوں، لہذا تو ہمارے اور فاسق لوگوں کے درمیان فیصلہ کر دے۔“^(۳)

اس دعا کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے سرزمین فلسطین کو بنو اسرائیل پر چالیس سال تک حرام کر دیا۔

جبکہ رحمۃ للعالمین ﷺ نے اپنی قوم کے مظالم کے باوجود ان سے کبھی اپنی براءت کا اعلان نہیں کیا بلکہ آپ ﷺ بدستوران کے لیے دعا کرتے رہے کہ «اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِي فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ»

”اے اللہ! میری قوم کو معاف کر دے کیونکہ وہ لاعلم ہے۔“^(۴)

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم پر لعنت بھیجی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

«لُعِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ بَنِي إِسْرَءِيلَ عَلَى لِسَانِ دَاوُدَ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۚ ذَٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا

① نوح 71:26-27، ② صحيح البخاري: 3231، وصحيح مسلم: 1795، ③ المائدة: 25، ④ متفق عليه.

يَعْتَلُونَ ﴿۱﴾

”بنو اسرائیل میں سے جو لوگ کافر ہو گئے ان پر داؤد علیہ السلام اور عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی زبان سے لعنت کی گئی کیونکہ وہ نافرمان ہو گئے تھے اور حد سے آگے نکل گئے تھے۔“ ﴿۱﴾

جبکہ رحمۃ اللعالمین ﷺ نے اپنی امت پر لعنت نہیں بھیجی۔ بلکہ آپ ﷺ فرماتے تھے:

((إِنِّي لَمْ أَبْعَثْ لَعْنًا وَإِنَّمَا بُعِثْتُ رَحْمَةً))

”میں لعنت بھیجنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا بلکہ میں رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔“ ﴿۲﴾

اور آپ ﷺ رو رو کر اپنی امت کے لیے مغفرت کی دعا کیا کرتے تھے۔ جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی تلاوت کی:

﴿ رَبِّ انَّهُنَّ أَضَلُّنَّ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ قَمَنَ تَبِعَنِي فَإِنَّهُ مِنِّي وَمَنْ عَصَانِي فَإِنَّكَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴾

”اے میرے رب! انھوں نے بہت سے لوگوں کو راہ سے بھٹکا دیا ہے، پس میری تابعداری کرنے والا میرا ہے اور جو میری نافرمانی کرے تو تُو بہت ہی معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔“

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق یہ آیت بھی تلاوت کی:

﴿ إِن تَعِدُّهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴾

”اگر تو ان کو سزا دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو معاف فرما دے تو تُو سب پر غالب اور حکمت والا ہے۔“

پھر نبی کریم ﷺ نے اپنے ہاتھ بلند کیے اور فرمانے لگے:

((اَللّٰهُمَّ اُمَّتِيْ اُمَّتِيْ)) ”اے اللہ میری امت، میری امت!“ اس کے بعد آپ ﷺ رونے لگے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”اے جبریل! جاؤ محمد (ﷺ) کے پاس۔ اور تیرا رب اگرچہ خوب جانتا ہے لیکن جا کر ان سے پوچھو کہ آپ کیوں رو رہے ہیں؟ لہذا حضرت جبریل علیہ السلام آئے اور آپ ﷺ سے سوال کیا کہ آپ کیوں رو رہے ہیں؟ تو آپ ﷺ نے جو کہا تھا وہ انھیں بتایا۔ اور جب حضرت جبریل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کو بتایا (حالانکہ وہ تو پہلے ہی جانتا تھا) تو اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو دوبارہ بھیجا اور فرمایا:

((إِنَّا سَنُضِيفُكَ فِيْ أُمَّتِكَ وَلَا نُسَوِّئُكَ))

”ہم آپ کو آپ کی امت کے بارے میں راضی کریں گے اور آپ کو تکلیف نہیں پہنچائیں گے۔“ ﴿۳﴾

اور نبی کریم ﷺ دیگر انبیاء ﷺ کے مقابلے میں اپنی امت کے کتنے خیر خواہ اور اس کے لیے کتنے مہربان تھے اس کا اندازہ آپ اس بات سے بھی کر سکتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«لِكُلِّ نَبِيٍّ دَعْوَةٌ مُسْتَجَابَةٌ فَتَعَجَّلْ كُلُّ نَبِيٍّ دَعْوَتَهُ ، وَإِنِّي اخْتَبَأْتُ دَعْوَتِي شَفَاعَةً لِّأُمَّتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَمَنْ نَازِلَةٌ إِنْ شَاءَ اللَّهُ مِمَّنْ مَاتَ مِنْ أُمَّتِي لَا يُشْرِكُ بِاللَّهِ شَيْئًا»

”ہر نبی کی ایک دعا (اس کی امت کے حق میں) قبول کی جاتی ہے۔ چنانچہ ہر نبی نے وہ دعا دنیا میں ہی کر لی۔ جبکہ میں نے اپنی دعا کو مؤخر کر دیا ہے اور وہ میں قیامت کے دن اپنی امت کے حق میں شفاعت کی صورت میں کروں گا۔ اور میری شفاعت ہر اس شخص کو نصیب ہوگی جو اس حالت میں مر جائے کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناتا ہو۔“^(۱)

رحمۃ للعالمین ﷺ نے اپنی امت کے لیے ہر چیز کو بیان کر دیا اور امت کی خیر خواہی میں کوئی کسر اٹھا

نہیں رکھی

آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: «مَا بَقِيَ شَيْءٌ يُقَرَّبُ مِنَ الْجَنَّةِ وَيُبَاعَدُ مِنَ النَّارِ إِلَّا وَقَدْ بَيَّنَّ لَكُمْ»

”ہر وہ چیز جو جنت کے قریب اور جہنم سے دور کرنے والی ہے اسے تمہارے لیے بیان کر دیا گیا ہے۔“^(۲)

اسی طرح آپ ﷺ نے خطبہ حجة الوداع میں جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جم غفیر سے یہ سوال کیا تھا کہ تم سے میرے بارے میں پوچھا جائے گا تو تم کیا جواب دو گے؟ تب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا تھا:

«لَشَهِدُ أَنَّكَ قَدْ بَلَغْتَ وَأَذْبَحْتَ وَنَصَحْتَ»

”ہم گواہی دیں گے کہ آپ نے یقیناً دین پہنچا دیا۔ (ذمہ داری) ادا کر دی اور امت کی خیر خواہی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔“^(۳)

اور آپ ﷺ جب فوت ہوئے تو اپنی امت کو ایک واضح شریعت دے کر گئے جس میں کوئی اخفاء یا ابہام نہیں تھا اور جو شبہات سے بالکل خالی تھی۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«قَدْ تَرَكْتُكُمْ عَلَى الْبَيْضَاءِ لَيْلُهَا كَهَمَارِهَا ، لَا يَزِيغُ عَنْهَا بَعْدِي إِلَّا هَالِكٌ»

”میں نے تمہیں ایک واضح اور صاف ستھری ملت پر چھوڑا ہے جس کی رات بھی اس کے دن کی طرح روشن ہے۔ صرف ہلاک ہونے والا شخص ہی میرے بعد اس سے انحراف کر سکتا ہے۔“^(۴)

① صحیح مسلم: 199. ② الصحيحۃ للالبانی: 1803. ③ صحیح مسلم: 1218. ④ سنن ابن ماجہ: 43.

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ.....﴾

یہی وجہ ہے کہ جب رحمتِ عالم ﷺ نے رمضان المبارک میں تین راتیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نماز تراویح باجماعت پڑھائی اور چوتھی رات آپ تشریف نہ لائے تو نماز فجر کے بعد آپ ﷺ نے خطبہ مسنونہ پڑھا اور ارشاد فرمایا: ((أَمَّا بَعْدُ ، فَإِنَّهُ لَمْ يَخُفْ عَلَى مَكَانِكُمْ ، وَلَكِنِّي خَشِيتُ أَنْ تُفْرَضَ عَلَيْكُمْ فَتَعْجِزُوا عَنْهَا))

«لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي لِأَمْرِهِمْ بِالسَّوَالِكِ عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ»

کرتے تھے

((إِسْرًا وَلَا تُعْصِرَا ، وَبَشْرًا وَلَا تُنْقِرَا ، وَطَاوَعٌ وَلَا تُخْتَلِفَا))

اسی طرح آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((إِنَّ الدِّينَ نِسْرٌ، وَلَنْ يُسَادَّ الدِّينَ أَحَدٌ إِلَّا عَلَيْهِ . فَسَدِّدُوا وَقَارِبُوا وَأَبْشُرُوا ، وَاسْتَعِينُوا بِالْغُدُوءِ وَالرَّوْحَةِ وَشَيْءٍ مِنَ الدُّنْيَةِ))

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

”بے شک دین آسان ہے اور جو آدمی دین میں تکلف کرے گا اور اپنی طاقت سے بڑھ کر عبادت کرنے کی کوشش کرے گا دین اس پر غالب آجائے گا۔ لہذا تم استدال کی راہ اپناؤ، اگر کوئی عبادت مکمل طور پر نہ کر سکو تو قریب قریب ضرور کرو، عبادت کے اجر و ثواب پر خوش ہو جاؤ اور صبح کے وقت، شام کے وقت اور رات کے آخری حصہ میں عبادت کر کے اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرو۔“⁽¹⁾

اسی طرح آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((إِنَّ اللَّهَ لَمْ يَبْعَثْ مُعْتَبِرًا وَلَا مُتَعَبِتًا ، وَلَكِنْ بَعَثَنِي مُعَلِّمًا مُبْتَسِرًا))

”بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے مشقت میں ڈالنے والا اور لوگوں کو مشکل اعمال پر مجبور کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا، بلکہ تعلیم دینے والا اور آسانیاں پیدا کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔“⁽²⁾

رحمۃ للعالمین ﷺ مومنوں کی منفعت کے خواہشمند رہتے اور جن لوگوں نے آپ ﷺ کی رسالت کو

ماننے سے انکار کر دیا تھا، ان کے بارے میں آپ ﷺ شدید فکر مند اور غمگین رہتے تھے

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿حَرِصٌ عَلَىكُمْ بِأَهْلِهِمْ دَعَاؤُكُمْ رَحِيمٌ﴾

”وہ تمہاری منفعت کے بڑے خواہشمند رہتے ہیں، مومنوں کے ساتھ بڑے ہی شفیق اور مہربان ہیں۔“⁽³⁾

رحمۃ للعالمین ﷺ امت کی ہدایت کے لیے اور اسے جہنم سے بچانے کے لیے کس قدر حریص تھے، اس کا اندازہ آپ اس بات کر سکتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((إِنَّمَا مَثَلِي وَمَثَلُ النَّاسِ كَمَثَلِ زُجْلٍ اسْتَوْقَدَ نَارًا ، فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ جَعَلَ الْفِرَاقُ وَهَذِهِ الذُّوَابُ الَّتِي تَقَعُ فِي النَّارِ يَقَعْنَ فِيهَا ، فَجَعَلَ الرَّجُلُ يَزْعُمُنَّ وَيَغْلِبُنَّهُ ، فَيَقْتَحِمُنَّ فِيهَا ، فَأَنَا أَحَدُ بِحَجَرِكُمْ عَنِ النَّارِ وَأَنْتُمْ تَقْتَحِمُونَ فِيهَا))

”بے شک میری اور لوگوں کی مثال اُس آدمی کی طرح ہے جو آگ جلانے، پھر جب آگ اپنے ارد گرد کو روشن کر دیتی ہے تو پتنگے اور یہ جانور جو کہ آگ میں کود پڑتے ہیں وہ آگ میں گرنا شروع ہو جاتے ہیں۔ آگ جلانے والا آدمی انھیں آگ سے پرے ہٹاتا ہے لیکن وہ اس پر غالب آکر آگ میں کود پڑتے ہیں۔ اور میں بھی تمہیں تمہاری کمر سے پکڑ پکڑ کر کھینچتا ہوں تاکہ تم جہنم کی آگ میں نہ چلے جاؤ لیکن (تم مجھ سے دامن چھڑا کر) زبردستی جہنم کی آگ میں داخل ہوتے ہو۔“⁽⁴⁾

① صحیح البخاری، کتاب الایمان: 39. ② صحیح مسلم: 1478. ③ التوبة: 128:9. ④ صحیح البخاری، الرقاق باب الانتہاء عن المعاصی: 6483، صحیح مسلم۔ الفضائل باب شفقتہ ﷺ علی امتہ: 2284.

اور جب رحمۃ للعالمین ﷺ کی کوششوں کے باوجود آپ کی امت کے کئی لوگ اسلام قبول نہ کرتے تو آپ ﷺ کو اس کا کتنا افسوس اور صدمہ ہوتا اُس کی کیفیت اللہ تعالیٰ یوں بیان فرماتا ہے:

﴿فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَفْسِكَ عَلَىٰ إِثَارِهِمْ إِنْ لَمْ يُؤْمِنُوا بِهَذَا الْحَدِيثِ أَسَفًا﴾

”آپ تو شاید ان (کافروں) کے پیچھے اپنی جان کو کھو دینے والے ہوں گے اس غم سے کہ یہ اس قرآن پر ایمان کیوں نہیں لاتے۔“ ﴿۱﴾

نیز فرمایا: ﴿فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسْرَتٍ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِمَا يَصْعَوْنَ﴾ ﴿۲﴾

”ابنِ آپ ان پر افسوس کے مارے اپنے آپ کو ہلاکان نہ کریں۔ جو کچھ وہ کر رہے ہیں اللہ یقیناً اسے جانتا ہے۔“ ﴿۳﴾

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کے غم و افسوس کی جو کیفیت بیان کی ہے، وہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ ﷺ امت کی ہدایت کے بہت زیادہ خواہشمند تھے۔ اور اسلام قبول نہ کرنے والوں کے بارے میں آپ بے انتہا فکر مند رہتے تھے۔ ورنہ اگر آپ امت کی ہدایت کے بہت زیادہ خواہشمند نہ ہوتے تو آپ کو فکر مند ہونے اور اس قدر غمگین ہونے کی کیا ضرورت تھی!

﴿۶﴾ رحمۃ للعالمین ﷺ اپنی امت کے لیے امان تھے

جی ہاں، رحمۃ للعالمین ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی امت کے لیے امان بنایا۔ آپ ﷺ کی امت سے پہلے کئی امتوں کو اللہ تعالیٰ نے جڑ سے اکھاڑ دیا اور ان پر ایسے ایسے عذاب بھیجے کہ جو ان کی مکمل بربادی کا سبب بن گئے۔ جبکہ رحمۃ للعالمین ﷺ کی امت کو اللہ تعالیٰ نے اس چیز سے محفوظ رکھا۔ چنانچہ جب بد بخت ابو جہل نے رحمۃ للعالمین ﷺ سے دردناک عذاب لانے کا مطالبہ کیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب یوں دیا:

﴿وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ وَمَا كَانَ اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ﴾ ﴿۱﴾

”یہ مناسب نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں عذاب دے اور آپ ان میں موجود ہوں۔ اور نہ ہی یہ مناسب ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں عذاب دے اور وہ استغفار کر رہے ہوں۔“ ﴿۲﴾

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے دو چیزوں کو بطور امان ذکر کیا ہے۔ ایک رحمۃ للعالمین ﷺ کی ذات گرامی، کہ جب تک آپ ﷺ امت میں موجود ہیں اللہ تعالیٰ انھیں عذاب دینے والا نہیں۔ دوسری امان استغفار ہے۔ یعنی آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ کی امت جب تک استغفار کرتی رہے گی اللہ تعالیٰ اسے ایسا عذاب نہیں دے گا جو

اس کا بالکل ہی خاتمہ کر دے۔

معزز سامعین! رحمۃ للعالمین ﷺ کی رحمت کے مختلف پہلو ہم نے ذکر کیے ہیں۔ اس سے پہلے ہم نے گزشتہ خطبہ جمعہ میں باری تعالیٰ کی رحمت کے متعدد پہلو ذکر کیے۔ یہ تمام چیزیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اللہ ارحم الراحمین نے رحمۃ للعالمین ﷺ کے ذریعے اس امت کو جو دین دیا ہے وہ پورے کا پورا دین رحمت ہے۔ اور اس میں کوئی سختی یا تشدد یا انتہا پسندی یا دہشت گردی نہیں ہے۔ اس سلسلے میں جو کچھ کہا جا رہا ہے یا جو کچھ لکھا جا رہا ہے وہ سب جھوٹا پروپیگنڈا ہے اور اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو اس دین رحمت پر قائم و دائم رہنے کی توفیق دے۔ اور تمام لوگوں کو اس دین میں داخل ہونے کی توفیق دے۔

عزیز بھائیو اور دوستو! رحمۃ للعالمین ﷺ کی رحمت کے کچھ مزید پہلوؤں کی طرف بھی ہم اشارہ کرتے چلیں:

ہم عرض کر چکے ہیں کہ آپ ﷺ اپنی پوری امت کے لیے کس طرح رحمت تھے۔ اب امت کے چند مخصوص لوگوں کے ساتھ آپ کی رحمت کا تذکرہ کرتے ہیں۔

● رسول اکرم ﷺ اپنے ساتھیوں (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) کے لیے رحمت تھے۔ چنانچہ

۱ آپ ﷺ اپنے ساتھیوں کے ساتھ گھل مل کر رہتے تھے۔ آپ ﷺ کا گھر عام لوگوں کے گھروں کی طرح تھا، آپ ﷺ کا اٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا اور آنا جانا عام لوگوں جیسا تھا۔ آپ کے دروازے پر کوئی سیکورٹی وغیرہ نہیں ہوتی تھی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے جو جب چاہتا آپ ﷺ سے ملاقات کر لیتا۔ آپ ﷺ انھیں یہی باور کراتے تھے کہ آپ انھی میں سے ایک فرد ہیں۔ اور کبھی یہ احساس نہیں ہونے دیتے تھے کہ آپ ان سے افضل ہیں۔ اسی لیے آپ ﷺ انھیں اپنے آنے پر کھڑا ہونے سے منع کرتے تھے۔ اور اپنی تعریف میں حد سے تجاوز کرنے سے بھی روکتے تھے۔ آپ ان سے مزاح بھی کرتے تھے، ان کے ساتھ کھاتے پیتے بھی تھے اور ہمیشہ اپنے آپ کو ان کے قریب رکھتے تھے۔

۲ رحمۃ للعالمین ﷺ اپنے ساتھیوں کا خیال رکھتے تھے۔ ان کے لیے دعا کرتے تھے۔ ان میں سے بیماروں کی عیادت کرتے تھے۔ ان کے فوت شدگان کی نماز جنازہ پڑھتے تھے اور ان کی تدفین میں شریک ہوتے تھے۔

۳ رحمۃ للعالمین ﷺ کے پاس جو کچھ آتا آپ اسے اپنے ساتھیوں میں تقسیم کر دیتے تھے۔ آپ ان سے ہمدردی کرتے تھے۔ اور خیر کے کاموں میں ان سے تعاون کرتے تھے۔

۴ رحمۃ للعالمین ﷺ اپنے ساتھیوں کو دین میں تکلف کرنے سے منع کرتے تھے اور آپ فرماتے تھے:

«عَلَيْكُمْ مِنَ الْأَعْمَالِ مَا تُطَبَّقُونَ»

”تم وہی عمل کیا کرو جس کی تم طاقت رکھتے ہو۔“^(۱)

(۵) آپ ﷺ اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ جنگوں میں شریک ہوتے تھے اور انھیں اکیلا نہیں چھوڑتے تھے۔ نیز ان کی فتح و نصرت کے لیے اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر دعائیں کرتے تھے۔

(۶) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے اگر کسی سے کوئی غلطی سرزد ہو جاتی تو آپ ﷺ اسے برا بھلا نہیں کہتے تھے اور نہ ہی اس پر لعنت بھیجتے تھے بلکہ اس کے ساتھ نرمی سے پیش آتے تھے اور اس کے لیے مختلف اعدا ڈھونڈتے تھے۔ اور پیار و محبت کے ساتھ اس کی راہنمائی کرتے تھے۔ اور اگر کوئی بدو یا دیہاتی شخص آپ ﷺ سے بد اخلاقی کرتا تو آپ ﷺ اسے معاف کر دیتے اور اس سے اچھا سلوک کرتے تھے۔

✽ رسول اکرم ﷺ خواتین اسلام کے لیے بھی رحمت تھے۔ چنانچہ

(۱) آپ ﷺ خواتین کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی وصیت کرتے تھے۔ اور مردوں کو ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنے کا حکم دیتے تھے۔ آپ ﷺ ہر خاتون کے ساتھ چاہے وہ ماں ہو، یا بیٹی ہو، یا بیوی ہو یا بہن ہو سب کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیتے تھے۔ خصوصاً ماں، و حسن سلوک کا سب سے زیادہ مستحق قرار دیتے تھے۔ بیوی کے حقوق ادا کرنے اور بیٹی کی اچھی تربیت کرنے کی تلقین کرتے تھے۔ آپ ﷺ ایک دن خواتین کے لیے مختص کرتے تھے جس میں آپ ﷺ انھیں وعظ و نصیحت کرتے تھے۔

(۲) خود آپ ﷺ اپنی بیٹیوں پر بڑی شفقت کرتے تھے۔ اور اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے بہت پیار و محبت کرتے تھے۔ گھریلو کام کاج میں اپنے گھر والوں کا ہاتھ بٹاتے تھے۔ اور سفر میں انھیں اپنے ساتھ رکھتے تھے۔

(۳) رحمۃ للعالمین ﷺ عورتوں کو غلاموں یا لونڈیوں کی طرح مارنے سے منع کرتے تھے۔ اور بیویوں کے درمیان عدل و انصاف کرنے کا حکم دیتے تھے۔ اور آپ فرماتے تھے کہ: « خِيَارُكُمْ خِيَارُكُمْ لِنِسَائِهِمْ » ”تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو اپنی بیویوں کے حق میں سب سے بہتر ہو۔“^(۲)

(۴) رحمۃ للعالمین ﷺ عورتوں کی فطری مجبوریوں اور کمزوریوں کا خیال رکھتے ہوئے ان سے ہمدردی کرتے تھے اور مخصوص ایام میں بھی اپنے اہل خانہ کے ساتھ میل جول رکھتے تھے۔

✽ رسول اکرم ﷺ بچوں کے لیے بھی رحمت تھے۔ چنانچہ

(۱) آپ ﷺ بچوں سے پیار کرتے تھے۔ انھیں بوسہ دیتے تھے۔ اپنی گود میں بٹھاتے تھے۔ اور انھیں اٹھاتے تھے، حتیٰ کہ نماز کی حالت میں بھی انھیں اپنے کندھوں پر بٹھا لیتے تھے۔ اگر کوئی بچہ آپ کی گود میں پیشاپ کر دیتا تو آپ

اسے ڈانٹتے نہیں تھے بلکہ پانی منگوا کر اپنے کپڑوں کو پاک کر لیتے تھے۔ اگر کسی بچے سے کوئی غلطی ہو جاتی تو آپ ﷺ نہایت پیار کے ساتھ اس کی اصلاح کرتے اور اس کی تربیت کرتے تھے۔ آپ ﷺ بچوں کے والدین کو ان کے درمیان عدل کرنے کا حکم دیتے تھے اور ان میں کسی ایک پر ظلم کرنے سے منع کرتے تھے۔

(2) آپ ﷺ بچوں کے لیے دعا کرتے تھے۔ انھیں گھٹی دیتے تھے۔ اگر وہ بیمار ہوتے تو ان کی شفا یابی کی دعا کرتے تھے۔ آپ ﷺ کا بچوں کے پاس سے گزر ہوتا تو آپ انھیں سلام کہتے تھے۔

(3) آپ ﷺ بچوں کے حق میں اتنے رحمہاں تھے کہ اگر دورانِ نماز ان کے رونے کی آواز سنتے تو نماز میں تخفیف کر دیتے تھے۔

(4) رحمۃ للعالمین ﷺ بچوں کو عقائدِ صحیحہ، احکامِ شرعیہ اور آدابِ اسلامیہ کی تعلیم دیتے تھے۔ اسی طرح رحمتِ عالم ﷺ یتیموں، بیوہ عورتوں، غلاموں، لونڈیوں اور فقراء و مساکین کے لیے بھی رحمت تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ ان کے حقوق ادا کرنے اور ان پر مال خرچ کرنے کا حکم دیتے تھے اور اس کی بہت زیادہ فضیلت بیان کرتے تھے۔

حتیٰ کہ رحمتِ عالم ﷺ جانوروں کے لیے بھی رحمت تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ ان پر نرمی کرنے کا حکم دیتے اور انھیں بہت زیادہ مارنے سے منع کرتے تھے۔ آپ ﷺ ان کے مالکان کو ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا حکم دیتے تھے۔ اور ان کی طاقت کے مطابق ان پر بوجھ ڈالنے اور انھیں کھانے پلانے کا حکم دیتے تھے۔¹

آپ ﷺ نے ایک عورت کے بارے میں آگاہ کیا کہ وہ ایک بلی کی وجہ سے جہنم میں چلی گئی جس کو اس نے باندھ رکھا تھا۔ نہ وہ اسے کھلاتی پلاتی تھی اور نہ ہی اسے چھوڑتی تھی، یہاں تک کہ وہ مر گئی۔⁽²⁾

آپ ﷺ نے جانور کو ذبح کرتے وقت اسے تیز دھار آلے کے ساتھ اچھی طرح ذبح کرنے کا حکم دیا۔⁽³⁾ اور اس کے سامنے چھری تیز کرنے سے منع فرمایا۔⁴

اس کے علاوہ آپ ﷺ نے پرندوں کو ان کے گھونسلوں سے اڑانے سے بھی منع فرمایا۔ اسی طرح آپ ﷺ نے جانوروں کا مشہ کرنے، ان پر لعنت بھیجنے اور انھیں اپنے تیروں کے لیے نشانہ گاہ بنانے سے بھی منع فرمایا۔

حتیٰ کہ رحمتِ عالم ﷺ کافروں کے لیے بھی رحمت تھے۔ چنانچہ

1. مسند احمد، و سنن أبي داود. 2. متفق عليه. 3. مسلم. 4. الطبرانی والحاکم بإسناد صحيح.

(۱) آپ ﷺ کو جب یہ پیش کش کی گئی کہ دو پہاڑوں کو ملا کر مکہ کے کافروں کو پیس کر رکھ دیا جائے تو آپ ﷺ نے اس سے انکار کر دیا۔ اور فرمایا کہ ”مجھے اللہ سے امید ہے کہ وہ ان کی نسلوں سے ان لوگوں کو پیدا کرے گا جو اس اکیلے کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گے۔“

(۲) آپ ﷺ کفار کے خلاف بددعا نہیں کرتے تھے۔ اور جب آپ کو یہ کہا گیا کہ ”دوس“ قبیلے کے لوگ کفر پر اڑے ہوئے ہیں، لہذا آپ ان پر بددعا کریں تو آپ ﷺ نے فرمایا: ((اَللّٰهُمَّ اهْدِ دُومًا وَاُتْبِیْہِم)) ”اے اللہ! دوس قبیلے کو ہدایت دے اور اسے میرے پاس لے آ۔“

(۳) جب کافروں نے رحمۃ للعالمین ﷺ کو میدان احد میں زخمی کیا تو آپ ﷺ اپنے چہرہ انور سے خون صاف کرتے ہوئے فرما رہے تھے: ((اَللّٰهُمَّ اغْضِرْ لِقَوْمِیْ فَاِنَّہُمْ لَا یَنْلَمُوْنَ)) ”اے اللہ! میری قوم کو معاف کر دے کیونکہ انھیں علم نہیں ہے۔“

(۴) جب رحمت عالم ﷺ فتح مکہ کے موقع پر مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو آپ ﷺ نے اپنے دشمنوں کے قتل عام کا حکم نہیں دیا تھا، بلکہ معافی کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا تھا: ((اِذْہَبُوا فَاَنْتُمْ الطَّالِبُ)) ”جاؤ تم آزاد ہو۔“ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ ﷺ ان کے خون کے پیاسے نہ تھے۔ بلکہ آپ ﷺ ان کی ہدایت کے خواہشمند تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے جن چند لوگوں کے نام لے کر ان کی شدید اسلام دشمنی کی بناء پر انھیں قتل کرنے کا حکم دیا تھا ان میں سے صرف چار افراد کو قتل کیا گیا تھا۔ باقی لوگوں کے اسلام لانے کے اعلان کو آپ ﷺ نے قبول کر لیا تھا۔ مثلاً عکرمہ بن ابی جہل وغیرہ۔

(۵) جن لوگوں نے رحمت عالم ﷺ کو (نعوذ باللہ) قتل کرنے کا منصوبہ بنایا تھا، آپ ﷺ نے ان سے انتقام نہیں لیا، بلکہ انھیں معاف کر دیا۔ جس عورت نے آپ ﷺ کو زہر کھلایا تھا آپ ﷺ نے اسے بھی قتل کرنے سے منع کر دیا تھا۔ اسی طرح لبید بن اعصم، جس نے آپ ﷺ پر جادو کیا تھا، آپ ﷺ نے اسے بھی قتل نہیں کیا تھا۔

(۶) رحمت عالم ﷺ نے جنگوں میں کفار کی عورتوں اور ان کے بچوں کو قتل کرنے سے منع کر دیا تھا، جب تک کہ کوئی عورت خود مسلمانوں کے خلاف قتال شروع نہ کرے۔

(۷) رحمت عالم ﷺ اہل الذمہ کے حقوق کا خیال رکھنے کی تلقین کرتے تھے۔ اور ”عابد“ کو قتل کرنے سے منع کرتے تھے۔ اس کے علاوہ آپ ﷺ مسلمانوں کو اپنے کافر رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم دیتے تھے۔ تاکہ وہ ان کے قریب ہوں اور ان کے اخلاق سے متاثر ہو کر اسلام قبول کر لیں۔

﴿۱﴾ متفق علیہ۔

عزیزان گرامی! یہ تمام باتیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ حضرت محمد ﷺ تمام لوگوں کے لیے باعثِ رحمت تھے۔ حتیٰ کہ کافروں کے لیے بھی آپ ﷺ رحمت ہی رحمت تھے۔ لہذا آپ ﷺ کے حوالے سے کفار کی طرف سے جو پروپیگنڈا کیا جا رہے وہ سراسر غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کو سمجھنے کی توفیق دے۔

دوسرا خطبہ

عزیزان گرامی! کوئی شخص یہ سوال کر سکتا ہے کہ اگر آپ ﷺ کافروں کے لیے بھی رحمت تھے تو پھر آپ ﷺ کی ان کے خلاف جنگیں کیوں ہوئیں؟ جن میں ان میں سے کئی لوگ مارے بھی گئے؟ تو اس سوال کے کئی جوابات ہیں:

(۱) رسول اکرم ﷺ رحمۃ للعالمین ہی تھے۔ لیکن جو لوگ اسلام قبول کرنے سے انکار کرتے رہے، ضد اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے رہے، کفر اور شرک پر ڈٹے رہے اور اسلام اور مسلمانوں کے خلاف برسرِ پیکار رہے، صرف اُن کے خلاف آپ ﷺ اور آپ پر ایمان لانے والوں کو جہاد کی اجازت دی گئی۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم دیا گیا کہ ﴿وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يَفْقَهُوا تِلْكَ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ۝﴾ ”اور تم اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑائی کرو جو تم سے لڑائی کرتے ہیں۔ مگر زیادتی نہ کرنا کیونکہ اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔“

اور اس کی حکمت بھی بتا دی گئی کہ ﴿فَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝﴾ ”اور ان سے جنگ کرو حتیٰ کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین اللہ کے لیے ہو جائے۔ پھر اگر وہ باز آجائیں تو ظالموں کے علاوہ کسی پر زیادتی روا نہیں ہے۔“ ان دونوں آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ جہاد کی اجازت ایک تو مسلمانوں کو اپنا دفاع کرنے کے لیے دی گئی۔ دوسرا اس لیے کہ فتنہ باقی نہ رہے۔ فتنہ سے مراد اسلام کی راہ میں رکاوٹ بننے والی ہر طاقت ہے، جس کی سرکوبی کی خاطر جہاد مشروع کیا گیا۔

(۲) اسلام میں قتال کرنا اصل ہدف نہیں ہے۔ بلکہ اصل ہدف یہ ہے کہ لوگ اسلام قبول کر لیں اور اسے اپنا اوڑھنا بچھونا بنائیں۔ یہی وجہ ہے کہ رحمتِ عالم ﷺ نے اپنے مجاہدین کو یہ ہدایت دے رکھی تھی کہ وہ سب سے پہلے کافروں کو اسلام کی طرف دعوت دیں۔ اگر وہ اسے قبول کر لیں تو انہیں کچھ بھی اذیت نہ پہنچائیں۔ اور اگر وہ اسے قبول نہ کریں تو ان سے جزیہ دینے کا مطالبہ کریں۔ اگر وہ اس پر راضی ہو جائیں تو ان سے کوئی تعرض نہ کریں۔ اور اگر وہ اس پر

راضی نہ ہوں تو ان سے قتال کریں۔^(۱)

رسول اکرم ﷺ نے جناب علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو جب خیبر کا قلعہ فتح کرنے کے لیے روانہ کیا تھا تو آپ ﷺ نے انھیں ارشاد فرمایا تھا: «أَنْفُذْ عَلَى رِسْلِكَ ، حَتَّى تَنْتَوِلَ بِسَاحَتِهِمْ ، ثُمَّ ادْعُهُمْ إِلَى الْإِسْلَامِ ، وَأَخْبِرْهُمْ بِمَا يَجِبُ عَلَيْهِمْ مِنْ حَقِّ اللَّهِ فِيهِ ، فَوَاقِهِ لَأَنْ يَهْدِيَ اللَّهُ بِكَ رَجُلًا وَاحِدًا خَيْرٌ لَكَ مِنْ حُمْرِ الدَّعَمِ»

”اطمینان سے جاؤ اور جلد بازی نہ کرو، یہاں تک کہ تم ان کے علاقے میں پہنچ جاؤ، پھر انھیں اسلام کی طرف دعوت دینا اور انھیں اللہ کے اُس حق کے بارے میں آگاہ کرنا جو ان پر اسلام میں واجب ہوتا ہے۔ اللہ کی قسم! اگر اللہ تعالیٰ تمہارے ذریعے ایک آدمی کو بھی ہدایت دے دے تو یہ تمہارے لیے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔“^(۲)

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ قتال مقصود بالذات نہیں ہے۔ بلکہ مقصود بالذات دعوت اسلام کو پیش کرنا ہے۔
 (۳) جو لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اسلام تلوار کے زور پر پھیلایا گیا وہ تاریخی حقائق سے ناواقف ہیں۔ کیونکہ رسول اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پورے مکی دور میں اسلحہ نہیں اٹھایا اور نہ ہی اپنے مخالفین کے خلاف تلوار کو اٹھایا۔ بلکہ خود آپ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ہی بدترین ظلم و ستم کا نشانہ بنایا جاتا رہا۔ اس دوران یہ سب حضرات صبر کرتے اور مصیبتیں برداشت کرتے رہے۔ ان کی دعوت صرف اور صرف کلمہ حق کہنے تک ہی محدود رہی اور اس میں تلوار اور اسلحے کا کوئی عمل دخل نہ تھا۔ مکہ مکرمہ اور اس کے گرد و نواح میں جو حضرات مشرف بہ اسلام ہوئے انھیں اس کے لیے تلوار کی نوک پر مجبور نہیں کیا گیا تھا بلکہ وہ اپنی خوشی کے ساتھ اور دین اسلام کی حقانیت کو دلوں سے تسلیم کرنے کے بعد خود بخود ہی اسلام میں داخل ہوئے۔

پھر یہی دعوت ’یثرب‘ تک جا پہنچی، جہاں سے بہت سارے لوگوں نے خود ہی مکہ مکرمہ آکر رسول اکرم ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی تھی۔ تو کیا انھیں بھی تلوار کے ذریعے لایا گیا تھا؟ ہرگز نہیں۔ اس لیے یہ دعویٰ ہی سرے سے غلط ہے کہ اسلام تلوار کے زور پر پھیلا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ مدینہ منورہ میں قائم ہونے والی مملکت دنیا کی واحد اسلامی مملکت ہے جو بغیر اسلحہ اٹھائے اور بغیر کسی کا خون بہائے قائم ہوئی۔ یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ دین اسلام دین رحمت ہے۔ اور دنیا بھر کو امن و سلامتی کا پیغام دیتا ہے۔

(۴) یہ ایک حقیقت ہے کہ نبی کریم ﷺ کی حیات مبارکہ میں 2۱ جنگیں ہوئیں، جن میں سے 9 جنگوں میں آپ ﷺ

(۱) صحیح مسلم، کتاب الجہاد باب تأمیر الإمام الأمراء علی البعوث، ۲/۲۸۷ متفق علیہ۔

خود شریک ہوئے، لیکن ان تمام جنگوں میں آپ ﷺ کے ہاتھوں سوائے ایک شخص کے کوئی دوسرا آدمی قتل نہیں ہوا۔ اور جو قتل ہوا وہ بھی اس طرح کہ مکہ مکرمہ میں 'ابی بن خلف' امی اللہ کے دشمن نے رسول اکرم ﷺ سے کہا تھا: میں اپنا گھوڑا تیار کر رہا ہوں تاکہ اس پر سوار ہو کر آپ کو قتل کروں۔ تب آپ ﷺ نے کہا تھا:

((اَنَا أَقْتُلُكَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ)) "اگر اللہ نے چاہا تو میں تمہیں قتل کروں گا۔"

پھر جنگ اُحد میں یہ بد بخت رسول اکرم ﷺ کو تلاش کرتے کرتے آیا اور کہنے لگا: محمد کہاں ہے؟ اگر وہ مجھ سے بچ گیا تو میں نہیں بچوں گا۔ تو رسول اکرم ﷺ نے حارث بن صمہ رضی اللہ عنہ سے برجھی لی اور اسے اس کی گردن پر دے مارا۔ وہ اپنے گھوڑے سے نیچے کولڑھکنے لگا۔ پھر قریش کے پاس جا کر کہا: مجھے محمد نے قتل کیا ہے۔ اس نے مجھے مکہ میں کہا تھا کہ میں تمہیں قتل کروں گا۔ اللہ کی قسم! اگر وہ مجھ پر تھوکتا بھی تو مجھے قتل کر دیتا۔ اس کے بعد وہ 'سرف' نامی جگہ پر مر گیا۔

اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے ہاتھوں اس بد بخت کا قتل اپنے دفاع میں ہوا۔ اور یہ درحقیقت آپ ﷺ کا معجزہ بھی تھا۔ کیونکہ آپ ﷺ نے اسے کہا تھا کہ میں تمہیں قتل کروں گا تو وہ آپ ہی کے ہاتھوں قتل ہوا۔ اس شخص کے علاوہ آپ ﷺ کے ہاتھوں کوئی دوسرا آدمی قتل نہیں ہوا۔ جو اس بات کی دلیل ہے کہ آپ ﷺ اپنے مخالفوں کے خون کے پیاسے نہ تھے۔ بلکہ آپ ﷺ ان کے لیے بھی رحمت تھے۔

(۵) اگر ہم رسول اکرم ﷺ کی حیات مبارکہ میں ہونے والی تمام جنگوں میں کفار کے مقتولین کی تعداد کا جائزہ لیں تو وہ بہت کم نظر آتی ہے۔ جبکہ وہ لوگ جو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈا کر رہے ہیں ان کے ہاتھوں لاکھوں لوگ مختلف جنگوں میں قتل ہو چکے ہیں۔ اور ہم اہل عقل و دانش کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ ذرا غور کریں کہ:

- ❖ پہلی عالمی جنگ کس نے شروع کی تھی؟ اور کس نے لوگوں کا قتل عام کیا تھا؟
- ❖ دوسری عالمی جنگ کس نے شروع کی تھی؟ اور کس نے لاکھوں کو بے دریغ قتل کیا تھا؟
- ❖ وہ کون تھا جس نے 'ہیروشیما' اور 'ناگاساکی' پر ایٹم بم گرا کر لاکھوں انسانوں کو قتل کیا؟
- ❖ وہ کون لوگ تھے جنہوں نے عراق اور افغانستان پر لاکھوں ٹن بارود گرا کر ہزاروں بے گناہ لوگوں کو قتل کیا اور اب تک کر رہے ہیں؟

ذرا سوچئے! کیا وہ مسلمان تھے جن کے ہاتھوں ان تمام جنگوں میں لاکھوں افراد لقمہ اجل بن گئے؟ ہرگز نہیں۔ یہ وہ لوگ تھے کہ جو آج پوری ڈھنائی کے ساتھ اسلام اور مسلمانوں پر جھوٹے الزامات لگا کر دین اسلام کو بدنام کرنے کی مذموم کوشش کر رہے ہیں اور اسے دہشت گردی کی تعلیم دینے والا دین قرار دے رہے ہیں۔ حالانکہ حقیقی دہشت

گردی وہ ہے جس کا ارتکاب ان جنگوں میں کیا گیا۔ اور حقیقی دہشت گردی وہ ہے جو آج بھی مختلف ممالک میں بے گناہ لوگوں کے خلاف کی جا رہی ہے۔ واللہ المستعان . ولا حول ولا قوة الا باللہ !

سب سے بڑے دہشت گرد تو وہ ہیں کہ جو گزشتہ کئی برسوں سے مختلف اسلامی ممالک میں مسلمانوں پر مظالم ڈھا رہے ہیں۔ ان پر بغیر ثبوت کے، جھوٹے الزامات لگا کر ان کا خون پانی کی طرح بہا رہے ہیں، انہیں گامولی کی طرح کاٹ رہے ہیں اور عام شہریوں کو جن میں عورتیں اور بچے بھی شامل ہوتے ہیں، انہیں ڈرون حملوں کے ذریعے یا میزائلوں کے ذریعے یا کسی اور طریقے سے قتل کر رہے ہیں۔

دہشت گرد تو وہ ہیں کہ جو فلسطین کی مبارک سرزمین پر ظالمانہ قبضہ جما کر خود اہل فلسطین کو ہی ظلم و ستم کا نشانہ بنا رہے ہیں اور نہتے مسلمانوں کے خلاف خطرناک اور جدید اسلحے کے ساتھ برسرِ پیکار ہیں۔ اور بے گناہ لوگوں کو قتل کر رہے ہیں۔ اور بے بس خواتین اسلام اور کمزور بچوں پر گولیاں برس رہے ہیں۔ اور ان کے گھروں کو مسمار کر رہے ہیں۔ اور اس بدترین دہشت گردی میں دہشت گردوں کی پشت پناہی کرنے والے عالمی دہشت گرد بھی شامل ہیں جو خطرناک اسلحے کے ساتھ اور خطیر مالی امداد کے ساتھ ان دہشت گردوں کو اور مضبوط کر رہے ہیں !

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو خاص طور پر اور پوری دنیا کو عام طور پر ان لوگوں کے شر سے محفوظ فرمائے۔ اور ان کی تدبیروں کو خود انہی کی تباہی کا ذریعہ بنائے۔

شروط لا إله إلا الله

اہم عناصر خطبہ

(۱) لا إله إلا الله کے فضائل ۲ لا إله إلا الله کا معنی ۳ لا إله إلا الله کی شروط

معزز سامعین! لا إله إلا الله وہ عظیم کلمہ ہے کہ

- ✽ جس کی خاطر مخلوق کو پیدا کیا گیا، انبیاء و رسل ﷺ کو مبعوث کیا گیا اور کتابوں کو نازل کیا گیا۔
- ✽ اسی کلمہ کی بناء پر لوگ دو قسموں میں تقسیم ہوئے۔ اس کے ماننے والے خوش نصیب مومنین، جن کے لیے اللہ تعالیٰ نے جنات تیار کر رکھی ہیں۔ اور اس سے انکار کرنے والے بد نصیب کفار، جن کے لیے اللہ تعالیٰ نے جہنم کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

✽ اسی کلمہ کی وجہ سے روز قیامت ترازو نصب کیے جائیں گے اور لوگوں میں نامہ اعمال تقسیم کیے جائیں گے۔

✽ یہی کلمہ ((العروة الوثقى)) یعنی ”مضبوط کڑا“ اور ”پائیدار سہارا“ ہے۔

✽ یہی کلمہ جنت کے حصول اور جہنم سے نجات کا راستہ ہے۔

✽ یہی کلمہ اُس گھر کی چابی ہے کہ جس میں سعادت مندی کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔

✽ یہی کلمہ دین کی جڑ اور اس کی اصل ہے۔ اور اس کا سب سے بڑا رکن ہے۔

آج کے خطبہ جمعہ میں ہم ان شاء اللہ تعالیٰ اسی عظیم کلمہ کے فضائل اور اس پر ایمان لانے کی شرائط کو تفصیل سے بیان کریں گے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اس کلمہ کو سمجھنے اور اس کے تقاضوں کو پورا کرنے کی توفیق دے۔ آمین

کتاب وسنت میں کلمہ طیبہ کے فضائل

برادران اسلام! کتاب وسنت میں اس کلمہ طیبہ کے عظیم فضائل ذکر کیے گئے ہیں۔ لیجیے سب سے پہلے وہ فضائل

سماعت کیجیے۔

(۱) قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اس کلمہ کو کلمہ طیبہ کہا ہے۔ ارشاد باری ہے:

﴿أَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ ۝

”کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ اللہ نے کلمہ طیبہ کی کیسی مثال دی ہے! وہ اس عمدہ درخت کی مانند ہے جس کی جڑ زمین میں مضبوط ہو اور جس کی شاخ آسمان میں ہو۔“^۱

الشیخ ابن السعدی رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں کہتے ہیں:

”کلمہ طیبہ سے مراد ((لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ)) اور اس کی فروغ کی گواہی دینا ہے۔ اور عمدہ درخت سے مراد کھجور ہے جس کی جڑ زمین میں مضبوط اور اس کی شاخیں بلندی میں پھیلی ہوتی ہیں۔ اور یہ ایسا درخت ہے جس سے ہمیشہ بہت منافع کمائے جاتے ہیں۔ اور یہ اپنے رب کے حکم سے ہر وقت پھل دیتا رہتا ہے۔ اسی طرح ایمان کے درخت کی مثال ہے جس کی جڑ علم اور عقیدے کے اعتبار سے مومن کے دل میں مضبوط ہوتی ہے اور اس کی شاخیں پاکیزہ کلمات، اعمال صالحہ، پسندیدہ اخلاق اور اچھے آداب کی شکل میں ہمیشہ آسمان میں پھیلی رہتی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف وہ اعمال و اقوال جاتے رہتے ہیں جو ایمان کے درخت سے نکلتے ہیں۔ اور وہ مومن کے لیے نفع بخش ہوتے ہیں۔“

(۲) اللہ تعالیٰ نے اسی کلمہ کو تمام رسل علیہم السلام کی دعوت کا خلاصہ قرار دیا ہے۔ ارشاد ہے:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا نُوحِيَ إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ ۝

”اور ہم نے آپ سے پہلے جو رسول بھی بھیجا اس پر یہی وحی نازل کی کہ میرے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے، اس لیے تم سب میری ہی عبادت کرو۔“^(۲)

(۳) یہ کلمہ ((العروة الوثقى)) یعنی ”مضبوط کڑا“ اور ”پائیدار سہارا“ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنْ بِاللَّهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ لَا انْفِصَامَ لَهَا ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝

”پس جس شخص نے طاغوت کا انکار کیا اور اللہ پر ایمان لایا، اس نے درحقیقت ایک ایسے مضبوط کڑے کو تھام لیا جو کبھی نہیں ٹوٹے گا۔ اور اللہ خوب سننے والا اور جاننے والا ہے۔“^(۳)

یعنی جس شخص نے بتوں کو، اللہ کے دیگر شریکوں کو اور ہر اس چیز کی عبادت کو چھوڑ دیا جس کی عبادت کی طرف

(۱) ابراہیم ۱۴: ۲۴، (۲) الانبیاء ۲۱: ۲۵، (۳) البقرة ۲: ۲۵۶۔

شیطان دعوت دیتا ہے اور اس نے اکیلے اللہ تعالیٰ کی ہی عبادت کی اور اس نے دل سے گواہی دی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں تو اس نے ایک مضبوط سہارا تھام لیا جس پر وہ ثابت قدم اور صراطِ مستقیم پر گامزن رہے گا..... طاغوت سے مراد ہر وہ شر ہے جس پر جاہلیت کے دور میں لوگ قائم تھے مثلاً بتوں کی پوجا کرنا، ان کو حکم (فیصلہ کرنے والا) تسلیم کرنا اور ان سے مدد طلب کرنا۔

((العروة الوثقى)) کے بارے میں سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ اور الشحاک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد کلمہ طیبہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ہے۔¹

(4) یہی کلمہ ((كلمة التقوى)) ہے جسے اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب رضی اللہ عنہم کے لیے لازم قرار دیا اور وہ اس کے زیادہ حقدار اور اس کے اہل تھے۔ فرمان الہی ہے:

﴿إِذْ جَعَلَ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي قُلُوبِهِمْ لَحْمِيَّةً حَمِيَّةً الْجَاهِلِيَّةَ فَأَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَى رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَأَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوَىٰ وَكَانُوا أَحَقَّ بِهَا وَأَهْلَهَا ۖ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ۝﴾

”جب کافروں نے اپنے دلوں میں جاہلیت کے تعصب کو جگایا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اور مومنوں پر اپنا سکون اتارا اور انھیں تقویٰ والے کلمہ پر قائم رکھا۔ اور یہ لوگ اس کے سب سے زیادہ حقدار اور سزاوار تھے۔ اور اللہ ہر چیز کی پوری خبر رکھتا ہے۔“²

ابو اسحاق السبئی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ عمرو بن میمون رضی اللہ عنہ نے کہا: ((لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ)) سے بہتر کوئی بات نہیں۔ تو سعد بن عیاض رضی اللہ عنہ نے کہا: اے ابو عبد اللہ! کیا آپ کو معلوم ہے کہ یہ کلمہ کیا ہے؟ یہی تقویٰ والا کلمہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب رضی اللہ عنہم کے لیے لازم قرار دیا، چنانچہ انھوں نے اس پر قائم رہ کر یہ ثابت کر دیا کہ وہ واقعتاً اس کے اہل تھے۔

(5) کلمہ طیبہ ہی دعوتِ حق ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿لَكَ دَعْوَةُ الْحَقِّ ۖ وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ لَا يَسْتَجِيبُونَ لَهُمْ بِشَيْءٍ إِلَّا كَبَاسِطٌ أَيْمَانُهُ يَنْبُغُ ۚ وَهُوَ بِمَا لَعْنَهُمْ وَمَا دَعَاءُ الْكَافِرِينَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ ۝﴾

”صرف اسی کو پکارنا حق ہے۔ اور جو لوگ اس کے سوا دوسروں کو پکارتے ہیں وہ ان کی کوئی حاجت پوری نہیں کرتے۔ ان کی حالت اس آدمی کی سی ہے جو اپنے دووں ہاتھ پانی کی طرف پھیلانے تاکہ اس کے منہ تک پہنچ جائے، حالانکہ وہ کبھی بھی نہیں پہنچ سکتا۔ اور کافروں کا اپنے معبودوں کو پکارنا رائیگاں ہی جاتا ہے۔“³

الشیخ ابن السعدی رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں کہتے ہیں:

”دعوة الحق سے مقصود اکیلے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا اور پکار اور سوال کو اس کے لیے خالص کرنا ہے، یعنی وہ اکیلا ہے جسے پکارا جاسکتا ہے، صرف وہی ذات ہے جس کا خوف دل میں لایا جاسکتا ہے، جس سے تمام امیدیں وابستہ کی جاسکتی ہیں، اسی کی محبت کو دل میں بسایا جاسکتا ہے، رغبت بھی اسی کی طرف کی جاسکتی ہے، ڈر بھی صرف اسی کا ہو سکتا ہے اور اس کے علاوہ کسی اور کی الوہیت باطل ہے۔“

(6) یہ کلمہ اتنا عظیم ہے کہ اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں، بلکہ یہ تمام پردوں سے تجاوز کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ تک پہنچ جاتا ہے۔ جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((مَا قَالَ عَبْدٌ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ قَطُّ مُخْلِصًا إِلَّا فُتِحَتْ لَهُ أَبْوَابُ السَّمَاءِ حَتَّى تُفْضِيَ إِلَى الْعَرْشِ مَا اجْتَنَبَ الْكِبَائِرَ))

”کوئی بندہ جب پورے اخلاص کے ساتھ اور کبیرہ گناہوں سے بچتے ہوئے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہتا ہے تو اس کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں یہاں تک کہ یہ کلمہ عرش تک پہنچ جاتا ہے۔“
یعنی جو شخص یہ کلمہ پڑھتا ہے، اس کے معانی کو اپنے دل کی گہرائیوں میں اتارتا ہے اور اس کے تقاضوں کو پورا کرتا ہے تو اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان فاصلے سمٹ جاتے ہیں اور اس کا تعلق براہ راست اللہ تعالیٰ سے قائم ہو جاتا ہے۔

(7) یہ کلمہ دنیا و آخرت کی پریشانیوں سے نجات کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ اسی لیے حضرت یونس علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ میں اسی کلمہ کے ساتھ دعا کی: ﴿فَنَادَى فِي الظُّلُمَاتِ أَن لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ﴾¹
”پھر انھوں نے اندھیروں میں پکارا: تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو پاک ہے۔ اور میں ہی قصور وار تھا۔“²
اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَلَنَسْتَجِبَنَّ لَهُ وَتَجِيئُهُ مِنَ الْغَمِّ وَكَذَلِكَ نُفَصِّلُ الْفُلُوفَ لِمَن يَشَاءُ﴾³
”تب ہم نے ان کی دعا قبول کر لی اور انھیں اس غم سے نجات دی۔ اور اسی طرح ہم ایمان والوں کو بھی نجات دیا کرتے ہیں۔“⁴

اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِنَّهُ لَمْ يَدْعُ بِهَا مُسْلِمٌ فِي شَيْءٍ قَطُّ إِلَّا اسْتَجَابَ اللَّهُ لَهُ بِهَا))

”جو مسلمان اس دعا کے ساتھ کسی بھی چیز کے بارے میں دعا کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے یقیناً قبول کرتا ہے۔“⁵

① جامع الترمذی: 3590، وحسنہ الألبانی، ② الانبیاء: 87، ③ الانبیاء: 88، ④ صحیحہ الحاکم فی المستدرک: 505/1 ووافقه الذہبی.

لہذا جو شخص اس کلمہ کو پڑھتا ہو اور اس پر ایمان لانے کا دعویٰ کرتا ہو اس پر یہ لازم ہے کہ وہ مشکلات و مصائب میں، پریشانیوں اور آزمائشوں میں صرف اللہ تعالیٰ کو پکارے۔ وہ یقیناً اس کی پریشانیوں کو ختم کر دے گا اور مشکلات و مصائب کو نال دے گا۔

(8) یہی کلمہ وہ عہد ہے کہ جس کے ذریعے شفاعت کی سعادت نصیب ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿لَا يَسْتَلْكُونَ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمَنِ عَهْدًا﴾

”اس دن کوئی بھی کسی کی سفارش نہ کر سکے گا مگر جس نے، رحمن سے عہد لیا ہو۔“¹

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا:

”اس عہد سے مقصود لا إله إلا اللہ کی گواہی دینا ہے، جس کے ذریعے انسان اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ

ہر قسم کی طاقت و قدرت کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ اور یہی کلمہ ہر تقویٰ کی جڑ ہے۔“

محترم بھائیو! شفاعت کسی کی ملکیت نہیں اور نہ ہی کوئی شخص اس کا اختیار رکھتا ہے۔ شفاعت کا مالک تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ فرمان الہی ہے: ﴿قُلْ لِلَّهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيعًا﴾

”کہہ دیجئے کہ سفارش پوری کی پوری اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔“²

لہذا کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر شفاعت نہیں کر سکے گا۔ حتیٰ کہ امام الانبیاء حضرت محمد ﷺ کو بھی جب اللہ تعالیٰ اجازت دیں گے تو آپ شفاعت کریں گے۔ جب آنحضور ﷺ اللہ کی اجازت کے بغیر شفاعت نہیں کریں گے تو ان سے کم تر کوئی بھی شخص چاہے وہ کتنا بڑا ولی یا امام کیوں نہ ہو وہ کسی کے حق میں اللہ کی اجازت کے بغیر کیسے شفاعت کر سکے گا!

اور شفاعت صرف انھی لوگوں کو نصیب ہوگی جنھوں نے ایمان باللہ اور اتباع رسل کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے اس کا عہد لے رکھا ہے۔ اور وہی لوگ شفاعت کے مستحق ہوں گے، جنھیں اللہ تعالیٰ شفاعت کے لیے پسند فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمَنِ عَهْدًا﴾

”اور وہ صرف اسی کے حق میں سفارش کر سکیں گے جس کے لیے اللہ راضی ہوگا۔“³

بلکہ روز قیامت نبی کریم ﷺ کی شفاعت بھی اسی شخص کو نصیب ہوگی جس نے دنیا میں اس کلمہ طیبہ کا اقرار کیا ہو گا۔ جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اکرم ﷺ سے پوچھا: قیامت کے دن لوگوں میں سب سے بڑا خوش نصیب کون ہوگا جس کے حق میں آپ شفاعت کریں گے؟

تو آپ ﷺ نے جواب دیا: «لَقَدْ ظَنَنْتُ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ! أَنْ لَا يَسْأَلَنِي عَنْ هَذَا الْحَدِيثِ أَحَدٌ أَوَّلُ مِنْكَ لِمَا رَأَيْتُ مِنْ حِرْصِكَ عَلَى الْحَدِيثِ . أَسْعَدُ النَّاسِ بِشَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ : مَنْ قَالَ : لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ خَالِصًا مِّنْ قَبْلِ نَفْسِهِ»

”اے ابو ہریرہ! مجھے یقین تھا کہ اس بارے میں تم ہی سوال کرو گے کیونکہ تمہیں احادیث سننے کا زیادہ شوق رہتا ہے، (تو سنو) قیامت کے دن میری شفاعت کی سعادت اس شخص کو نصیب ہوگی جس نے اپنے دل کی گہرائیوں سے اخلاص کے ساتھ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہا۔“⁽¹⁾

(9) کلمہ طیبہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ جہنم سے نجات پانے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں وارد ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مؤذن کو یہ کہتے ہوئے سنا «أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ» تو آپ ﷺ نے فرمایا: «خَرَجْتَ مِنَ النَّارِ» ”تم جہنم کی آگ سے نجات پا گئے۔“ اس حدیث کے راوی حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نے دیکھا تو وہ مؤذن، بکریوں کا چرواہا تھا۔⁽²⁾

اور صحیحین میں حضرت عتبہ بن ابی لہبؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((إِنَّ اللَّهَ حَرَّمَ عَلَى النَّارِ مَنْ قَالَ : لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ يَبْتَغِي بِذَلِكَ وَجْهَ اللَّهِ))

”بے شک اللہ تعالیٰ اس شخص کو جہنم پر حرام کر دیتا ہے جو محض اللہ کی رضا کی خاطر لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہتا ہے۔“⁽³⁾

(10) کلمہ طیبہ پڑھنے والے شخص کے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔ جیسا کہ صحیح حدیث میں وارد ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جو شخص مکمل وضو کرنے کے بعد یہ دعا پڑھے: «أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ» تو اس کے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیے جاتے ہیں، وہ جس سے چاہے اس میں داخل ہو جائے۔“⁽⁴⁾

(11) کلمہ طیبہ اتنا عظیم ہے کہ اگر اس کا ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں سے وزن کیا جائے تو اس کا وزن زیادہ ہو گا۔ جیسا کہ مسند احمد میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”جب حضرت نوح علیہ السلام کی موت کا وقت قریب آیا تو انھوں نے اپنے بیٹے کو وصیت کی اور فرمایا:

((أَمْرُكَ بِائْتِنَيْنِ وَأَنْتَ عَنِ اثْنَتَيْنِ ، أَمْرُكَ بِلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ فَإِنَّ السَّمَاوَاتِ السَّبْعَ وَالْأَرْضَيْنِ

(1) صحيح البخاري: 99 و 6570. (2) صحيح مسلم: 382. (3) صحيح البخاري: 1186، صحيح مسلم: 33. (4) صحيح مسلم: 234.

السَّبْعَ لَوْ وُضِعَتْ فِي كَنْهٍ ، وَوُضِعَتْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ فِي كَفَّةٍ ، رَجَحَتْ بِهِنَّ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ، وَلَوْ أَنَّ السَّمَوَاتِ السَّبْعَ وَالْأَرْضَيْنِ السَّبْعَ كُنَّ حَلْفَةً مُهِمَّةً إِلَّا قَصَمَتْهُنَّ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ، وَتُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ ، فَإِنَّهَا صَلَاةٌ كُلِّ شَيْءٍ وَبِهَا يُرْزَقُ الْخَلْقُ ، وَأَنْتَ عَنِ الشِّرْكِ وَالْكِبْرِ ---»

”میں تمہیں دو باتوں کا حکم دیتا ہوں اور دو باتوں سے منع کرتا ہوں۔ میں تمہیں ((لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ)) کے پڑھنے کا حکم دیتا ہوں کیونکہ اگر ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں ایک پلڑے میں رکھ دی جائیں اور لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کو دوسرے پلڑے میں رکھا جائے تو لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ والا پلڑا زیادہ وزنی ہوگا۔ اور اگر ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں کسی بند دائرے میں ہوتے تو لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ انھیں تباہ کر دیتا۔ اور میں تمہیں ((تُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ)) کے پڑھنے کا حکم بھی دیتا ہوں کیونکہ یہ ہر چیز کی دعا ہے اور مخلوق کو اسی کے ذریعے رزق دیا جاتا ہے۔ اور میں تمہیں شرک اور تکبر سے منع کرتا ہوں۔“

12) یہ کلمہ سب سے افضل ذکر ہے اور اس کا اجر و ثواب سب سے زیادہ بڑھایا جاتا ہے۔ جیسا کہ صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”جو شخص دن میں ((لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ ، وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ)) سو مرتبہ پڑھے تو یہ اس کے لیے دس گردنوں (غلاموں) کو آزاد کرنے کے برابر ہے، اس کے لیے سو نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں اور اس کے سوا گناہ معاف کر دئے جاتے ہیں۔ اور یہ دعا شام ہونے تک اس کے لیے شیطان کے سامنے قلعہ بنی رہتی ہے۔ اور کوئی شخص اس سے افضل عمل نہیں کر سکتا الا یہ کہ وہ اس سے زیادہ عمل کرے۔“²

13) یہی کلمہ وہ حقیقی رابطہ ہے جس پر تمام صحیح مسلمان اکٹھے ہو سکتے ہیں۔ اسی کلمہ کی بناء پر وہ دوستی اور دشمنی کرتے ہیں اور اسی کے ساتھ وہ محبت کرتے ہیں اور اسی کے انکار کی وجہ سے وہ انکار کرنے والوں سے بغض رکھتے ہیں۔ اور اسی کی وجہ سے اسلامی معاشرہ ایک جسم کی طرح اور سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی مانند ہوتا ہے کہ جس کا ایک حصہ دوسرے حصے کو مضبوط بناتا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: «مَثَلُ الْمُؤْمِنِينَ فِي تَوَادُّهِمْ وَتَرَاحُمِهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ مَثَلُ الْعَصَبِ الْوَاحِدِ إِذَا اشْتَكَ مِنْهُ عُضْوٌ تَدَاعَى لَهُ سَائِرُ الْعَصَبِ بِالسَّهْرِ وَالْحَقِي»

”آپس میں ایک دوسرے سے محبت کرنے، ایک دوسرے پر ترس کھانے اور شفقت کرنے میں مومنوں کی مثال ایک جسم کی ہے کہ جب اس کا ایک عضو بیمار ہوتا ہے تو اس کے لیے باقی تمام اعضاء بھی بیمار اور بیدار رہتے ہیں“^(۱)

تو مومنوں کے درمیان ایک دوسرے سے اتنا اچھا سلوک اور اتنی ہمدردی صرف کلمہ طیبہ ((لا إله إلا الله)) کی بناء پر ہی ہوتی ہے۔

14) کلمہ طیبہ ایمان کے شعبوں میں سب سے اعلیٰ شعبہ ہے۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«الْإِيمَانُ بِضْعٌ وَسَبْعُونَ - أَوْ بَضْعٌ وَسِتُّونَ - شُعْبَةً : فَأَفْضَلُهَا قَوْلُ : لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ . وَأَدْنَاهَا إِمَاطَةُ الْأَذَى عَنِ الطَّرِيقِ وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الْإِيمَانِ»

”ایمان کے ستر (یا ساٹھ) سے زیادہ شعبے ہیں۔ سب سے افضل شعبہ ((لا إله إلا الله)) کہنا ہے۔ اور سب سے کم تر شعبہ راستے سے کسی تکلیف دہ چیز کو دور کرنا ہے۔“²

15) یہی وہ عظیم کلمہ ہے کہ جس کے ساتھ اسلام کی طرف دعوت کا آغاز ہوتا ہے۔ جیسا کہ حضرت مسیب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب ابوطالب کی وفات کا وقت آیا تو رسول اکرم ﷺ اس کے پاس آئے۔ اور آپ ﷺ نے دیکھا کہ ابو جہل اور عبد اللہ بن ابوامیہ بھی اس کے پاس بیٹھے ہوئے ہیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«يَا عَمَّ أَقُلْ : لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ، كَلِمَةُ أَشْهَرُ لَكَ بِهَا عِنْدَ اللَّهِ»

”اے چچا جان! آپ ”لا إله إلا الله“ کا اقرار کر لیں کیونکہ یہ ایسا کلمہ ہے کہ جس کی بنا پر میں اللہ کے ہاں آپ کے حق میں گواہی دوں گا۔“

اس پر ابو جہل اور عبد اللہ بن ابوامیہ کہنے لگے: اے ابوطالب! کیا تم عبد المطلب کے دین کو چھوڑ دو گے؟ تو رسول اکرم ﷺ بار بار اسے ”لا إله إلا الله“ پیش کرتے رہے اور ہر مرتبہ اپنی پہلی بات دہراتے رہے، لیکن ابوطالب نے کہا: وہ دین عبد المطلب پر قائم ہے اور اس نے ”لا إله إلا الله“ کا اقرار کرنے سے انکار کر دیا۔³

سامعین کرام! یہ اس کلمہ طیبہ کے بعض فضائل تھے جو ہم نے قرآن و حدیث کی روشنی میں ذکر کیے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اتنے عظیم کلمہ کا مفہوم کیا ہے؟ آئیے اس کا معنی و مفہوم معلوم کرتے ہیں۔

لا إله إلا الله کا معنی

((لا إله إلا الله)) کا اقرار کرنے والے شخص پر لازم ہے کہ وہ اس کے مطلب کو خوب اچھی طرح سمجھتا ہو جیسا کہ

(۱) صحیح مسلم: 4685، (۲) صحیح مسلم: 35، (۳) صحیح البخاری: 2884، 3884، صحیح مسلم: 24۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ﴾

”خوب اچھی طرح جان لو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے۔“¹

لہذا اس کا معنی جاننا واجب ہے اور تمام ارکان اسلام پر مقدم ہے۔

اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ﴿مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُخْلِصًا دَخَلَ الْجَنَّةَ﴾

”جو شخص پورے اخلاص کے ساتھ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہے وہ جنت میں داخل ہوگا۔“²

اور مخلص وہ ہوتا ہے جو کلمہ طیبہ کو سمجھے، اس پر عمل کرے، اور سب سے پہلے اسی کی دعوت دے کیونکہ اس میں توحید کو بیان کیا گیا ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے پورے عالم کو پیدا کیا ہے۔

”إِلَه“ کا مفہوم

”إِلَه“ کا معنی معبود ہے یعنی جو عبادت کا استحقاق رکھتا ہو۔ اور اللہ تعالیٰ مستحق عبادت کیوں ہے؟ اس سے یہ کہ وہ ایسے اوصاف سے متصف ہے جن کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ وہ آخری درجہ کی محبت کا حقدار، وہی محبوب اور انتہائی اطاعت اور فرمانبرداری کا اظہار اسی کے لیے روا ہے۔

لہذا اللہ تعالیٰ ہی وہ محبوب اور معبود ہے کہ دل محبت سے جس کی عبادت کریں، اس کی اطاعت بجالائیں، اس کے لیے عجز و نیاز مندی کا اظہار کریں، اس سے خوفزدہ ہوں، اس سے امیدیں وابستہ رکھیں، دشواریوں میں اس کی طرف رجوع کریں، مشکلات میں اسی کو پکاریں، اپنے مفادات میں اسی پر بھروسہ کریں، اسی کے پاس جائے پناہ تلاش کریں، اسی کی محبت میں سکون پائیں۔

اور جہاں تک لفظ جلالہ ”اللہ“ کا تعلق ہے تو یہ خالق کائنات کا اسم اعظم ہے اور یہ لفظ اس کے تمام اسمائے حسنی کے معانی اور صفات علیا کو شامل ہے۔ اور یہ صرف ذات الہی کا اسم مبارک ہے، اسے اس کے علاوہ کسی اور کے لیے بولنا حرام ہے۔

● لفظ ”اللہ“ جب کبھی تنگی کی حالت میں ذکر کیا جائے تو اللہ تعالیٰ ذکر کرنے والے کو خیر کثیر سے نوازتا ہے۔ فرمان الہی ہے: ﴿تَكْبَرُكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمَلِكُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾

”با برکت ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں پوری بادشاہت ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔“³

● لفظ ”اللہ“ جب کبھی خوف کی حالت میں پکارا جائے تو اللہ تعالیٰ پکارنے والے کا خوف اور اس کی پریشانی کا ازالہ کرتا ہے۔ فرمان الہی ہے: ﴿أَمَّنْ يَجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَا وَيَكْثِفُ السُّوءَ﴾

”بھلا کون ہے جو لاچار کی فریاد رسی کرتا ہے جب وہ اسے پکارتا ہے! اور اس کی تکلیف کو دور کر دیتا ہے!“¹

لفظ ”اللہ“ جب کبھی تنگ حالی میں ذکر کیا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ ذکر کرنے والے کو خوشحال بنا دیتا ہے۔ اور جب بھی کوئی کمزور اس سے تعلق جوڑتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے طاقتور بنا دیتا ہے۔ اور جب بھی کوئی ذلیل اس کو پکارتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے عزت والا بنا دیتا ہے۔ اور جب بھی کوئی فقیر اسے نداء دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے مالدار بنا دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿الَّذِينَ اللَّهُ بِكَافٍ عَبْدًا﴾

”کیا اللہ اپنے بندے کو کافی نہیں ہے؟“²

لا إله إلا الله کے دو رکن

کلمہ طیبہ ((لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ)) کے دو رکن ہیں: ((لا إله)) جس میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ باقی تمام معبودان باطلہ کی نفی ہے۔ اور دوسرا رکن ((إلا الله)) ہے جس میں صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کا اثبات ہے۔

پہلا رکن: نفی ((لا إله))

کلمہ طیبہ کے پہلے رکن میں اللہ تعالیٰ کے سوا باقی تمام معبودان کی نفی کی گئی ہے۔ اور ان میں (الہة، انداد، طواغیت اور أرباب) شامل ہیں:

(1) الہة سے مقصود وہ ہیں جن کا اللہ کے علاوہ قصد کیا جائے، حصول منفعت کے لیے یا کسی نقصان سے بچنے کے لیے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ ۚ وَكَانَ الْكَافِرُ عَلَىٰ رَبِّهِ ظَهِيرًا ۝﴾

”اور یہ اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو انہیں نہ فائدہ پہنچا سکتی ہیں اور نہ نقصان۔ اور کافر اپنے رب کے مقابلہ پر (باغی کا) مددگار بنا ہوا ہے۔“³

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا تھا: ﴿قَالَ أَفَتَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْئًا وَلَا يَضُرُّكُمْ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝﴾

”پھر کیا تم ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہو جو نہ تمہیں، کچھ فائدہ دے سکیں اور نہ نقصان پہنچا سکیں؟ افسوس ہے تم پر اور ان پر بھی جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو۔ کیا تم ذرا بھی نہیں سوچتے؟“⁴

(2) طواغیت: یہ طاغوت کی جمع ہے اور اس سے مراد ہر وہ چیز یا ہر وہ شخصیت ہے جس کی اللہ کے سوا پوجا کی جائے۔

(1) النمل 62:27، (2) الزمر 36:39، (3) الفرقان 55:25، (4) الانبیاء 21:66-67.

مثلاً بت، نجومی، جادوگر، علمائے سوء وغیرہ۔ اسی طرح اس سے مراد وہ باطل حکمران بھی ہیں جن کی اطاعت پر لوگ مجبور ہوں اور جنہیں لوگ اس حیثیت سے تسلیم کرتے ہوں کہ اگر وہ اللہ کی طرف سے حلال کی ہوئی چیز کو حرام قرار دے دیں تو وہ بھی اسے حرام تصور کریں۔ اور اگر وہ اللہ کی طرف سے حرام کی ہوئی چیز کو حلال قرار دیں تو وہ بھی اسے حلال تصور کریں۔ اس طرح کے حکمران بھی طاغوت اور ان کی پیروی کرنے والے ان کے تابع ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يُؤْمِنُونَ بِالْجُبَّتِ وَالظَّالِمُوتِ﴾

”کیا آپ نے ان لوگوں پر غور کیا جنہیں کتاب کا کچھ علم دیا گیا ہے اور وہ بتوں اور معبودان باطلہ پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔“^(۱)

(۳) انداد: انداد (ند) کی جمع ہے اور اس سے مراد ہر وہ چیز ہے جس سے انسان کا اتنا قلبی تعلق ہو کہ وہ اس کی بناء پر دین سے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل ہو جائے، چاہے وہ چیز مال ہو یا منصب ہو یا اپنے گھر والے ہوں یا گھر ہو یا قبیلہ ہو یا اس کے علاوہ کوئی اور چیز ہو۔ فرمان الہی ہے:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَندَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ﴾

”اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو دوسروں کو اللہ کا شریک بنا کر ان سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسی محبت اللہ سے ہونی چاہیے، جبکہ ایمان والے اللہ تعالیٰ سے زیادہ محبت کرتے ہیں۔“^(۲)

نیز فرمایا: ﴿قُلْ إِن كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ﴾

”(اے میرے حبیب ﷺ!) فرمادیجئے! اگر تمہارے آباء و اجداد، اولاد و احفاد، برادران، بیویاں، قبیلہ و خاندان، کمایا ہوا مال و منال اور تجارتی کاروبار جس میں تمہیں نقصان کا اندیشہ ہے، تمہارے پسندیدہ قصور و محلات (یہ سب) تمہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (ﷺ) اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہیں تو پھر حکم الہی (عذاب) کا انتظار کرو اور اللہ تعالیٰ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا۔“^(۳)

(۴) ارباب: ان سے مراد وہ لوگ ہیں جو آپ کو حق کے خلاف فتویٰ دیں اور آپ یہ جان کر کہ وہ حق پر نہیں ہیں پھر بھی ان کی اتباع کریں۔ یا اگر آپ جاہل بھی ہوں تو طلب حق میں کوتاہی کرتے ہوئے آپ کو حق کے خلاف فتویٰ دینے

والوں کی پیروی کریں!

فرمان الہی ہے: ﴿إِتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهَبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ﴾

”انھوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو اللہ کے سوا اپنا رب بنا لیا ہے۔“⁽¹⁾

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا: ”انھوں نے ان کی عبادت نہیں کی تھی بلکہ وہ جب حلال کو حرام اور حرام کو حلال کہتے تھے تو یہ ان کی اتباع کرتے تھے۔ اور یہی ان کی طرف سے ان کی عبادت تھی۔“⁽²⁾

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے یہی تفسیر حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ اور عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی نقل کی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ کلمہ طیبہ کے پہلے رکن «لا إله» کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ تمام معبودانِ باطلہ، تمام شریکوں، طاغوتوں اور جن کو لوگوں نے اللہ کے علاوہ رب کی حیثیت دے رکھی ہے ان کی نفی کی جائے۔ اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ ان تمام کا انکار کیا جائے جن کی لوگ عبادت کرتے ہیں، جن سے مانگتے ہیں، جن کو حاجت روا اور مشکل کشا تصور کرتے ہیں، جن سے امیدیں وابستہ کرتے ہیں، جن کو نفع و نقصان کے اختیارات کا مالک سمجھتے ہیں اور جن کو بگڑی بنانے والا، داتا، دستگیر اور غوث مانتے ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نبوت ملنے کے بعد مکہ مکرمہ میں تیرہ سال رہے۔ اس دوران لوگوں کو اسی بات کی طرف دعوت دیتے رہے کہ «فَقُولُوا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ تَفْلَحُوا» یعنی تم سب اللہ تعالیٰ کو ہی معبود مان لو، کامیاب ہو جاؤ گے۔ تو وہ کہنے لگے: ایک ہی معبود کی بات ہم نے پہلے کبھی نہیں سنی! انھوں نے یہ اس لیے کہا کہ وہ «لا إله إلا الله» کا معنی سمجھتے تھے اور انھیں معلوم تھا کہ جو شخص یہ کلمہ پڑھ لے وہ غیر اللہ کو نہیں پکارتا۔ اس لیے انھوں نے اسے پڑھنے سے انکار کر دیا۔ تب اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا:

﴿إِنَّهُمْ كَانُوا إِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ يَسْتَكْبِرُونَ﴾

”انھیں جب یہ کہا جاتا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں تو وہ تکبر کرتے۔“⁽³⁾

جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

«مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَكَفَرَ بِمَا يُعْبَدُ مِنْ دُونِ اللَّهِ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ حَرَمَ مَالِهِ وَدَمَهُ وَحِسَابَهُ عَلَى اللَّهِ»

”جو آدمی لا إله إلا الله کہے اور اللہ کے علاوہ جس کی عبادت کی جاتی ہے اس کا انکار کر دے تو اس کا مال

اور خون دونوں حرمت والے ہو جاتے ہیں۔ اور اس کا حساب اللہ پر ہے۔“⁽⁴⁾

(1) التوبة: 31، 32. (2) مسند أحمد، جامع الترمذی: 3095، وصححه الألبانی. (3) الصافات: 37، 38. (4) صحيح مسلم: 23.

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ کلمہ طیبہ کی شہادت دینے سے غیر اللہ کی عبادت کا انکار لازم آتا ہے، جیسے فوت شدگان کو پکارنا وغیرہ۔ بڑے ہی تعجب کی بات ہے کہ کئی مسلمان اس کلمہ کو اپنی زبانوں سے پڑھتے تو ہیں لیکن ان کے افعال اس کے معنی کے خلاف ہوتے ہیں۔

دوسرا رکن: اثبات (إلا الله) ﴿۱﴾

کلمہ طیبہ کا دوسرا رکن ان امور کو شامل ہے:

﴿۱﴾ صرف اللہ تعالیٰ کا قصد کرنا اور بس اسی سے مانگنا ﴿۱﴾

یعنی بندہ اپنی عبادت میں اے اللہ تعالیٰ کا قصد کرے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائے۔ اور جب مانگے تو صرف اللہ تعالیٰ سے مانگے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللَّهَ مُخْلِصًا لَهُ الدِّينَ ۚ أَلَا لِلَّهِ الدِّينُ الْخَالِصُ ۚ وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰ ۚ إِنَّ اللَّهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِي مَا هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ كَاذِبٌ كَفَّارٌ ۝﴾

”ہم نے اس کتاب کو آپ کی طرف حق کے ساتھ نازل کیا ہے۔ لہذا آپ خالص اس کی حاکمیت تسلیم کرتے ہوئے اسی کی عبادت کریں۔ یا رکھئے! بندگی خالصتاً اللہ ہی کے لیے ہے۔ اور جن لوگوں نے اللہ کے علاوہ دلی بنا رکھے ہیں (وہ کہتے ہیں کہ) ہم تو ان کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیں۔ جن باتوں میں یہ اختلاف کرتے ہیں یقیناً اللہ ان کے درمیان فیصلہ کر دے گا، اللہ ایسے شخص کو ہدایت نہیں دیتا جو جھوٹا اور منکر حق ہو“ ﴿۱﴾

نیز فرمایا: ﴿قُلْ إِنِّي أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ اللَّهَ مُخْلِصًا لَهُ الدِّينَ ۝﴾

”کہہ دیجئے: مجھے تو یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں خالصتاً اسی کی حاکمیت تسلیم کرتے ہوئے اس کی عبادت کروں“ ﴿۲﴾

اور حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

((مَنْ عَمِلَ عَمَلًا أَشْرَكَ فِيهِ مَعِيَ غَيْرِي تَرَكْتُهُ وَشِرْكُهُ))

”جو شخص ایسا عمل کرے کہ اس میں میرے ساتھ میرے علاوہ کسی اور کو بھی شریک کرے تو میں اسے اور اس

کے شرک کو چھوڑ دیتا ہوں۔“ ﴿۳﴾

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَقَالَ رَبُّكُمْ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دُخْرِينَ ۝﴾

”اور تمہارے رب کا فرمان ہے کہ مجھ سے دعا کرو میں تمہاری پکار کو سنتا ہوں۔ بیشک وہ لوگ جو میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں عنقریب رسوا ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔“

لہذا کلمہ طیبہ کے دوسرے رکن ((إلا الله)) کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ صرف اسی کو پکارا جائے، بس اسی سے سوال کیا جائے اور اس کے سوا کسی کے سامنے جھولی نہ پھیلائی جائے۔

اور وہ لوگ جو بتوں کی پوجا کرتے ہیں یا اولیائے کرام سے اس قدر عقیدت رکھتے ہیں کہ انھی کو نفع و نقصان کا مالک سمجھتے ہیں، انھی کو رازق اور داتا تصور کرتے ہیں۔ انھیں دل میں اس بات کا یقین ہوتا ہے کہ یہ بت اور اسی طرح یہ بزرگان دین کسی چیز کے مالک نہیں ہیں اور نہ ہی وہ کسی طرح کا تصرف کرنے کی قدرت رکھتے ہیں اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں ان کی کوئی حیثیت ہے، لیکن ان کے دلوں میں ایک وہم پایا جاتا ہے۔ اور قرآن مجید ان کے اسی وہم کو جڑ سے نکال پھینکنا چاہتا ہے تاکہ عقیدہ توحید ہر قسم کے شبہات سے پاک ہو جائے۔ ان کے دلوں میں وہم یہ ہوتا ہے کہ وہ ان اولیاء کے بارے میں یہ سمجھتے ہیں کہ یہ انھیں اللہ تعالیٰ کے قریب کرتے ہیں! بالفاظ دیگر وہ گویا یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے حال سے واقف نہیں ہے۔ لہذا وہ اپنے بزرگوں سے یہ امید رکھتے ہیں کہ وہ ان کا حال اللہ تعالیٰ تک پہنچا دیں!

یا پھر وہ (اپنے گناہوں کی بناء پر) اللہ تعالیٰ سے اتنے ذائف ہوتے ہیں کہ وہ خود براہ راست اللہ تعالیٰ سے معافی نہیں مانگ سکتے اور نہ ہی وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے پناہ طلب کر سکتے ہیں۔ لہذا وہ اپنے اولیاء سے یہ چاہتے ہیں کہ وہ انھیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچائیں!

یا پھر وہ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ رحیم نہیں ہے۔ لہذا وہ یہ چاہتے ہیں کہ ان کے اور اللہ کے درمیان کوئی ایسا واسطہ ضرور ہو جو انھیں اللہ تعالیٰ کے قریب کر دے۔

یہ سب اعتقادات بالکل باطل ہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے بارے میں ایسے اعتقادات رکھنے سے ناراض ہوتا ہے اور وہ تو یہ چاہتا ہے کہ اس کے اور اس کے بندوں کے درمیان بالکل کوئی واسطہ نہ ہو۔ نہ دعائیں، نہ خوف میں اور نہ امید میں۔ اور وہ یہ پسند کرتا ہے کہ اس کے بندے براہ راست اسے پکاریں کیونکہ وہ ان کے انتہائی قریب ہے:

﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ۖ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ ۖ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي ۖ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ ۝﴾

”اور جب میرے بندے آپ سے میرے متعلق پوچھیں تو میں قریب ہوں۔ جب دعا کرنے والا مجھ سے دعا کرتا ہے تو میں دعا قبول کرتا ہوں۔ لہذا انھیں چاہیے کہ میرے احکام بجالائیں اور مجھ پر ایمان لائیں تاکہ وہ ہدایت پا جائیں۔“^(۱)

جب کسی شخص کے دل میں یہ بات بیٹھ جائے کہ ولی کا بھی ایک مقام ہے (اور وہ بھی کچھ نہ کچھ کر سکتا ہے) تو اسے یقین کر لینا چاہیے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کا (ند) یعنی شریک بنا لیا ہے اور اسے اللہ کے برابر قرار دے دیا ہے۔ فرمان الہی ہے: ﴿تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِي ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ اِذْ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝﴾^(۲)

”اللہ کی قسم! ہم تو واضح گمراہی میں مبتلا تھے جب ہم نے تمہیں رب العالمین کے برابر سمجھ رکھا تھا۔“^(۳)

۲) صرف اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور اسی سے محبت کرنا

یہ اس طرح ممکن ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی قدر، اس کی عظمت، اس کے جلال اور اس کے حق کو پہچانے۔ اور اس کے اسماء و صفات اور کائنات میں اس کی قدرت کے آثار میں غور و فکر کرتے ہوئے اس سے محبت کرے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۝ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝﴾

”ان لوگوں نے اللہ کی قدر پہچانی ہی نہیں جیسا کہ پہچاننے کا حق تھا۔ بے شک اللہ تعالیٰ بڑا طاقتور اور ہر چیز پر غالب ہے۔“^(۴)

نیز فرمایا: ﴿وَجَعَلُوا لِلّٰهِ شُرَكَاءَ الْجِنِّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوا لَهُ بَنِيْنَ وَبَنَاتٍ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ سُبْحٰنَہٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ۚ بَدِيعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ اَنۡتَیۡ یَّکُوْنُ لَهُ وَلَدٌ وَلَمْ تَكُنۡ لَّہٗ صَاحِبَةً ۚ وَخَلَقَ کُلَّ شَیْءٍ ۚ وَہُوَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۝ۚ ذٰلِکُمُ اللّٰهُ رَبُّکُمْ ۚ لَا اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ ۚ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ ۚ فَاعْبُدُوْہٗ ۚ وَہُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ وَّکِیْلٌ ۝ۚ لَا تُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ ۚ وَہُوَ یُدْرِکُ الْاَبْصَارَ ۚ وَہُوَ الْلطِیْفُ الْخَبِیْرُ ۝ۚ﴾

”ان لوگوں نے جنوں کو اللہ کا شریک بنا دیا حالانکہ اللہ نے ہی انھیں پیدا کیا ہے۔ پھر انھوں نے بغیر علم کے اللہ کے لیے بیٹے اور بیٹیاں گھڑ ڈالیں۔ جو کچھ یہ بیان کرتے ہیں اللہ اس سے پاک اور بلند و بالا ہے۔ وہ آسمانوں اور زمین کو ایجاد کرنے والا ہے۔ اس کے اولاد کیسے ہو سکتی ہے جبکہ اس کی بیوی ہی نہیں! اسی نے تو ہر چیز بنائی ہے اور وہ ہر چیز کو جانتا ہے۔ یہ ہے تمہارا رب، اس کے سوا کوئی الہ نہیں، وہ ہر شے کا خالق ہے۔ لہذا اسی کی عبادت کرو اور وہ ہر چیز پر نگران ہے۔ نظریں اسے پا نہیں سکتیں جبکہ وہ نظروں کو پالیتا ہے۔ وہ بڑا باریک بین اور باخبر ہے۔“^(۵)

3 صرف اللہ تعالیٰ کا خوف اور بس اسی سے امید رکھنا ﴿﴾

یعنی مسلمان صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور صرف اسی سے امید رکھے کیونکہ وہی تو ہے کہ جس کے ہاتھ میں ہر قسم کا نفع و نقصان ہے۔ اور وہی دیتا اور روکتا ہے۔ اور وہی عزت و ذلت کا مالک ہے۔

فرمان الہی ہے: ﴿وَلَيْنُ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ ۚ قُلْ أَفَرَأَيْتُمْ مَا تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ أَرَادَنِيَ اللَّهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كَاشِفَاتُ ضُرِّيهِ أَوْ أَرَادَنِي بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكَتُ رَحْمَتِهِ ۚ قُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ ۚ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُونَ ۝﴾

”اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا؟ تو یقیناً کہیں گے: اللہ نے۔ آپ انہیں کہئے: بھلا دیکھو، جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو، اگر اللہ مجھے کوئی تکلیف پہنچانا چاہے تو تمہارے معبود اس کی پہنچائی ہوئی تکلیف کو دور کر سکتے ہیں؟ یا اگر وہ مجھ پر رحمت کرنا چاہے تو یہ اس کی رحمت کو روک سکتے ہیں؟ آپ ان سے کہئے: مجھے تو اللہ ہی کافی ہے۔ اور توکل کرنے والے اسی پر ہی توکل کرتے ہیں۔“^(۱)

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿أَلَا تَتَّقَاتِلُونَ فَوَمَا تَسْكَتُونَ أَيْمَانَهُمْ وَهُمْ لَا بِإِخْرَاجِ الرَّسُولِ وَهُمْ بَدَءُكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ أَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ قَالَ لَهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَوْهُ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝﴾

”کیا تم ایسے لوگوں سے نہ لڑو گے جنہوں نے اپنی قسمیں توڑ دیں اور انہوں نے ہی رسول کو (مکہ سے) نکال دینے کا قصد کر رکھا تھا اور لڑائی کی ابتداء بھی انہوں نے ہی کی۔ کیا تم ان سے ڈرتے ہو حالانکہ اللہ اس بات کا زیادہ حق رکھتا ہے کہ تم اس سے ڈرو اگر تم مومن ہو۔“^(۲)

نیز فرمایا: ﴿قُلْ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ مِنْ دُونِهِ فَلَا يَمْلِكُونَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيلًا ۚ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ وَيَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَيَخَافُونَ عَذَابَهُ ۚ إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُورًا ۝﴾

”آپ کہئے کہ اللہ کو چھوڑ کر جنہیں تم پکارتے ہو وہ تم سے نہ تو تکلیف کو ہٹا سکتے ہیں اور نہ اسے بدل سکتے ہیں۔ جنہیں یہ لوگ پکارتے ہیں وہ تو خود اپنے رب کی طرف وسیلہ تلاش کرتے ہیں کہ کون اس سے قریب تر ہو جائے۔ وہ اس کی رحمت کے امیدوار رہتے اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ بلاشبہ آپ کے رب کا عذاب ڈرنے کی چیز ہے۔“^(۳)

سنن ابن ماجہ میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک نوجوان کے پاس گئے جب وہ

(۱) الزمر 38:39. (۲) التوبة 13:9. (۳) الإسراء 56:57.

موت و حیات کی کشمکش میں تھا۔ آپ نے اس سے پوچھا: تم کیا محسوس کرتے ہو؟ اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں اللہ کی رحمت کا امیدوار بھی ہوں اور اپنے گناہوں پر اس کے عذاب سے خائف بھی ہوں۔ تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«لَا يَجْتَمِعَانِ فِي قَلْبٍ عَبْدٍ فِي مِثْلِ هَذَا الْمُوْطِنِ إِلَّا أَعْطَاهُ اللَّهُ مَا يَرْجُو، وَأَمْنَهُ مِمَّا يَخَافُ»^(۱)
 ”اس جیسے موقع پر یہ دونوں چیزیں جس بندے میں جمع ہو جائیں تو اسے اللہ تعالیٰ وہ چیز عطا کر دیتا ہے جس کی وہ امید رکھتا ہو اور اسے اس چیز سے محفوظ رکھتا ہے جس کا اسے خوف ہو۔“^(۲)
 اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو اس عظیم کلمہ کے تقاضوں کو پورا کرنے اور زندگی کے آخری سانس تک اس پر قائم رہنے کی توفیق دے۔

دوسرا خطبہ

برادران اسلام! پہلے خطبہ میں آپ نے کلمہ طیبہ کے مضامین اور اس کے مفہوم کے متعلق ہماری چند گزارشات سماعت کیں، اور اب اس کی شروط بھی سماعت کر لیجیے۔ اور شروط سے مراد وہ امور ہیں جن کے بغیر اس پر ایمان درست نہیں ہوتا۔

لا إله إلا الله کی شروط

پہلی شرط: علم

یعنی کلمہ طیبہ کے معنی و مفہوم سے آگاہی اور واقفیت حاصل کرنا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ﴾

”اچھی طرح جان لو! کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں۔“^(۳)

ابن السعدی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ علم میں دل کا اقرار ضروری ہے، یعنی اس سے جس چیز کا مطالبہ کیا گیا ہے وہ اسے جانتا اور اس کے تقاضوں کے مطابق عمل کرتا ہو۔ اور یہ علم جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے یعنی علم توحید، ہر مسلمان پر فرض عین ہے اور کوئی شخص اس سے مستثنیٰ نہیں ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿إِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ﴾

”مگر وہ جو حق کے ساتھ گواہی دیں اور انھیں علم بھی ہو۔“^(۴)

① سنن ابن ماجہ: 983. وحسنہ الألبانی. ② محمد: 19: 47. ③ الزخرف: 86: 43.

اس آیت میں (الحق) سے مراد کلمہ طیبہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ہے۔ اور مفہوم یہ ہے کہ مستحق شفاعت صرف وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے اس کلمہ کی گواہی دی اور گواہی بھی علم و بصیرت کی بنیاد پر دی اور اس کے تقاضوں کو پورا کیا۔^(۱)

الشیخ عبدالرحمن بن السعدی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ”یعنی جس شخص نے زبان سے گواہی دی، دل سے اقرار کیا اور اس کے معنی و مفہوم کا علم حاصل کیا، وہ شفاعت کا مستحق ہوگا۔ اور (الحق) سے مراد اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور انبیاء و رسل علیہم السلام کی نبوت و رسالت اور ان کی شریعت ہے۔“^(۲)

اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ مَاتَ وَهُوَ يَعْلَمُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ))

”جس شخص کی موت اس حالت میں آئی کہ اسے یقین تھا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں تو وہ جنت میں داخل ہوگا“^(۳)

دوسری شرط: یقین

یقین شک کی ضد ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کا پڑھنے والا یہ اعتقاد رکھے کہ صفات الوہیت کا حق دار صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اور اسے اس کی الوہیت پر ایسا یقین جازم ہو کہ جس میں شک کی کوئی گنجائش نہ ہو۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ۝﴾

”مومن تو صرف وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہیں پھر شک و شبہ نہیں کرتے اور اپنے مال اور جان کے ذریعے اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں یہی لوگ سچے ہیں۔“^(۴)

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ایمان باللہ اور ایمان بالرسول کے سچے ہونے کے لیے یہ شرط لگائی ہے کہ مومن کا ایمان ہر قسم کے شک و شبہ سے بالاتر ہو، کیونکہ شک کرنا منافق کی صفت ہے نہ کہ مومن کی۔

لفظ (إنما) حصر کا فائدہ دیتا ہے جس سے مقصود یہ ہے کہ سچے مومن بس وہی لوگ ہیں جن کا قول و فعل اور اعتقاد ہر قسم کے شک و شبہ سے پاک ہوتا ہے۔ اسی لیے اس کے آخر میں فرمایا:

﴿وَلَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ۝﴾ ”یہی لوگ سچے ہیں“

(۱) تفسیر ابن کثیر: 4/147، (۲) تفسیر ابن السعدی: 4/461، (۳) صحیح مسلم۔ کتاب الإیمان باب الدلیل علی أن من

مات علی التوحید دخل الجنة قطعا۔ 26، (۴) الحجرات 49:15۔

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:
 ((أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَتَى رَسُولُ اللَّهِ لَا يَلْقَى اللَّهَ بِهَمَا عَبْدٌ غَيْرُ شَاكٍ فِيهِمَا إِلَّا دَخَلَ
 الْجَنَّةَ))

”میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور میں (محمد ﷺ) اللہ کا رسول ہوں۔ یہ دو
 گواہیاں ایسی ہیں کہ جو بندہ ان گواہیوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے اس حالت میں ملتا ہے کہ اسے ان کے
 بارے میں کوئی شک و شبہ نہیں ہوتا تو وہ سیدھا جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔“^①
 ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: ((لَا يَلْقَى اللَّهَ بِهَمَا عَبْدٌ غَيْرُ شَاكٍ فِيهِمَا فَيُحْجَبُ عَنِ الْجَنَّةِ))
 ”جو بندہ بھی ان دو گواہیوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے اس حالت میں ملے گا کہ اسے ان میں کوئی شک نہیں تھا تو
 اسے جنت میں داخل ہونے سے کوئی چیز روک نہیں سکے گی۔“

تیسری شرط: اخلاص

یعنی لا إله إلا الله کا پڑھنے والا جس طرح اللہ تعالیٰ کی الوہیت کا اقرار کرتا ہے اسی طرح غیر اللہ سے براءت کا
 اظہار بھی کرے۔ اسی لیے اس کلمہ طیبہ کو کلمہ اخلاص بھی کہہ جاتا ہے۔
 عربی زبان میں اخلاص کا معنی ہے: پاک صاف کرنا۔ اور شریعت کی اصطلاح میں اس سے مراد ہے عبادت کو اللہ
 تعالیٰ کے لیے خالص کرنا اور اسے شرک اور ریاکاری سے پاک صاف کرنا۔
 اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ وَ
 ذَلِكَ دِينُ الْقَيِّمَةِ ۝﴾

”انہیں محض اسی بات کا حکم دیا گیا ہے کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں۔ اور (شرک وغیرہ سے) منہ
 موڑتے ہوئے اس کے لیے دین کو خالص رکھیں۔ اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں۔ اور یہی ہے دین
 سیدھی ملت کا۔“^②

چوتھی شرط: صدق

صدق کذب کی ضد ہے یعنی کلمہ گو صرف زبانی اقرار پر اکتفا نہ کرے بلکہ صدق دل سے اس کا اقرار کرے۔ اللہ
 تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿أَحْسِبَ النَّاسَ أَنْ يُتْرَكُوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ ۝ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ

① صحیح مسلم: 27، ② البیئۃ 98: 5.

فَلْيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ صَدَقُوا وَلْيَعْلَمَنَّ الْكَذَّابِينَ ﴿١٠﴾

”کیا لوگوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ ان کے صرف اتنا کہہ دینے سے کہ ہم ایمان لے آئے، انھیں چھوڑ دیا جائے گا اور وہ آزمائش میں نہیں ڈالے جائیں گے؟ اور ہم نے ان لوگوں کو بھی آزمائش میں ڈالا تھا جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ انھیں بھی جان لے گا جو سچے ایمان والے ہیں اور انھیں بھی معلوم کر لے گا جو جھوٹے ہیں۔“^(۱)

اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری پر آپ کے پیچھے سوار تھے، آپ نے فرمایا: اے معاذ بن جبل! انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں حاضر ہوں۔ پھر آپ نے فرمایا: اے معاذ! انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں حاضر ہوں۔ (پھر تیسری بار بھی انھیں مخاطب کیا) اور فرمایا:

«مَا مِنْ أَحَدٍ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ صِدْقًا مِنْ قَلْبِهِ إِلَّا حَرَّمَهُ اللَّهُ عَلَى النَّاسِ» جو شخص سچے دل سے یہ گواہی دے کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبودِ برحق نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کو جہنم کی آگ پر حرام کر دے گا۔“

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! کیا میں اس کی لوگوں کو خبر نہ دوں تاکہ وہ بھی خوش ہو جائیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تب تو وہ اسی پر بھروسہ کر لیں گے۔“ اس کے بعد حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے اپنی موت کے وقت یہ حدیث بیان کی تاکہ وہ گناہ سے بچ جائیں۔^(۲)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: ”اس حدیث میں «صدق من قلبه» ”سچے دل سے“ کی جو شرط لگائی گئی ہے وہ اس بات کی دلیل ہے کہ منافق کا شہادتین کی گواہی دینا قابلِ قبول نہیں ہے۔“^(۳)

اور اگر شہادتین کا اقرار صرف زبانی ہو اور پوری سچائی کے ساتھ دل کا اعتقاد شامل نہ ہو تو یہ کافی نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے منافقوں کو جھوٹا قرار دیا جب انھوں نے یہ کہا کہ ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی گواہی دیتے ہیں۔ فرمانِ الہی ہے: ﴿إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ قَالُوا نَشْهَدُ إِنَّكَ لَرَسُولُ اللَّهِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِنَّكَ لَرَسُولُهُ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَكَاذِبُونَ ﴿١٠﴾﴾

”جب آپ کے پاس منافق آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اور اللہ کو معلوم ہے کہ آپ یقیناً اللہ کے رسول ہیں۔ اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ بے شک منافق جھوٹے ہیں۔“^(۴)

(۱) العنکبوت 29: 2-3. (۲) صحيح البخاری: کتاب العلم۔ باب من خصص بالعلم قومًا دون قوم كراهية أن لا يفهموا. (۳) فتح الباری: 1/222. (۴) المنافقون 63: 1.

پانچویں شرط: محبت

محبت سے مراد یہ ہے کہ آدمی کو کلمہ توحید اور اس کے تقاضوں سے محبت اور الفت ہو اور اس کے دل میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت ہر چیز سے حتیٰ کہ اپنی جان سے بھی زیادہ ہو۔ اسی طرح اسے ان مؤمنوں سے بھی محبت ہو جو لا إله إلا الله پر کار بند اور اس کے تقاضوں کو پورا کرنے والے ہوں۔ اور ان لوگوں سے دل میں نفرت ہو جو اسکے تقاضوں کو پورا نہیں کرتے۔

اس کلمہ سے سچی محبت دو امور سے ثابت ہوتی ہے:

① تمام عبادات کو اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کرنے سے جو کہ اکیلا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔

② شرک سے اپنا دامن پاک رکھنے سے۔ یہی دو امور دین کی بنیاد ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَندَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ﴾

”بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسروں کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنا کر ان سے بھی ویسی ہی محبت رکھتے ہیں جیسی کہ اللہ تعالیٰ سے ہونی چاہیے۔ جبکہ ایمان والے اللہ تعالیٰ کے ساتھ سب سے زیادہ محبت کرتے ہیں۔“ ①

اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ اپنی قدرت کی نشانیوں اور اپنی نعمتوں کا تذکرہ کرنے کے بعد ذکر کی ہے۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ جس اللہ تعالیٰ نے انھیں اتنی نعمتوں سے نوازا ہے، ان کے دلوں میں اسی اللہ تعالیٰ کی محبت سب سے زیادہ ہونی چاہیے تھی، لیکن اس کے برعکس انھوں نے اللہ تعالیٰ کے شریک بنا لیے اور ان سے ایسی محبت کی جو کہ اللہ تعالیٰ سے ہونی چاہیے تھی۔ جبکہ ایمان والوں کی شان یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ سب سے زیادہ محبت کرنے والے ہیں۔

اس آیت کریمہ میں اس بات کی دلیل ہے کہ شرکِ مبت حرام ہے اور وہ شرکِ اکبر کی اقسام میں سے ایک قسم ہے۔ اور شرکِ محبت سے مراد ہے مشرکوں کی اپنے شریکوں سے اس طرح محبت کرنا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہونی چاہیے تھی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ وَجَدَ خَلَاوَةَ الْإِيمَانِ : أَنْ يَكُونَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا ،

وَأَنْ يُحِبَّ الْمَرْءَ لَا يُحِبُّهُ إِلَّا لِلَّهِ ، وَأَنْ يَكْفُرَ بَعْدَ إِذْ أَنْقَذَهُ اللَّهُ مِنْهُ ، كَمَا يَكْفُرُهُ أَنْ يُلْقَى فِي النَّارِ

”تین خصلتیں ایسی ہیں کہ جو کسی شخص میں موجود ہوں تو وہ ان کے ذریعے ایمان کی لذت اور اس کے مٹھاس کو پالیتا ہے۔ ایک یہ کہ اسے اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کے ساتھ سب سے زیادہ محبت ہو۔ دوسری یہ کہ اسے کسی شخص سے محبت ہو تو محض اللہ کی رضا کی خاطر ہو۔ اور تیسری یہ کہ اسے کفر کی طرف لوٹنا اسی طرح ناپسند ہو جیسا کہ اسے جہنم میں ڈالا جانا ناپسند ہے۔“⁽¹⁾

چھٹی شرط: انقیاد

انقیاد ‘تخضع‘ تابع داری اور سر تسلیم خم کر دینے کو کہتے ہیں۔ اور یہاں اس سے مراد یہ ہے کہ لا إله إلا اللہ اور اس کے تقاضوں کا ظاہری و باطنی طور پر تابع ہو جائے۔ اور یہ اس وقت ہوگا جب انسان اللہ تعالیٰ کے عائد کردہ فرائض پر عمل پیرا ہو اور اسکی حرام کردہ چیزوں کو ترک کر دے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَأَنِيبُوا إِلَىٰ رَبِّكُمْ وَأَسْلِمُوا لَهُ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنصَرُونَ﴾

”اور اپنے رب کی طرف رجوع کرو اور اس کے فرمانبردار بن جاؤ اس سے پہلے کہ تم پر عذاب آجائے اور پھر تمہاری مدد نہ کی جاسکے۔“⁽²⁾

اور الشیخ ابن السعدی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف جلدی رجوع کرنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: ﴿وَأَنِيبُوا إِلَىٰ رَبِّكُمْ﴾ یعنی تم اپنے دلوں کے ساتھ اور اسی طرح ﴿وَأَسْلِمُوا لَهُ﴾ یعنی اپنے اعضاء کے ساتھ اس کی طرف رجوع کرو۔ اور یہ بات معلوم ہونی چاہیے کہ جب صرف انابت کا حکم دیا جائے تو اس میں دل اور اعضاء کے تمام اعمال شامل ہوتے ہیں۔ اور جب انابت کے ساتھ اسلام ﴿وَأَسْلِمُوا لَهُ﴾ کا حکم بھی ہو تو انابت سے مراد دل کے ساتھ، اور اسلام سے مراد اعضاء کے ساتھ اللہ کی طرف رجوع کرنا ہوتا ہے۔

ساتویں شرط: قبول

قبول کا مطلب ہے: کسی چیز کو دل کی خوشی سے لے لینا۔ اور یہاں اس سے مراد یہ ہے کہ کلمہ توحید اور اسکے تقاضوں کو بسر و چشم قبول کر لینا اور ان میں سے کسی چیز کا انکار نہ کرنا۔ اور اس کے مقصود و مراد پر عمل پیرا ہونے کو خود پر جبر یا بروستی نہ سمجھنا بلکہ بتسلیم و رضا قبول کرنا۔ ارشاد ربانی ہے:

① صحیح البخاری: 16، صحیح مسلم: 43، ② الزمر: 54:39

﴿وَكَذَلِكَ مَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِي قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيرٍ إِلَّا قَالَ مُتْرَفُوهَا إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَىٰ آثَرِهِمْ مُّقْتَدُونَ ۚ قُلْ أَوْ لَوْ جِئْتُكُمْ بِآهَادٍ مِّنَا وَجَدْتُمْ عَلَيْهِ آبَاءَكُمْ ۖ قَالُوا إِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُمْ بِهِ كَافِرُونَ ۚ فَانْتَقِمْنَا مِنْهُمْ فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكْذِبِينَ ۝﴾

”اور اسی طرح ہم نے آپ سے پہلے جب بھی کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا (نبی) بھیجا تو اس میں عیش پرست لوگوں نے کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقے پر چلتے دیکھا ہے اور ہم بھی یقیناً انھی کے نقش قدم پر چلتے رہیں گے۔ پیغمبر نے کہا: اگر میں تمہارے پاس ایسا دین لے آؤں جو تمہارے باپ دادا کے طریقے سے زیادہ صحیح ہو (تو تم تب بھی اسی طریقے سے چمٹے رہو گے؟) انھوں نے کہا: ہم اس دین کا قطعی انکار کرتے ہیں جس کے ساتھ تمہیں بھیجا گیا ہے۔ پس ہم نے ان سے انتقام لے لیا۔ تو آپ دیکھ لیجیے کہ (اللہ اور رسول کو) جھٹلانے والوں کا انجام کیا ہوا!“

ان آیات مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا ہے کہ قریش اور ان کے ہمنواؤں نے جو طرزِ عمل اختیار کیا ہے کہ انھوں نے نبی کریم ﷺ کی دعوت کو ٹھکرا دیا اور اس دینِ حق سے اعراض کر لیا جو آپ لے کر آئے ہیں تو یہ دراصل سابقہ امتوں کے طرزِ عمل سے ملتا جلتا ہے جو انھوں نے اپنے انبیاء رضی اللہ عنہم کے ساتھ اختیار کیا تھا۔ اور اس طرزِ عمل پر جس چیز نے ان تمام لوگوں کو آمادہ کیا وہ تھی اپنے آباء و اجداد کی تقلید۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿إِنَّهُمْ كَانُوا إِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ يَسْتَكْبِرُونَ ۚ وَيَقُولُونَ إِنَّا لَا نَكَرُهُمْ وَإِنَّا لَمُشَاعِرٌ مَّتَّعُونَ ۚ بَلْ جَاءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِينَ ۝﴾

”بلاشبہ جب ان سے کہا جاتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں تو وہ تکبر کیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ کیا ہم اس شاعر اور دیوانے کی خاطر اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں؟ حالانکہ (ہمارا نبی) حق لیکر آیا تھا اور اس نے رسولوں کی تصدیق کی تھی۔“

شیخ ابن السعدی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

”جب مشرکین کو دعوت دی جاتی کہ تم کلمہ طیبہ کا اقرار کرو اور اللہ تعالیٰ کے سوا باقی سب معبودانِ باطلہ کی لوہیت کا انکار کر دو تو وہ کلمہ توحید پر اور اس کے لانے والے نبی پر اپنی بڑائی کا اظہار کرتے اور اس کی مخالفت کرتے ہوئے کہتے کہ کیا ہم ایک دیوانے شاعر کی خاطر اپنے ان معبودوں کو چھوڑ دیں جن کی ہمارے آباء و اجداد اور ہم پوجا کرتے رہے اور ابھی تک کر رہے ہیں؟ دیوانے شاعر سے ان کی مراد حضرت محمد ﷺ ہوتے! اللہ تعالیٰ ان ظالموں سے

براسلوک کرے کہ انھوں نے نبی کریم ﷺ کی دعوت سے منہ موڑنے پر اور نہیں جھٹلانے پر ہی اکتفا نہ کیا بلکہ ظالمانہ طور پر انھیں دیوانہ شاعر بھی قرار دے دیا، حالانکہ انھیں یہ معلوم تھا کہ آپ ﷺ شعر اور شعراء کے بارے میں تو کچھ بھی نہیں جانتے۔ اور آپ ﷺ پوری مخلوق میں سب سے زیادہ عقلمند اور سب سے زیادہ درست بات کرنے والے انسان ہیں“^(۱)

اور حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”اللہ تعالیٰ نے مجھے جو ہدایت اور علم دے کر بھیجا ہے اس کی مثال یوں ہے جیسے موسلا دھار بارش ہو، جو زمین پر برسی ہے تو اس کا ایک ٹکڑا ایسا ہوتا ہے جو بارش کے پانی کو جذب کر لیتا ہے، پھر اس سے پودے اور گھاس وغیرہ اگتے ہیں۔ اور اس کا ایک ٹکڑا انتہائی سخت ہوتا ہے اور اس پر پانی رک جاتا ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ لوگوں کو فائدہ پہنچاتا ہے، چنانچہ وہ اس سے پیتے، پلاتے اور کھیتی باڑی کرتے ہیں۔ اور یہی بارش ایسی زمین پر بھی برسی ہے جو ساٹ اور چکنی ہوتی ہے اور جس پر نہ پانی رکتا ہے اور نہ ہی اس سے کوئی چیز اگتی ہے۔ تو یہ مثال ہے اس شخص کی جس نے اللہ کے دین کی سمجھ حاصل کی اور اسے اللہ تعالیٰ نے اس چیز کے ذریعے نفع پہنچایا جس کے ساتھ مجھے اس نے مبعوث کیا ہے، چنانچہ وہ خود بھی علم حاصل کرتا ہے اور دوسروں کو بھی تعلیم دیتا ہے۔ اور یہ مثال ہے اس آدمی کی جو اس علم کے ذریعے اونچا مقام حاصل نہیں کرتا اور اللہ کی اس ہدایت کو قبول نہیں کرتا جس کے ساتھ مجھے بھیجا گیا ہے۔“^(۲)

امام نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

”حاریث سے مقصود یہ ہے کہ جو ہدایت نبی کریم ﷺ لے کر آئے اسے بارش سے تشبیہ دی گئی ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ زمین تین قسم کی ہوتی ہے۔ اسی طرح لوگ بھی تین قسم کے ہوتے ہیں:

پہلی قسم: ایک تو وہ زمین ہوتی ہے جو بارش سے فائدہ اٹھاتی ہے، چنانچہ وہ بارش کے آنے سے پہلے مردہ ہوتی ہے لیکن اس کے بعد وہ زندہ ہو جاتی ہے اور سبزہ وغیرہ اگاتی ہے جس سے لوگ اور جانور وغیرہ فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اسی طرح کچھ لوگ ایسے ہیں جن کے پاس علم پہنچتا ہے تو وہ اسے یاد کر لیتے ہیں جس سے ان کا دل زندہ ہو جاتا ہے اور وہ اس پر عمل کر کے خود بھی اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور اسے لوگوں تک پہنچا کر دوسروں کو بھی فائدہ پہنچاتے ہیں۔

دوسری قسم: ایک زمین ایسی ہوتی ہے جو خود تو بارش کے پانی سے کوئی فائدہ نہیں اٹھاتی، لیکن پانی اپنے اوپر روک کر دوسروں کو فائدہ پہنچاتی ہے، چنانچہ اس سے لوگ اور حیوانات وغیرہ مستفید ہوتے ہیں۔ اسی طرح کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کے پاس حفظ کرنے والے دل تو ہوتے ہیں لیکن ان کے پاس ایسی سمجھ نہیں ہوتی کہ جس کی بناء پر وہ علم سے

(۱) تفسیر ابن السعدی: 4/256، (۲) صحیح البخاری: 79، صحیح مسلم: 2282.

معانی اور احکام کا استنباط کر سکیں اور نہ ہی وہ علم پر عمل کرنے کی بہت زیادہ کوشش کرتے ہیں۔ اور وہ علم کو محفوظ کرتے ہیں تاکہ کوئی ضرورت مند طالب علم اور ان کے علم کا پیاسا جو اس سے نفع حاصل کرنے اور دوسروں کو نفع پہنچانے کا اہل ہو تو وہ ان سے اسے حاصل کر کے فائدہ اٹھائے۔ سو یہ لوگ اگرچہ اپنے آپ کو اس علم سے کوئی خاطر خواہ فائدہ نہیں پہنچاتے لیکن دوسروں کے لیے فائدہ مند ثابت ہوتے ہیں۔

تیسری قسم: ایک زمین وہ ہوتی ہے جو نہ خود بارش کے پانی سے فائدہ اٹھاتی ہے اور نہ ہی دوسروں کو فائدہ پہنچاتی ہے۔ اسی طرح کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کے پاس نہ تو حفظ کرنے والے دل ہوتے ہیں اور نہ ہی ان کے پاس سمجھ ہوتی ہے تو وہ نہ خود اس علم سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور نہ ہی دوسروں کو فائدہ پہنچاتے ہیں۔^(۱)

آخر میں ایک بار پھر اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اس عظیم کلمہ کو سمجھنے، اس کی شروط کو پورا کرنے اور اس پر ہمیشہ قائم رہنے کی توفیق دے۔ اور اسی پر ہمارا خاتمہ فرمائے۔

عبادت مفہوم اور ثمرات

اہم عناصر خطبہ

- (1) تخلیق انسان کا مقصد کیا ہے؟
- (2) 'عبادت' کسے کہتے ہیں؟
- (3) تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی دعوت کا خلاصہ: اللہ کی عبادت و بندگی
- (4) بندگی رحمان کی یا شیطان کی؟
- (5) رحمان کی بندگی کرنے والوں کی بعض صفات
- (6) عبادت و بندگی کے چند اصول و ضوابط
- (7) عبادت و بندگی کے ثمرات

پہلا خطبہ

محترم حضرات! اللہ تعالیٰ نے ہمیں کس لیے پیدا کیا ہے؟ کیا اس لیے پیدا کیا ہے کہ ہم دنیا میں زیادہ سے زیادہ مال و دولت جمع کر لیں؟ یا اپنے کاروبار کو خوب چمکالیں؟ یا اس لیے کہ بڑے سے بڑے عہدے پر فائز ہو جائیں؟ یا اس لیے کہ اپنے اور اپنے اہل و عیال کے لیے دنیا بھر کی آسائشیں اکٹھی کر لیں؟ یا اس لیے کہ شیطان اور نفس کے پیچھے لگ کر من مانی زندگی گزاریں اور جس نے ہمیں پیدا کیا اور ہمیں بے شمار نعمتوں سے نوازا اس کے احکامات کی کوئی پروا نہ کریں؟ اور اس کے دین کو پس پشت ڈال دیں؟

ہمیں سنجیدگی سے سوچنا چاہیے کہ آخر اللہ تعالیٰ نے ہمیں کیوں پیدا کیا ہے؟ ہمارا مقصد تخلیق کیا ہے؟ اور ہماری زندگی کا ہدف کیا ہے؟

ہمارے خالق و مالک اور ہمارے رازق اللہ تعالیٰ نے ہمارا مقصد تخلیق ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾

”اور میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔“^①
گویا تمام جنوں اور انسانوں کی تخلیق کا مقصد اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی عبادت کرنا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ ’عبادت‘ کسے کہتے ہیں؟
بعض اہل علم نے ’عبادت‘ کی تعریف یوں کی ہے:

« طَاعَةُ اللَّهِ بِفِعْلِ أَوْامِرِهِ وَاجْتِنَابِ نَوَاهِيهِ مَعَ مَحَبَّةِ اللَّهِ وَخَوْفِهِ وَرَجَائِهِ »

”اللہ کے احکام پر عمل کرتے ہوئے اور جن چیزوں سے اس نے منع کیا ہے ان سے اجتناب کرتے ہوئے
اُس کی اس طرح فرمانبرداری کرنا کہ دل میں اس کی محبت، اس کے عذاب کا خوف اور اس کی رحمت کی
امید ہو۔“

اور بعض اہل علم نے ’عبادت‘ کی تعریف یوں کی ہے:

« اِسْمٌ لِّكُلِّ مَا يُحِبُّهُ اللَّهُ وَبِرِضَاهُ مِنَ الْأَقْوَالِ وَالْأَعْمَالِ الظَّاهِرَةِ وَالْبَاطِنَةِ »

”عبادت ہر اُس ظاہری و باطنی قول و عمل کا نام ہے جس سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا اور اسے پسند کرتا ہو۔“
ان دونوں تعریفوں سے یہ واضح ہو گیا کہ ’عبادت‘ اللہ تعالیٰ کی محبت کے ساتھ اس کی فرمانبرداری کرنے کا نام
ہے۔ یعنی اس کی رحمت کی امید رکھتے ہوئے اس کے احکام پر عمل کرنا اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہوئے نواہی
و محرمات (جن کاموں سے اس نے منع کیا ہے ان) سے بچنا اور پرہیز کرنا۔ اور اپنے تمام اقوال و افعال کو اللہ تعالیٰ کی
منشا کے مطابق بنانا ’عبادت‘ ہے۔

اس جامع تعریف سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ عبادت صرف چند شعائر ہی کا نام نہیں ہے مثلاً نماز، روزہ اور حج
وغیرہ۔ بلکہ ہر وہ عمل جو اللہ کی منشا کے مطابق ہو، اُس سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہو اور اس کا تقرب حاصل ہوتا ہو وہ
’عبادت‘ ہے۔

✽ لہذا چلتے پھرتے اور اٹھتے بیٹھتے اللہ کا ذکر کرنا ’عبادت‘ ہے۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْخِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ۝ الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَمًا
وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا سُبْحَانَكَ فَقِنَا
عَذَابَ النَّارِ ۝ ﴾

”بے شک آسمانوں اور زمین کی تخلیق اور لیل و نہار کی گردش میں ان عقل والوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں

جو کھڑے اور بیٹھے اور اپنے پہلوؤں کے بل لیٹے ہوئے اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے رہتے ہیں۔ اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور و فکر کرتے رہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! تو نے انھیں بے کار نہیں پیدا کیا ہے، تو ہر عیب سے پاک ہے، پس تو ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔^(۱)

❖ اسی طرح رزق حلال کی تلاش کے لیے زمین پر چلنا پھرنا اور جدوجہد کرنا بھی 'عبادت' ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ ذُلُولًا فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا وَكُلُوا مِنْ رِزْقِهِ ۚ وَإِلَيْهِ النُّشُورُ ۝﴾ ”وہی تو ہے جس نے زمین کو تمہارے تابع کر رکھا ہے۔ لہذا تم اس کے اطراف میں چلو پھرو اور اللہ کا رزق کھاؤ۔ اور اسی کی طرف تمہیں زندہ ہو کر جانا ہے۔“^(۲)

اسی طرح اس کا فرمان ہے:

﴿فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝﴾ ”پھر جب نماز ادا ہو چکے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کے رزق کو تلاش کرو۔ اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کیا کرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔“^(۳)

❖ اسی طرح اپنے جسم کو نیند کے ذریعے راحت پہنچانا تا کہ یہ جسم اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری کے لیے چست اور صحت مندر ہے بھی 'عبادت' ہے۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ أَتَى فِرَاشَهُ وَهُوَ يَنْوِي أَنْ يَقُومَ يُصَلِّيَ مِنَ اللَّيْلِ فَغَلَبَتْهُ عَيْنَاهُ حَتَّى أَصْبَحَ ، كُتِبَ لَهُ مَا نَوَى ، وَكَانَ نَوْمُهُ صَدَقَةً عَلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ عَزَّ وَجَلَّ))

”جو شخص اپنے بستر پر اس نیت کے ساتھ آئے کہ وہ رات کو اٹھ کر نماز پڑھے گا، پھر اس پر نیند غالب آگئی یہاں تک کہ اس نے صبح کر لی تو اس کے لیے اس کی نیت کے مطابق اجر لکھ دیا جاتا ہے اور اس کی نیند اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے لیے صدقہ ہوتی ہے۔“^(۴)

اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا تھا: ((أَمَّا أَنَا فَأَنَا مَاقُومٌ وَأَقُومُ ، فَأَحْتَسِبُ نَوْمِي كَمَا أَحْتَسِبُ قَوْمِي)) ”میں رات کو سوتا بھی ہوں اور اٹھ بھی جاتا ہوں۔ چنانچہ میں سو کر بھی اُسی طرح اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب کا طلبگار ہوتا ہوں جیسا کہ اٹھ کر میں اس سے اجر و ثواب کا طلبگار ہوتا ہوں۔“^(۵)

(۱) آل عمران 3: 190-191، (۲) الملک 67: 15، (۳) الجمعة 62: 10، (۴) سنن النسائي: 687، وصححه الألباني، (۵) صحيح البخاري: 4344.

❖ اسی طرح اپنے پیٹ کی بھوک اور پیاس کو ختم کرنا تاکہ اس کا جسم مضبوط ہو اور وہ تسلسل کے ساتھ اللہ کے فرائض کو ادا کرتا رہے بھی 'عبادت' ہے۔

❖ حتیٰ کہ حلال طریقے سے اپنی شہوت کو پورا کرنا بھی 'عبادت' ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

« وَفِي بُضْعٍ أَحَدِكُمْ صَدَقَةٌ » "اور تم میں سے ایک کے جماع میں بھی صدقہ ہے۔"

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: ہم میں سے کوئی شخص اگر اپنی شہوت کو پورا کرے تو کیا اس میں بھی اسے اجر ملتا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: "تمہارا کیا خیال ہے، اگر کوئی شخص اپنی شہوت کو حرام طریقے سے پورا کرے تو کیا اسے گناہ ہو گا؟" پھر آپ نے فرمایا: "اسی طرح اگر وہ حلال طریقے سے اسے پورا کرے تو اسے یقیناً ثواب ہو گا۔" (۱)

❖ اسی طرح لین دین اور کاروبار کے معاملات میں جھوٹ، دھوکہ، فراڈ اور خیانت وغیرہ سے بچنا بھی 'عبادت' ہے۔
❖ اسی طرح والدین سے حسن سلوک کرنا، رشتہ داروں سے خوشگوار تعلقات قائم کرنا، بیوی بچوں کے حقوق ادا کرنا اور عام مسلمانوں سے محبت اور ہمدردی کرنا بھی 'عبادت' ہے۔

❖ اسی طرح اچھی عادات کو اپنانا، لوگوں سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملنا، حسن خلق کا مظاہرہ کرنا اور اچھی اور پاکیزہ گفتگو کرنا بھی 'عبادت' ہے۔

عزیزان گرامی! اس پوری تمہید سے ثابت ہوا کہ 'عبادت' اللہ تعالیٰ کی بندگی کرنے کا نام ہے۔ بندگی کس طرح؟ اس طرح کہ بندہ اُس کی فرمانبرداری کرے اور اس کی نافرمانی نہ کرے۔ صرف وہ عمل سرانجام دے جو اُس کی منشاء کے مطابق ہو، جس کو وہ پسند کرتا ہو اور جس سے اس کی رضا حاصل ہوتی ہو۔ اور اُس عمل سے اجتناب کرے جو اس کی منشاء کے مطابق نہ ہو، جس کو وہ پسند نہ کرتا ہو اور جس سے وہ ناراض ہوتا ہو۔

یہ سب کچھ وہ اس طرح کرے کہ اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی سچی محبت ہو، اس کی رحمت کی امید رکھتے ہوئے اس کی اطاعت و فرمانبرداری کرے اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہوئے اس کی نافرمانی سے اجتناب کرے۔ ہر قسم کی عاجزی و انکساری کا اظہار صرف اللہ تعالیٰ کے لیے کرے۔ اور اپنی تمام تر امیدوں کا مرکز اسی کو بنائے۔

❖ یہی وہ بندگی ہے کہ جس کو تمام انبیائے کرام رضی اللہ عنہم کی دعوت کا خلاصہ کہا جاسکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اس کا تذکرہ یوں فرماتا ہے:

﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنْ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ ۝﴾

”اور ہم نے ہر امت میں ایک رسول اس پیغام کے ساتھ بھیجا کہ (لوگو) صرف اللہ کی عبادت کرو اور غیر اللہ کی پوجا کرنے سے پرہیز کرو۔“^(۱)

نیز فرمایا: ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنْذَارًا إِلَهُ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ﴾^(۲)
 ”اور ہم نے آپ سے پہلے جو رسول بھی بھیجا اس پر یہی وحی نازل کی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے، اس لیے تم سب میری ہی عبادت کرو۔“^(۳)

اللہ تعالیٰ نے متعدد انبیاء علیہم السلام کی دعوت کو ان الفاظ میں بیان فرمایا:

﴿اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ﴾^(۴)

”تم اللہ ہی کی عبادت کرو، اس کے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں۔“^(۵)

’اللہ تعالیٰ کی بندگی کرنا‘ اس قدر عظیم وصف ہے کہ اللہ نے یہ وصف اپنے برگزیدہ حضرات کے لیے بیان کیا۔

✽ چنانچہ عیسیٰ علیہ السلام اور مقرب فرشتوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿كُنْ يَسْتَنْكِفُ الْمَسِيحُ أَنْ يَكُونَ عَبْدًا لِلَّهِ وَلَا الْمَلَائِكَةُ الْمُقَرَّبُونَ وَمَنْ يَسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهِ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ إِلَيْهِ جَمِيعًا﴾^(۶)

”مسیح اس بات پر عار نہیں سمجھتا کہ وہ اللہ کا بندہ ہو کر رہے اور نہ ہی مقرب فرشتے عار سمجھتے ہیں۔ اور جو شخص اس کی بندگی میں عار سمجھے اور تکبر کرے تو اللہ تعالیٰ ان سب کو عنقریب اپنے ہاں اکٹھا کرے گا۔“^(۷)

اسی طرح فرمایا: ﴿إِنْ هُوَ إِلَّا عَبْدٌ أَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنَاهُ مَثَلًا لِبَنِي إِسْرَءِيلَ﴾^(۸)

”وہ (عیسیٰ علیہ السلام) تو بندے ہی تھی، جن پر ہم نے انعام کیا اور انھیں بنی اسرائیل کے لیے ایک مثال بنا دیا۔“^(۹)

اور ان کی دعوت بھی یہی تھی کہ

﴿إِنَّ اللَّهَ هُوَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ فَاعْبُدُوهُ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ﴾^(۱۰)

”یقیناً اللہ ہی میرا اور تم سب کا رب ہے، لہذا تم اسی کی بندگی کرو۔ یہی سیدھا راستہ ہے۔“^(۱۱)

’مسیح‘ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں نصاریٰ کا دعویٰ تھا کہ وہ اللہ کے بیٹے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی حیثیت کا تعین کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ تو محض اللہ کے بندے ہیں، اسی کی بندگی کرتے اور اس کے احکام بجالاتے ہیں۔ نیز

(۱) النحل 36:16 (۲) الانبیاء 21:25 (۳) الأعراف 7:59، 65، 73، 85 (۴) النساء 4:271 (۵) الزخرف 43:95

(۶) الزخرف 43:46

وہ لوگوں کو بھی اسی بات کا حکم دیتے تھے کہ وہ سب اللہ ہی کی بندگی و عبادت کریں۔ اور انھوں نے اسی راستے کو صراطِ مستقیم قرار دیا۔

یہی وہ بندگی ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے ایک اچھے وصف، کے طور پر اپنے کئی انبیائے کرام علیہم السلام کے لیے ذکر کیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کے بارے میں فرمایا: ﴿وَإِذْ كُنَّا عَبْدًا لِّدَاوُدَ إِذْ أَوْذَاهُ بِالسَّيِّئَةِ الْكَبِيرَةِ إِنَّهُ آوَابٌ ۝﴾⁽¹⁾ اور ایوب علیہ السلام کے بارے میں فرمایا: ﴿وَإِذْ كُنَّا عَبْدًا لِّيُوسُفَ إِذْ نَادَى رَبَّهُ أَنِّي مَسَّنِيَ الشَّيْطَانُ بِنُصْبٍ وَعَذَابٍ ۝﴾⁽²⁾

اسی طرح ابراہیم، اسحاق اور یعقوب علیہم السلام کے بارے میں فرمایا:

﴿وَإِذْ كُنَّا عَبْدًا لِّإِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ أُولِيَ الْأَيْدِي وَالْأَبْصَارِ ۝﴾⁽³⁾

بندگی کا یہی وہ وصف ہے کہ جو اللہ تعالیٰ نے امام الانبیاء جناب محمد ﷺ کا بھی بیان فرمایا:

﴿تَبَرَّكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَى عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا ۝﴾⁽⁴⁾

اسی طرح فرمایا: ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَى عَبْدِهِ الْكِتَابَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَهُ عِوَجًا ۝﴾⁽⁵⁾

اسی طرح فرمایا: ﴿سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَا الَّذِي بَرَكْنَا حَوْلَهُ لِنُرِيَهُ مِنَ الْآيَاتِ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ۝﴾⁽⁶⁾

اور خود رسول اکرم ﷺ نے بھی اپنا یہ عظیم وصف یوں بیان کیا:

« لَا تُطْرَوْنِي كَمَا أَطْرَبَ النَّصَارَى ابْنَ مَرْثَمَ إِنَّمَا أَنَا عَبْدٌ فَقُولُوا عَبْدُ اللَّهِ وَرَسُولُهُ »

”تم مجھے (میرے مقام و مرتبہ سے) اس طرح نہ بڑھاؤ جیسا کہ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو بڑھایا۔ بے شک میں اللہ کا ایک بندہ ہوں، اس لیے تم مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہی کہو۔“⁽⁷⁾

اسی طرح فرشتوں کے متعلق بھی اللہ تعالیٰ نے یہی وصف یوں بیان کیا:

﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَنُ وَلَدًا سُبْحَانَهُ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُونَ ۝ لَا يَسْبِقُونَهُ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِأَمْرِهِ يَعْمَلُونَ ۝﴾

”(مشرک لوگ) کہتے ہیں کہ رحمن اولاد والا ہے۔ اس کی ذات پاک ہے، بلکہ وہ سب (فرشتے) اس کے معزز بندے ہیں، کسی بات میں اللہ تعالیٰ پر سبقت نہیں لے جاتے، بلکہ اس کے فرمان پر کار بند ہیں۔“⁽⁸⁾

نیز فرمایا: ﴿وَمَنْ عِنْدَهُ لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَلَا يَسْتَحْسِرُونَ ۝ يُسَبِّحُونَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا

(1) ص 38: 17. (2) ص 38: 41. (3) ص 38: 45. (4) الفرقان 1: 25. (5) الکہف 1: 18. (6) الإسراء 1: 17. (7) صحیح

البخاری، أحادیث الانبیاء، باب قول الله تعالى: واذكر في الكتاب مريم: 3454. (8) الانبياء 21: 26-27.

يَفْتُرُونَ ﴿١﴾

”اور جو (فرشتے) اس کے پاس ہیں وہ نہ اس کی بندگی سے تکبر کرتے ہیں اور نہ ہی وہ اکتاتے ہیں۔ وہ دن رات اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے ہیں، سستی اور کمی نہیں کرتے۔“^(۱)

معزز سامعین! جہاں اللہ تعالیٰ نے بندگی کا یہ وصف انبیاء کرام علیہم السلام اور فرشتوں کے لیے بیان کیا ہے وہاں اس نے اپنے دیگر بندوں کے لیے بھی یہی وصف بیان کر کے انھیں کئی بشارتیں سنائی ہیں۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿لِعِبَادٍ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَا أَنْتُمْ تَحْزَنُونَ﴾ ﴿٢﴾
 ”اے میرے بندو! آج تمہیں کوئی خوف نہیں ہے اور نہ (آئندہ) تمہیں کوئی غم لاحق ہوگا۔“^(۲)

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے اپنے علاوہ کسی اور کی بندگی سے اجتناب کرنے والے اپنے بندوں کو یوں بشارت دی: ﴿وَالَّذِينَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوتَ أَنْ يَعْبُدُوهَا وَأَنَابُوا إِلَى اللَّهِ لَهُمُ الْبُشْرَىٰ فَبَشِّرْ عِبَادِ﴾ ﴿٣﴾
 الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ ۚ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ ۖ وَلَئِنَّهُمْ أُولُوا الْآلْبَابِ﴾ ﴿٤﴾

”اور جو لوگ غیر اللہ کی بندگی کرنے سے اجتناب کرتے اور اللہ ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں انھی کے لیے خوشخبری ہے۔ لہذا آپ میرے بندوں کو خوشخبری دے دیجئے، جو قرآن کو غور سے سنتے ہیں، پھر اس کی بہترین باتوں کی پیروی کرتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ نے حق کی راہ دکھا دی ہے اور یہی لوگ عقل و خرد والے ہیں۔“^(۳)

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت و بندگی کرنے والے لوگ ہی ہدایت یافتہ ہیں اور انھی کے لیے دنیا و آخرت میں خوشخبریاں ہیں۔

بندگی رحمان کی یا شیطان کی؟

اب تک ہم نے جو گفتگو کی ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تمام لوگوں کو صرف اللہ تعالیٰ ہی کی بندگی کرنی چاہیے اور اسے چھوڑ کر کسی اور کی بندگی نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ بندگی یا اللہ تعالیٰ کی ہوتی ہے یا پھر شیطان کی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ يَبْنَىٰ أَدَمَ أَنْ لَا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ ۚ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ﴾ ﴿٥﴾ وَأَنْ أَعْبُدُونِي ۚ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ﴿٦﴾

”اے آدم کی اولاد! کیا میں نے تم سے عہد نہیں لیا تھا کہ تم شیطان کی بندگی نہ کرنا! کیونکہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ اور تم صرف میری بندگی کرنا، یہی سیدھا راستہ ہے۔“^(۴)

(۱) الانبیاء: 20-19:21. (۲) الزخرف: 86:43. (۳) الزمر: 17:39-18. (۴) یس: 60:36-61.

شیطان کی بندگی کس طرح؟

اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں میں شیطان کی بندگی ہوتی ہے۔ کیونکہ شیطان ہی انسان کے لیے گناہوں اور نافرمانیوں کو انتہائی خوبصورت شکل میں پیش کرتا ہے اور اسے اللہ تعالیٰ کی عبادت و بندگی سے انحراف کرنے اور اپنی اطاعت کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔

❁ وہ شیطان ہی تو ہے جو لوگوں کو اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت سے دور ہٹاتا اور انھیں مزاروں، درباروں اور خانقاہوں میں لے جاتا اور ان سے شرکیہ اعمال کرواتا ہے۔

❁ وہ شیطان ہی تو ہے جو لوگوں کو رسول اکرم ﷺ کی صحیح / ثابت شدہ سنتوں سے دور کرتا اور کارِ خیر کے نام پر دین میں نئی نئی بدعات ایجاد کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔

❁ وہ شیطان ہی تو ہے جو لوگوں کو حلال و جائز طریقے سے اپنی شہوت کو پورا کرنے کی بجائے اسے حرام اور ناجائز طریقے سے پورا کرنے اور بدکاری پر اکساتا ہے اور لوگوں کی عزتیں لوٹنے پر آمادہ کرتا ہے۔

❁ وہ شیطان ہی تو ہے جو لوگوں کو ان کی نفسانی خواہشات کا پیجاری بنادیتا اور انھیں دین کے احکامات سے غافل کر دیتا ہے۔

❁ وہ شیطان ہی تو ہے جو انسان کو حرام اور ناجائز طریقوں سے مال کمانے کی ترغیب دیتا اور سودی لین دین، جوا بازی، رشوت اور خیانت وغیرہ پر آمادہ کرتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ دینار و درہم کا بندہ بن جاتا ہے اور پیسے کی تلاش میں مارا مارا پھرتا ہے۔ نہ حلال و حرام کی تمیز رہتی ہے اور نہ جائز و ناجائز کا فرق رہتا ہے۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

((تَعِسَ عَبْدُ الدِّينَارِ وَعَبْدُ الدِّرْهَمِ وَعَبْدُ الْخَمِيصَةِ، إِنْ أُعْطِيَ رَضِيَ وَإِنْ لَمْ يُعْطَ سَخِطَ، تَعِسَ وَانْتَكَسَ))

”ہلاک ہو گیا دینار کا بندہ، درہم کا بندہ اور لباس کا بندہ! اگر اسے دیا جائے تو راضی رہتا ہے اور اگر نہ دیا جائے تو ناراض ہو جاتا ہے۔ وہ ہلاک ہو گیا اور سر کے بل گر کر برباد ہو گیا۔“^(۱)

دینار و درہم اور لباس کی بندگی کا مطلب ان چیزوں کے سامنے سجدہ کرنا نہیں، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان ان چیزوں کی طلب میں دین سے بالکل غافل ہو جائے اور اللہ کے احکامات کی کوئی پروا نہ کرے۔ وہ ایسے ہی ہے جیسے وہ ان چیزوں کی عبادت اور بندگی کرتا ہے۔

عزیزان گرامی! کسی شخص کو یہ کیسے پتہ چلے گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بندگی کرتا ہے یا شیطان کی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ جس حالت میں ہے اپنی اُس حالت کا جائزہ لے۔ اگر وہ ایسی حالت میں ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے، یعنی وہ اللہ ہی کی عبادت کرتا ہے اور اُس کی عبادت میں کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا، اس کی فرمانبرداری کرتا ہے، اس کے فرائض کو ادا کرتا ہے اور اس کے رسول جناب محمد ﷺ کے احکامات کا پیروکار ہے تو یقیناً وہ اللہ تعالیٰ کی بندگی کر رہا ہے۔ لیکن اگر اُس کی موجودہ حالت اس کے برعکس ہے، یعنی وہ اللہ کی عبادت میں غیر اللہ کو شریک بناتا ہے، درباروں اور مزاروں کے چکر لگاتا ہے، اللہ کے فرائض کی ادائیگی میں غفلت برتتا ہے اور جناب محمد ﷺ کی نافرمانی کرتا ہے تو یقیناً وہ شیطان کی بندگی کر رہا ہے۔

اور ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ ایک انسان اللہ کی بندگی بھی کرتا ہو اور اس کے ساتھ ساتھ شیطان کی بندگی بھی کرتا ہو۔ وہ جس قدر اللہ کا فرمانبردار ہوگا اسی قدر وہ اس کی بندگی کرنے والا ہوگا اور جس قدر وہ اس کا نافرمان ہوگا اسی قدر وہ شیطان کی بندگی کرنے والا ہوگا۔

رحمان کی بندگی کرنے والوں کی بعض صفات

اللہ تعالیٰ نے اپنی بندگی کرنے والوں کی بعض صفات سورۃ الفرقان کے آخر میں ذکر کی ہیں۔ ہم آپ کے سامنے ان صفات کا تذکرہ اختصار کے ساتھ کرتے ہیں، جس کا مقصد یہ ہے کہ ہم بھی انھیں اختیار کر کے رحمان کے بندوں میں شامل ہونے کی کوشش کریں۔

(1) ﴿وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ عَلٰى الْاٰذَانِ هَوْنًا﴾

”اور رحمن کے حقیقی بندے وہ ہیں جو زمین پر انکساری سے چلتے ہیں۔“

(2) ﴿وَ اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ۝﴾

”اور اگر جاہل ان سے مخاطب ہوں تو سلام کہہ کر (کنارہ کش) ہو جاتے ہیں۔“

(3) ﴿وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِربِّهِمْ سُجَّدًا وَّ قِيَامًا ۝﴾

”اور جو اپنے رب کے حضور سجدہ اور قیام میں راتیں گزارتے ہیں۔“

(4) ﴿وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۚ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ۝ اِنَّهَا سَاءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّ مُقَامًا ۝﴾

”اور جو دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! جہنم کے عذاب سے ہمیں بچائے رکھنا کیونکہ اس کا عذاب ٹلنے

والا نہیں۔ بلاشبہ وہ بری جائے قرار ہے اور مقام بھی برا ہے۔“

(5) ﴿وَالَّذِيْنَ اِذَا اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَّلَمْ يَفْتَرُوْا وَاْكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ۝﴾ ”اور وہ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ

فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ بخل، بلکہ ان کا خرچ ان دنوں کے درمیان ہوتا ہے۔“

(6) ﴿وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ﴾ ”اور جو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں پکارتے۔“

(7) ﴿وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ﴾ ”اور نہ ہی وہ اللہ کی حرام کی ہوئی کسی جان کو ناحق قتل کرتے ہیں۔“

(8) ﴿وَلَا يَزْنُونَ﴾ ”اور نہ وہ زنا کرتے ہیں۔“

ان آخری تین گناہوں کا تذکرہ کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ يَلْقَ أَثَامًا ۖ يُضْعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَيَخْلُدُ فِيهِ مُهَانًا ۖ إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ يَبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ ۖ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ۖ وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَإِنَّهُ يَتُوبُ إِلَى اللَّهِ مَتَابًا ۖ﴾

”اور جو شخص ایسے کرے گا وہ ان کی سزا پا کے رہے گا۔ قیامت کے دن اس کا عذاب دگنا کر دیا جائے گا اور وہ ذلیل ہو کر اس میں ہمیشہ کے لیے پڑا رہے گا۔ ہاں جو شخص توبہ کر لے اور ایمان لے آئے اور نیک عمل کرے تو ایسے لوگوں کی برائیوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں سے بدل دے گا اور اللہ بہت بخشنے والا اور بڑا ہی رحم کرنے والا ہے۔ اور جو توبہ کرے اور نیک عمل کرے تو وہ اللہ کی طرف یوں رجوع کرتا ہے جیسا کہ رجوع کا حق ہے۔“

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے بندوں سے اگر اس قسم کے گناہ سرزد ہو جائیں تو انھیں فوراً توبہ اور اپنی اصلاح کرنی چاہیے۔ ورنہ ان گناہوں کی وجہ سے انھیں قیامت کے روز ذلت و رسوائی کے ساتھ جہنم رسید کر دیا جائے گا۔ والعیاذ باللہ۔

(9) ﴿وَالَّذِينَ لَا يَشْهَدُونَ الزُّورَ﴾ ”اور جو جھوٹی گواہی نہیں دیتے۔“

(10) ﴿وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا ۖ﴾ ”اور جب کسی لغو کام پر گزر ہو تو وہ وقار سے گزر جاتے ہیں۔“

(11) ﴿وَالَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوا عَلَيْهَا صَبًّا وَعُمْيَانًا ۖ﴾ ”اور جب انھیں ان کے رب کی آیات کے ساتھ نصیحت کی جائے تو ان پر اندھے اور بہرے ہو کر نہیں گرتے (بلکہ اثر قبول کرتے ہیں)۔“

(12) ﴿وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا ۖ﴾

”اور جو یوں دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمیں اپنی بیویوں اور اولاد کی طرف سے آنکھوں کی

ٹھنڈک نصیب فرما اور ہمیں پرہیزگاروں کا پیشوا بنا۔“

سامعین گرامی! رحمن کے حقیقی بندوں کی صف میں شامل ہونے کے لیے ہمیں بھی ان تمام صفات کو اختیار کرنا

چاہیے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان صفات کے حاملین کو بہت ہی عظیم خوشخبری دی ہے اور وہ ہے:

﴿أُولَٰئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوا وَيُلَقَّوْنَ فِيهَا تَحِيَّةً وَسَلَامًا ۖ خُلِدِينَ فِيهَا حَسَنَتْ مُسْتَقَرًّا وَمُقَامًا ۝﴾

”یہی وہ لوگ ہیں جنہیں ان کے صبر کے بدلے جنت کے بلند بالا خانے دیے جائیں گے، جہاں انہیں دعا سلام پہنچایا جائے گا۔ اس میں ہمیشہ رہیں گے، وہ بہت ہی اچھی جگہ اور عمدہ مقام ہے۔“^①

عبادت و بندگی کے چند اصول و ضوابط

اب ہم اللہ رب العزت کی عبادت و بندگی کے چند اصول و ضوابط ذکر کرتے ہیں۔ یہ وہ اصول و ضوابط ہیں کہ اگر ان کی پابندی کی جائے تو عبادت میں حسن پیدا ہوتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں قابل قبول ہوتی ہے۔

پہلا اصول

عبادت میں اخلاص لازم ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۚ حُنَفَاءَ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ وَذَلِكَ دِينُ الْقَيِّمَةِ ۝﴾

”انہیں محض اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور شرک وغیرہ سے منہ موڑتے ہوئے اس کے لیے دین کو خالص رکھیں۔ اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں۔ اور یہی ہے دین سیدھی ملت کا۔“^②

’اخلاص‘ کا معنی ہے: پاک صاف کرنا۔ یعنی عبادت کو اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کرنا اور اسے شرک اور ریاکاری سے پاک صاف کرنا۔ عبادت میں کسی کو شریک کرنے یا دکھلاوے کی نیت کرنے سے عبادت ضائع ہو جاتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

((أَنَا غَنَى الشُّرَكَاءِ عَنِ الشِّرْكِ، مَنْ عَمِلَ عَمَلًا أَشْرَكَ فِيهِ مَعِيَ غَيْرِي تَرَكْنَهُ وَشِرْكُهُ))

”میں تمام شریکوں میں سب سے زیادہ شرک سے بے نیاز ہوں۔ اور جو شخص ایسا عمل کرے کہ اس میں میرے ساتھ میرے علاوہ کسی اور کو بھی شریک کرے تو میں اسے اور اس کے شرک کو چھوڑ دیتا ہوں۔“^③

یاد رہے کہ ’عبادت‘ میں اخلاص کا ایک لازمی تقاضا یہ ہے کہ اللہ کی بندگی کرنے والے اللہ ہی سے مدد طلب کریں اور اسی پر توکل اور بھروسہ کریں۔ یہ وہ بات ہے کہ جس کا اقرار ہر مسلمان ہر نماز کی ہر رکعت میں کرتے ہوئے کہتا

① الفرقان 25:63-76، ② البینۃ 98:5، ③ صحیح مسلم: 2985.

ہے: ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ ”ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں۔“
یہ بات نہایت ہی نامعقول ہے کہ ہم زبان سے تو اقرار کریں کہ اللہ! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں، لیکن عملی طور پر اس کی بندگی نہ کریں! غیر اللہ کے سامنے عاجزی و انکساری کا اظہار کریں! غیر اللہ کو مدد کے لیے پکاریں! غیر اللہ کو اپنی امیدوں کا مرکز بنائیں! غیر اللہ کے لیے نذر و نیاز پیش کریں! غیر اللہ سے خوف کھائیں! غیر اللہ کو اختیارات اور نفع و نقصان کا مالک تصور کریں! غیر اللہ پر بھروسہ کریں!

حالانکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْاٰیٰتِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهُ فَاعْبُدُوْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَیْهِ﴾ ”آسمانوں اور زمین کا علم غیب اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے اور تمام امور اسی کی طرف لوٹا دیے جاتے ہیں۔ لہذا اسی کی عبادت کیجئے اور اسی پر بھروسہ کیجئے۔“

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے دو ٹوک انداز میں واضح کر دیا ہے کہ تمام امور اسی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں اور وہی ان کے متعلق فیصلے فرماتا ہے۔ اور جب سارے اختیارات اسی کے پاس ہیں تو پھر اسی کی بندگی کرنی چاہیے اور اسی پر مکمل بھروسہ کرنا چاہیے۔

دوسرا اصول

’عبادت‘ وہ ہے جو کلام الہی یا حدیث رسول ﷺ سے ثابت ہو۔ کیونکہ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

((مَنْ أَخَذَ فِيْ أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ))

”جس نے ہمارے اس دین میں کوئی نئی کام ایجاد کیا جو اس میں سے نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔“⁽²⁾

ایک اور روایت میں ارشاد فرمایا: ((مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَّيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ))

”جس نے کوئی ایسا کام کیا جس کے متعلق ہمارا کوئی حکم نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔“⁽³⁾

لہذا کوئی ایسا کام جس کا ثبوت قرآن و حدیث میں موجود نہ ہو تو وہ ’عبادت‘ نہیں ہو سکتا اور نہ ہی اس سے اللہ کا تقرب حاصل ہو سکتا ہے۔ اس کی ایک مثال اذان سے پہلے رسول اکرم ﷺ پر صلاۃ و سلام پڑھنا ہے، جس کا ثبوت قرآن و حدیث میں نہیں ہے۔ اسی طرح دعا میں رسول اکرم ﷺ کی ذات گرامی کا وسیلہ بنانا بھی وہ عمل ہے کہ جس کا قرآن و حدیث میں کوئی ثبوت نہیں ہے۔ سو قرآن و حدیث سے ثابت شدہ امور پر ہی اکتفا کرنا چاہیے۔ پوری کی پوری خیر و بھلائی اسی میں ہے۔

① ہود 123:11، ② صحیح البخاری: 2697، صحیح مسلم: 1718، ③ صحیح مسلم: 1718.

تیسرا اصول

’عبادت‘ کی مقدار اور کیفیت دونوں میں رسول اکرم ﷺ کی اتباع لازم ہے۔ یعنی ’عبادت‘ اتنی ہی ہو جتنی رسول اکرم ﷺ نے کی ہو اور اس کا طریقہ بھی وہی ہو جو رسول اکرم ﷺ سے ثابت ہو۔ ان دونوں چیزوں میں اتباع سنت رسول ضروری ہے۔

مقدار کا مطلب یہ ہے کہ جتنی عبادت رسول اکرم ﷺ نے کی اتنی ہی کی جائے اور اس میں کمی بیشی نہ کی جائے۔ اس کی مثال نماز جنازہ ہے، جس میں رسول اکرم ﷺ نے رکوع وسجود نہیں کیا۔ اگر کوئی شخص نماز جنازہ میں رکوع وسجود بھی کرے تو اس کی یہ نماز قابل قبول نہیں ہے۔

کیفیت سے مراد یہ ہے کہ ’عبادت‘ اُس طرح کی جائے جس طرح رسول اللہ ﷺ نے کی۔ اگر کوئی شخص کسی عبادت کا طریقہ اپنی طرف سے ایجاد کر لے تو اس کی وہ عبادت قبول نہیں کی جائے گی۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: «صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي»

”تم نماز اُس طرح پڑھو جس طرح تم مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔“^(۱)

اسی طرح آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر ارشاد فرمایا تھا:

«لِتَأْخُذُوا مِنَّا سِكِّكُمْ ، فَإِنِّي لَا أَدْرِي لَعَلِّي لَا أَحُجُّ نَعْدَ حَجَّتِي هَذِهِ»

”تم حج کے احکام سیکھ لو کیونکہ مجھے معلوم نہیں، شاید میں اس حج کے بعد دوسرا حج نہ کر سکوں۔“^(۲)

چوتھا اصول

’عبادت‘ اللہ رب العزت کی محبت، خشیت اور تعظیم کے ساتھ اور پوری توجہ کے ساتھ کرنی چاہیے۔ لہذا ایسی عبادت کہ جس میں نہ اللہ کی محبت ہو، نہ اس کے لیے عاجزی وانکساری کے جذبات ہوں اور نہ اس کی طرف توجہ ہو تو وہ اُس جسم کی مانند ہے جس میں روح نہ ہو۔

اسی لیے جب حضرت جبریل علیہ السلام نے رسول اکرم ﷺ سے ’احسان‘ کے متعلق سوال کیا تھا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا: «أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ ، فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ»

”احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت اِس طرح کرو کہ جیسے تم اسے دیکھ رہے ہو، پس اگر تم اسے نہیں دیکھ رہے تو وہ یقیناً تمہیں دیکھ رہا ہے۔“

(۱) صحیح البخاری: 631۔ (۲) صحیح مسلم: 1297۔

ہر عبادت کو نہایت خوبصورتی کے ساتھ مکمل کرنا چاہیے۔ اور وہ اس طرح کہ بندے کا مطمح نظر عبادت و بندگی میں اخلاص و محبت اور اتباع سنت رسول کے ذریعے ایسا حسن پیدا کرنا ہو کہ جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا﴾

”وہ جس نے موت و حیات کو پیدا کیا تاکہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون زیادہ اچھا عمل کرتا ہے۔“^(۱)

اسی طرح فرمایا: ﴿إِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْأَرْضِ زِينَةً لِّهَا لِنَبْلُوَهُمْ أَيُّهُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا﴾^(۲)
”زمین پر جو کچھ ہے اسے ہم نے اس کی زینت بنا دیا ہے تاکہ ہم لوگوں کو آزمائیں کہ ان میں سے کون زیادہ اچھا عمل کرتا ہے۔“^(۳)

ان دونوں آیات میں اللہ تعالیٰ نے ”أَكْثَرَ عَمَلًا“ نہیں فرمایا بلکہ ﴿أَحْسَنُ عَمَلًا﴾ فرمایا، جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ اہمیت عمل کی خوبصورتی اور اس کے حسن کی ہے، نہ کہ تعداد و مقدار کی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اُس شخص کے اعمالِ صالحہ کا اجر و ثواب ضائع نہ کرنے کا وعدہ فرمایا ہے جو نہایت خوبصورتی کے ساتھ اعمالِ صالحہ انجام دے۔ اس کا فرمان ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ إِنَّا لَا نُضِيعُ أَجْرَ مَنْ أَحْسَنَ عَمَلًا﴾^(۴)

”بے شک جو لوگ ایمان لائے اور اچھے عمل کرتے رہے، تو ہم اچھی طرح نیک عمل کرنے والے کا اجر ضائع نہیں ہونے دیں گے۔“^(۵)

اسی طرح فرمایا: ﴿بَلَىٰ ۖ مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهُ أَجْرُهُ عِنْدَ رَبِّهِ ۖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾^(۶)

’سنو! جو بھی اپنے آپ کو اللہ کے سامنے جھکا دے اور وہ (اخلاص و اتباع سنت کے ساتھ) اچھی طرح عمل کرنے والا بھی ہو تو اس کے لیے اس کے رب کے ہاں اجر ہے اور ایسے لوگوں پر کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمزدہ ہوں گے۔“^(۷)

اور اسی لیے رسول اکرم ﷺ نے اپنے محبوب صحابی حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو ہر فرض نماز کے بعد یہ دعا پڑھنے کی تلقین کی تھی: ((اَللّٰهُمَّ اَعِنِّيْ عَلَى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ))

”اے اللہ! اپنا ذکر کرنے، شکر بجالانے اور اپنی عبادت میں حسن پیدا کرنے پر میری مدد فرما۔“^(۸)

گویا اللہ تعالیٰ کے نزدیک قبولیت عمل کا معیار اس کا حسن ہے اور حسن اس کی محبت، خشیت اور تعظیم کے ساتھ اور

(۱) الملک 2:67، (۲) الکہف 7:18، (۳) الکہف 30:18، (۴) البقرة 2:212، (۵) سنن أبي داود: 1522، و صححه الألبانی،

سنتِ رسول کی اتباع کے ساتھ ہی آتا ہے، نہ کہ کثرتِ تعداد و مقدار کے ساتھ۔ یہ وہ حسن ہے کہ جس کے ساتھ بندے کو اطمینانِ قلب نصیب ہوتا اور راحت و سکون اور لذت و مٹھاس کا احساس ہوتا ہے۔

پانچواں اصول

ہم شروع میں عرض کر چکے ہیں کہ 'عبادت' انسان کا مقصد تخلیق ہے، لہذا اسے پوری زندگی اس طرح گزارنی چاہیے کہ وہ عبادت بن جائے۔ وہ ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کی رضا کا طلبگار ہو۔ اور جہاں کہیں بھی ہو اور جو بھی کام کرے اس کی منشاء کے مطابق کرے۔ ایسا نہ ہو کہ بعض مواقع پر تو وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کر لے، پھر دیگر اوقات میں وہ اس کی عبادت کو بھول جائے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِنَ السَّاجِدِينَ ۝ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ ۝﴾

”پس اپنے رب کی تعریف کے ساتھ تسبیح بیان کیجئے اور اس کے حضور سجدہ کرتے رہئے۔ اور اپنے رب کی عبادت کرتے رہئے یہاں تک کہ آپ کو موت آجائے۔“^(۱)

جبکہ بعض لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت اپنے دنیاوی مفادات کی خاطر کرتے ہیں، اگر انھیں وہ مفادات حاصل ہوتے رہیں تو عبادت کرتے رہتے ہیں۔ اور اگر ایسا نہ ہو، بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائشیں آنا شروع ہو جائیں تو پھر وہ عبادت کو ترک کر دیتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَعْبُدُ اللَّهَ عَلَىٰ حَرْفٍ ۚ فَإِنْ أَصَابَهُ خَيْرٌ اطْمَأَنَّ بِهِ ۚ وَإِنْ أَصَابَتْهُ فِتْنَةٌ انْقَلَبَ عَلَىٰ وَجْهِهِ ۚ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ ۚ ذَلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِينُ ۝﴾

”اور بعض لوگ اللہ کی عبادت کنارے پر رہ کر کرتے ہیں۔ اگر انھیں دنیاوی بھلائی ملتی ہے تو اطمینان کی سانس لیتے ہیں اور اگر کوئی آزمائش انھیں آ لیتی ہے تو (کفر کی طرف) پلٹ جاتے ہیں۔ اپنی دنیا اور آخرت دونوں گنوا دیتے ہیں۔ یہی واضح نقصان ہے۔“^(۲)

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو ہر حال میں اپنی عبادت پر قائم رہنے کی توفیق دے۔ اور عبادت کے متعلق ان پانچوں اصولوں کی پابندی کرنے کی توفیق دے۔

دوسرا خطبہ

سامعین گرامی! آپ نے پہلے خطبہ میں عبادت و بندگی کے متعلق ہماری گزارشات قرآن و حدیث کی روشنی میں

سماعت کیں۔ آئیے اب عبادت کے ثمرات بھی سن لیجیے۔

اللہ تعالیٰ کی بندگی کے ثمرات ﴿۱﴾

﴿۱﴾ جو شخص اللہ ہی کی بندگی کرتا ہے اس پر شیطان غالب نہیں آسکتا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ إِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغَايِبِينَ ۝﴾

”میرے بندوں پر (اے ابلیس!) تمہیں کوئی غلبہ نہیں ہے سوائے ان گمراہ لوگوں کے جو تیری پیروی کریں گے۔“

﴿۲﴾ عذاب الہی کے نازل ہونے کی صورت میں وہی لوگ اُس سے بچ جاتے ہیں جو اس کے مخلص بندے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں پچھلی قوموں کے واقعات بیان کیے ہیں۔ اور ان پر نازل ہونے والے عذاب کا بھی ذکر کیا ہے۔ اسی ضمن میں اس نے یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ اس کے عذاب سے نجات پانے والے صرف وہ لوگ تھے جو انتہائی اخلاص کے ساتھ اس کی بندگی کرتے تھے۔

ارشاد باری ہے: ﴿وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ أَكْثَرُ الْأَوَّلِينَ ۝ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا فِيهِمْ مُنْذِرِينَ ۝ فَأَنْظَرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذِرِينَ ۝ إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ ۝﴾

”ان سے پہلے بھی بہت سے لوگ بہک چکے ہیں۔ جن میں ہم نے ڈرانے والے رسول بھیجے تھے۔ لہذا آپ دیکھ لیں کہ جنہیں ڈرایا گیا تھا ان کا انجام کیا ہوا! سوائے اللہ کے مخلص بندوں کے۔“ ﴿۳﴾

اسی طرح حضرت الیاس علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَإِنَّ الْيَاسِينَ الْمُرْسِيْنَ ۝ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ أَلَا تَتَّقُونَ ۝ أَتَدْعُونَ بَعْلًا وَتَذَرُونَ أَحْسَنَ الْخَالِقِينَ ۝ اللَّهُ رَبُّكُمْ وَرَبُّ آبَائِكُمُ الْأَوَّلِينَ ۝ فَكَذَّبُوهُ فَأْتَاهُم مِّنْ حُضْرٍ ۝ إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ ۝﴾

”بے شک الیاس علیہ السلام بھی پیغمبروں میں سے تھے۔ جب انھوں نے اپنی قوم سے کہا کہ تم اللہ سے ڈرتے نہیں! کیا تم ’بعل‘ نامی بت کو پکارتے ہو اور سب سے بہتر خالق کو چھوڑ دیتے ہو؟ اللہ جو کہ تمہارا رب ہے اور تمہارے پہلے آباء و اجداد کا بھی رب ہے۔ لیکن انھوں نے جھٹلا دیا، لہذا وہ عذاب میں ضرور گرفتار کیے جائیں گے۔ سوائے ان کے جو اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے تھے۔“ ﴿۴﴾

اسی طرح مشرکین مکہ اور ان کی طرف سے انکارِ عبودیت کا تذکرہ کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿إِنَّكُمْ لَذَٰئِقُوا الْعَذَابِ الْأَلِيمِ ۝ وَمَا تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ ۝ أُولَٰئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُومٌ ۝ فَوَٰكِهُ ۝ وَهُمْ مُكْرَمُونَ ۝ فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ ۝ عَلَى سُرُرٍ مُّتَقَابِلِينَ ۝ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِكَأْسٍ مِّنْ مَّعِينٍ ۝ بَيْضَاءَ لَّدُنَّا لِلشَّرِبِ ۝ لَا فِيهَا شَوْءٌ وَلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُونَ ۝ وَعِنْدَهُمْ قُصُورُ الطَّرَفِ عَيْنٌ ۝ كَأَنَّهُمْ بَيْضٌ مَّكْنُونٌ﴾

”یقیناً تمہیں دردناک عذاب چکنا ہے۔ اور تمہیں تمہارے اعمال کا ہی بدلہ دیا جائے گا۔ سوائے اللہ کے مخلص بندوں کے۔ انہی کے لیے ہمیشہ باقی رہنے والی روزی مقرر ہے، انواع و اقسام کے پھل۔ اور وہ نعمتوں والی جنت میں معزز و مکرم ہوں گے۔ آمنے سامنے تختوں پر بیٹھے ہوں گے۔ انہیں بہتی ہوئی شراب کا جام پیش کیا جائے گا۔ وہ شراب سفید اور پینے والوں کے لیے لذیذ ہوگی۔ نہ اس سے سرچکرائے گا اور نہ ہی اس سے ان کی عقل ماری جائے گی۔ اور ان کے پاس نیچی نگاہ رکھنے والی بڑی آنکھوں والی حوریں ہوں گی۔ جو چھپائے ہوئے اندوں کی مانند نہایت خوبصورت ہوں گی۔“^(۱)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے دردناک عذاب سے مستثنیٰ صرف ان لوگوں کو قرار دیا ہے جو نہایت ہی اخلاص کے ساتھ اس کی عبادت و بندگی کرتے ہیں۔ انہی لوگوں کے لیے جنت کی نعمتیں ہوں گی جن میں وہ نہایت معزز و مکرم ہوں گے۔ اللہ ہم اجعلنا منهم اسی طرح ایک حدیث قدسی میں ہے کہ

﴿ قَالَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ : أَعَدَدْتُ لِعِبَادِي الصَّالِحِينَ مَا لَا عَيْنٌ رَأَتْ وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ ، وَلَا خَصَرَ عَلَى قَلْبٍ بَشَرٍ ﴾

”اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے (جو صرف اور صرف میری بندگی کرتے ہیں) ایسی نعمتیں تیار کی ہیں جنہیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے، نہ کسی کان نے ان کے بارے میں کچھ سنا ہے اور نہ ہی کسی انسان کے دل میں ان کے متعلق کوئی تصور پیدا ہوا ہے۔“^(۲)

(۳) اللہ ہی کی بندگی کرنے والا شخص بے حیائی کے کاموں سے بچ سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں فرماتا ہے: ﴿وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَا اَنْ رَّا بَرَّهَانَ رَبِّهٖ-

كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهٖ السُّوْءَ وَالْفَحْشَآءَ ۚ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ۝﴾

”چنانچہ اس عورت نے یوسف کا قصد کیا اور وہ بھی اس کا قصد کر لیتے اگر اپنے رب کی برہان نہ دیکھ لیتے۔

(۱) الصافات 37: 38-49، (۲) صحیح البخاری: 3244، صحیح مسلم: 2823.

اس طرح ہم نے انھیں اس برائی اور بے حیائی سے بچا لیا کیونکہ وہ ہمارے مخلص بندوں میں سے تھے۔“

آخری بات! ﴿﴾

سامعین کرام! دنیا میں آپ جس کے محتاج ہوتے ہیں اس کے آپ غلام بن جاتے ہیں۔ اور جس سے آپ بے نیاز ہوتے ہیں اس کے آپ ہم پلہ ہو جاتے ہیں۔ اور جس پر آپ احسان کرتے ہیں اس کے آپ امیر بن جاتے ہیں..... لیکن یہ مخلوق کی نسبت سے ہے۔ خالق کی نسبت سے ایسا ہرگز نہیں ہے۔ کیونکہ آپ خالق کے جس قدر محتاج ہوں گے، جس قدر آپ اس کے سامنے عاجزی و انکساری کا اظہار کریں گے، جس قدر اس کے سامنے خشوع و خضوع کے ساتھ دامن پھیلائیں گے اسی قدر آپ اس کے قریب ہو جائیں گے اور اسی قدر آپ کی عزت اس کے ہاں بڑھتی چلی جائے گی۔ پھر جب آپ اس کے مقرب بندے بن جائیں گے تو وہ آپ کے لیے کافی ہو جائے گا۔ کیونکہ وہ تمام خزانوں کا مالک ہے اور ہر خزانے کی چابی اسی کے پاس ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿لَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدًا﴾

”کیا اللہ اپنے بندے کو کافی نہیں ہے؟“^(۱)

یعنی جو شخص اللہ کا ’بندہ‘ بن جاتا ہے تو اللہ اس کا مددگار بن جاتا ہے۔ اور جب اللہ کسی کا مددگار بن جاتا ہے تو وہ اس کے لیے کافی ہو جاتا ہے۔ پھر اسے کسی اور کی ضرورت نہیں رہتی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی بندگی کرنے کا بہت بڑا ثمرہ ہے، جس پر افسوس کے ساتھ آج بہت سارے مسلمانوں کو یقین نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو اپنا ہی بندہ بنائے اور اپنی ہی بندگی کرنے کی توفیق دے۔ اور وہ اپنے فضل و کرم سے ہمیں اپنے علاوہ دیگر تمام سے بے نیاز کر دے۔ آمین

کتاب وسنت کی اتباع کیوں ضروری ہے؟

اہم عناصر خطبہ

- (1) بنو آدم کو اللہ کی ہدایت پر عمل پیرا ہونے کا حکم
- (2) 'ہدایت' کیا ہے؟
- (3) صرف قرآن وسنت ہی کی اتباع کیوں؟
- (4) فہم صحابہ رضی اللہ عنہم کی اہمیت
- (5) کتاب وسنت کو پڑھنا اور ان میں غور و فکر کرنا
- (6) بعض غلط نظریات اور ان کا رد

پہلا خطبہ

محترم حضرات!

اللہ رب العزت نے جب حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی بیوی حواء علیہما السلام کو جنت سے زمین پر اتارا تو ان کے لیے اور قیامت تک آنے والی ان کی اولاد کے لیے ایک نظام زندگی متعین کر دیا۔ اور یہ فیصلہ کر دیا کہ بنو آدم میں سے جو اس کے وضع کردہ نظام کی پابندی کرے گا وہ کامران و کامیاب ہوگا اور جو اس کی خلاف ورزی کرے گا وہ جہنم میں جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿قُلْنَا اهْبِطُوا مِنْهَا جَمِيعًا ۚ فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِنِّي هُدًى فَمَنِ تَّبِعْ ۖ هُدًى ۖ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ وَالَّذِينَ كَفَرُوا ۖ وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا ۖ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝﴾

”پھر اگر میری طرف سے تمہارے پاس ہدایت آئے تو جو کوئی میری ہدایت کی اتباع کرے گا تو ایسے لوگوں کو کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ اور جو انکار کریں گے اور ہماری آیات کو جھٹلائیں گے تو وہی اہل جہنم ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔“⁽¹⁾

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

﴿فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِنِّي هُدًى فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْغَىٰ ۖ وَمَنْ أَعْرَضَ عَن ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا ۚ وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ أَعْمًى ۚ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِي أَعْمًى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيرًا ۚ قَالَ كَذَلِكَ أَتَتْكَ آيَاتُنَا فَنَسِيتَهَا ۚ وَكَانَ لَكَ الْيَوْمَ ثُلُثَىٰ ۝﴾

”پھر اگر تمہارے پاس میری ہدایت آئے تو جو کئی میری ہدایت کی اتباع کرے گا وہ نہ تو گمراہ ہوگا اور نہ تکلیف اٹھائے گا۔ اور جو شخص میری یاد سے منہ موڑے گا تو اس کی زندگی تنگ ہو جائے گی اور ہم اسے قیامت کے روز اندھا کر کے اٹھائیں گے۔ وہ پوچھے گا: اے میرے رب! تو نے مجھے نابینا بنا کر کیوں اٹھایا حالانکہ میں تو بینا تھا؟ اللہ تعالیٰ جواب دے گا: اسی طرح ہونا چاہیے تھا کیونکہ تمہارے پاس ہماری آیات آئی تھیں لیکن تم نے انہیں بھلا دیا تھا۔ اسی طرح آج تمہیں بھی بھلا دیا جائے گا۔“

ان دونوں مقامات پر اللہ تعالیٰ نے اس بات سے آگاہ کیا ہے کہ اُس نے ابتدائے آفرینش سے ہی تمام انسانوں کے لیے یہ فیصلہ کر دیا تھا کہ اگر وہ اس کی طرف سے آنے والی ’ہدایت‘ کی اتباع کریں گے تو بے خوف و خطر زندگی گزاریں گے اور گمراہی اور بدبختی سے بچ جائیں گے۔ اور اگر وہ ایسا نہیں کریں گے..... یعنی اللہ کی طرف سے آنے والی ’ہدایت‘ کا انکار کریں گے تو دنیا میں ان کی زندگی تنگ ہو جائے گی، مشکلات اور مصیبتیں انہیں چاروں طرف سے گھیر لیں گی اور انہیں چین و سکون نصیب نہیں ہوگا۔ اور جب قیامت کا دن قائم ہوگا تو انہیں اندھا کر کے اٹھایا جائے گا۔ وہ پوچھیں گے کہ اے ہمارے رب! ہمارے ساتھ ایسا سلوک کیوں جا رہا ہے؟ ہم دنیا میں تو دیکھتے تھے، آج کیوں اندھا کر دیا گیا؟ تو اللہ تعالیٰ جواب دیں گے کہ تمہارے پاس ہمارا دین آیا تھا لیکن تم نے اسے پس پشت ڈال دیا اور اس سے روگردانی کرتے ہوئے من مانی زندگی گزاری! تم نے ہماری طرف سے آنے والی ’ہدایت‘ اور ہمارے احکامات کی کوئی پروا نہ کی، اس لیے آج ہمیں بھی تمہاری کوئی پروا نہیں ہے۔ پھر انہیں جہنم رسید کر دیا جائے گا۔ والعیاذ باللہ

اب سوال یہ ہے کہ ہمارے لیے اللہ تعالیٰ کی وہ ’ہدایت‘ کونسی ہے جس کی ہمیں پیروی کرنی ہے؟ آئیے اس کا جواب قرآن مجید سے ہی ڈھونڈتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿اللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانًى تَتَجَافَىٰ مِنْهُ الْجُلُودُ الَّذِينَ يَعْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلَدُّنَ جُلُودَهُمْ وَقُوْبُهُمْ إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ ذَٰلِكَ هُدًى مِّنَ اللَّهِ لِقَوْمٍ يُشَآءُونَ ۚ وَمَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ

مِنْ هَآئِذَا ۝

”اللہ تعالیٰ نے بہترین کلام نازل کیا جو ایسی کتاب ہے کہ اس کے مضامین ملتے جلتے اور بار بار دہرائے جاتے ہیں۔ اس سے ان لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔ پھر ان کی جلد اور ان کے دل نرم ہو کر اللہ کے ذکر کی طرف راغب ہوتے ہیں۔ یہی اللہ کی ’ہدایت‘ ہے جس کے ذریعے اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ اور جس کو اللہ گمراہ کرے تو اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔“^۱

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بہترین کلام کو جس کو سن کر اس سے ڈرنے والے لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، ہدایت قرار دیا ہے۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قرآن مجید ہمارے لیے اللہ تعالیٰ کی ’ہدایت‘ ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ واضح طور پر ارشاد فرماتا ہے کہ ﴿إِنَّ هَٰذَا الْقُرْآنَ يُقْضَىٰ عَلَىٰ بَنِي إِسْرَآءِيلَ كَثْرَ الَّذِي هُمْ فِيهِ يَحْتَلِفُونَ ۝ وَإِنَّ هَٰذَا لَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ ۝﴾

بے شک یہ قرآن بنی اسرائیل پر اکثر وہ باتیں بیان کرتا ہے جن میں وہ اختلاف رکھتے ہیں۔ اور بلاشبہ یہ مومنوں کے لیے ’ہدایت‘ اور رحمت ہے۔“^۲

ایک اور آیت میں قرآن مجید کو متقین کے لیے ’ہدایت‘ قرار دیا گیا ہے:

﴿ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝﴾

”یہ کتاب ہے جس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں۔ اس میں متقین کے لیے ’ہدایت‘ ہے۔“^۳

ایک اور مقام پر قرآن مجید کو تمام لوگوں کے لیے ہدایت قرار دیا:

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ وَالْفَرَاقِ ۝﴾

”رمضان وہ مہینہ ہے کہ جس میں قرآن نازل کیا گیا۔ جو تمام لوگوں کے لیے ’ہدایت‘ ہے اور اس میں ہدایت اور حق و باطل میں امتیاز کرنے والے واضح دلائل ہیں۔“^۴

قرآن مجید کیسے کتاب ہدایت ہے؟ اس کی مزید وضاحت اللہ تعالیٰ یوں فرماتا ہے:

﴿قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ ۝ يَهْدِي بِإِذْنِ اللَّهِ مِّنَ الشَّيْءِ رِضْوَانًا سُبُلَ السَّلَامِ وَيُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِهِ وَيَهْدِيهِمْ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝﴾

”تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور (ایسی) واضح کتاب آچکی ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو

سلامتی کی راہوں کی طرف ہدایت دیتا ہے جو اس کی رضا کی اتباع کرتے ہیں۔ اور اپنے حکم سے اندھیروں

سے نکال کر روشنی کی طرف لے جاتا ہے۔ اور صراطِ مستقیم کی طرف ان کی راہنمائی کرتا ہے۔^(۱) ان آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن مجید کے ذریعے اللہ تعالیٰ اپنی رضا کے طلبگاروں کو سلامتی کے راستے دکھلاتا اور انھیں تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا اور صراطِ مستقیم کی طرف ان کی راہنمائی کرتا ہے۔ اسی طرح باری تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا ۚ وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلَى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُم مِّنْهَا ۚ كَذَٰلِكَ يَبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ۝﴾

”تم سب اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور فرقوں میں مت بٹو۔ اور اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، پھر اس نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کر دی اور تم اس کے فضل سے بھائی بھائی بن گئے۔ اور (یاد کرو جب) تم جہنم کے گڑھے کے کنارے پر پہنچ چکے تھے تو اس نے تمہیں اس سے بچا لیا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم ہدایت پا جاؤ۔“^(۲) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے تمام اہل ایمان کو حکم دیا ہے کہ وہ سب مل کر اس کی رسی کو مضبوطی سے تھم لیں اور فرقوں میں مت تقسیم ہوں۔ پھر اس آیت کے آخر میں فرمایا کہ وہ اپنی آیات کو کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم ’ہدایت‘ پا جاؤ۔ اس سے ثابت ہوا کہ اللہ کی آیات ہی دراصل اللہ کی رسی ہیں جو اہل ایمان کے لیے باعث ہدایت ہیں۔

’اللہ کی رسی‘ کی مزید وضاحت نبی کریم ﷺ کی ایک حدیث سے ہوتی ہے، جس میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «أَلَا أَيُّهَا النَّاسُ! فَإِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ يُؤْثِرُكَ أَنْ يَأْتِيَ رَسُولُ رَبِّي فَأُجِيبُ، وَأَنَا تَارِكٌ فِيكُمْ ثَقَلَيْنِ، أَوَّلُهُمَا كِتَابُ اللَّهِ فِيهِ الْهُدَىٰ وَالنُّورُ، فَخُذُوا بِكِتَابِ اللَّهِ وَاسْتَمْسِكُوا بِهِ ---»

”خبردار لوگو! میں ایک انسان ہوں اور عین ممکن ہے کہ میرے پاس میرے رب کا پیغمبر (موت کا فرشتہ) آجائے اور میں قبول کر لوں۔ اور میں تم میں دو بہت ہی بھاری چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ ان میں سے پہلی اللہ کی کتاب ہے جس میں ’ہدایت‘ اور روشنی ہے۔ لہذا تم اللہ کی کتاب کو پکڑ لو اور اسے مضبوطی سے تھام لو۔۔۔۔۔“

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: «أَلَا وَآيِي تَارِكٌ فِيكُمْ ثَقَلَيْنِ، أَحَدُهُمَا كِتَابُ اللَّهِ عَزَّوَجَلَّ هُوَ خَبَلُ اللَّهِ، مَنْ اتَّبَعَهُ كَانَ عَلَى الْهُدَىٰ وَمَنْ تَرَكَهُ كَانَ عَلَى ضَلَالَةٍ»^(۳)

”خبردار! میں تم میں دو بہت ہی بھاری چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں، ان میں سے پہلی کتاب اللہ ہے جو اللہ کی رسی ہے۔ جو اس کی اتباع کرے گا وہ ’ہدایت‘ پر رہے گا اور جو اسے چھوڑ دے گا وہ گمراہی پر ہوگا۔“

اور یہ بات تمام اہل ایمان جانتے ہیں کہ سنتِ رسول قرآن سے جدا نہیں ہو سکتی اور قرآن مجید کو سنت کے بغیر سمجھا نہیں جاسکتا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی اسی کتاب میں ہی واضح طور پر حکم دے دیا کہ

﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا﴾

”اور جو کچھ تمہیں رسول دیں وہ لے لو اور جس سے روکیں اس سے رک جاؤ۔“^(۱)

نیز فرمایا: ﴿قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَا حُمِّلْتُمْ وَإِنْ تُطِيعُوهُ

تَهْتَدُوا وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ﴾

”کہہ دیجئے کہ تم اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو۔ پس اگر تم لوگ روگردانی کرو گے تو رسول کی

ذمہ داری تو وہی ہے جو ان پر ڈالی گئی ہے (یعنی تبلیغ کرنا) اور تمہارے اوپر وہ چیز لازم ہے جو تمہاری ذمہ داری

ہے (یعنی قبول کرنا)۔ اور اگر تم اس کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پا جاؤ گے۔ اور رسول کے ذمے تو واضح طور

پر پہنچا دینا ہی ہے۔“^(۲)

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے بالکل واضح کر دیا کہ رسول اکرم ﷺ کی اطاعت کرنے سے اہل ایمان ہدایت

پا سکتے ہیں۔

سامعین کرام! اب تک ہم نے جو گفتگو کی ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ ہدایت جس کی اتباع کرنے کا اللہ

تعالیٰ نے بنو آدم کو حکم دیا، وہ ہمارے لیے قرآن وسنت ہی ہے۔ قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ نے بھی ہدایت قرار دیا اور

رسول اکرم ﷺ نے بھی ہدایت قرار دیا۔ اسی طرح رسول اکرم ﷺ کے احکامات کی فرمانبرداری کو بھی اللہ تعالیٰ نے

اہل ایمان کے لیے باعث ہدایت قرار دیا۔ لہذا اہل ایمان کی بھلائی اسی میں ہے کہ وہ قرآن وسنت ہی کی اتباع کریں

..... قرآن وسنت ہی کو اپنے گلے کا ہار بنائیں قرآن وسنت ہی کو اپنا دستور حیات سمجھیں اور قرآن وسنت

ہی میں زندگی میں پیش آنے والے تمام امور اور مسائل کا حل ڈھونڈیں۔

صرف کتاب وسنت ہی کی اتباع کیوں؟

مسلمانو! صرف کتاب وسنت کی اتباع کی کئی وجوہات ہیں:

(۱) پہلی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں صرف اپنی وحی کی اتباع کرنے اور اس کے علاوہ باقی تمام چیزوں کو چھوڑ

دینے کا حکم دیا ہے۔ اس کا فرمان ہے:

﴿إِتَّبِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ ۚ قَلِيلًا مِمَّا تَدْكُرُونَ﴾

(۱) الحشر 59:7، (۲) النور 24:45.

”تم صرف اُس چیز کی پیروی کرو جو تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے نازل کی گئی ہے۔ اور اس کو چھوڑ کر دیگر دوستوں کی پیروی مت کرو۔ تم کم ہی نصیحت حاصل کرتے ہو۔“^(۱)

اسی طرح فرمایا: ﴿فَاسْتَسِيبْ بِالَّذِي أَوْحَىٰ إِلَيْكَ ۖ إِنَّا عَلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝ وَإِنَّكَ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ ۖ وَسَوْفَ تُسْأَلُونَ ۝﴾

”لہذا آپ اسے مضبوطی سے تھام لیجیے جس کی آپ کو وحی کی گئی ہے، آپ یقیناً راہِ راست پر ہیں۔ اور بلاشبہ وہ آپ کے لیے اور آپ کی قوم کے لیے نصیحت ہے۔ اور عنقریب تم لوگوں سے پوچھ گچھ کی جائے گی۔“^(۲)

اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ چیز ایک تو قرآن مجید ہے اور دوسری نبی کریم ﷺ کی صحیح احادیث مبارکہ ہیں۔ کیونکہ آپ ﷺ کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۚ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۝﴾

”اور وہ (رسول ﷺ) اپنی خواہش نفس کی پیروی میں بات نہیں کرتے بلکہ وہ تو وحی ہوتی ہے جو ان پر اتاری جاتی ہے۔“^(۳)

(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ صرف قرآن وسنت ہی معصوم (یعنی غلطی سے پاک) ہیں۔ کسی اور کا کلام غلطی سے بالکل پاک نہیں ہو سکتا۔ اس لیے قرآن وسنت ہی واجب الاتباع ہیں۔

قرآن مجید کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِالذِّكْرِ لَمَّا جَاءَهُمْ ۚ وَإِنَّ لَهُمْ لَكِتَابًا عَزِيزًا ۚ لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ ۚ تَنْزِيلٌ مِنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ ۝﴾

”یہ وہ لوگ ہیں کہ جب ان کے پاس ذکر (قرآن) آیا تو انھوں نے اس کا انکار کر دیا حالانکہ یہ ایک زبردست کتاب ہے۔ جس میں باطل نہ آگے سے راہ پا سکتا ہے اور نہ پیچھے سے۔ یہ حکمت والے اور لائق ستائش اللہ کی طرف سے نازل ہوا ہے۔“^(۴)

اور حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ سے جو حدیث بھی سنتا اسے حفظ کرنے کی نیت سے لکھ لیا کرتا تھا، لیکن قریش نے مجھے اس سے منع کیا اور انھوں نے کہا: تم جو کچھ رسول اللہ ﷺ سے سنتے ہو اسے لکھ لیتے ہو حالانکہ آپ ﷺ تو ایک انسان ہیں۔ اور کبھی آپ خوشی میں بات کرتے ہیں اور کبھی غصے میں! تو میں نے لکھنا بند کر دیا، پھر میں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے اس بات کا تذکرہ کیا تو آپ ﷺ نے انگشت مبارک

سے اپنے منہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

«اَكْتُذَّبُ ، فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ مَا يَخْرُجُ مِنْهُ إِلَّا حَقٌّ» ”تم لکھتے رہو کیونکہ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اس منہ سے حق بات کے علاوہ کوئی اور بات نہیں نکلتی۔“^(۱)

(۳) تیسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں صرف اپنی اطاعت اور اپنے رسول ﷺ کی اطاعت کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور اس سلسلے میں قرآن مجید میں متعدد آیات موجود ہیں۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَاطِيعُوا اللَّهَ وَاطِيعُوا الرَّسُولَ وَاحْذَرُوا فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَأَعْلَمُوا أَنَّمَا عَلَى رَسُولِنَا الْبَلَّغُ الْمُبِينُ﴾

”اور تم اللہ کی اطاعت کرتے رہو اور رسول (ﷺ) کی طاعت کرتے رہو۔ اور (نافرمانی سے) ڈرتے رہو اور اگر تم نے اعراض کیا تو جان لو کہ ہمارے رسول کے ذمہ صاف صاف پہنچا دینا ہے۔“^(۲)

اسی طرح اس کا فرمان ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ﴾ ”اے ایمان والو! اللہ اور رسول (ﷺ) کا حکم مانو جبکہ رسول تمہیں اس چیز کی طرف بلائے جو تمہارے لیے زندگی بخش ہو۔“^(۳)

نیز فرمایا: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اطِيعُوا اللَّهَ وَاطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ﴾ ”اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کا کہا مانو اور اپنے اعمال کو غارت نہ کرو۔“^(۴)

یہ اور ان کے علاوہ دیگر بہت ساری آیات اسی بات پر دلالت کرتی ہیں کہ ہم صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول جناب محمد ﷺ کی اطاعت و فرمانبرداری کرنے کے مامور و پابند ہیں۔ ہمارے خالق و مالک اللہ تعالیٰ کا ہمارے لیے اور تمام اہل ایمان کے لیے یہی حکم ہے کہ ہم سب صرف اُس کی اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کریں۔ اور ظاہر بات ہے کہ ان دونوں کے احکام و فرامین ہم صرف اور صرف قرآن و حدیث سے ہی معلوم کر سکتے ہیں۔ قرآن و حدیث کے علاوہ اس کا کوئی اور ذریعہ نہیں ہے۔

(۴) چوتھی وجہ یہ ہے کہ ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ اپنی امت کے لیے یہی دو چیزیں چھوڑ کر گئے اور آپ ﷺ نے انہی دو کو مضبوطی سے تھامنے کا حکم دیا۔

رسول اکرم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا تھا:

«فَاعْقِلُوا أَهْلًا النَّاسُ قَوْلِي . فَإِنِّي قَدْ بَلَغْتُ وَقَدْ تَرَكْتُ فِيكُمْ مَا لَنْ تَضِلُّوا بَعْدَهُ إِنَّ

(۱) مسند أحمد: 6510، 6802، سنن أبي داود: 3646، وصححه الألباني. (۲) المائدة: 92، (۳) الأنفال: 24،

(۴) محمد: 33:47.

تَمَسَّكْتُمْ بِهِ : كِتَابُ اللَّهِ وَسُنَّةُ رَسُولِهِ ﷺ))

”اے لوگو! میری باتوں کو اچھی طرح سے سمجھ لو، میں نے یقیناً اللہ کا دین آپ تک پہنچا دیا۔ اور میں تم میں ایسی چیز چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ اگر تم نے اسے مضبوطی سے تھام لیا تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے اور وہ ہے: اللہ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی سنت۔“^(۱)

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((تَرَكْتُ فِيكُمْ شَيْئَيْنِ ، لَنْ تَضِلُّوا بَعْدَهُمَا : كِتَابُ اللَّهِ وَسُنَّتِي ، وَلَنْ يَنْفَرَقَا حَتَّى يَرِدَا عَلَى الْحَوْضِ))

”میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں۔ ان کے بعد (یعنی اگر تم نے انہیں مضبوطی سے تھام لیا تو) کبھی گمراہ نہیں ہو گے۔ ایک ہے کتاب اللہ (قرآن مجید) اور دوسری ہے میری سنت۔ اور یہ دونوں کبھی جدا جدا نہیں ہوں گی یہاں تک کہ حوض پر میرے پاس آئیں گی۔“^(۲)

(۳) پانچویں وجہ یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ اپنے خطبات میں صرف کتاب وسنت کا تذکرہ کرتے تھے اور دین میں نئے نئے کام ایجاد کرنے سے منع کرتے تھے اور دین میں ہر نئے کام کو بدعت قرار دیتے تھے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنے خطبہ میں شہادتین کے بعد یوں کہا کرتے تھے: ((أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللَّهِ ، وَخَيْرُ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ ﷺ وَشَرُّ الْأُمُورِ مُحْدَثَاتُهَا . وَكُلُّ بَدْعٍ ضَلَالَةٌ))

”حمد وثناء کے بعد! یقیناً بہترین بات اللہ کی کتاب ہے اور بہترین طریقہ محمد ﷺ کا طریقہ ہے۔ اور امور میں سب برا امر وہ ہے جسے ایجاد کیا گیا ہو اور ہر بدعت گمراہی ہے۔“^(۴)

مسلمانو! اس حدیث کے مطابق جب کتاب اللہ ہی سب سے بہتر بات ہے اور جناب محمد ﷺ کا طریقہ ہی سب سے بہتر طریقہ ہے تو اس کے بعد کسی تیسری چیز کی کیا ضرورت رہ جاتی ہے؟ یقیناً اس کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ اسی لیے رسول اکرم ﷺ ہر اس کام کو جو قرآن وسنت سے ثابت نہ ہو اسے بدعت اور ہر بدعت کو گمراہی قرار دیتے تھے۔ (۶) چھٹی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جزاء و سزا کا معیار بھی یہی ہے کہ جو شخص قرآن وسنت کی اتباع کرے گا وہ جنت میں داخل ہوگا اور جو ایسا نہیں کرے گا اور کتاب وسنت کو چھوڑ کر اپنی خواہشات کے پیچھے چلے گا تو وہ یقیناً جہنم میں جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ

(۱) السنۃ للمروزی: 68 من حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما، (۲) صحیح الجامع: 2937، (۳) صحیح مسلم: 867۔

خَلِيدِينَ فِيهَا - وَذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝ وَمَنْ يَعِصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَ مَا يَدْخُلُ فِيهَا - وَلَهُ عَذَابٌ مُهِينٌ ۝

”جو شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرے گا تو وہ اسے ان باغات میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہری جاری ہوگی، وہ ان میں ہمیشہ رہے گا۔ اور یہی بڑی کامیابی ہے۔ اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرے گا اور اس کی (مقرر کردہ) حدود سے تجاوز کرے گا تو اسے وہ آگ میں داخل کرے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لیے رسوا کن عذاب ہوگا۔“^①

سوال یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کیسے ہوگی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن وسنت میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے جو احکامات ذکر کیے گئے ہیں ان پر عمل کر کے اور جن امور سے منع کیا گیا ہے ان سے اجتناب کر کے ہی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت ہو سکتی ہے۔ (ساتویں وجہ یہ ہے کہ ’صراط مستقیم‘ جس کی اتباع کرنے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے وہ بھی یہی ہے کہ صرف کتاب وسنت ہی کی اتباع کی جائے۔ کیونکہ جب رسول اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق یہ ارشاد فرمایا تھا کہ

﴿وَإِنَّ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ فَاتَّبِعُوهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ۚ ذَٰلِكُمْ وَصَّيْتُكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝﴾

”اور یقیناً یہی میرا سیدھا راستہ ہے، لہذا تم لوگ اسی کی اتباع کرو اور دوسرے راستوں پر مت چلو جو تمہیں اس کی سیدھی راہ سے جدا کر دیں۔ اللہ نے تمہیں انہی باتوں کا حکم دیا ہے تاکہ تم تقویٰ کی راہ اختیار کرو۔“^②

تو اس وقت کتاب وسنت کے علاوہ کوئی تیسری چیز نہ تھی جس کی پیروی کی جاتی۔ لہذا وہ لوگ جو صراط مستقیم پر ہی چلنا چاہتے ہوں ان پر یہ لازم ہے کہ وہ صرف کتاب وسنت ہی کی اتباع کریں۔ اگر وہ ایسا نہیں کریں گے تو یقیناً صراط مستقیم سے بھٹک جائیں گے۔

اس آیت کریمہ میں ایک اور بات نہایت ہی قابل غور ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صراط مستقیم کی اتباع کا حکم دے کر یہ ارشاد فرمایا ہے کہ دیگر راستوں کی پیروی نہ کرنا، ورنہ وہ متفرق راستے تمہیں صراط مستقیم سے ہٹا کر جدا کر دیں گے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کتاب وسنت کی اتباع نہ کی جائے تو امت مسلمہ میں فرقے معرض وجود میں آتے ہیں۔ اور آج ہم امت مسلمہ میں جو فرقہ بندی دیکھ رہے ہیں اس کی اصل وجہ بھی یہی ہے کہ مسلمان کتاب وسنت سے جیسے دور ہوتے گئے ویسے وہ فرقوں میں تقسیم ہوتے گئے۔ اور یہ فرقہ بندی اس وقت تک ختم نہیں

ہو سکتی جب تک تمام مسلمان کتاب وسنت کی طرف رجوع نہیں کرتے۔
اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ایک سیدھی لکیر کھینچی، پھر اس کے دائیں بائیں کچھ اور لکیریں کھینچ دیں، پھر فرمایا:

((هَذَا صِرَاطُ اللَّهِ مُسْتَقِيمًا ، وَهَذِهِ السَّبِيلُ عَلَى كُلِّ سَبِيلٍ مِمَّنْهَا شَيْطَانٌ يَدْعُو إِلَيْهِ))

”یہ سیدھی لکیر اللہ تعالیٰ کا سیدھا راستہ ہے۔ اور یہ جو دائیں بائیں راستے ہیں ان میں سے ہر ایک پر شیطان ہے جو اس کی طرف دعوت دے رہا ہے۔“

اس کے بعد آپ ﷺ نے وہی آیت تلاوت کی جو ابھی ہم نے ذکر کی ہے۔

(8) آٹھویں وجہ یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے جس جماعت کو ’فرقہ ناجیہ‘ یعنی جہنم سے نجات پانے والی جماعت قرار دیا اس کا منہج بھی کتاب وسنت کی اتباع کرنا ہے۔ اور وہ جماعت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین عظام رضی اللہ عنہم اور ان کے نقش قدم پر چلنے والے لوگوں کی ہے۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

”یہود 71 فرقوں میں اور نصاریٰ 72 فرقوں میں تقسیم ہوئے اور میری امت کے لوگ 73 فرقوں میں تقسیم ہوں گے۔ ان میں سے ایک کے سوا باقی سب جہنم میں جائیں گے۔“

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: یا رسول اللہ! وہ ایک گروہ کو نما ہے جو نجات پائے گا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي)) ”جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔“

ایک روایت میں ارشاد فرمایا: ((وَهِيَ الْجَمَاعَةُ)) ”نجات پانے والا گروہ ہی جماعت ہے۔“ (2)

سوال یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کس چیز پر قائم تھے کہ جس پر قائم رہنے والی جماعت کو آپ ﷺ نے ’نجات پانے والی جماعت‘ قرار دیا؟

رسول اکرم ﷺ کی حیات مبارکہ میں یہی دو چیزیں (کتاب وسنت) ہی تھیں جن پر آپ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قائم تھے اور انھی دو چیزوں کی ہی اتباع کی جاتی تھی، اسی طرح آپ ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں بھی ان دو چیزوں (کتاب وسنت) کے علاوہ کوئی تیسری چیز نہ تھی جس کی وہ اتباع کرتے۔ یہ حضرات تمام مسائل کا حل کتاب وسنت سے ہی تلاش کیا کرتے تھے۔ اور اگر ان میں سے کوئی صحابی خواہ وہ خلیفہ ہو یا عام شخص، کسی مسئلہ میں کتاب وسنت کے خلاف موقف اختیار کرتا، پھر اسے آگاہ کیا جاتا کہ آپ کا موقف کتاب وسنت

(1) رواہ أحمد والدارمی والحاکم بسند حسن. (2) جامع الترمذی: 2641، وسنن أبی داود: 4597، وسنن ابن ماجہ:

کی فلاں دلیل کے خلاف ہے تو وہ اُسی وقت اپنے موقف سے رجوع کر کے اُس دلیل کو اختیار کر لیتا۔ یہ تھا وہ منہج جس کی اتباع کرنے والے مسلمانوں کو رسول اکرم ﷺ نے 'فرقہ ناجیہ' اور 'جماعت' قرار دیا۔ اور اسی منہج کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد تابعین عظام رضی اللہ عنہم نے بھی اختیار کیا۔ اور قیامت تک جو بھی لوگ اسے اختیار کریں گے وہ اسی 'فرقہ ناجیہ' میں شامل ہوں گے۔ اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو اس مبارک گروہ میں شامل فرمائے۔

(۹) نویں وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام متنازعہ مسائل کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف لوٹانے کا حکم دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ﴾

”اور جس بات میں بھی تم اختلاف کرتے ہو اس کا فیصلہ کرنے کا اختیار اللہ کے پاس ہے۔“

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ کے متعلق ارشاد فرمایا:

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِي مَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجْعَلُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾

”پس قسم ہے تیرے رب کی! یہ مومن نہیں ہو سکتے جب تک آپس کے تمام اختلافات میں آپ کو حاکم (فیصل) نہ مان لیں، پھر جو فیصلہ آپ ان میں کر دیں اس سے وہ دل میں کسی طرح کی تنگی اور ناخوشی محسوس نہ کریں اور فرمانبرداری کے ساتھ قبول کر لیں۔“

نیز فرمایا: ﴿وَمَا أَرْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ إِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوا فِيهِ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ﴾

”ہم نے آپ پر یہ کتاب اس لیے نازل کی ہے کہ آپ ان کے لیے اس چیز کو واضح کر دیں جس میں یہ اختلاف کرتے ہیں۔ نیز یہ کتاب ایمان لانے والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔“

ایک اور آیت میں اللہ تعالیٰ نے یوں ارشاد فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُطِيعُوا أَمْرًا مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا﴾

”اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ کا حکم مانو اور رسول اللہ ﷺ کا حکم مانو۔ اور تم میں جو حکم والے ہیں ان کا۔ پھر اگر تمہارا کسی بات میں اختلاف ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹا دو اگر تم اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔ یہی (تمہارے حق میں) بہتر ہے اور اس کا انجام بہت اچھا ہے۔“

اختلافی بات کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف لوٹانے کا معنی یہ ہے کہ اس کا فیصلہ کتاب اللہ اور سنت

رسول ﷺ کی روشنی میں کیا کرو۔

یہ اختلافات کو ختم کرنے کا ربانی نسخہ ہے۔ اگر تمام مسلمان اس پر عمل کریں تو یقینی طور پر ان میں موجودہ اختلافات ختم ہو سکتے ہیں۔ جیسا کہ قرونِ اولیٰ کے لوگ اپنے اختلافات اسی منہج کو اختیار کرتے ہوئے نمٹا لیا کرتے تھے۔

(10) دسویں وجہ یہ ہے کہ کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ میں مسلمانوں کے تمام مسائل کے متعلق شرعی احکام موجود ہیں۔ یہ شرعی احکام یا تو تفصیلاً موجود ہیں، یا پھر اصول و ضوابط مقرر کر دیے گئے ہیں جن کی روشنی میں پیش آمدہ مسائل کے متعلق شرعی حکم معلوم کیا جاسکتا ہے۔ لہذا جب تمام شرعی احکام کو کتاب وسنت میں بیان کر دیا گیا ہے تو ان کو چھوڑ کر کسی بھی تیسری چیز کی اتباع کیسے کی جاسکتی ہے؟

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَأَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ﴾⁽¹⁾ ”ہم نے آپ پر ایسی کتاب نازل کی ہے جس میں ہر چیز کی وضاحت موجود ہے۔ اور اس میں مسلمانوں کے لیے ہدایت، رحمت اور خوشخبری ہے۔“

اسی طرح اس کا فرمان ہے: ﴿وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ﴾⁽²⁾ ”اور ہم نے آپ کی طرف ذکر (قرآن) نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں کے لیے اس چیز کو واضح کر دیں جو ان کی طرف نازل کی گئی ہے۔“

ان دونوں آیات سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید اور اس کے بیان (یعنی سنت نبویہ) میں ہر چیز کو واضح کر دیا گیا ہے۔ ہر حکم کے متعلق آگاہ کر دیا گیا ہے۔ ہر مسئلے کو کھول کر بیان کر دیا گیا ہے۔ لہذا یہی دو چیزیں (کتاب وسنت) ہی واجب الاتباع ہیں۔ اور ان میں ذکر کیے گئے اصول و ضوابط کی روشنی میں تمام مسائل کا حل ڈھونڈنا لازم ہے۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ﴿مَا بَقِيَ شَيْءٌ يُقَرِّبُ مِنَ الْجَنَّةِ وَيُبَاعِدُ مِنَ النَّارِ إِلَّا وَقَدْ بَيَّنَّ لَكُمْ﴾

”ہر وہ چیز جو جنت کے قریب اور جہنم سے دور کر دے اسے تمہارے لیے کھول کر بیان کر دیا گیا ہے۔“⁽³⁾

رسول اکرم ﷺ کے اس فرمان میں غور کرنا چاہیے کہ آخر وہ جنت کے قریب اور جہنم سے دور کرنے والا ہر قول و عمل کہاں بیان کیا گیا ہے؟ اس سوال کا جواب ہر ذی شعور انسان نہایت آسانی سے دے سکتا ہے کہ اس کا بیان یقینی طور پر قرآن وسنت میں ہی ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ نے اپنی وفات سے کچھ عرصہ پہلے جو اعلان فرمایا تھا کہ میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں، جب تک تم انھیں مضبوطی سے تھامے رکھو گے تو گمراہ نہیں ہو گے، تو یہ دو چیزیں یہی

(1) النحل: 89، 90، النحل: 16، 44، 45، رواہ الطبرانی فی الکبیر، وصححه الألبانی فی الصحیحہ: 1803۔

کتاب وسنت ہی تھیں۔ اور انھی میں جنت کے قریب اور جہنم سے دور کرنے والے ہر قول و عمل کو بیان کر دیا گیا تھا۔ لہذا قرآن وسنت میں بیان کیے گئے شرعی احکام ومسائل پر ہی انحصار کرنا چاہیے اور ان سے تجاوز قطعاً نہیں کرنا چاہیے۔

معزز سامعین! صرف کتاب وسنت ہی کی اتباع کیوں؟ ہم نے اس کی دس وجوہات ذکر کی ہیں۔ (تلك عشرة كاملة) لہذا تمام مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ صرف اور صرف کتاب وسنت ہی کی اتباع کریں۔ انھی دو چیزوں کا مطالعہ کریں، انھی میں غور و فکر کریں، انھی سے اپنے تمام مسائل کا حل معلوم کریں۔ اگر وہ علمائے کرام کی طرف رجوع کریں تو ان سے بھی اسی بات کا مطالبہ کریں کہ ہمارے مسائل کا حل قرآن وسنت کی روشنی میں بتائیں۔ پھر اگر علمائے کرام بھی اپنی ذمہ داری پوری کریں اور مسلکی تعصب سے بالاتر ہو کر مسلمانوں کی راہنمائی قرآن وسنت کی روشنی میں ہی کریں تو یقینی طور پر دین اسلام میں داخل کی گئی تمام چیزیں خود بخود ختم ہو جائیں گی اور لوگ اصل دین کی طرف واپس لوٹ آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ تمام مسلمانوں کو اس کی توفیق دے۔

یہاں ہم ایک ضروری بات عرض کرتے چلیں کہ کتاب وسنت کا مطالعہ اور ان پر عمل کرتے ہوئے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طرز عمل کو بھی سامنے رکھنا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ کے بعد انھی حضرات کو آئیڈل قرار دیا ہے۔ چنانچہ اس کا فرمان ہے:

﴿فَإِنْ آمَنُوا بِبِئْسَلِ مَا آمَنْتُمْ بِهِ فَقَدْ اهْتَدَوْا وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا هُمْ فِي شِقَاقٍ﴾

”پس اگر یہ لوگ بھی اسی طرح ایمان لے آئیں جس طرح تم ایمان لے آئے ہو تو ہدایت یافتہ ہو جائیں اور اگر منہ پھیر لیں (اور نہ مانیں) تو وہ (اس لیے کہ آپ کی) مخالفت پر تلے ہوئے ہیں۔“^(۱)

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایمان صادق ہی اللہ تعالیٰ کے نزدیک باقی لوگوں کے لیے معیار ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا راستہ چھوڑ کر کوئی دوسرا راستہ اختیار کر لیں، جہنم کی وعید سنائی ہے۔ اس کا فرمان ہے: ﴿وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا﴾

”اور جو شخص سیدھا راستہ معلوم ہونے کے بعد پیغمبر کی مخالفت کرے اور مومنوں کے راستے کے سوا اور راستے پر چلے تو جدھر وہ چلتا ہے ہم اُسے اُدھر ہی چلنے دیں گے اور (قیامت کے دن) جہنم میں داخل کریں گے اور وہ

بہت بُری جگہ ہے۔“

اس آیت کریمہ میں مومنوں کے راستے سے مراد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا راستہ ہے کیونکہ نزول قرآن مجید کے وقت بس وہی مومن تھے۔

اور جو حدیث ہم نے اس سے پہلے ذکر کی ہے ((مَا أَنَا عَلَيْهِ الْيَوْمَ وَأَصْحَابِي)) تو وہ بھی اسی بات کی دلیل ہے کہ قرآن وسنت کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فہم اور ان کے طرز عمل کی روشنی میں ہی سمجھنا اور ان پر عمل کرنا چاہیے۔ اس کے علاوہ نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد بھی ہے کہ

((إِنْ يُطِيعُوا أَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ يَرْشِدُوا))

”اگر لوگ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی اطاعت کریں گے تو ہدایت پا جائیں گے۔“

اور اسی لیے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا تھا: ((مَنْ كَانَ مُسْتَنًا فَلْيَسْتَنَّ بِمَنْ قَدْ مَاتَ ، أَوْلَيْكَ أَدَمُحَابُ مُحَمَّدٍ ﷺ كَانُوا خَيْرَ الْأُمَّةِ . أَبْرَهَا قُلُوبًا . وَأَعَمَّقَهَا عِلْمًا ، وَأَقْلَبَهَا تَكَلُّفًا . اخْتَارَهُمُ اللَّهُ لِصُحْبَةِ نَبِيِّهِ ﷺ وَنَقَلَ دِينَهُ . فَتَشَبَّهُوا بِأَخْلَاقِهِمْ وَطَرَائِفِهِمْ فَهُمْ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ ﷺ كَانُوا عَلَى الْهَدَى الْمُسْتَقِيمِ))

”اگر کوئی شخص اقتداء کرنا چاہتا ہو تو وہ ان اصحاب محمد ﷺ کی اقتدا کرے کہ جو فوت ہو چکے ہیں۔ وہ امت کے سب سے بہتر لوگ تھے، وہ سب سے زیادہ پاکیزہ دل والے، سب سے زیادہ گہرے علم والے اور سب سے کم تکلف کرنے والے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنے نبی کا ساتھ دینے اور اپنے دین کو اگلی نسلوں تک پہنچانے کے لیے منتخب کر لیا تھا۔ لہذا تم انھی کے اخلاق اور طور طریقوں کو اپناؤ کیونکہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھی تھے اور صراطِ مستقیم پر چلنے والے تھے۔“

لہذا قرآن وحدیث کی کسی نص کا مفہوم اپنی منشاء یا اپنے مخصوص نظریے کے مطابق متعین نہیں کیا جاسکتا، بلکہ یہ دیکھنا ہوگا کہ کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی اس سے وہی مفہوم اخذ کیا جو آج کوئی بھی شخص اس سے اخذ کرنا چاہتا ہے یا ان کے نزدیک اس کا کوئی اور مفہوم تھا؟ یہ بات ہم اس لیے عرض کر رہے ہیں کہ آج کل بعض مدعیانِ علم اپنے مخصوص نظریات کو ثابت کرنے کے لیے قرآن وحدیث کی بعض نصوص کا سہارا لیتے ہیں اور کھینچ تان کر ان سے اپنی منشاء کے مطابق وہ مفہوم اخذ کرتے ہیں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کی اتباع کرنے والے اہل علم نے ان سے اخذ نہیں کیا تھا۔ مثلاً اہل بدعت جشن میلاد النبی ﷺ کو قرآن وسنت سے ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور وہ دلائل ذکر کرتے ہیں

کہ جن سے قطعی طور پر یہ بدعت ثابت نہیں ہوتی اور نہ ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم کے نزدیک ان دلائل کا یہ مفہوم تھا۔ ورنہ اگر ان کے نزدیک بھی ان دلائل کا یہی مفہوم ہوتا تو وہ بھی یہ جشن مناتے۔ لیکن ان کا یہ جشن نہ منانا اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن وحدیث کے ان دلائل کا اس جشن سے سرے سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔ اسی طرح باقی بدعات ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو حق بات کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق دے۔

دوسرا خطبہ

معزز سامعین! اللہ رب العزت اپنی کتاب (قرآن مجید) کو اس لیے نازل کیا کہ اہل ایمان اس کی تلاوت کریں، اس میں تدبر (غور و فکر) کریں اور اس کے احکامات پر عمل پیرا ہوں، اس میں ذکر کی گئی محرمات و نواہی سے اجتناب کریں، اس میں ذکر کیے گئے قصص و واقعات اور غیبی اخبار کی تصدیق کریں، اس میں اللہ رب العزت کی جو تعلیمات ذکر کی گئی ہیں ان کی روشنی میں اپنے عقائد و اعمال کی اصلاح کریں اور اخلاق و کردار کو بہتر سے بہتر بنائیں۔

اللہ رب العزت کا فرمان ہے: ﴿كِتَبَ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكًا لِّتَذَكِّرَ بِهِ وَتُؤْتُوا الْآلُكِبَابِ ۝﴾^(۱)
 ”یہ کتاب بابرکت ہے جسے ہم نے آپ کی طرف اس لیے نازل فرمایا ہے کہ وہ اس کی آیتوں میں غور و فکر کریں اور عقلمند اس سے نصیحت حاصل کریں۔“^(۱)

قرآن مجید میں تدبر نہ کرنے والے لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے سخت تنبیہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَى قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا ۝﴾

”کیا وہ قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں؟“^(۲)

اسی طرح اس بابرکت کتاب کی اتباع کرنے کا حکم دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَهَذَا كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ مُبَارَكًا فَاتَّبِعُوهُ وَاتَّقُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ۝﴾

”یہ کتاب جو ہم نے نازل کی ہے یہ بڑی بابرکت ہے۔ لہذا تم اس کی اتباع کرو اور (اللہ تعالیٰ سے) ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔“^(۳)

اور رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: «إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ سَبَبٌ طَرَفُهُ بِيَدِ اللَّهِ وَطَرَفُهُ بِأَيْدِيكُمْ ، فَتَمَسَّكُوا

فَإِنَّكُمْ لَنْ تَهْلِكُوا وَلَنْ تَضِلُّوا بَعْدَهُ أَبَدًا»

”یہ قرآن مجید ایک مضبوط رسی ہے جس کا ایک سر اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور دوسرا تمہارے ہاتھوں میں۔ پس تم اسے مضبوطی سے پکڑ لو، تم کبھی اس کے بعد ہلاک ہو گے اور نہ گمراہ ہو گے۔“⁽¹⁾

اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: «إِتَّخَذَ كِتَابُ اللَّهِ إِمَامًا ، وَارْضَ بِهِ قَاضِيًا ، فَإِنَّهُ الَّذِي امْتَنَحَلَفَ فِيكُمْ رَسُولُكُمْ ، شَفِيعٌ مُطَاعٌ»

”تم کتاب اللہ کو امام بناؤ اور اسے قاضی تسلیم کرو۔ کیونکہ وہی تو ہے جس کو تمہارے رسول ﷺ نے اپنے پیچھے چھوڑا۔ یہ کتاب شفاعت کرے گی، لہذا اسی کی اطاعت و فرمانبرداری کی جانی چاہیے۔“

اور جہاں تک نبی کریم ﷺ کی احادیث کا تعلق ہے تو آپ ﷺ نے اپنی احادیث کو سننے، انہیں ذہن نشین کرنے اور لوگوں تک پہنچانے والوں کے لیے یوں دعا فرمائی:

«نَضَرَّ اللَّهُ أَمْرًا سَمِعَ مَقَالَتِي فَوَعَاَهَا وَحَفِظَهَا وَبَلَّغَهَا، قَرُبَ حَامِلِ فِقْهِهِ إِلَى مَنْ هُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ»

”اللہ تعالیٰ اس شخص کا چہرہ تر و تازہ اور حسین و جمیل کر دے جس نے میری بات سنی پھر اسے ذہن نشین کر لیا اور اسے اچھی طرح حفظ کر کے آگے پہنچایا۔ کیونکہ بسا اوقات ایک شخص ایک مسئلے کو سمجھتا ہے اور اسے اس شخص تک پہنچا دیتا ہے جو اس سے زیادہ سمجھ دار ہوتا ہے۔“⁽²⁾

اور جب امت میں اختلافات ہوں تو رسول اکرم ﷺ نے جس چیز کو مضبوطی سے تھامنے کا حکم دیا ہے وہ کیا ہے؟

سنئے آپ ﷺ نے کیا ارشاد فرمایا!

«عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الْمُهَدِّدِينَ الرَّاشِدِينَ ، تَمَسَّكُوا بِهَا وَعَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِدِ ، وَإِيَّاكُمْ وَمُحَدَّثَاتِ الْأُمُورِ فَإِنَّ كُلَّ مُحَدَّثَةٍ بِدْعَةٌ ، وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ»

”تم میری سنت کو لازم پکڑنا اور اسی طرح ہدایت یافتہ اور راہ راست پر گامزن خلفاء کے طریقے پر ضرور عمل کرنا۔ اس کو مضبوطی سے تھام لینا اور اسے قطعاً نہ چھوڑنا۔ اور تم دین میں نئے نئے کام ایجاد کرنے سے بچنا کیونکہ ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔“⁽³⁾

عزیز بھائیو! یہ سارے دلائل اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ کتاب وسنت کو سمجھنا اور ان کے معانی و مفاہیم کو دل کی گہرائیوں میں اتارنا اور ان پر عمل کرنا ہر مسلمان کے لیے از حد ضروری ہے۔ لیکن بڑے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ

① السلسلة الصحيحة: 713. (2) جامع الترمذی: 2685، و سنن ابن ماجہ: 230 و صححہ الالبانی. ② سنن أبي داود: 4607. و صححہ الالبانی.

آج کل بہت سارے مسلمان یہ بات سمجھنے سے قاصر ہیں اور وہ اپنے مخصوص نظریات سے یوں چمٹے ہوئے ہیں کہ جیسے اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول ﷺ نے انھیں اس کا پابند کیا ہے! یہ مخصوص نظریات وہ ہیں جو انھوں نے اپنے باپ دادا سے حاصل کیے یا ان کے محلے کے مولویوں نے انھیں پڑھائے! وہ ان پر اس قدر پکے ہو چکے ہیں کہ اب انھیں چھوڑنے کا نام ہی نہیں لیتے۔ اگر انھیں کتاب اللہ اور سنت رسول کی روشنی میں کوئی مسئلہ بتایا جائے تو حیل و حجت پیش کرتے ہیں یا صاف صاف کہہ دیتے ہیں کہ ہمیں ہمارے آباء و اجداد کا مسلک ہی کافی ہے اور ہم اس سے ذرا برابر بھی انحراف نہیں کر سکتے۔ انھی لوگوں کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَى مَا أَنزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ قَالُوا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا أَوْ لَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ﴾

”اور جب انھیں کہا جائے کہ آؤ اس چیز کی طرف جو اللہ نے نازل کی ہے اور آؤ رسول کی طرف تو کہتے ہیں کہ ہمیں تو وہی کچھ کافی ہے جس پر ہم نے اپنے آباء و اجداد کو پایا۔ خواہ ان کے باپ دادا کچھ بھی نہ جانتے ہوں اور نہ ہی ہدایت پر ہوں!“⁽¹⁾

یعنی اگر آباء و اجداد کو علم نہیں تھا اور ان سے غلطیاں سرزد ہوئیں تو کیا تمہیں اللہ تعالیٰ نے عقل نہیں دی؟ اور تمہیں فہم و شعور سے نہیں نوازا؟ عقل و فہم ہونے اور کتاب اللہ اور سنت رسول کا علم آنے کے باوجود تم پھر بھی آباء و اجداد کے مسلک سے ہی چمٹے رہو گے؟ اگر تم ایسا کرو گے تو تمہارا یہ طرز عمل یقیناً غلط ہوگا۔ جو طرز عمل مومن کو اختیار کرنا چاہیے وہ یہ ہے کہ

﴿إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَنْ يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يَخْشَ اللَّهَ وَيَتَّقِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ

”مومنوں کی تو بات ہی یہ ہے کہ جب انھیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف بلایا جائے کہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے تو کہتے ہیں کہ ”ہم نے سنا اور اطاعت کی“ ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ اور جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرے، اللہ سے ڈرتا رہے اور اس کی نافرمانی سے بچتا رہے تو ایسے ہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔“⁽²⁾

عزیز بھائیو! بہت سارے مسلمان اپنے محلے کے مولویوں یا ہم مسلک علماء یا اپنے پیر و مرشد کی باتوں پر اس طرح اعتماد کرتے ہیں کہ جیسے وہ ہر قسم کی غلطی سے معصوم ہوں۔ اسی اعتماد کی وجہ سے وہ ان کی ہر بات کو قبول کر لیتے ہیں

اور ذرا بھی تحقیق نہیں کرتے کہ ان کی باتیں قرآن وسنت کے مطابق ہیں یا نہیں! بلکہ بات اس سے بھی آگے بڑھ گئی ہے، چنانچہ بہت سارے لوگوں نے اپنے مولویوں اور پیروں کو تحلیل و تحریم کا اختیار بھی دے رکھا ہے! یعنی وہ جس چیز کو حلال کہیں تو وہ اسے حلال سمجھ لیتے ہیں اور وہ جس چیز کو حرام کہیں تو وہ اسے حرام سمجھ لیتے ہیں! ایسے ہی لوگوں کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿إِن تَخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهَبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ﴾

”انھوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو اللہ کے سوا اپنا رب بنا لیا۔“^①

یہ آیت کریمہ اگرچہ یہود و نصاریٰ کے متعلق ہے کہ جن کے بارے میں رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((أَمَّا إِنَّهُمْ لَم يَكُونُوا يَعْبُدُونَهُمْ، وَلَكِنَّهُمْ كَانُوا إِذَا أَحَلَّوْا لَهُمْ شَيْئًا اسْتَحَلُّوْهُ، وَإِذَا حَرَّمُوا عَلَيْهِمْ شَيْئًا حَرَّمُوْهُ))

”خبردار! وہ ان کی عبادت نہیں کرتے تھے بلکہ وہ جب کسی چیز کو حلال قرار دیتے تو اسے یہ حلال تصور کر لیتے اور وہ جب کسی چیز کو حرام کہتے تو اسے یہ حرام مان لیتے۔“^②

تاہم یہود و نصاریٰ جیسا طرز عمل اگر مسلمان بھی اختیار کر لیں اور وہ اپنے علماء و مشائخ کو وہی اختیار دے دیں جو یہود و نصاریٰ نے اپنے علماء اور درویشوں کو دے رکھا تھا تو یقیناً یہ طرز عمل قابل مذمت ہے اور قطعی طور پر اس کی ستائش نہیں کی جاسکتی۔

مسلمان بھائیو! کئی لوگ ایسے بھی ہیں کہ جو بعض ائمہ دین رحمہم اللہ کی اندھی تقلید کرتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ ان کی تقلید کیے بغیر کوئی چارہ نہیں! ایسے لوگوں کو ذرا سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے کہ

① کیا قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ائمہ اربعہ رحمہم اللہ میں سے کسی کا نام لے کر ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم اس کی تقلید کریں؟ اگر نہیں دیا تو کوئی شخص یہ جسارت کیسے کر سکتا ہے کہ تقلید کرنا واجب ہے اور اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں!

② کیا رسول اکرم ﷺ نے اپنی امت کو کسی امام کی تقلید کا پابند کیا ہے؟ اگر نہیں کیا تو پھر ہم کون ہوتے ہیں کہ اپنی طرف سے کسی امام کی تقلید کا بندھن اپنے گلوں میں خود ہی ڈال لیں؟ اور پھر لوگوں پر بھی یہ بات فرض کریں کہ تقلید کرو ورنہ گمراہ ہو جاؤ گے؟

③ قرون اولیٰ کے لوگ، جنہیں رسول اکرم ﷺ نے بہترین لوگ قرار دیا، کیا وہ بھی کسی امام کی تقلید کرتے تھے؟ اگر وہ تقلید کرتے تھے تو بتایا جائے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کس کی تقلید کرتے تھے؟ تابعین رضی اللہ عنہم کس کی تقلید کرتے تھے؟ اور تبع تابعین رضی اللہ عنہم کس کی تقلید کرتے تھے؟ اگر وہ لوگ کسی کی تقلید نہیں کرتے تھے تو پھر کسی بھی مسلمان کو

ائمہ اربعہ میں سے کسی کی تقلید نہیں کرنی چاہیے۔

4) اگر قرون اولی کے لوگ کسی کی تقلید کیے بغیر دین پر عمل کر سکتے تھے تو ان کے بعد آنے والے مسلمان کسی کی تقلید کیے بغیر دین پر عمل کیوں نہیں کر سکتے؟

5) کیا تقلید کرنے والے لوگوں میں سے کسی نے کبھی یہ بھی سوچا کہ خود ائمہ اربعہ رحمہم اللہ نے کس بات کی تعلیم دی؟ تقلید کی یا اتباع کی؟ اگر کسی کو اس کے متعلق کچھ معلوم نہیں تو وہ یہ جان لے کہ

❁ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے کہا تھا:

« لَا يَحِلُّ لِأَحَدٍ أَنْ يَأْخُذَ بِقَوْلِنَا ، مَا لَمْ يَعْلَمْ مِنْ أَيْنَ أَخَذْنَاهُ »

”کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ ہمارے کسی قول کو قبول کرے جب تک وہ یہ نہ معلوم کر لے کہ ہم نے اسے کہاں سے لیا“

اسی صرح انھوں نے کہا تھا: « حَرَامٌ عَلَى مَنْ لَمْ يَعْرِفْ دَلِيلِي أَنْ يُفَتِيَ بِكَلَامِي ، فَإِنَّا بَشَرٌ نَقُولُ الْقَوْلَ الْيَوْمَ وَنَرْجِعُ عَنْهُ غَدًا »

”جس شخص نے میری دلیل کو نہیں پہچانا اس پر حرام ہے کہ وہ میرے کلام کے ساتھ فتویٰ دے۔ کیونکہ ہم بشر ہیں، ہم آج ایک بات کرتے ہیں اور کل اس سے رجوع بھی کر سکتے ہیں۔“

❁ اور امام مالک رحمہ اللہ نے کہا تھا: « إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ أَخْطِئُ وَأُصِيبُ ، فَانظُرُوا فِي رَأْيِي ، فَكُلُّ مَا وَافَقَ الْكِتَابَ وَالسُّنَّةَ فَخُذُوهُ ، وَكُلُّ مَا لَمْ يُوَافِقِ الْكِتَابَ وَالسُّنَّةَ فَاتْرُكُوهُ »

”میں ایک انسان ہی ہوں، میں غلطی بھی کرتا ہوں اور صحیح موقف بھی اختیار کرتا ہوں۔ لہذا تم میری رائے کے متعلق غور کر لیا کرو، میری جو بھی رائے کتاب وسنت کے مطابق ہو تو قبول کر لو اور اگر کتاب وسنت کے مطابق نہ ہو تو اسے چھوڑ دو۔“

❁ اور امام شافعی رحمہ اللہ نے کہا تھا: « أَجْمَعَ الْمُسْلِمُونَ عَلَى أَنَّ مِنْ اسْتَبَانَ لَهُ سُنَّةٌ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ لَمْ يَحِلَّ لَهُ أَنْ يَدَّعِيَهَا لِقَوْلِ أَحَدٍ »

”مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ جس آدمی کے لیے رسول اکرم ﷺ کی سنت واضح ہو جائے تو اس کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی کے قول کی بناء پر اسے چھوڑ دے۔“

اسی طرح انھوں نے کہا تھا: « إِذَا صَحَّ الْحَدِيثُ فَهُوَ مَذْهَبِي »

”جب حدیث صحیح سند کے ساتھ ثابت ہو جائے تو وہی میرا مذہب ہے۔“

✽ اور امام احمد رحمہ اللہ نے کہا تھا: «لَا تُقْلِدُنِي وَلَا تُقْلِدُ مَا لَكَ وَلَا الشَّافِعِيَّ وَلَا الْأَوْزَاعِيَّ وَلَا الثَّوْرِيَّ . وَخُذْ مِنْ حَيْثُ أَخَذُوا»

”تم میری تقلید نہ کرو۔ اور نہ ہی مالک، شافعی، اوزاعی اور ثوری کی تقلید کرو۔ بلکہ تم وہاں سے لو جہاں سے ان سب نے لیا۔“ یعنی ان سب نے بھی دین کتاب وسنت سے لیا، اسی طرح تم بھی کتاب وسنت سے ہی لو۔
مسلمان بھائیو! ائمہ اربعہ رحمہم کی تعلیمات بالکل واضح ہیں۔ لہذا ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ ان پر عمل کرتے ہوئے اندھی تقلید کی بجائے کتاب وسنت کی اتباع کا راستہ اپنائے۔ یقینی طور پر تمام خیر و بھلائی اسی راستے پر چلنے میں ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو اس کی توفیق دے۔

عزیز بھائیو اور دوستو! آخر میں ایک ضروری تنبیہ! اور وہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی احادیث میں سے صرف وہ احادیث معتبر اور قابل حجت ہیں کہ جو صحیح سند کے ساتھ ثابت ہوں یا کم از کم حسن درجے کی ہوں۔ اور جو احادیث محدثین کے نزدیک ضعیف یا موضوع و من گھڑت ہوں تو وہ قطعی طور پر معتبر اور قابل حجت نہیں ہیں۔ ایسی احادیث سے نہ مسائل و احکام اخذ کیے جاسکتے ہیں اور نہ ہی ان سے فضائل اعمال ثابت ہوتے ہیں۔ لہذا ان احادیث کا تعلق چاہے فضائل اعمال سے ہو یا احکام سے، دونوں صورتوں میں انہیں ناقابل حجت سمجھنا چاہیے۔
رسول اکرم ﷺ نے جھوٹی اور من گھڑت احادیث بیان کرنے والے لوگوں کے متعلق پیشین گوئی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا:

«يَكُونُ فِي آخِرِ الزَّمَانِ دَجَالُونَ كَذَّابُونَ ، يَأْتُونَكُمْ مِنَ الْأَحَادِيثِ بِمَا لَمْ تَسْمَعُوا أَنْتُمْ وَلَا آبَاؤُكُمْ ، فَإِيَّاكُمْ وَإِيَّاهُمْ ، لَا يُضِلُّونَكُمْ وَلَا يَفْتِنُونَكُمْ»

”آخری زمانے میں کچھ لوگ آئیں گے جو دجل و فریب سے کام لیں گے اور بہت جھوٹ بولیں گے اور وہ تمہیں ایسی حدیثیں سنائیں گے کہ جو نہ تم نے سنی ہوگی اور نہ تمہارے آباؤ اجداد نے سنی ہوگی۔ لہذا تم ان سے بچنا، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تمہیں گمراہ کر دیں اور تمہیں فتنے میں مبتلا کر دیں!“^①

رسول اکرم ﷺ کی یہ پیشین گوئی حرف بحرف سچی ثابت ہوئی اور کئی لوگ ایسے آئے کہ جنہوں نے ہزاروں کی تعداد میں احادیث گھڑیں اور انہیں آپ ﷺ کی طرف منسوب کر دیا۔ اس طرح کے لوگ پہلے بھی آئے اور آج بھی موجود ہیں جو ’فضائل اعمال‘ کے نام سے سینکڑوں انتہائی ضعیف اور جھوٹی احادیث بیان کرتے ہیں اور انہیں پوری دنیا میں پھیلا رہے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کے متعلق رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا:

« مَنْ حَدَّثَ عَنِّي بِحَدِيثٍ يَرَى أَنَّهُ كَذِبٌ فَهُوَ أَحَدُ الْكَاذِبِينَ »

”جو شخص ایسی حدیث بیان کرے کہ جس کے بارے میں اسے پتہ ہو کہ یہ جھوٹی ہے تو وہ جھوٹوں میں سے ایک جھوٹا ہے۔“^(۱)

اسی طرح آپ ﷺ نے جھوٹی حدیثیں بیان کرنے والے لوگوں کو سخت وعید سناتے ہوئے ارشاد فرمایا:

« لَا تَكْذِبُوا عَلَيَّ فَإِنَّهُ مَنْ يَكْذِبُ عَلَيَّ يَلِجُ النَّارَ »

”تم میرے اوپر جھوٹ نہ بولنا، کیونکہ جو میرے اوپر جھوٹ بولے گا تو وہ جہنم میں داخل ہوگا۔“^(۲)

اور کئی لوگ سنی سنائی باتوں کو ہی ’احادیث‘ تصور کر لیتے ہیں، پھر انہیں مسائل و احکام میں بھی حجت کے طور پر پیش کرتے ہیں اور ان سے فضائل اعمال بھی ثابت کرتے ہیں۔ بلکہ بڑی بڑی بدعات کے ثبوت کے لیے بھی وہ انہی سنی سنائی حدیثوں کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں! حالانکہ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ

« كَفَى بِالْمَرْءِ كَذِبًا أَنْ يُحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ »

”آدمی کے جھوٹ کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی ہوئی بات کو بیان کرے۔“^(۳)

لہذا ہم تمام مسلمانوں کو تنبیہ کرتے ہیں کہ وہ اس فتنے سے متنبہ رہیں! اور رسول اکرم ﷺ کی احادیث کو بیان کرنے میں شدید احتیاط سے کام لیں۔ صرف وہ احادیث بیان کریں اور صرف ان احادیث سے شرعی مسائل و احکام اخذ کریں جو محدثین کے نزدیک سند کے اعتبار سے صحیح یا حسن درجے کی ہوں۔ اور ان احادیث کو ترک کر دیں جو ضعیف یا جھوٹی اور من گھڑت ہوں۔ ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ اگر مسلمان اس کا التزام کر لیں تو وہ یقیناً بہت ساری بدعات سے نجات حاصل کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو اس کی توفیق دے۔

① صحیح مسلم فی المقدمة. ② صحیح مسلم فی المقدمة. ③ صحیح مسلم فی المقدمة.

گناہوں کے خطرناک نتائج

اہم عناصر خطبہ

- ① اطاعت و فرمانبرداری یا عصیان و نافرمانی؟
- ② افراد کے لیے گناہوں کے خطرناک نتائج
- ③ ملک و قوم کے لیے گناہوں کے خطرناک نتائج

پہلا خطبہ

محترم حضرات! ہم سب کی خیر و بھلائی اس میں ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کریں، اس کے احکامات پر عمل کریں اور اس نے جن چیزوں سے منع فرمایا ہے ان سے پرہیز کریں۔ اسی طرح ہم اللہ کے رسول حضرت محمد ﷺ کی بھی اطاعت کریں اور ان کی نافرمانی سے بھی اپنے آپ کو بچیں۔

اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت و فرمانبرداری میں ہی حقیقی کامرانی و کامیابی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا﴾

”اور جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتا رہے تو وہ یقیناً بڑی کامیابی سے ہمکنار ہو گیا۔“^①

جبکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی واضح گمراہی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُّبِينًا﴾

”اور جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرتا رہے تو وہ یقینی طور پر واضح گمراہی میں چلا گیا۔“^②

ان دونوں آیات کریمہ سے معلوم ہوا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت و فرمانبرداری دنیا میں انسان کو کامیابیوں سے ہمکنار کرتی ہے جبکہ عصیان و نافرمانی سے وہ گمراہ ہوتا ہے اور گمراہی کے بعد خسارہ ہی خسارہ اس کا مقدر بن جاتا ہے۔ یہ ان دونوں چیزوں کا نتیجہ ہے دنیا میں..... اور آخرت میں اطاعت و فرمانبرداری اور

عصیان و نافرمانی کا نتیجہ کیا نکلے گا، یہ بھی اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیان کر دیا ہے۔

ارشاد باری ہے: ﴿وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَ مَا يَدْخُلْهُ نَارُ آخِلَاءٍ فِيهَا وَلَهُ عَذَابٌ مُهِينٌ ۝﴾

”اور جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرے گا اسے اللہ تعالیٰ ان جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور یہی دراصل بڑی کامیابی ہے۔ اور جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرے گا اور اللہ کی مقرر کردہ حدوں سے آگے نکلے گا تو اسے وہ جہنم میں داخل کرے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لیے رسوا کن عذاب ہوگا۔“^(۱)

لہذا ہمیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت و فرمانبرداری ہی کرنی چاہیے تاکہ ہم دنیا میں بھی کامیاب ہو سکیں اور آخرت میں بھی اللہ کے فضل و کرم سے جنت میں داخل ہو سکیں۔ جہاں تک اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کا تعلق ہے تو اس سے ہمیں بچنا چاہیے تاکہ ہم دنیا میں گمراہی سے محفوظ رہیں اور قیامت کے دن اللہ کے عذاب سے بچ جائیں۔

آج کے خطبہ جمعہ میں ہم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانیوں کے برے اثرات اور گناہوں اور برائیوں کے خطرناک نتائج کے بارے میں گفتگو کریں گے۔ (ان شاء اللہ) جس سے ہمارا مقصود یہ ہے کہ جب ہمیں ان خطرناک نتائج اور برے اثرات کا علم ہوگا تو ہم عصیان و نافرمانی سے بچنے کی کوشش کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق دے۔

عصیان و نافرمانی اور گناہوں کے اثرات و نتائج دو قسم کے ہیں۔ ایک تو وہ ہیں جو انفرادی طور پر خود نافرمانی کرنے والے انسان پر ہی مرتب ہوتے ہیں۔ اور دوسرے وہ ہیں جو اجتماعی طور پر کسی قوم یا کسی ملک پر مرتب ہوتے ہیں۔

افراد کے لیے گناہوں کے خطرناک نتائج

(۱) دل کا زنگ آلود ہونا اور تاریکی کا چھا جانا۔

گناہوں اور نافرمانیوں کی وجہ سے نافرمانی کرنے والے انسان کا دل زنگ آلود ہو جاتا ہے، حتیٰ کہ گناہ کرتے کرتے اس کا دل مکمل طور پر کالا سیاہ پڑ جاتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: «إِنَّ الْمُؤْمِنَ إِذَا أَذْنَبَ كَانَتْ نُكْتَةً سَوْدَاءَ فِي قَلْبِهِ ، فَإِنْ تَابَ وَتَزَعَّ وَاسْتَغْفَرَ صُقِلَ قَلْبُهُ ، وَإِنْ زَادَ زَادَتْ حَتَّى يَعْْلُو قَلْبُهُ ، فَذَلِكَ الرَّئِئُ الَّذِي ذَكَرَ اللَّهُ

عَزَّوَجَلَّ فِي الْقُرْآنِ: ﴿كَذَّابٌ ۖ رَّانَ عَلَى قُلُوبِهِمْ مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝﴾

”مومن جب گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ پڑ جاتا ہے۔ پھر اگر وہ توبہ کر لیتا ہے اور اس گناہ کو چھوڑ کر معافی مانگ لیتا ہے تو اس کا دل دھو دیا جاتا ہے۔ اور اگر وہ گناہ پر گناہ کرتا چلا جاتا ہے تو سیاہی بھی بڑھتی چلی جاتی ہے یہاں تک کہ اس کے دل پر چھا جاتی ہے۔ یہی وہ (رین) ”زنگ“ ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے قرآن میں تذکرہ کیا ہے: ﴿كَذَّابٌ ۖ رَّانَ عَلَى قُلُوبِهِمْ مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝﴾^(۱)

اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانیوں اور گناہوں کی وجہ سے دل پر تاریکی چھا جاتی ہے۔ اور جب کوئی شخص بکثرت گناہوں کا ارتکاب کرتا ہو اور اللہ سے معافی بھی نہ مانگتا ہو تو اس کے دل پر چھائی ہوئی تاریکی اور سیاہی نہایت گہری ہو جاتی ہے اور بڑھتے بڑھتے اس کے چہرے پر بھی نمایاں ہونے لگتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ

« إِنَّ لِلْحَسَنَةِ ضِيَاءً فِي الْوَجْهِ وَنُورًا فِي الْقَلْبِ ، وَسَعَةً فِي الرِّزْقِ ، وَقُوَّةً فِي الْبَدَنِ ، وَمَحَبَّةً فِي قُلُوبِ الْخَلْقِ ، وَإِنَّ لِلْسَّيِّئَةِ سَوَادًا فِي الْوَجْهِ ، وَظُلْمَةً فِي الْقَلْبِ ، وَوَهْنًا فِي الْبَدَنِ ، وَنَقْصًا فِي الرِّزْقِ ، وَبُغْضًا فِي قُلُوبِ الْخَلْقِ »

”نیکی کی وجہ سے چہرے پر روشنی آ جاتی ہے، دل منور ہو جاتا ہے، رزق فراوانی سے ملتا ہے، جسمانی طاقت میں اضافہ ہوتا ہے اور لوگوں کے دلوں میں اس کی محبت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور برائی کی وجہ سے چہرے پر سیاہی آ جاتی ہے، دل پر تاریکی چھا جاتی ہے، جسم کمزور پڑ جاتا ہے، رزق میں کمی آ جاتی ہے اور لوگوں کے دلوں میں اس سے نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔“

(۲) گناہوں کی وجہ سے بندہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اپنی قدر گنوا بیٹھتا ہے

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: «إِيَّاكَ وَالْمَعْصِيَةَ فَإِنَّ بِالْمَعْصِيَةِ حَلَّ سَخَطُ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ»

”تم نافرمانی سے بچو، کیونکہ نافرمانی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی آ جاتی ہے۔“^(۲)

جب کسی بندے سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے تو اس کا اللہ کے ہاں کوئی مقام و مرتبہ نہیں رہتا بلکہ وہ اس کی نظروں میں گر جاتا ہے اور اس کی کوئی عزت نہیں ہوتی۔ اور جس کی اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی عزت نہیں ہوتی اسے کسی اور کی طرف سے عزت نہیں مل سکتی۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَمَنْ يُهِنِ اللَّهُ فَبَا لَكَ مِنْ مُذْمَرٍ﴾

(۱) جامع الترمذی: 3334، حسن صحیح، سنن ابن ماجہ: 4244 و حسنہ الألبانی، (۲) مسند أحمد۔

”اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ ذلیل کر دے تو اسے کوئی عزت دینے والا نہیں۔“⁽¹⁾

(3) گناہوں کی وجہ سے بندہ شیطان کا قیدی بن جاتا ہے

بندہ جب مسلسل گناہ کرتا چلا جاتا ہے اور وہ اپنے گناہوں سے توبہ نہیں کرتا تو وہ شیطان کا قیدی بن جاتا ہے، پھر شیطان ہر وقت اس کے ساتھ رہتا اور اسے اللہ کے دین سے غافل رکھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَمَنْ يَعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمَنِ نُقِضْ لَهُ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهُ قَرِينٌ ۝﴾

”اور جو شخص رحمن کی یاد سے غافل ہو جائے ہم اس پر ایک شیطان کو مسلط کر دیتے ہیں جو اس کا ساتھی بن جاتا ہے۔“⁽²⁾

’رحمن کی یاد سے غافل رہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دین سے اعراض کر لے، اس کے احکامات کی کوئی پروا نہ کرے اور من مانی زندگی بسر کرے۔ ایسے انسان پر شیطان مسلط کر دیا جاتا ہے جو اسے اپنی مرضی کے مطابق استعمال کرتا ہے۔

(4) گناہ بندے کو اپنے آپ سے غافل کر دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللَّهَ فَأَنْسَاهُمْ أَنْفُسَهُمْ أُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ۝﴾

”اور تم ان لوگوں کی طرح مت ہو جانا جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو بھلا دیا، پھر اللہ نے بھی انہیں اپنے آپ سے غافل کر دیا، ایسے ہی لوگ فاسق (نافرمان) ہوتے ہیں۔“⁽³⁾

یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ کے دین سے لا پروا ہو جاتا اور اس کے احکامات کو بھلا دیتا ہے تو اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ خود اپنے آپ سے بھی غافل ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد نہ اس کی آنکھیں کسی صحیح چیز کو دیکھ سکتی ہیں، نہ اس کے کان کسی برحق بات کو سن سکتے ہیں اور نہ ہی اس کی عقل راہِ راست کا ادراک کر سکتی ہے۔ پھر وہ چوپائے جانور کی طرح بلکہ اس سے بھی بدتر ہو جاتا ہے۔

(5) گناہوں کی وجہ سے انسان پریشان حال اور حقیقی چین و سکون سے محروم ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ أَعْمَى ۝ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِي أَعْمَى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيرًا ۝ قَالَ كَذَلِكَ أَتَتْكَ آيَاتُنَا فَنَسِيتَهَا وَكَذَلِكَ الْيَوْمَ تُنْسَى ۝﴾

”اور جو شخص میرے ذکر سے روگردانی کرے گا وہ دنیا میں تنگ حال رہے گا اور ہم اسے بروز قیامت اندھا کر کے اٹھائیں گے۔ وہ پوچھے گا: اے میرے رب! تو نے مجھے نابینا بنا کر کیوں اٹھایا حالانکہ میں تو بینا تھا؟

(1) الحج 18:22، (2) الزخرف 36:43، (3) الحشر 19:59.

اللہ تعالیٰ جواب دے گا: اسی طرح ہونا چاہیے تھا کیونکہ تمہارے پاس ہماری آیات آئی تھیں لیکن تم نے انہیں بھلا دیا۔ اسی طرح آج تمہیں بھی بھلا دیا جائے گا۔“^①

⑥ گناہوں کی وجہ سے موجودہ نعمتیں چھن جاتی ہیں اور آنے والی نعمتیں روک لی جاتی ہیں ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی زوجہ حضرت حوا علیہا السلام کی ایک خطا کی وجہ سے ہی ان دونوں کو جنت کی نعمتوں سے محروم کر دیا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَقُلْنَا يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هَذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ ۝ فَازْلَهَمَا الشَّيْطَانُ عَنْهَا فَأَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيهِ ۝﴾

”اور ہم نے کہا: اے آدم! تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو اور اس میں جتنا چاہو اور جہاں سے چاہو کھاؤ۔ تاہم اس درخت کے قریب مت جانا ورنہ ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔ پھر شیطان نے ان دونوں کو لغزش میں مبتلا کر دیا اور انہیں اس نعمت اور راحت سے نکلوا دیا جس میں وہ تھے۔“^②

⑦ برکت کا خاتمہ

گناہوں اور برائیوں کی وجہ سے برکت ختم ہو جاتی ہے۔ نہ عمر میں برکت اور نہ ہی رزق میں برکت، نہ علم میں برکت اور نہ ہی عمل میں برکت، نہ گھر میں برکت اور نہ ہی گھر والوں میں برکت باقی رہتی ہے۔ ہر چیز میں نحوست ہی نحوست اور بے برکتی ہی بے برکتی ہوتی ہے۔ جبکہ اس کے برعکس نیکی انسان کو مبارک یعنی بابرکت بنا دیتی ہے۔ زندگی، رزق، عمل، اہل و عیال..... وغیرہ ہر چیز بابرکت ہو جاتی ہے۔

⑧ شرم و حیا کا خاتمہ

نافرمانیوں کی ایک نحوست یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا نافرمان شرم و حیا سے محروم ہو جاتا ہے۔ چنانچہ وہ کھلم کھلا گناہوں کا ارتکاب کرتا ہے اور اسے ذرا بھی شرم محسوس نہیں ہوتی، نہ اللہ تعالیٰ سے اور نہ ہی لوگوں سے۔ پھر بات یہیں تک نہیں رہتی بلکہ برائیوں کے نتیجے میں وہ اس قدر شرم و حیا سے عاری ہو جاتا ہے کہ اگر اس کی بیوی یا بیٹی بے پردہ ہو کر بازاروں اور گلی کوچوں میں اپنے حسن کی نمائش کرتی رہے یا غیر محرم مردوں سے گپ شپ کرتی رہے تو وہ اسے عام سی بات سمجھتا ہے اور اس میں کوئی عار محسوس نہیں کرتا۔ اسی طرح اس کے گھر میں فحش گانے، فلمیں اور حیا باختہ پروگرام چلتے رہیں، اس کی بیوی، بیٹے بیٹیاں اور دیگر افراد خانہ انہیں دیکھتے اور سنتے رہیں تو اسے اس پر بھی کوئی شرم و حیا محسوس نہیں ہوتی۔ بالکل سچ فرمایا نبی کریم ﷺ نے کہ

((إِذَا لَمْ تَسْتَحْيِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ)) ”جب تم بے حیا ہو جاؤ تو جو چاہو کرو۔“^(۱)

(۹) رزق سے محرومی

گناہوں اور برائیوں کی وجہ سے انسان رزق سے محروم ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات انسان کو ایسے لگتا ہے کہ اب اسے رزق ملنے ہی والا ہے، فلاں جگہ یا فلاں ڈیل سے اب اتنے پیسے ملنے والے ہیں، لیکن اچانک وہ کسی برائی کا ارتکاب کرتا ہے، جس کے نتیجے میں وہ متوقع طور پر نصیب ہونے والے رزق سے محروم ہو جاتا ہے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ((وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيُحْرَمَ الرِّزْقَ بِخَطِيئَةٍ يَغْمَلُهَا))

”اور آدمی کو اس کے کسی گناہ کی وجہ سے رزق سے محروم کر دیا جاتا ہے۔“^(۲)

عموماً یہ دیکھنے اور سننے میں آتا ہے کہ ایک آدمی اچھا خاصا مالدار اور بڑا ہی خوشحال ہوتا ہے۔ مگر حرص اور لالچ کی وجہ سے وہ موجودہ مال و دولت پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ اسے بڑھانے کے لیے ناجائز وسائل اختیار کر لیتا ہے۔ مثلاً سودی لین دین، شیراز کا ناجائز کاروبار اور انشورنس، پرائز بانڈز اور سٹیفلیٹس وغیرہ کے ذریعے راتوں رات کروڑ پتی بننے کی خواہش۔ اور جب وہ اس طرح کے حرام وسائل اختیار کرتا ہے تو اسی وقت سے اس کی خوشحالی بد حالی میں بدلنے لگتی ہے۔ پھر آخر کار اس کا کاروبار مکمل طور پر تباہ و برباد ہو جاتا ہے! یوں گناہ اس کے لیے رزق سے محرومی کا سبب بن جاتے ہیں۔ اور ایک شخص صدقے کا مال لے کر ایک فقیر خاندان کے گھر کے دروازے پر پہنچا تو اس نے اندر سے موسیقی کی آواز سنی! اس نے دل میں کہا: میں ایسے خاندان کو صدقے کا مال کیوں دوں جو اس مال کو اللہ کی نافرمانی میں استعمال کرے گا! چنانچہ وہ چلا گیا اور صدقے کا مال کسی اور کو دے دیا۔ گویا کہ رزق دروازے پر پہنچ کر بھی واپس چلا گیا، کیوں؟ گناہ کی وجہ سے۔

(۱۰) علم سے محرومی

گناہوں کی وجہ سے ایک صاحب علم حاصل کردہ علم سے محروم ہو جاتا ہے۔ کیونکہ علم اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور ہوتا ہے اور گناہ اس نور کو بجھا دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب امام شافعی رحمہ اللہ اپنے استاذ امام مالک رحمہ اللہ کے سامنے دوزانو ہو کر بیٹھے تو استاذ صاحب اپنے اس لائق اور باصلاحیت شاگرد کی ذہانت و فطانت پر بڑے حیران ہوئے اور کہا: اللہ کی قسم! میں دیکھ رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل میں نور پیدا کر دیا ہے، لہذا آپ اس نور کو عصیان و نافرمانی کی تاریکی کے ذریعے نہ بجھانا۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ

شَكُوتٌ إِلَى وَكَيْعٍ سُوءٍ حَفِظِي فَأَرْشَدَنِي إِلَى تَرْكِ الْمَعَاصِي

(۱) متفق علیہ۔ (۲) سنن ابن ماجہ: ۹۰۔

فَإِنَّ الْعِلْمَ فَضْلٌ مِنْ إِلَهِي وَفَضْلُ اللَّهِ لَا يُؤْتَى لِعَاصِي

”میں نے وکیع رحمہ اللہ سے شکایت کی کہ میری قوت حافظہ کمزور ہو گئی ہے تو انھوں نے فرمایا: گناہ چھوڑ دو، کیونکہ علم اللہ کا فضل ہے اور یہ کسی نافرمان کو نہیں دیا جاتا۔“

(11) مشکلات اور مصائب کے انبار!

گناہوں اور برائیوں کی وجہ سے انسان پر مشکلات اور مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑتے ہیں۔ نَسْأَلُ اللَّهَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ۔ گھریلو مشکلات، کاروباری مشکلات، ذاتی پریشانیاں ایک ایک کر کے ایسا انسان کو گھیرتی ہیں کہ پھر ان سے جان چھڑانا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ ایسا کیوں؟ یقیناً ایسا گناہوں اور نافرمانیوں کی وجہ سے ہی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُوا عَنْ كَثِيرٍ﴾

”اور تم پر جو بھی مصیبت آتی ہے تو وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی کی وجہ سے ہی آتی ہے اور وہ (اللہ تعالیٰ) بہت سارے گناہوں کو تو ویسے ہی معاف کر دیتا ہے۔“ (1)

(12) عصیان و نافرمانی کی وجہ سے عاصی کا ہر کام مشکل ہو جاتا ہے!

یہ بہت بڑی نحوست ہے گناہوں کی کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا نافرمان جس کام کا بھی ارادہ کرتا ہے وہ آسان ہونے کے باوجود اس کے لیے مشکل ہو جاتا ہے۔ جبکہ اس کے برعکس اگر وہ گناہوں سے اجتناب کرنے اور ہر وقت اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والا ہو تو اس کا ہر کام اس کے لیے آسان ہو جاتا ہے چاہے کوئی کام بظاہر کتنا مشکل کیوں نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مِنْ أَمْرِهِ يُسْرًا﴾

”اور جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے (یعنی اس سے ڈر کر گناہوں سے بچتا رہے) تو اللہ اس کے ہر کام کو آسان کر دیتا ہے۔“ (2)

(13) نیکیوں کا برباد ہونا

گناہوں کی ایک نحوست یہ ہے کہ ان کی وجہ سے نیکیاں ضائع ہو جاتی ہیں، خاص طور پر خلوت میں محرمات کا ارتکاب تو نیکیوں کے لیے نہایت ہی تباہ کن ہوتا ہے۔

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«لَأَعْلَمَنَّ أَقْوَامًا مِنْ أُمَّتِي يَأْتُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِحَسَنَاتٍ أَمْثَالِ حَبَالِ تِهَامَةَ بَيِضًا، فَيَجْعَلُهَا اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ هَبَاءً مَنْثُورًا، قَالَ ثَوْبَانُ يَا رَسُولَ اللَّهِ! صِفْهُمْ لَنَا، جَلِّهِمْ لَنَا،

أَنْ لَا تَكُونُوا مِنْهُمْ وَنَحْنُ لَا نَعْلَمُ ؟ قَالَ : أَمَّا إِنَّهُمْ إِخْوَانُكُمْ وَمِنْ جَلَدَتِكُمْ ، وَيَتَّخِذُونَ مِنَ
الذَّلِيلِ كَمَا تَتَّخِذُونَ ، وَلَكِنَّهُمْ أَقْوَامٌ إِذَا خَلَوْا بِمَعَاصِرِ اللَّهِ انْتَهَكُوهَا»

”میں یقیناً اپنی امت کے ایسے لوگوں کو جانتا ہوں جو قیامت کے روز ایسی نیکیاں لے کر آئیں گے جو تہامہ کے پہاڑوں کی مانند روشن ہوگی لیکن اللہ تعالیٰ ان کی ان نیکیوں کو ہوا میں اڑتے ہوئے چھوٹے چھوٹے ذرات کی مانند اڑا دے گا۔ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ ان لوگوں کے بارے میں وضاحت کر دیجئے اور ان کے بارے میں کھل کر بیان کر دیجئے تاکہ ہم لاعلمی میں ایسے لوگوں میں شامل نہ ہو جائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: خبردار! وہ تمہارے بھائی اور تمہاری قوم سے ہی ہوں گے۔ اور وہ رات کو اسی طرح قیام کریں گے جیسا کہ تم کرتے ہو لیکن وہ ایسے لوگ ہوں گے کہ جب خلوت میں انھیں اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزیں ملیں گی تو وہ ان سے اپنا دامن نہیں بچائیں گے۔“

یہ تھے گناہوں کے وہ اثرات و نتائج جو افراد پر مرتب ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو گناہوں اور ان کے برے نتائج سے محفوظ رکھے۔ اور ہمیں اپنے دین پر استقامت نصیب کرے۔

دوسرا خطبہ

افراد کے لیے گناہوں کے برے اثرات و نتائج بیان کرنے کے بعد اب ہم ان کے ملک و قوم پر مرتب ہونے والے اجتماعی اثرات و نتائج کا تذکرہ کرتے ہیں۔

ملک و قوم کے لیے اجتماعی طور پر گناہوں کے خطرناک اثرات و نتائج

اجتماعی طور پر کسی قوم یا کسی ملک کو گناہوں اور برائیوں کے جن خطرناک اور بھیانک نتائج کا سامنا کرنا پڑتا ہے، وہ کچھ یوں ہیں:

(۱) بروجہ میں فساد اور ہلاکت و بربادی

ہمارے یہاں فساد اس قدر پھیلا ہوا ہے کہ الامان والحفیظ! نہ مال و دولت محفوظ ہے اور نہ ہی عزت و آبرو کو تحفظ حاصل ہے، قتل و غارت عام ہے اور خونِ مسلم پانی کی طرح بہہ رہا ہے۔ کہیں ’دہشت گردی کے خلاف جنگ‘ کے نام پر بے گناہ لوگوں کو مارا جا رہا ہے تو کہیں اس کے رد عمل میں خود کش دھماکے کر کے ہمارے بھائیوں کو ناکردہ گناہوں کی سزا

(۱) سنن ابن ماجہ: 4245، وصححه الألبانی فی صحیح سنن ابن ماجہ والصحیحة: 505.

دی جا رہی ہے۔ لوٹ مار اور ڈاکہ زنی کے واقعات بھی ہر روز رونما ہوتے رہتے ہیں۔ معصوم بچوں اور بچیوں کو اغوا کر کے منہ مانگے پیسے وصول کیے جاتے ہیں۔ کبھی کبھار اغوا شدہ بچے اور افراد رہا ہو جاتے ہیں اور اکثر و بیشتر انھیں جان سے مار دیا جاتا ہے۔ چادر اور چار دیواری کی حرمت کو پامال کیا جاتا ہے، بنتِ حواء کو جنسی زیادتی کا نشانہ بنایا جاتا ہے اور کئی مرتبہ زیادتی کے بعد اسے نہایت بے دردی کے ساتھ قتل بھی کر دیا جاتا ہے۔ اور چونکہ ہمارے یہاں چوروں، ڈاکوؤں اور ظالموں کو ان کے کرتوتوں کا مزا چکھانے کے لیے ان پر شرعی سزائیں نافذ نہیں کی جاتیں اور نہ ہی ایسے جرائم پیشہ لوگوں کو کٹہرے میں لانے کا کوئی موثر نظام موجود ہے اس لیے اکثر لوگ جو ان جرائم کا شکار ہوتے ہیں وہ صبر کر کے اس ظلم و زیادتی کو برداشت کرنے میں ہی عافیت سمجھتے ہیں۔ اور اگر کوئی مظلوم غلطی سے کسی ظالم کے خلاف کیس کر ہی دے تو اسے عدالتوں اور تھانوں میں سالہا سال تک چکر لگا لگا کر سوائے ذلت و رسوائی کے اور کچھ نہیں ملتا۔ ملک میں فساد اس حد تک زیادہ ہو گیا ہے کہ اکثر قومی اداروں اور مختلف محکموں میں رشوت کے بغیر کوئی کام ہی نہیں ہوتا۔ مہنگائی اور بے روزگاری کی وجہ سے لوگ خودکشی کرنے پر مجبور ہو رہے ہیں۔ دوسری طرف بیوروکریسی اور حکمران طبقہ کے لوگ غریب عوام کا خون چوس کر عیاشیوں اور بیرون ملک اپنے اثاثوں کو بڑھانے میں مصروف کار نظر آتے ہیں۔ لگتا ہے کہ کسی کو ذرا برابر بھی احساس نہیں کہ وہ غریب عوام کی فلاح و بہبود کے لیے عملی طور پر کچھ کرے۔ بے چاری عوام پس رہی ہے اور ارباب اقتدار مست ہیں۔ اور اب تو ملکی سلامتی کو بھی شدید خطرات لاحق ہیں۔ اللہ جانے یہ فساد ہمیں اور کیا کیا رنگ دکھائے گا! سوال یہ ہے کہ آخر یہ سارا فساد اور ملکی و قومی تباہی کیوں ہو رہی ہے؟ یقیناً یہ سب ہمارے گناہوں اور کرتوتوں کی وجہ سے ہی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ﴾

”بر و بحر میں لوگوں کی بد اعمالیوں کی وجہ سے فساد پھیل گیا ہے۔ اس لیے کہ انھیں ان کے بعض کرتوتوں کا پھل اللہ تعالیٰ چکھا دے، شاید کہ وہ باز آجائیں۔“^(۱)

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿الَّذِينَ يَرَوْنَ كَثْرَ أَمْثَلِهَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِنْ قَرْنٍ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ مَا لَمْ لُكِّنْ لَكُمْ وَأَرْسَلْنَا السَّمَاءَ عَلَيْهِمْ مِدْرَارًا وَجَعَلْنَا الْأَنْهَارَ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهِمْ فَأَهْلَكْنَاهُمْ بِذُنُوبِهِمْ وَأَنْشَأْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قَرْنًا آخَرِينَ﴾

”کیا تم نے نہیں دیکھا کہ ہم ان سے پہلے کتنی جماعتوں کو ہلاک کر چکے ہیں، وہ جن کو ہم نے دنیا میں ایسی قوت

دی تھی کہ تم کو وہ قوت نہیں دی۔ اور ہم نے ان پر خوب بارشیں برسائیں اور ہم نے ان کے نیچے سے نہریں جاری کیں۔ پھر ہم نے انہیں ان کے گناہوں کے سبب ہلاک کر ڈالا اور ان کے بعد دوسری جماعتوں کو پیدا کر دیا۔^(۱)

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے سابقہ اقوام کی ہلاکت و بربادی کا تذکرہ کیا ہے جنہیں ان کے گناہوں کی وجہ سے ہی ہلاک و برباد کیا گیا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَكُلًّا أَخَذْنَا بِذَنْبِهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا وَمِنْهُمْ مَّنْ أَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَسَنَّا بِهِ الْأَرْضَ وَمِنْهُمْ مَّنْ أَغْرَقْنَا وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُظْلِمَهُمْ وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ۝﴾
 ”ہر ایک کو ہم نے اس کے گناہ کے جرم میں دھریا۔ پھر ان میں سے کچھ پر ہم نے پتھر اڑا دیا اور کچھ ایسے جنہیں زبردست چیخ نے آلیا اور کچھ ایسے جنہیں ہم نے زمین میں دھنسا دیا اور کچھ ایسے ہیں جنہیں ہم نے غرق کر دیا۔ اللہ ان پر ظلم کرنے والا نہیں تھا لیکن یہ لوگ خود ہی اپنے آپ پر ظلم کر رہے تھے۔“^(۲)
 (۲) زلزلے وغیرہ

گناہوں اور برائیوں کی ایک بڑی نحوست یہ بھی ہے کہ ان کی وجہ سے انتہائی خطرناک زلزلے آتے ہیں۔ بڑی بڑی عمارتیں زمین میں بوس ہو جاتی ہیں، بلکہ بعض اوقات پورے پورے شہر صفحہ ہستی سے مٹ جاتے ہیں اور بستیوں کی بستیاں تباہ ہو جاتی ہیں۔ ہزاروں اور بسا اوقات لاکھوں لوگ چند لمحات میں ہی لقمہ اجل بن جاتے ہیں۔ اور بعض اوقات اللہ تعالیٰ سمندر کی گہرائی کو حکم دیتا ہے، زمین حرکت میں آتی ہے اور اس کے نتیجے میں سمندری موجیں خوفناک طوفان (سونامی) کی شکل اختیار کر لیتی ہیں۔ پھر ہر چیز خس و خاشاک کی طرح بہہ جاتی ہے اور تباہی و بربادی کے ایسے ایسے خوفناک مناظر سامنے آتے ہیں کہ روٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور کلیجے منہ کو آتے ہیں..... نسأل اللہ العفو والعافیۃ۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿أَفَأَمِنَ الَّذِينَ مَكَرُوا السَّيِّئَاتِ أَنْ يَخْسِفَ اللَّهُ بِهِمُ الْأَرْضَ أَوْ يَأْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ ۝ أَوْ يَأْخُذَهُمْ فِي تَقْلُبِهِمْ فَهُمْ لَا يَخْرِجُونَ ۝ أَوْ يَأْخُذَهُمْ عَلَى تَخَوُّفٍ فَإِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ ۝﴾

”برائیوں کا داؤ پیچ کرنے والے کیا اس بات سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں زمین میں دھنسا دے یا ان پر ایسی جگہ سے عذاب آ جائے جہاں کا انہیں وہم و گمان بھی نہ ہو؟ یا انہیں چلتے پھرتے پکڑ لے؟ یہ کسی

صورت میں اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے۔ یا انھیں ڈرا دھمکا کر پکڑ لے؟ یقیناً تمہارا رب نہایت مشفق اور بڑا ہی رحم کرنے والا ہے۔“^(۱)

اور حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((سَيَكُونُ فِي آخِرِ الزَّمَانِ خُسْفٌ وَقَذْفٌ وَمَسِيحٌ - قِيلَ : وَمَتَى ذَلِكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ ؟ قَالَ : إِذَا ظَهَرَتِ الْمَعَازِفُ وَالْقَيْنَاتُ وَاسْتَحْلَتِ الْخُمُرُ))

”آخری زمانے میں لوگوں کو زمین میں دھنسیا جائے گا، ان پر پتھروں کی بارش کی جائے گی اور ان کی شکلیں مسخ کی جائیں گی۔ آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ ایسا کب ہوگا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: جب آلات موسیقی پھیل جائیں گے، گانے والیاں عام ہو جائیں گی اور شراب کو حلال سمجھ لیا جائے گا۔“^(۲)

اسی طرح دوسری میں حدیث میں ارشاد فرمایا:

((لَيُشْرَبَنَّ نَاسٌ مِّنْ أُمَّتِي الْخَمْرَ يُسَمُّونَهَا بِغَيْرِ اسْمِهَا ، يُعَرِّفُ عَلَى زُؤُسِهِمْ بِالْمَعَازِفِ وَالْمُغَنِّيَاتِ ، يُخَسِفُ اللَّهُ بِهِمُ الْأَرْضَ ، وَيَجْعَلُ مِنْهُمْ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيرَ))

”میری امت کے کئی لوگ یقیناً شراب نوشی کریں گے، مگر اس کا نام تبدیل کر کے، ان کے سروں کے پاس آلات موسیقی بجائے جائیں گے اور گانے والی عورتیں گائیں گی، ایسے ہی لوگوں کو اللہ تعالیٰ زمین میں دھنسا دے گا اور انھی میں سے بندر اور سور بنائے گا۔“^(۳)

(۳) بد امنی

گناہوں اور برائیوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ قوموں اور ملکوں کے امن کو بد امنی میں تبدیل کر دیتا ہے جس کے نتیجے میں نہ ان کی جانیں محفوظ ہوتی ہیں، نہ مال و دولت محفوظ ہوتا ہے اور نہ ہی عزت و آبرو محفوظ ہوتی ہے۔ اور ہر وقت ان پر خوف و ہراس اور رعب و دبدبہ مسلط رہتا ہے اور وہ چین و سکون سے محروم ہو جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ آمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَأْتِيهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِأَنْعُمِ اللَّهِ فَأَذَاقَهَا اللَّهُ لِبَاسَ الْجُوعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوا يَسْتَعْتُونَ ۝۴۰ ﴾

”اللہ تعالیٰ ایک بستی کی مثال بیان کرتا ہے جس میں امن اور چین تھا اور ہر طرف سے اس کا رزق فراوانی کے ساتھ اس کے پاس پہنچ رہا تھا۔ پھر اس نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی، تو اللہ تعالیٰ نے اس (بستی والوں کے) کرتوتوں کے نتیجے میں ان پر بھوک اور خوف (کا عذاب) مسلط کر دیا۔“^(۴)

① النحل 47-45:16. ② صحيح الجامع للألباني: 3665. ③ سنن ابن ماجه: 4020. صحيحه الألباني. ④ النحل

(4) مہلک بیماریاں، تنگ حالی اور مہنگائی، بیرونی دشمن کا تسلط، حکمرانوں کا رعایا پر ظلم اور خانہ جنگی وغیرہ

یہ خطرناک نتائج رسول اکرم ﷺ نے اپنے ایک ارشاد گرامی میں بیان فرمائے ہیں۔

آپ ﷺ کا ارشاد ہے: «لَمْ تَظْهَرِ الْفَاحِشَةُ فِي نَوْمٍ قَطُّ حَتَّى يُعْلِنُوا بِهَا إِلَّا قَسَا فِيهِمُ الطَّاعُونَ وَالْأَوْجَاعُ الَّتِي لَمْ تَكُنْ مَضَتْ فِي أَسْلَافِهِمُ الَّذِينَ مَضُوا»

”کسی قوم میں بے حیائی اس قدر پھیل جائے کہ وہ کھلم کھلا اس کا ارتکاب شروع کر دیں تو ان میں طاعون کی

بیماری پھیل جاتی ہے اور دیگر وہ امراض بھی جو ان سے پہلے لوگوں میں نہیں پائی جاتی تھیں۔“

((وَلَمْ يَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ إِلَّا أُخِذُوا بِالسِّنِينَ وَشِدَّةِ الْمَثَوْنَةِ وَحُورِ السُّلْطَانِ عَلَيْهِمُ))

”اور جب لوگ ماپ تول میں کمی کرنے لگتے ہیں تو انھیں قحط سالی، مہنگائی اور حکمران کے ظلم کی صورت میں سزا دی جاتی ہے۔“

((وَلَمْ يَمْنَعُوا زَكَاةَ أَمْوَالِهِمْ إِلَّا مُنِعُوا الْقَطْرَ مِنَ السَّمَاءِ . وَلَوْ لَا إِلَهٌ بِهِمْ لَمْ يُمْطَرُوا))

”اور جب لوگ اپنے مالوں کی زکاۃ روک لیں تو آسمان سے بارش کا برسنا بند ہو جاتا ہے۔ اور اگر جانور نہ ہوتے تو ان پر بالکل بارش نہ برتی۔“

((وَلَمْ يَنْقُضُوا عَهْدَ اللَّهِ وَعَهْدَ رَسُولِهِ إِلَّا سَلَّطَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ عَدُوًّا مِنْ غَيْرِهِمْ . فَأَخَذُوا بِبَعْضِ مَا فِي أَيْدِيهِمْ))

”اور جب وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے عہد کا پاس نہ کریں تو اللہ تعالیٰ ان پر بیرونی دشمن کو مسلط کر دیتا ہے جو ان کی ثروت کا ایک حصہ ان سے چھین لیتا ہے۔“

((وَمَا لَمْ تَحْكُمُوا أَيْمَنَهُمْ بِكِتَابِ اللَّهِ وَيَتَخَيَّرُوا مِمَّا أَنْزَلَ اللَّهُ إِلَّا جَعَلَ اللَّهُ بِأَسْهُمِهِمْ بَيْنَهُمْ))

”اور جب ان کے حکمران کتاب اللہ کی روشنی میں فیصلے کرنا چھوڑ دیں اور اس کے دین پر عملدرآمد نہ کریں تو اللہ تعالیٰ ان کو آپس میں لڑا دیتا ہے۔“⁽¹⁾

اسی طرح ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ارشاد ہے:

((مَا ظَهَرَ الْغُلُولُ فِي قَوْمٍ إِلَّا أَلْقَى اللَّهُ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ . وَلَا قَسَا الزِّنَا فِي قَوْمٍ إِلَّا كَثُرَ فِيهِمُ

النَّمْرُثُ . وَلَا نَقَصَ قَوْمٌ الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ إِلَّا قَطَعَ عَنْهُمْ الرِّقَ . وَلَا حَكَمَ قَوْمٌ بَغِيرَ حَقِّ إِلَّا

قَسَا فِيهِمُ الدَّمُ . وَلَا خَرَّ قَوْمٌ بِالْعَهْدِ إِلَّا سَلَّطَ عَلَيْهِمْ عَدُوَّهُمْ))

(1) سنن ابن ماجہ: 4019، وحسنہ الالبانی.

”کسی قوم میں خیانت عام ہو جائے تو اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں رعب و دبدبہ ڈال دیتا ہے۔ اور جب کسی قوم میں بدکاری پھیل جائے تو اس میں موت بکثرت واقع ہوتی ہے۔ اور جب وہ ماپ تول میں کمی کرنے لگیں تو ان سے رزق کو کاٹ دیا جاتا ہے۔ اور جب کسی قوم میں فیصلے حق پر مبنی نہ کیے جائیں تو اس میں خون (قتل) عام ہو جاتا ہے۔ اور جب ایک قوم عہد کو پامال کرتی ہے تو اس پر ان کا دشمن مسلط کر دیا جاتا ہے۔“^(۱)

ذلت و رسوائی

اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانیوں کا ایک سنگین نتیجہ آج ہمیں واضح طور پر نظر آ رہا ہے کہ ہم اقوامِ عالم میں ذلیل ہو کر رہ گئے ہیں۔ ہماری کوئی اوقات نہیں اور اغیار جیسے چاہتے ہیں اور جب چاہتے ہیں ہمیں اپنے ناپاک مقاصد کے لیے استعمال کر لیتے ہیں۔ ہم ان کے آلہ کار بن کر ان کے لیے کام کرتے ہیں اور اس میں فخر بھی محسوس کرتے ہیں۔ ہم مادی و دنیاوی مفادات کی خاطر اپنی قومی و ملی غیرت سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔ ذلت و رسوائی کا عالم یہ ہے کہ کوئی ہماری قومی سلامتی کے خلاف جو کچھ کرتا رہے، ہماری عزت کو تار تار کرتا رہے، ہمارے وقار کو خاک میں ملاتا رہے اور ہمارے مسلمان بھائیوں کو ہر روز قتل کرتا رہے تو اس سے بدلہ لینا تو کجا ہم اس پر صدائے احتجاج بھی بلند کرنے کے قابل نہیں رہے۔ یہ بدترین ذلت و رسوائی کیوں چھائی ہوئی ہے؟ یقیناً یہ ہمارے ہی کرتوتوں کی وجہ سے ہے۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: «إِذَا تَبَايَعْتُمْ بِالْعِينَةِ . وَأَخَذْتُمْ أَذْنَابَ الْبَقَرِ وَرَضِيتُمْ بِالزُّرْعِ ، وَتَرَكْتُمُ الْجِهَادَ سَلَّطَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ ذُلًّا لَا يَرْفَعُهُ غَدَاكُمْ حَتَّى تَرْجِعُوا إِلَى دِينِكُمْ»

”جب تم سودی لین دین کرو گے، گائیوں کی دموں کو پھڑ لو گے اور کھیتی باڑی پر ہی راضی ہو جاؤ گے اور جہاد کو ترک کر دو گے تو اللہ تعالیٰ تم پر ایسی ذلت و رسوائی کو مسلط کر دے گا جسے تم سے اس وقت تک نہیں اٹھائے گا جب تک تم اپنے دین کی طرف واپس نہیں لوٹ آؤ گے۔“^(۲)

فتح شکست میں تبدیل ہو جاتی ہے

گناہوں اور نافرمانیوں کی وجہ سے مسلمانوں کی فتح اور ان کا کافروں پر غلبہ شکست میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اس کی واضح دلیل جنگِ احد کا واقعہ ہے جس میں پہلے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کافروں پر فتح نصیب کی، لیکن اس کے بعد جب ان میں سے بعض نے اللہ کے رسول ﷺ کے احکامات کی خلاف ورزی کی تو نتیجہ یہ نکلا کہ فتح شکست میں تبدیل ہو گئی۔ ستر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شہید ہو گئے اور خود نبی کریم ﷺ بھی اس میں شدید زخمی ہوئے۔ اللہ تعالیٰ اس شکست کا سبب یوں بیان کرتے ہیں: ﴿لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ أَخْرَجَهُمْ مِنَ مَقْصَدِ الْأَعْدَاءِ لَوْلَا آلُ الْفُتُورِ﴾

(۱) مؤطا مالک: 987، سنن أبي داود: 3462، وصححه الألبانی.

إِذَا فِئْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِمَّنْ بَعْدَ مَا أَرْسَلَكُمْ مِمَّا تُحِبُّونَ مِمَّنْ يُرِيدُ الدُّنْيَا وَنُفْسَهُ
مِمَّنْ يُرِيدُ الْآخِرَةَ ﴿١﴾

”بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے جو تم سے وعدہ کیا تھا اسے پورا کر دیا جبکہ تم کافروں کو اللہ کے حکم سے خوب قتل کر رہے تھے۔ تا آنکہ تم نے بز دلی دکھائی، (نبی ﷺ کے) حکم میں جھگڑنے لگے اور اپنی پسندیدہ چیز (مال غنیمت) نظر آنے کے بعد تم نے (ان کی) نافرمانی کی۔ تم میں سے کچھ وہ تھے جو دنیا چاہتے تھے اور کچھ وہ تھے جو آخرت چاہتے تھے۔“^(۱)

اس آیت کریمہ میں یہ بات بالکل واضح ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا کرتے ہوئے مسلمانوں کو کافروں پر غلبہ عطا کیا۔ پھر یہ غلبہ ظاہری طور پر ہزیمت میں کیسے تبدیل ہو گیا؟ اس کا سبب بھی بیان کر دیا کہ مسلمانوں میں سے بعض لوگ جو مال غنیمت کو دیکھ کر نبی کریم ﷺ کے حکم کی نافرمانی کر بیٹھے ان کی وجہ سے انھیں شدید نقصان اٹھانا پڑا۔ دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ اس کا سبب یوں بیان کرتے ہیں: ﴿أَوْ لَمَّا أَصَابَتْكُمْ مُصِيبَةٌ قَدْ أَصَبْتُمْ مِثْلَيْهَا قُلْتُمْ أَئِذَا قُلُّ هَذَا قُلُّ هُوَ مِنْ عِنْدِ أَنْفُسِكُمْ﴾

”بھلا جب تم پر مصیبت آئی تو تم چلا اٹھے کہ ”یہ کہاں سے آگئی؟“ حالانکہ اس سے دو گنا صدمہ تم کافروں کو پہنچا چکے تھے۔ کہہ دیجئے کہ یہ مصیبت تمھاری اپنی ہی لائی ہوئی ہے۔“^(۲)

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں انفرادی طور پر بھی اور اجتماعی طور پر بھی گناہوں سے بچنے کی توفیق دے اور ان کے خطرناک و بھیانک نتائج سے محفوظ رکھے۔ آمین

دعا اور اس کے آداب

اہم عناصر خطبہ

1. دعا کی اہمیت 2. دعا کے آداب 3. قبولیت دعا کے اسباب

4. اوقات قبولیت 5. عدم قبولیت کے اسباب

پہلا خطبہ

محترم حضرات! ہم سب اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں اور وہ ہم میں سے کسی کا محتاج نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ وَاللَّهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ۝﴾

”اے لوگو! تم اللہ کے محتاج ہو اور اللہ ہی بے نیاز اور خوبیوں والا ہے۔“⁽¹⁾

اور اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس کے بندے بس اسی سے امیدیں وابستہ کریں اور اسی کے سامنے ہاتھ پھیلائیں۔ اپنی تمام تر ضرورتوں کا سوال اسی سے کریں اور اپنی ہر مشکل اور ہر پریشانی میں اسی کو پکاریں اور اسی سے مدد طلب کریں۔ اسی کے سامنے عاجزی و انکساری کا اظہار کریں، اپنے گناہوں پر اس سے معافی مانگیں، اس سے اس کی رحمت کی التجا کریں اور اس کے عذاب سے پناہ طلب کریں۔ بندوں کے اسی طرز عمل کو ’دعا‘ کہتے ہیں۔

آج کے خطبہ جمعہ میں ہم دعا کے حوالے سے گفتگو کریں گے۔ سب سے پہلے دعا کی اہمیت و ضرورت پر روشنی ڈالیں گے۔ پھر دعا کے آداب، اور اس کے بعد قبولیت دعا کے اسباب و اوقات پر بات کریں گے۔ بعد ازاں ان اسباب کا بھی تذکرہ کریں گے جن کی بناء پر دعا قبول نہیں کی جاتی۔

دعا کی اہمیت

1. دعا سب سے افضل عبادت ہے

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: «أَفْضَلُ الْعِبَادَةِ الدُّعَاءُ» ”سب سے افضل عبادت دعا ہے۔“⁽²⁾

[فاطر 35:15، ارواہ الحاکم و صححہ و وافقہ الذہبی]

دعا سب سے افضل عبادت کیوں ہے؟ اس لیے کہ اس میں بندہ اللہ رب العزت کے سامنے غایت درجے کی عاجزی و انکساری کا اظہار کرتے ہوئے اپنے آپ کو کم تر گردانتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا دل کی گہرائیوں سے اعتراف کرتے ہوئے اپنے آپ کو گویا بے بس قرار دیتا ہے۔ پھر اس کا دل اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے، اس کے دل میں صرف اسی سے امیدیں ہوتی ہیں، اسی کا خوف ہوتا ہے اور اسی پر بھروسہ ہوتا ہے۔ وہ اپنی زبان سے اس کی تسبیح و تقدیس اور حمد و ثناء بیان کرتا ہے۔ اور اپنے پورے جسم کو اس کے سامنے جھکاتے ہوئے گویا وہ اس بات کا اقرار کر رہا ہوتا ہے کہ اے اللہ! میں تیری توفیق کے بغیر کچھ بھی کرنے کی طاقت نہیں رکھتا اور جب تک تیری مدد نہیں ہوگی میں اپنی مشکلات سے نجات نہیں پاسکتا۔

گویا دعا میں دعا کرنے والے کا دل، اس کی زبان اور اس کا پورا جسم اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہوتا ہے اس لیے اسے سب سے افضل عبادت قرار دیا گیا ہے۔

بلکہ ایک حدیث شریف میں تو نبی کریم ﷺ نے دعا کو ہی عبادت قرار دیا ہے۔ فرمایا:

((الدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ)) ”دعا ہی عبادت ہے۔“ اس کے بعد آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت کی:

﴿وَقَالَ رَبُّكُمْ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دُخْرِينَ ۝﴾

”اور تمہارے رب کا حکم ہے کہ تم مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔ بے شک وہ لوگ جو میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں وہ ذلیل و خوار ہو کر عنقریب جہنم میں داخل ہوں گے۔“

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے دعا کرنے کا حکم دیتے ہوئے دعاؤں کو قبول کرنے کی خوشخبری سنائی ہے۔ پھر دعا کو عبادت قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ جو لوگ اپنے آپ کو بڑا سمجھتے ہوئے دعا سے اعراض کرتے ہیں وہ ذلت و خواری کے ساتھ جہنم رسید ہو جائیں گے۔

دعا ہی عبادت کیوں ہے؟ اس لیے کہ دعا ہر عبادت کا اہم رکن ہے۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ((الْحَجُّ عَرَفَةُ)) یعنی ”حج و قوف عرفہ ہے۔“ قوف عرفہ چونکہ حج کا سب سے اہم رکن ہے، اس لیے آپ ﷺ نے اسے ہی حج قرار دیا۔ اسی طرح چونکہ دعا بھی ہر عبادت کا سب سے اہم رکن ہے، اس لیے آپ ﷺ نے دعا کو ہی عبادت قرار دیا۔

اس کے علاوہ ہر عبادت کا مقصد اور اس کا لب لباب دعا ہی ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ نماز جیسی اہم عبادت

بخاری: 60:40، والحديث في سنن أبي داود: 1481، وجامع الترمذي: 2969، 3247، وسنن ابن ماجه: 3828 وصححه الألباني.

پوری کی پوری دعا ہے۔ اس کا آغاز بھی دعا کے ساتھ ہوتا ہے اور اختتام بھی دعا پر ہوتا ہے۔ اس میں دعائے ثناء بھی ہے اور دعائے طلب بھی ہے۔ تکبیر تحریمہ کے بعد دعائے افتتاح پڑھی جاتی ہے اور اُدھر سلام پھیرنے سے پہلے بھی دعا ہی ہوتی ہے، بلکہ خود سلام بھی ایک دعا ہے۔ پھر سورۃ فاتحہ بھی دعا ہے جسے ہر نماز کی ہر رکعت میں پڑھنا لازمی ہے۔ اسی طرح رکوع و سجود میں بھی دعا ہے۔ اس کے علاوہ دیگر عبادات میں بھی غور کریں تو ان میں بھی دعا ہی ہے۔ چاہے دعائے ثناء ہو یا دعائے طلب ہو۔ اس لیے نبی کریم ﷺ نے دعا کو ہی عبادت قرار دیا ہے۔

اور دعا کی اسی اہمیت کے پیش نظر ایک اور حدیث میں نبی کریم ﷺ نے اسے عبادت کا مغز قرار دیا:

((الدُّعَاءُ مَغْزُ الْعِبَادَةِ))¹

2. دعا کی اہمیت اور اس کی قدر و منزلت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کا آغاز بھی دعا کے ساتھ کیا ہے اور اس کا اختتام بھی دعا پر کیا ہے۔ آغاز میں سورۃ فاتحہ پوری کی پوری دعا ہے۔ اور اختتام میں آخری دو سورتیں بھی دعا پر مشتمل ہیں جن میں انسان ہر چیز کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرتا ہے۔

3. نبی کریم ﷺ نے دعا کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

((لَيْسَ شَيْءٌ أَكْرَمَ عَلَى اللَّهِ مِنَ الدُّعَاءِ)) ”اللہ تعالیٰ کے نزدیک دعا سے زیادہ معزز چیز کوئی نہیں۔“²

یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ معزز چیز دعا ہے۔

4. دعا اللہ تعالیٰ کو اس قدر عزیز ہے کہ اگر کوئی بندہ اس سے دعا کرنا چھوڑ دے تو وہ اس پر ناراض ہو جاتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ((مَنْ لَمْ يَسْأَلِ اللَّهَ يَغْضَبْ عَلَيْهِ)) ”جو اللہ تعالیٰ سے دعا نہیں مانگتا اس پر اللہ تعالیٰ ناراض ہو جاتا ہے۔“³

کتنا کریم ہے اللہ تعالیٰ! کہ خود اپنے سے مانگنے کا حکم دیتا ہے، پھر قبولیت کا وعدہ کرتا ہے۔ اور جو شخص اس سے مانگتا ہے تو اسے خالی ہاتھ لوٹانے سے شرماتا ہے اور جو نہیں مانگتا اس پر ناراض ہو جاتا ہے!

5. دعا ایک آسان اور سہل عبادت ہے جسے آپ ہر وقت، ہر جگہ اور ہر حال میں کر سکتے ہیں۔ آپ دن رات دعا کر سکتے ہیں۔ خشکی پر ہوں، پانی میں ہوں یا فضا میں ہوں۔ سفر میں ہوں یا حضر میں ہوں۔ خوشحال ہوں یا تنگ حال ہوں۔ صحت مند ہوں یا بیمار ہوں ہر حال میں دعا کر سکتے ہیں۔ سب کے سامنے بھی کر سکتے ہیں اور خفیہ طور پر بھی کر سکتے ہیں۔ گویا یہ پوری زندگی کا بہت بڑا وظیفہ ہے جس میں بندہ مومن اپنے خالق و مالک اور معبود حقیقی کے سامنے دست بدعا ہوتا ہے اور اس سے سرگوشیاں کرتا اور اپنی محتاجی کا اظہار کرتا ہے۔ اور اس کے سامنے آنسو بہا کر اپنے دل کو سکون

1. جامع الترمذی: 3371 و اسنادہ ضعیف کما قال الألبانی. 2. جامع الترمذی: 3370، ابن ماجہ: 3829، وحسنہ الألبانی. 3. جامع الترمذی: 3373، سنن ابن ماجہ: 3827، وحسنہ الألبانی.

پہنچاتا ہے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ((إِذَا سَأَلَ أَحَدُكُمْ فَلْيَكُفِّرْ فَإِنَّمَا يَسْأَلُ رَبَّهُ))

”تم میں سے کوئی شخص جب دعا کرے تو خوب مانگے کیونکہ وہ اپنے رب سے مانگ رہا ہوتا ہے۔“¹

(6) دعا کی وجہ سے اللہ تعالیٰ بہت ساری مصیبتوں سے بچا لیتا ہے۔

دعا اس قدر عظیم عمل ہے کہ اس کی وجہ سے اللہ رب العزت دعا کرنے والے شخص پر آنے والے مصائب کو ٹال

دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿قُلْ مَا يَعْبُؤُا بِكُمْ رَبِّي لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُونُ لِزَامًا ۝﴾

”کہہ دیجئے کہ اگر تمہاری دعا نہ ہو تو میرا رب تمہاری کوئی پروا نہ کرتا۔ تم تو جھٹلا چکے، اب عنقریب وہ

(عذاب) آئے گا جس سے بچنا محال ہوگا۔“²

یعنی تمہاری دعائیں ہیں کہ جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ تمہارا لحاظ کرتا ہے۔ ورنہ اگر یہ نہ ہوتیں تو اسے تمہاری کوئی پروا

نہ ہوتی اور تم ہلاک و برباد ہو جاتے۔ گویا دعاؤں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ہلاکت و بربادی سے بچا لیتا ہے۔

اور رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

((لَا يَزِدُّ الْقَضَاءُ إِلَّا الدُّعَاءَ ، وَلَا يَزِيدُ فِي الْعُذْرِ إِلَّا الْبُرْ))

”قضاء و قدر کو دعا ہی ٹال سکتی ہے۔ اور عمر میں صرف حسن سلوک ہی اضافہ کر سکتا ہے۔“³

محترم حضرات! ذرا غور کیجئے کہ

✽ کتنی مصیبتیں دعاؤں کے ساتھ ٹل گئیں!

✽ کتنی حاجات دعاؤں کے ساتھ پوری ہو گئیں!

✽ کتنی بیماریاں دعاؤں کے ساتھ ختم ہو گئیں!

✽ کتنے گناہ دعاؤں کے ساتھ معاف ہو گئے!

✽ کتنے لوگوں کی اصلاح دعاؤں کے ساتھ ہوئی!

✽ کتنے لوگ دعاؤں کے ساتھ جنتی بن گئے اور کتنے لوگ دعاؤں کے ساتھ جہنم سے نجات پا گئے!

اگر انسان کو ان تمام چیزوں کا اندازہ ہوتا تو وہ یقیناً دعا سے غافل نہ ہوتا۔

① رواہ ابن حبان وقال محققه الأرنؤوط: إسناده صحيح على شرط الشيخين. ② الفرقان 25:77. ③ جامع الترمذي:

1239. حسنه الألباني.

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: «إِنَّ الدُّعَاءَ يَنْفَعُ مِمَّا نَزَلَ وَمِمَّا لَمْ يَنْزَلْ ، فَعَلَيْكُمْ عِبَادَ اللَّهِ بِالدُّعَاءِ»^(۱) ”بے شک دعا ان آزمائشوں میں بھی نفع بخش ہوتی ہے جو آچکی ہوتی ہیں اور ان میں بھی جو نہیں آئی ہوتیں۔ لہذا اے اللہ کے بندو! تم دعا ضرور کیا کرو۔“^(۲)

جو آزمائشیں آچکی ہوتی ہیں ان میں دعا اس طرح نفع بخش ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر صبر کرنے اور انہیں برداشت کرنے کی توفیق دیتا ہے۔ اور جو آزمائشیں نہیں آئی ہوتیں ان میں دعا اس طرح فائدہ مند ثابت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں دعاؤں کی وجہ سے ٹال دیتا ہے۔

(۷) دعا کرنا انبیائے کرام ﷺ کا طریقہ تھا۔ اللہ تعالیٰ متعدد انبیاء ﷺ کا تذکرہ کرنے کے بعد فرماتا ہے:

﴿إِنَّهُمْ كَانُوا يُسْـَٔرِعُونَ فِي الْخَبَرِ وَيَدْعُونَنَا رَغَبًا وَرَهَبًا ۚ وَكَانُوا لَنَا خُشْعِينَ ۝﴾

”یہ سب بھلائی کے کاموں کی طرف لپکتے تھے اور ہمیں شوق اور خوف کے ساتھ پکارتے تھے۔ اور وہ ہمارے سامنے جھک جانے والے تھے۔“^(۳)

لہذا ہمیں بھی انبیائے کرام ﷺ کے اسی طرز عمل کو اختیار کرنا چاہیے۔ رحمت الہی کی امید رکھتے اور عذاب الہی کا خوف کھاتے ہوئے ہمیشہ اس کے سامنے دست بدعا رہنا چاہیے۔ اور اس سے کبھی بھی مستغنی نہیں ہونا چاہیے۔ اور نہ ہی انسان اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کبھی مستغنی ہو سکتا ہے۔

(۸) ہر مسلمان کو اس بات پر یقین ہونا چاہیے کہ کوئی بھی چیز اللہ تعالیٰ کی توفیق کے بغیر نہیں مل سکتی۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ ہر فرض نماز کے بعد دعا کرتے ہوئے فرماتے تھے: «اللَّهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ ، وَلَا مُعْطِيَ لِمَا سَنَعْتَ» ”اے اللہ جو تو دینا چاہے اسے کوئی روک نہیں سکتا اور جو تو روکنا چاہے اسے کوئی دے نہیں سکتا۔“ لہذا ہر چیز کا سوال اللہ تعالیٰ سے کرنا چاہیے۔

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: «سَلُوا اللَّهَ كُلَّ شَيْءٍ حَتَّى الشَّيْءِ ، فَإِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ إِنْ لَمْ يُسِّرْهُ لَمْ يَنْتَسِرْ» ”تم اللہ تعالیٰ سے ہر چیز کا سوال کیا کرو حتیٰ کہ تم سے کچھ بھی۔ کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ اسے آسان نہیں کرے گا تو اس کا حصول آسان نہیں ہوگا۔“^(۴)

(۹) دعا کرنے سے تین فوائد میں سے ایک فائدہ ضرور مانا ہے۔ یا تو اللہ تعالیٰ دعا کرنے والے کا سوال پورا کر دیتا ہے۔ یا اس کی دعا کو اس کے لیے ذخیرہ آخرت بنا دیتا ہے۔ یا آنے والی کسی مصیبت کو اس دعا کے سبب ٹال دیتا ہے۔ حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

(۱) جامع الترمذی۔ وقال الألبانی فی صحیح الترغیب: 1634، حسن لغیرہ۔ (۲) الحج 22: 90۔ (۳) أخرجه ابن السنی:

349 بسند حسن۔

((مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَدْعُو لَيْسَ بِإِثْمٍ وَلَا يَقْطِيعَةَ رَحِمٍ إِلَّا أُعْطَاهُ إِحْدَى ثَلَاثٍ : إِمَّا أَنْ يُعْجَلَ لَهُ دَعْوَتُهُ وَإِمَّا أَنْ يَدَّخِرَهَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ وَإِمَّا أَنْ يَدْفَعَ عَنْهُ مِنَ الشُّؤْمِ مِثْلَهَا)) قَالَ : إِذَا نَكَّرَ ؟ قَالَ : ((اللَّهُ أَكْثَرُ))

”کوئی مسلمان جب کوئی ایسی دعا کرتا ہے جس میں گناہ یا قطع رحمی نہیں ہوتی تو اللہ تعالیٰ اسے تین میں سے ایک چیز ضرور عطا کرتا ہے۔ یا اس کی دعا جلدی قبول کر لیتا ہے۔ یا اسے ذخیرہ آخرت بنا دیتا ہے۔ یا اس جیسی کوئی مصیبت اس سے دور کر دیتا ہے۔“ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے کہا: تب تو ہم زیادہ دعا کریں گے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ اور زیادہ عطا کرے گا۔“

دعا کے آداب

دعا کی اہمیت و ضرورت کو جاننے کے بعد اب ہم آداب دعا بیان کرتے ہیں۔

۱. اخلاص

دعا کے آداب میں سب سے اہم یہ ہے کہ دعا اخلاص کے ساتھ کی جائے۔ یعنی محض اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کا تقرب حاصل کرنے کے لیے دعا کرنی چاہیے۔ ریا کاری کرتے ہوئے یا دل میں تعریف سننے کی خواہش لیے ہوئے نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿قَادِعُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ﴾

”لہذا تم اللہ تعالیٰ کو دین اس کے لیے خالص کرتے ہوئے پکارو۔“ (۱)

اس ضمن میں یہ بات بھی مد نظر رہے کہ دعا صرف اللہ تعالیٰ سے ہی مانگنی چاہیے۔ اس کے علاوہ کسی اور کو پکارنا یا اس سے دعا مانگنا ناجائز ہے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

((إِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلِ اللَّهَ ، وَإِذَا اسْتَعَنْتْ فَاسْتَعِنْ بِاللَّهِ ، وَاعْلَمْ أَنَّ الْأُمَّةَ لَوِ اجْتَمَعَتْ عَلَى أَنْ يَنْفَعُوكَ بِشَيْءٍ ، لَمْ يَنْفَعُوكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللَّهُ لَكَ وَلَوْ اجْتَمَعُوا عَلَى أَنْ يَضُرُّوكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَضُرُّوكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللَّهُ عَلَيْكَ))

”جب تم سوال کرنا چاہو تو اللہ تعالیٰ سے ہی سوال کرنا اور جب تم مدد مانگنا چاہو تو صرف اللہ تعالیٰ سے ہی مدد مانگنا۔ اور اس بات پر یقین کر لینا کہ اگر پوری امت جمع ہو کر تمہیں نفع پہنچانا چاہے تو نہیں پہنچا سکتی سوائے اس

① صحیح الأدب المفرد للالبانی، ص: 264، 547. ② اغافر: 14:40.

خاص طور پر فوت شدہ شخصیات کو پکارنا یا ان سے دعا مانگنا تو شرک ہے۔

”اور اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کو مت پکارنا جو تجھے نہ نفع پہنچا سکے اور نہ نقصان پہنچا سکے۔ اگر آپ نے ایسا کیا تو آپ ظالموں میں سے ہو جائیں گے۔ اور اگر آپ کو اللہ تعالیٰ کوئی نقصان پہنچائے تو اس کے علاوہ اسے کوئی دور کرنے والا نہیں۔ اور اگر وہ آپ کو کوئی خیر پہنچانا چاہے تو اس کے فضل کو کوئی ہٹانے والا نہیں۔ وہ اپنا فضل اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے بچھا کر دے۔ اور وہ بڑا معاف کرنے والا اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔“^۲

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : ﴿وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ مَا يَمْلِكُونَ مِنْ قِطْمِيرٍ ۝ إِن تَدْعُوهُمْ لَا يَسْعَوْا دُعَاءَ كُمْ ۖ وَلَوْ سِيعُوا مَا اسْتَجَابُوا لَكُمْ ۖ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُونَ بَشْرِكُكُمْ ۚ وَلَا يَنْتَنُكَ مِثْلُ خَبِيرٍ ۝﴾^۳

”اور جنہیں تم اس (اللہ تعالیٰ) کے سوا پکارتے ہو وہ تو کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے بھی مالک نہیں۔ اگر تم انہیں پکارو تو وہ تمہاری پکار سنتے ہی نہیں۔ اور اگر (بالفرض) سن بھی لیں تو وہ تمہاری فریاد رسی نہیں کریں گے بلکہ قیامت کے روز تمہارے اس شرک کا صاف انکار کر جائیں گے۔“^۳

(2) استقبال قبلہ

دعا کرنے والے کو قبلہ رخ ہو کر دعا کرنی چاہیے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ بھی قبلہ رخ ہو کر دعا کیا کرتے تھے۔
حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بدر کے دن نبی کریم ﷺ نے مشرکین کی طرف دیکھا جو تعداد میں

① جامع الترمذي: 2516، وصحيح الجامع للألباني: 7957. ② يونس: 106، 107. ③ فاطر: 13، 14.

ایک ہزار تھے اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تین سو انیس افراد تھے تو آپ ﷺ نے اپنا رخ قبلہ کی طرف کر لیا، پھر اپنے ہاتھوں کو پھیلاتے ہوئے اپنے رب کو یوں دہائی دینے لگے:

«اللَّهُمَّ أَنْجِزْ لِي مَا وَعَدْتَنِي، اللَّهُمَّ إِن تَهْلِكْ هَذِهِ الْعِصَابَةَ مِنْ أَهْلِ الْإِسْلَامِ لَا تُعْبَذُ فِي الْأَرْضِ»

”اے اللہ! تو نے مجھ سے جو وعدہ فرمایا ہے اسے پورا کر دے، اے اللہ! تو نے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے مجھے اس سے سرفراز فرما، اے اللہ! اگر مسلمانوں کی یہ چھوٹی سی جماعت ہلاک ہوگئی تو روئے زمین پر تیری عبادت نہیں ہو سکے گی۔“

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ آپ ﷺ قبلہ رخ ہو کر اپنے ہاتھوں کو پھیلائے ہوئے مسلسل اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرتے رہے یہاں تک کہ آپ کی چادر آپ کے کندھوں سے ہٹ گئی۔ پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ آئے، انھوں نے آپ کی چادر کو پکڑا اور اسے آپ کے کندھوں پر ڈالتے ہوئے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ نے جو اللہ تعالیٰ سے دعا کی ہے وہ کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ ضرور اپنا وعدہ پورا کرے گا۔“^(۱)

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ مشکلات میں گھرے ہوئے انسان کو چاہیے کہ وہ قبلہ رخ ہو کر اپنے ہاتھوں کو پھیلائے ہوئے اللہ تعالیٰ کو مدد کے لیے پکارے اور اس سے دعا کرے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی مدد ضرور کرتا ہے، جیسا کہ اس نے رسول اکرم ﷺ کی اس دعا کے بعد مسلمانوں کی مدد کے لیے ہزاروں فرشتے نازل کر دیے۔

(۳) ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا

دعا کرنے والے شخص کو چاہیے کہ وہ اپنے دونوں ہاتھوں کو ملا کر انھیں اپنے چہرے کے سامنے اٹھاتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرے۔

حضرت سلمان الفارسی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«إِنَّ اللَّهَ حَيٌّ كَرِيمٌ يَسْتَحْيِي إِذَا رَفَعَ الرَّجُلُ إِلَيْهِ يَدَيْهِ أَنْ يَرَدَّهُمَا صَفْرًا خَائِبَتَيْنِ»

”بے شک اللہ تعالیٰ بہت حیا کرنے والا اور نہایت مہربان ہے۔ اور کوئی آدمی جب اس کی طرف ہاتھ بلند کرتا ہے تو اسے حیا آتی ہے کہ وہ انھیں خالی اور ناکام واپس لوٹا دے۔“^(۲)

تاہم اس بات کا خیال رہے کہ سیدھے ہاتھوں کے ساتھ دعا کی جائے نہ کہ الٹے ہاتھوں کے ساتھ۔

(۱) صحیح مسلم 1763، (۲) جامع الترمذی: 3556، سنن أبي داود: 1488، سنن ابن ماجه: 3865، وصححه الألباني.

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: «إِذَا سَأَلْتُمُ اللَّهَ فَاسْأَلُوهُ بِنُطُونٍ أَكْفَكُمُ، وَلَا تَسْأَلُوهُ بِظُهُورِهَا»^(۱) ”جب تم اللہ تعالیٰ سے سوال کرو تو سیدھے ہاتھوں کے ساتھ کرو۔ اور اٹے ہاتھوں کے ساتھ اس سے سوال نہ کرو۔“

(۴) اللہ کی حمد و ثناء اور رسول اکرم ﷺ پر درود پڑھنا

دعا کے شروع میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کرنی چاہیے۔ پھر نبی کریم ﷺ پر درود شریف پڑھنا چاہیے۔ اور اس کے بعد دعا کرنی چاہیے۔

حضرت فضالہ بن عبید اللہؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک آدمی داخل ہوا، اس نے نماز پڑھی، پھر کہنے لگا: «اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي وَارْحَمْنِي» ”اے اللہ مجھے معاف کر دے اور میرے اوپر رحم فرما“ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: «عَجِلْتُ أَيُّهَا الْمُصَلِّي، إِذَا صَلَّيْتَ فَقَعِدْتَ فَأَحْمَدِ اللَّهَ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ وَصَلِّ عَلَى، ثُمَّ ادْعُهُ»

”اے نمازی! تم نے جلدی کی ہے، جب تم نماز سے فارغ ہو کر بیٹھو تو اللہ کے شایان شان اس کی حمد بیان کرو اور مجھ پر درود پڑھو، پھر اس سے دعا کرو۔“

حضرت فضالہؓ کہتے ہیں کہ اس کے بعد ایک اور آدمی آیا، اس نے نماز پڑھی، پھر اس نے اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کی، پھر نبی کریم ﷺ پر درود پڑھا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: «أَيُّهَا الْمُصَلِّي! ادْعُ تُجَبَّ» ”اے نمازی! اب تم دعا کرو، تمھاری دعا قبول کی جائے گی۔“^(۲)

(۵) جامع قسم کی دعائیں کرنا

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ صرف جامع دعاؤں کو پسند کرتے تھے اور ان کے علاوہ باقی دعاؤں کو چھوڑ دیتے تھے۔^(۳)

سب سے جامع دعائیں وہ ہیں جو قرآن مجید میں ہیں۔ لہذا ان قرآنی دعاؤں کو پڑھنے کا اہتمام کرنا چاہیے۔ اس کے بعد سب سے زیادہ جامع دعائیں وہ ہیں جو نبی کریم ﷺ نے کیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خصوصی طور پر آپ ﷺ کو جامع کلمات کہنے کی صلاحیت عنایت کی تھی۔ اس لیے قرآنی دعاؤں کے بعد اگر سب سے زیادہ جامع دعائیں ہیں تو وہ رسول اکرم ﷺ کی مسنون دعائیں ہیں، جن میں بہت زیادہ جامعیت اور فصاحت و بلاغت ہے اور ان میں دنیا و آخرت کی ہر خیر و بھلائی کو جمع کیا گیا ہے۔

تاسنن داود: 1488، قال الألبانی: حسن صحیح. (۲) جامع الترمذی: 3476، وقال الألبانی: صحیح. (۳) سنن أبي داود: 1482، وقال الألبانی: صحیح.

انہی دعاؤں میں سے ایک دعا یہ بھی ہے:

((اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِیَةَ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ))

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا: کوئی دعا افضل ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ((سَلِ اللّٰهَ الْعَفْوَ وَالْعَافِیَةَ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ))

”تم اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کرو کہ وہ دنیا و آخرت میں درگزر فرمائے اور عافیت نصیب کرے۔“

وہ آدمی یہ جواب سن کر چلا گیا۔ اگلے دن پھر آیا اور وہی سوال دوبارہ کیا کہ کوئی دعا افضل ہے؟ تو رسول اکرم ﷺ نے پھر وہی جواب دیا اور فرمایا: ”اگر تمہیں دنیا و آخرت میں عافیت دے دی جائے تو تم کامیاب ہو گئے۔“¹

اس کے علاوہ اور بہت سی جامع دعائیں ہیں جو مسنون دعائوں کی کتب میں موجود ہیں۔

(6) عاجزی و انکساری کا اظہار کرتے ہوئے اور چپکے چپکے دعا کرنا

دعا کرنے والا شخص جب دعا کرے تو اللہ تعالیٰ کے سامنے نہایت عاجزی و انکساری کا اظہار کرتے ہوئے دعا کرے اور اس کے دل میں یہ جذبات ہوں کہ وہ خود کسی چیز پر قادر نہیں۔ اور سب کچھ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ وہ چپکے چپکے دعا کرے نہ یہ کہ اونچی اونچی آواز میں چیخ و پکار کرتے ہوئے دعا کرے جیسا کہ عموماً طواف اور صفا و مروہ کی سعی کے دوران نظر آتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ اَدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِلِیْنَ ۝ ﴾

”تم اپنے رب کو عاجزی کے ساتھ اور چپکے چپکے پکارو کیونکہ وہ اعتداء یعنی حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔“²

’اعتداء‘ ایک تو یہ ہے کہ دعا کرنے والا دوران دعا اپنی آواز میں حد سے تجاوز کرے اور اونچی اونچی آواز میں دعا کرے۔ اور ایسا کرنا ہرگز جائز نہیں۔ کیونکہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھے۔ جب ہم کسی وادی کے قریب پہنچتے تو اونچی اونچی آواز کے ساتھ لا اِلهَ اِلا اللّٰه اور اللّٰه اکبر کہنا شروع کر دیتے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((یَا اَیُّهَا النَّاسُ ! اِرْغَعُوا عَلٰی اَنْفُسِكُمْ فَاِنَّكُمْ لَا تَدْعُوْنَ اَصَمًّا وَلَا غَافِلًا ، اِنَّهٗ مَعَكُمْ ، اِنَّهٗ

سَمِیْعٌ قَرِیْبٌ ، تَبَارَكَ اسْمُهٗ وَتَعَالٰی جَدُّهٗ))

اے لوگو! تم اپنے اوپر ترس کھاؤ، کیونکہ تم کسی بہرے اور غائب کو نہیں پکار رہے ہو۔ وہ تو تمہارے ساتھ

ہے۔ وہ یقیناً بہت سننے والا اور نہایت قریب ہے۔ اس کا نام بابرکت اور اس کی بزرگی بہت بلند ہے۔“^(۱)

اور 'اعتداء' کی دوسری صورت یہ ہے کہ دعا کرنے والا دعا کے الفاظ میں حد سے تجاوز کرے۔

جیسا کہ عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کو یوں دعا کرتے ہوئے دیکھا: اے اللہ! میں جب جنت میں داخل ہو جاؤں تو مجھے اس کی دائیں طرف سفید محل نصیب کرنا۔ تو انھوں نے کہا: میرے بیٹے! اللہ تعالیٰ سے بس جنت کا سوال کرو اور جہنم سے پناہ طلب کرو۔ کیونکہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا کہ آپ نے فرمایا:

((سَنِيكُونَ فِي هَذِهِ الْأُمَّةِ قَوْمٌ يَّعْتَدُونَ فِي الطُّهُورِ وَالِدُعَاءِ))

”میری امت میں ایسے لوگ ہوں گے جو طہارت اور دعا میں حد سے تجاوز کریں گے۔“^(۲)

7. دعا میں دل و دماغ حاضر ہو اور قبولیت پر پختہ یقین ہو

دعا کرنے والے کو چاہیے کہ دوران دعا اس کا دل و دماغ حاضر ہو، غافل نہ ہو۔ اور اسے اللہ تعالیٰ پر یقین کامل ہو کہ وہ اس کی دعا کو ضرور قبول کرے گا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: (اَدْعُوا اللَّهَ وَأَنْتُمْ مُوقِنُونَ بِالْإِجَابَةِ ، وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَجِيبُ دُعَاءَ مَنْ قَلْبٍ غَافِلٍ لَهُ)

”تم اللہ تعالیٰ سے دعا اس طرح کیا کرو کہ تمہیں قبولیت پر پورا یقین ہو۔ اور یہ جان لو کہ اللہ تعالیٰ وہ دعا قبول نہیں کرتا جو غافل اور لا پرواہ دل سے نکلے۔“^(۳)

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

((إِذَا دَعَا أَحَدُكُمْ فَلَا يَنْتَن : اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ اِنْ شِئْتَ ، اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنِيْ اِنْ شِئْتَ ، لِيَعْزِمَ الْمَسْأَلَةَ فَإِنَّ اللَّهَ لَا مُكْرَهَ لَهُ))

”جب تم میں سے کوئی شخص دعا کرے تو یہ نہ کہے: اے اللہ اگر تو چاہے تو مجھے معاف کر دے، اگر تو چاہے تو مجھ پر رحم فرما۔ بلکہ وہ پورے عزم و یقین کے ساتھ سوال کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو کوئی مجبور کرنے والا نہیں۔“^(۴)

8. ہر دعا تین تین بار کرنا

دعا کرتے ہوئے ہر دعا تین تین بار کرنی چاہیے۔ کیونکہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی

(۱) صحیح البخاری: 2830، صحیح مسلم: 2704. (۲) مسند أحمد، و سنن أبي داود، و سنن ابن ماجه بإسناد حسن.

(۳) جامع الترمذی: 3479، قال الألبانی: حسن. (۴) صحیح البخاری: 5979، و صحیح مسلم: 2678.

کریم ﷺ کو یہ بات پسند تھی کہ آپ ہر دعا تین تین بار کریں اور تین مرتبہ استغفار کریں۔¹

(9) دعا بار بار کرتے رہنا اور مایوس نہ ہونا

مسلمان کو ہمیشہ دعا کرتے رہنا چاہیے اور کبھی بھی مایوس نہیں ہونا چاہیے۔
رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((لَا يَزَالُ يُسْتَجَابُ لِلْعَبْدِ مَا لَمْ يَدْعُ بِإِثْمٍ أَوْ قَسْلِيْعَةٍ رَّحِمَ مَا لَمْ يَسْتَعْجِلْ))

”بندہ اگر کسی گناہ یا قطع رحمی کی دعا نہ کرے تو اس کی دعا برابر قبول کی جاتی ہے جب تک کہ وہ جلد بازی کا

شکار نہ ہو۔“ آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ جلد بازی سے کیا مراد ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((يَنْسُو : قَدْ دَعَوْتُ وَقَدْ دَعَوْتُ ، فَلَمْ أَرْسَلْ لِي ، فَيَسْتَحْسِرُ عِنْدَ ذَلِكَ وَيَدْعُ

الدُّنْيَاءَ))

”وہ کہتا ہے: میں نے دعا کی اور بار بار کی لیکن میں نہیں سمجھتا کہ میری دعا قبول ہو رہی ہے۔ چنانچہ وہ مایوس

ہو کر سرے سے دعا کرنا ہی چھوڑ دیتا ہے۔“²

لہذا مایوس ہوئے بغیر دعا مسلسل جاری رکھنی چاہیے۔ ویسے بھی انسان کو اگر یہ پتہ ہو کہ دعا کے کتنے فوائد ہیں اور ان

میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ دعا کی بدولت دعا کرنے والے سے کسی مصیبت کو نال دیتا ہے، تو وہ کبھی مایوس نہ ہو اور بربر دعا کرتا رہے۔

(10) خوشحالی ہو یا تنگ حالی دونوں حالتوں میں دعا کو نہیں چھوڑنا چاہیے

بعض لوگوں پر جب مشکلات آتی ہیں تو وہ اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرنا شروع کر دیتے ہیں اور جب مشکلات ٹل جاتی

ہیں تو وہ دعائیں کرنا چھوڑ دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنَّةٍ أَوْ قَاعٍ أَوْ

قَابِئَةٍ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ صُورَهُ مَرَّ كَأَن لَّمْ يَدْعُنَا إِلَىٰ ضَرْبٍ مِّنْهُمْ﴾

”اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ہمیں پکارتا ہے لیٹے ہوئے بھی، بیٹھے ہوئے بھی اور کھڑے ہوئے

بھی۔ پھر جب ہم اس کی تکلیف کو اس سے دور کر دیتے ہیں تو وہ ایسے ہو جاتا ہے کہ گویا اس نے اس تکلیف

کے لیے جو اس کو آئی تھی کبھی ہمیں پکارا ہی نہ تھا۔“³

لہذا ہر حال میں اللہ تعالیٰ کو پکارتے رہنا اور اس سے دعا کرتے رہنا چاہیے۔ کبھی بھی اس سے استغناء درست نہیں

① مسند أحمد فی مسنده وابن حبان. وقال محققهما الأرنؤط: إسناده صحيح على شرط الشيخين. ② صحيح مسلم:

ہے اور نہ ہی استغناء ممکن ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے اس شخص کو سب سے زیادہ عاجز قرار دیا جو دعا سے عاجز آ جائے۔

ارشاد فرمایا: «أَعْجَزُ النَّاسِ مَنْ عَجَزَ عَنِ الدُّعَاءِ . وَأَبْخَلُهُمْ مَنْ بَخِلَ بِالسَّلَامِ»

”لوگوں میں سب سے زیادہ عاجز وہ ہے جو دعا سے تھک جائے۔ اور ان میں سب سے زیادہ بخیل وہ ہے جو سلام کہنے میں بخل کرے۔“⁽¹⁾

11) بددعا نہیں کرنی چاہیے، نہ اپنے اوپر، نہ اپنی اولاد پر اور نہ ہی اپنے مال پر۔ کیونکہ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

« لَا تَدْعُوا عَلَى أَنْفُسِكُمْ وَلَا تَدْعُوا عَلَى أَوْلَادِكُمْ وَلَا تَدْعُوا عَلَى أَمْوَالِكُمْ ، لَا تُوَافِقُوا

مِنَ اللَّهِ سَاعَةً يُسْأَلُ فِيهَا عَطَاءٌ فَيَسْتَجِيبُ لَكُمْ» وزاد أبو داود : (وَلَا تَدْعُوا عَلَى

خَدَمِكُمْ)

”تم اپنے اوپر بددعا نہ کرو، اپنی اولاد پر بددعا نہ کرو اور اپنے مالوں پر بددعا نہ کرو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ عین

اسی وقت اللہ کے ہاں قبولیت کی گھڑی ہو تو وہ تمہاری بددعا قبول کر لے۔“ ابو داؤد کی روایت میں یہ اضافہ

ہے کہ ”اپنے خادموں پر بھی بددعا نہ کرو۔“⁽²⁾

12) دنیا میں سزا پانے کی دعا نہ کریں

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ایک مسلمان کی عیادت کی جو نہایت کمزور اور لاغر ہو چکا

تھا۔ آپ ﷺ نے اس سے پوچھا: کیا تم نے اللہ تعالیٰ سے کوئی دعا کی تھی یا کسی چیز کا سوال کیا تھا؟ اس نے کہا: جی

ہاں، میں یہ دعا کرتا تھا کہ اے اللہ! تو نے جو سزا مجھے آخرت میں دینی ہے وہ اسی دنیا میں ہی دے دے۔ تو

آپ ﷺ نے فرمایا: ”عجیب بات ہے! تم تو اس کی طاقت ہی نہیں رکھتے۔ تم نے یہ دعا کیوں نہ کی:

﴿ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴾ اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے اس کے

لیے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے اسے شفا دے دی۔⁽³⁾

قبولیت دعا کے اسباب

قبولیت دعا کے کئی اسباب ہیں۔ ان میں سب سے اہم یہ ہے کہ دعا کرنے والا مذکورہ آداب کو ملحوظ خاطر رکھتے

ہوئے دعا کرے۔ اس کے علاوہ کچھ اور اسباب بھی ہیں جنہیں ہم اختصار کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

① رواہ ابن حبان والطبرانی، وصححه الألبانی فی صحیح الجامع: 1044. ② صحیح مسلم: 3009، وسنن أبي داود:

1534. ③ صحیح مسلم.

(1) دعائے یونس علیہ السلام: ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ﴾ ”تیرے سوا کوئی معبود برحق نہیں، تو پاک ہے۔ بے شک میں ہی ظلم کرنے والوں میں سے تھا۔“ پڑھ کر کوئی دوسری دعا کرنا قبولیت کے اسباب میں سے ایک سبب ہے کیونکہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّهُ لَمْ يَدْعُ بِهَا مُسْلِمٌ فِي شَيْءٍ قَطُّ إِلَّا اسْتَجَابَ اللَّهُ لَهُ بِهَا))

”جو مسلمان ان کلمات کے ساتھ کوئی بھی دعا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے یقیناً قبول کرتا ہے۔“⁽¹⁾

(2) فرائض کے علاوہ نوافل کی ادائیگی

مسلمان کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے تمام فرائض کو پابندی سے ادا کرے۔ اس کے علاوہ نفل عبادات بھی کثرت سے کرے۔ اس سے ایک فائدہ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اس کی دعاؤں کو شرف قبولیت سے نوازے گا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى قَالَ : مَنْ عَادَى لِي وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالْحَرْبِ ، وَمَا تَقَرَّبَ إِلَيَّ عَبْدِي بِشَيْءٍ أَحَبَّ إِلَيَّ مِمَّا افْتَرَضْتُهُ عَلَيْهِ ، وَمَا يَزَالُ عَبْدِي يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتَّى أُحِبَّهُ ، فَإِذَا أَحْبَبْتُهُ كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ ، وَبَصَرَهُ الَّذِي يُبْصِرُ بِهِ ، وَيَدَهُ الَّتِي يَبْطِشُ بِهَا ، وَرِجْلَهُ الَّتِي يَمْشِي بِهَا ، وَإِنْ سَأَلَنِي لَأُعْطِيَنَّهُ وَلَئِنْ اسْتَعَاذَنِي لَأُعِيذَنَّهُ))

”اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: جو شخص میرے دوست سے دشمنی کرتا ہے میں اس کے خلاف اعلان جنگ کرتا ہوں۔ اور میرا بندہ سب سے زیادہ میرا تقرب اس چیز کے ساتھ حاصل کر سکتا ہے جسے میں نے اس پر فرض کیا ہے۔ (یعنی فرائض کے ساتھ میرا تقرب حاصل کرنا ہی مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے۔) اور میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرا تقرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کر لیتا ہوں۔ پھر جب میں اس سے محبت کر لیتا ہوں تو میں اس کا کان ہو جاتا ہوں جس کے ذریعے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس کے ذریعے وہ دیکھتا ہے، اس کا ہاتھ ہو جاتا ہوں جس کے ذریعے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں ہو جاتا ہوں جس کے ذریعے وہ چلتا ہے۔ (یعنی ان تمام اعضاء کو اپنی اطاعت میں لگا دیتا ہوں۔) اور اگر وہ مجھ سے سوال کرے تو میں اسے ضرور بالضرور عطا کروں گا۔ اور اگر وہ میری پناہ طلب کرے تو میں یقیناً اسے پناہ دوں گا۔“⁽²⁾

(3) قبولیت کے فاضل اوقات میں دعا کا اہتمام کرنا

ویسے تو اللہ تعالیٰ ہر وقت دعا سنتا اور قبول کرتا ہے۔ جیسا کہ اس کا فرمان ہے: ﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي

(1) صححه الحاكم في المستدرک ج 1، ص: 505 ووافقه الذهبي. (2) صحيح البخاری: 6502.

قَرِيبٌ اُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَاَنِ فَلَيْسَتْ جِيبُوَانِي وَلِيُوْمُوَانِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ﴿

”اور جب میرے بندے آپ سے میرے متعلق پوچھیں تو میں (ان کے) قریب ہی ہوں۔ کوئی دعا کرنے والا جب بھی مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں۔“⁽¹⁾

تاہم کچھ اوقات ایسے ہیں جن میں خصوصی طور پر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی دعاؤں کو قبول کرتا ہے۔ مثلاً:

[1] سجدے میں۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

((أَقْرَبُ مَا يَكُونُ الْعَبْدُ مِنْ رَبِّهِ وَهُوَ سَاجِدٌ فَأَكْثِرُوا الدُّعَاءَ))

”بندہ اپنے رب کے سب سے زیادہ قریب اس وقت ہوتا ہے جب وہ سجدے میں ہو۔ لہذا تم کثرت سے دعا کیا کرو۔“⁽²⁾

دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا: ((فَأَمَّا الرُّكُوعُ فَعَظِّمُوا فِيهِ الرَّبَّ عَزَّ وَجَلَّ ، وَأَمَّا السُّجُودُ فَاجْتَمِعُوا فِي الدُّعَاءِ فَقَمِينٌ أَنْ يُسْتَجَابَ لَكُمْ))

”رکوع میں تم رب عز وجل کی عظمت بیان کرو۔ اور سجدے کے دوران زیادہ سے زیادہ دعا کیا کرو کیونکہ عین ممکن ہے کہ دعا کو قبول کر لیا جائے۔“⁽³⁾

[2] اذان اور اقامت کے درمیان۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

((لَا يُرَدُّ الدُّعَاءُ بَيْنَ الْأَذَانِ وَالْإِقَامَةِ))

”اذان اور اقامت کے درمیان دعا کو رد نہیں کیا جاتا۔“⁽⁴⁾

[3] رات کے آخری پہر میں

رات کا آخری پہر دعاؤں کی قبولیت کا بہترین وقت ہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پر تشریف لا کر کہتا ہے:

((مَنْ يَدْعُونِي فَاَسْتَجِيبْ لَهُ ؟ مَنْ يَسْأَلُنِي فَأَعْطِيهِ ؟ مَنْ يَسْتَغْفِرُنِي فَأَغْفِرْ لَهُ))

”کون ہے جو مجھ سے دعا مانگے تو میں اس کی دعا کو قبول کروں؟ اور کون ہے جو مجھ سے سوال کرے تو میں اس کا سوال پورا کروں؟ اور کون ہے جو مجھ سے معافی مانگے تو میں اسے معاف کر دوں؟“⁽⁵⁾

[4] فرض نمازوں کے اختتام پر

مسلمان کو چاہیے کہ وہ فرض نمازوں کے اختتام پر (آخری تشہد میں سلام پھیرنے سے پہلے) وہ مسنون دعائیں

① البقرة: 2: 186. ② صحيح مسلم: 482. ③ صحيح مسلم: 479. ④ سنن أبي داود: 521، وقال الألبانی: صحيح.

⑤ صحيح مسلم: 758.

پڑھے جو رسول اکرم ﷺ پڑھا کرتے تھے۔ اسی طرح اگر ان نمازوں کے بعد مسنون اذکار پڑھے جائیں اور بعد ازاں انفرادی طور پر دعا کی جائے تو اس کی قبولیت کے بھی امکانات ہوتے ہیں۔

رسول اکرم ﷺ سے پوچھا گیا کہ کونسی دعا زیادہ قبول ہوتی ہے؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((جَوْفَ اللَّيْلِ الْآخِرِ وَذُبْرَ الصَّلَوَاتِ الْمَكْتُوبَةِ))

”رات کے آخری حصے میں اور فرض نمازوں کے اختتام پر۔“^(۱)

(۵) افطاری سے کچھ پہلے

افطاری کا وقت دعا کی قبولیت کے اوقات میں سے ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد کرامی ہے: ((إِنَّ لِلصَّائِمِ عِنْدَ فِطْرِهِ لَدَعْوَةَ مَا تُرَدُّ))

”بے شک روزہ دار کی افطاری کے وقت ایک دعا ایسی ہوتی ہے جسے رد نہیں کیا جاتا۔“^(۲)

(۶) جمعہ کے دن مقبولیت کی گھڑی میں دعا کرنا

جمعہ کے روز ایک ایسی مبارک گھڑی آتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ دعا کرنے والے آدمی کی دعا کو قبول فرماتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یوم جمعہ کا ذکر کیا اور پھر ارشاد فرمایا:

((فِيهِ سَاعَةٌ لَا يَوَافِقُهَا عَبْدٌ مُسْلِمٌ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّيُ يَسْأَلُ اللَّهَ تَعَالَى شَيْئًا إِلَّا أَعْطَاهُ إِيَّاهُ))

وَأَشَارَ بِيَدِهِ يُقَلِّلُهَا))

”اس میں ایک گھڑی ایسی آتی ہے کہ اس میں ایک مسلمان بندہ نماز پڑھ رہا ہو اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگ رہا ہو تو

وہ اللہ تعالیٰ سے جس چیز کا سوال کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے وہ چیز عطا کر دیتا ہے۔“ اور آپ ﷺ نے اس گھڑی کا تذکرہ

کرتے ہوئے ہاتھ کے اشارے سے اسے بہت ہی مختصر گھڑی بتایا۔^(۳)

وہ مبارک گھڑی کونسی ہے؟ اس سلسلے میں دو قسم کی روایات ذکر کی گئی ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ

نے اس مبارک گھڑی کے بارے میں ارشاد فرمایا:

((هِيَ مَا بَيْنَ أَنْ يَجْلِسَ الْإِمَامُ إِلَى أَنْ تُقْضَى الصَّلَاةُ))

”وہ (مبارک گھڑی) امام کے منبر پر بیٹھنے سے نماز ختم ہونے کے درمیان ہوتی ہے۔“^(۴)

اور دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((يَوْمُ الْجُمُعَةِ ثِنْتَا عَشْرَةَ - يُرِيدُ سَاعَةً - لَا

(۱) جامع الترمذی: 3499، وقال الألبانی: حسن. (۲) سنن ابن ماجہ: 1753، قال فی الزوائد: إسناده صحيح.

(۳) صحيح البخاري: 935، صحيح مسلم: 852. (۴) صحيح مسلم: 853.

يُوجَدُ مُسْلِمٌ يَسْأَلُ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ شَيْئًا إِلَّا آتَاهُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ ، فَالْتَمِسُوهَا آخِرَ سَاعَةٍ بَعْدَ الْعَصْرِ»
 ”جمعہ کے روز بارہ گھڑیاں ہوتی ہیں۔ (اور ان میں ایک گھڑی ایسی ہوتی ہے کہ) اس میں کوئی مسلمان اللہ تعالیٰ سے جس چیز کا بھی سوال کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے عطا کر دیتا ہے۔ لہذا تم اسے عصر کے بعد آخری گھڑی میں تلاش کرو۔“^(۱)

(۷) بارش اور اذان کے وقت

بارش کے دوران اور اسی طرح اذان کے وقت بھی دعا قبول ہوتی ہے۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: ((ثَلَتَانِ مَا تُرَدَّانِ : الدُّعَاءُ عِنْدَ الدِّدَاءِ وَتَحْتَ الْمَطَرِ))
 ”دو دعائیں رد نہیں کی جاتیں۔ اذان کے وقت اور بارش کے دوران۔“^(۲)

(۴) اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنی اور اس کی صفاتِ علیا کا واسطہ دے کر اس سے دعا کرنا

دعا کرنے والے کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنی کا واسطہ دے کر اس سے دعا مانگے۔ مثلاً یوں کہے: اے اللہ تو غفور ہے مجھے معاف کر دے، اے اللہ! تو رحیم ہے میرے حال پر رحم فرما۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَاللَّهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ فَادْعُوهُ بِهَاۖ وَذَرُوا الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي أَسْمَائِهِۦ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾

”اور اچھے اچھے نام اللہ کے لیے ہی ہیں۔ لہذا تم انھی ناموں کے ذریعے اس کو پکارا کرو۔ اور ایسے لوگوں سے تعلق بھی نہ رکھو جو اس کے اسمائے گرامی میں کج روی کرتے ہیں، ان لوگوں کو ان کے کیے کی سزا ضرور ملے گی۔“^(۳)

نبی کریم ﷺ نے ایک آدمی کو تشہد میں یوں دعا کرتے ہوئے دیکھا:

((اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ بِاللّٰهِ الْوَاحِدِ الْاَحَدِ الصَّمَدِ الَّذِیْ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُولَدْ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ کُفُوًا اَحَدًا اَنْ تَغْفِرَ لِیْ ذُنُوْبِیْ اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ))

تو آپ ﷺ نے فرمایا: ((قَدْ غُفِرَ لَهٗ ، قَدْ غُفِرَ لَهٗ ، قَدْ غُفِرَ لَهٗ))

”اس کی مغفرت کر دی گئی، اس کی مغفرت کر دی گئی، اس کی مغفرت کر دی گئی۔“^(۴)

اسی طرح رسول اکرم ﷺ نے ایک اور آدمی کو تشہد میں یہ دعا کرتے ہوئے دیکھا:

① سنن أبي داود: 1048، وصححه الألبانی. ② صحيح الجامع الصغير للألبانی: 3078. ③ الأعراف 3: 180. ④ مسند أحمد: 18995، وقال محققه الأرنؤاط: إسناده صحيح وهو في أبي داود برقم: 987، وصححه الألبانی.

« اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ بِاَنَّ لَكَ الْحَمْدَ . لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ وَحْدَكَ لَا شَرِيكَ لَكَ . يَا بَدِيعَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ، يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ . يَا حَىُّ يَا قَیُّوْمُ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ الْجَنَّةَ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنَ النَّارِ»

تو رسول اکرم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا: کیا تمہیں معلوم ہے کہ اس نے کس چیز کا واسطہ دے کر دعا کی ہے؟ انھوں نے جواب دیا: اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ علم ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

« وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بَیْدهِ لَقَدْ دَعَا اللّٰهَ بِاسْمِهِ الْاَعْظَمِ اِذَا دُعِیَ بِهِ اَجَابَ وَاِذَا سُئِلَ بِهِ اَعْطٰی »
 ”اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اس نے اللہ کے اُس اسم اعظم کے ساتھ دعا کی ہے کہ جب اس کے ساتھ دعا کی جائے تو وہ قبول کر لیتا ہے۔ اور جب اس کے ساتھ سوال کیا جائے تو وہ اسے دے دیتا ہے۔“^①

ان دونوں احادیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنی کے ساتھ اس سے دعا مانگی جائے تو اللہ تعالیٰ دعا کرنے والے شخص کی دعا کو قبول کرتا ہے۔

اسی طرح نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: « اَلِطُّوْا بِیْذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ »
 ”یا ذا الجلال والاکرام کے ساتھ گڑ گڑا کر کثرت سے دعا کیا کرو۔“^②

⑤ عمل صالح کا وسیلہ بنانا

انسان جب محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کوئی نیک عمل سرانجام دے اور اس کے بعد اسی عمل کو وسیلہ بناتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرے تو اس کی دعا قبول کی جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوا الْوَسِیْلَةَ وَاِیَّیْهِ سَبِیْلُهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴾

”اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ اور اس کے حضور (باریابی کے لیے) وسیلہ تلاش کرو۔ اور اس کے راستے میں جہاد کرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔“^③

اس آیت کریمہ میں وسیلہ سے مراد اعمال صالحہ کا وسیلہ ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ رَبَّنَا اِنَّا سَبَعْنَا مُنَادِیًا یُّنَادِیْ لِلْاِیْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّکُمْ فَاٰمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَکْفِرْ عَنَّا سِیِّئَاتِنَا وَتَوَقَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ﴾^④

① مسند أحمد: 13595، وقال محققه الأرنؤط: حدیث صحیح. ② مسند أحمد: 17632، وقال محققه الأرنؤط: حدیث صحیح. ③ المائدة: 35. ④ آل عمران: 193.

اس آیت کریمہ میں ایمان کو وسیلہ بنا کر دعا کرنے کی تعلیم دی گئی ہے۔

اور جہاں تک اعمال صالحہ کو وسیلہ بنا کر دعا کرنے کا تعلق ہے تو اس کی سب سے بہتر دلیل اصحاب الغار کا وہ واقعہ ہے جس میں رسول اکرم ﷺ نے بیان فرمایا کہ ایک غار میں جو تین لوگ پھنس گئے تھے ان میں سے ہر ایک نے اپنے اس عمل کو وسیلہ بنا کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی جو اس نے خالصتاً اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کیا تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعائیں قبول کر لیں اور انھیں اس مشکل سے نجات دے دی جس میں وہ پھنسے ہوئے تھے۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”تین آدمی پیدل جا رہے تھے کہ اچانک بارش شروع ہو گئی جس کی وجہ سے انھیں پہاڑ کی ایک غار میں پناہ لینا پڑی۔ جب وہ غار کے اندر چلے گئے تو پہاڑ سے ایک پتھر غار کے منہ پر آ کر گرا جس سے اس کا منہ بند ہو گیا۔ اب وہ آپس میں کہنے لگے: دیکھو! وہ نیک اعمال جو تم نے خالصتاً اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کیے ہوں، آج انھی اعمال کو اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کر کے دعا کرو، شاید وہ ہمیں اس مشکل سے نجات دے دے۔“

چنانچہ ان میں سے ایک شخص نے دعا کرتے ہوئے کہا:

اے اللہ! میرے والدین بوڑھے تھے اور میرے چھوٹے چھوٹے بچے بھی تھے۔ میں بکریاں چراتا اور ان کے لیے دودھ لے آتا۔ اور شام کو جب میں گھر واپس لوٹتا تو سب سے پہلے اپنے والدین کو دودھ پیش کرتا، پھر اپنے بچوں کو دیتا۔ ایک دن میں چراہگاہ دور ہونے کی وجہ سے گھر تاخیر سے پہنچا۔ تو میں نے دیکھا کہ میرے والدین سو چکے ہیں۔ میں نے دودھ لیا اور ان کے سر کے قریب کھڑا ہو کر ان کے جاگنے کا انتظار کرنے لگا۔ اور میں اس بات کو ناپسند کرتا تھا کہ میں خود انھیں جگاؤں اور یہ بھی نہیں چاہتا تھا کہ میں بچوں کو ان سے پہلے دودھ پلاؤں حالانکہ بچے بھوک کی وجہ سے میرے پیروں کے قریب بلبلاتے رہے تھے۔ لہذا میں اسی طرح ان کے جاگنے کا انتظار کرتا رہا، وہ سوئے رہے اور میرے بچے بلبلاتے رہے حتیٰ کہ فجر ہو گئی۔ (اے اللہ!) تجھے معلوم ہے کہ میں نے وہ عمل صرف تیری رضا کے لیے کیا تھا۔ لہذا تو اس پتھر کو کم از کم اتنا ہٹا دے کہ ہم آسمان کو دیکھ سکیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا قبول کی اور اس پتھر کو اتنا ہٹا دیا کہ وہ آسمان کو دیکھ سکتے تھے۔ باقی دونوں آدمیوں میں سے ایک نے اپنے مزدور سے حسن سلوک کی نیکی پیش کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو وہ پتھر تھوڑا سا اور کھسک گیا لیکن اب بھی وہ باہر نہ نکل سکتے تھے۔ اب تیسرے آدمی نے دعا کی تو اس نے اپنی ایک چچا زاد سے محبت کا ذکر کیا جس میں نوبت یہاں تک جا پہنچی تھی کہ وہ اس سے بدکاری کرنے کے عین قریب پہنچ گیا۔ لڑکی نے اسے اللہ تعالیٰ کا خوف دلایا تو اس نے بدکاری کا ارادہ ترک کر دیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اُس پتھر کو غار کے منہ سے مکمل طور پر ہٹا دیا۔“^①

① صحیح البخاری، الأدب باب إجابة دعاء من بر والدیه: 5974، صحیح مسلم: 2743.

محترم حضرات! ذرا اس واقعہ میں غور کریں کہ غار میں پھنسے ہوئے ان لوگوں نے کسی بزرگ یا ولی اللہ یا نبی کو نہیں پکارا اور نہ ہی ان کا وسیلہ بنا کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی! بلکہ پکارا تو صرف اللہ تعالیٰ کو پکارا۔ اور وسیلہ بنایا تو اپنے اعمال صالحہ کا وسیلہ بنایا۔ لہذا ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ مشکلات میں اکیلے اللہ تعالیٰ کو ہی پکارے۔ اور وسیلہ بنائے تو اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنی یا اس کی صفات کاملہ کا وسیلہ بنائے۔ یا پھر اپنے اعمال صالحہ کا وسیلہ بنائے جیسا کہ ان اصحاب غار والوں نے اپنے اعمال کا وسیلہ بنایا۔ اس وسیلہ کے علاوہ اور کوئی وسیلہ مشروع نہیں ہے۔ نہ کسی نبی کی ذات کا وسیلہ بنانا جائز ہے اور نہ ہی اللہ کے ہاں اس کے مقام و مرتبہ کا وسیلہ بنانا درست ہے۔ اسی طرح فوت شدہ بزرگان دین یا اولیاء اللہ کا وسیلہ بنانا بھی جائز نہیں ہے۔ ہاں اگر کوئی نیک آدمی زندہ ہو تو اس کے پاس جا کر اس سے دعا کرائی جاسکتی ہے۔ جیسا کہ رسول اکرم ﷺ کی حیات مبارکہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ سے دعا کی اپیل کرتے تھے تو آپ ان کے لیے دعا کر دیا کرتے تھے۔ تاہم آپ ﷺ کی وفات کے بعد وہ انھیں وسیلہ نہیں بناتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب قحط سالی ہوتی تھی تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے ذریعے بارش طلب کرتے تھے اور کہا کرتے تھے:

((اَللّٰهُمَّ اِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا فَتَسْقِيْنَا ، وَنَا نَتَوَسَّلُ اِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا فَاسْقِنَا))

”اے اللہ! ہم اپنے نبی کو تیری طرف وسیلہ بنایا کرتے تھے تو تو ہمیں بارش نصیب کرتا تھا۔ اور اب ہم اپنے نبی کے چچا کے ذریعے تجھ سے بارش طلب کرتے ہیں لہذا تو ہمیں بارش نصیب کر۔“^(۱)

چنانچہ اللہ تعالیٰ بارش نازل کر دیتا تھا۔

دعا کسی فوت شدہ شخصیت کا واسطہ ڈھونڈے بغیر براہِ راست اللہ سے کرنی چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ۖ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ ۚ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ﴾

”اور جب میرے بندے آپ سے میرے متعلق پوچھیں تو میں (ان کے) قریب ہی ہوں۔ کوئی دعا کرنے والا جب بھی مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں۔“^(۲)

جو قریب ہے، پکار کو سن سکتا ہے، سن کر قبول بھی کرتا ہے اور جو مدد کرنے پر بھی قادر ہے صرف اسی کو پکارنا چاہیے اور براہِ راست اس سے دعا کرنی چاہیے۔

(۶) مسلمانوں کے لیے غائبانہ دعا کرنا

مسلمانوں کے لیے غائبانہ دعائیں قبول ہوتی ہیں اور انسان جو دعائے خیر دوسروں کے لیے کرتا ہے وہی دعا خود

اس کے حق میں بھی قبول کی جاتی ہے۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

« دَعْوَةُ الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ لِأَخِيهِ بِظَهْرِ الْغَيْبِ مُسْتَجَابَةٌ ، عِنْدَ رَأْسِهِ مَلَكٌ مُوَكَّلٌ ، كُلَّمَا دَعَا لِأَخِيهِ بِخَيْرٍ قَالَ الْمَلَكُ الْمُوَكَّلُ : آمِينَ وَلَكَ بِمِثْلٍ »

”مسلمان کی اپنے بھائی کے لیے غائبانہ دعا قبول کی جاتی ہے۔ اس کے سر کے پاس ایک فرشتہ متعین ہوتا ہے، وہ جب بھی اپنے بھائی کے لیے دعائے خیر کرتا ہے تو متعین فرشتہ کہتا ہے (آمین) اور تمہیں بھی یہی خیر نصیب ہو۔“^(۱)

جن لوگوں کی دعائیں خاص طور پر قبول کی جاتی ہیں

سامعین کرام! آخر میں ان لوگوں کا تذکرہ سن لیجئے جن کی دعائیں اللہ تعالیٰ خاص طور پر قبول کرتا ہے۔

(۱) رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

« ثَلَاثُ دَعَوَاتٍ لَا تُرَدُّ . دَعْوَةُ الْوَالِدِ لِوَلَدِهِ . وَدَعْوَةُ الصَّائِمِ ، وَدَعْوَةُ الْمُسَافِرِ »

”تین دعائیں رد نہیں کی جاتیں۔ اپنی اولاد کے لیے والد کی دعا، روزہ دار کی دعا اور مسافر کی دعا۔“^(۲)

(۲) ایک روایت میں فرمایا:

« ثَلَاثُ دَعَوَاتٍ مُسْتَجَابَاتٌ : دَعْوَةُ الصَّائِمِ ، وَدَعْوَةُ الْمَظْلُومِ ، وَدَعْوَةُ الْمُسَافِرِ »

”تین دعائیں قبول کی جاتی ہیں: روزہ دار کی دعا، مظلوم کی دعا اور مسافر کی دعا۔“^(۳)

مظلوم کی پکار کے بارے میں رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

« إِنِّي دَعْوَةَ الْمَظْلُومِ فَإِنَّهُ لَيْسَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ اللَّهِ حِجَابٌ »

”مظلوم کی (بد) دعا سے بچنا کیونکہ اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہوتا۔“^(۴)

اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

« ثَلَاثَةٌ لَا تُرَدُّ دَعْوَتُهُمْ : الصَّائِمُ حَتَّى يُفْطِرَ ، وَالْإِمَامُ الْعَادِلُ ، وَدَعْوَةُ الْمَظْلُومِ »

”تین افراد کی دعائیں رد نہیں کی جاتیں: روزہ دار جب تک افطاری نہ کرے۔ عادل حکمران۔ مظلوم

کی پکار۔“^(۵)

(۱) صحیح مسلم: 2733. (۲) صحیح الجامع الصغیر للألبانی: 3032. (۳) صحیح الجامع الصغیر للألبانی: 3030.

(۴) صحیح البخاری: 2448. (۵) جامع الترمذی وصححه الألبانی.

(3) اسی طرح اس شخص کی دعا بھی قبول کی جاتی ہے جو رات کو وضو کر کے اپنے بستر پر جائے اور ذکر کرتے کرتے سو جائے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: « مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَبِيتُ عَلَى ذِكْرِ اللَّهِ طَاهِرًا ، فَيَتَعَارَظُ مِنَ اللَّيْلِ ، فَيَسْأَلُ اللَّهَ خَيْرًا مِنَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ إِلَّا أَعْطَاهُ إِيَّاهُ »

”جو مسلمان با وضو حالت میں اللہ کا ذکر کرتے ہوئے سو جائے، پھر رات کو اس کی آنکھ کھلے اور وہ دنیا و آخرت کی خیر و بھلائی کا اللہ تعالیٰ سے سوال کرے تو اللہ تعالیٰ اسے وہ دے دیتا ہے۔“

(4) حجاج بیت اللہ اور عمرہ کی سعادت حاصل کرنے والے حضرات کی دعائیں بھی قبول کی جاتی ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

« الْغَازِيُّ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالْحَاجُّ وَالْمُعْتَمِرُ وَقَدْ لَهِبَ اللَّهُ دَعَاهُمْ فَأَجَابُوهُ، وَسَأَلُوهُ فَأَعْطَاهُمْ »

”اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والا حج کرنے والا اور عمرہ کرنے والا یہ سب اللہ کے مہمان ہوتے ہیں۔ اللہ نے انہیں بلایا تو یہ اس کی دعوت قبول کر کے چلے آئے۔ اس لیے اب یہ جو کچھ اللہ سے مانگیں گے وہ انہیں عطا کرے گا۔“

(5) کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے والے مسلمان کی دعا بھی قبول کی جاتی ہے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: « ثَلَاثَةٌ لَا يُرَدُّ دُعَاؤُهُمْ : الدَّاكِرُ اللَّهَ كَثِيرًا ، وَدَعْوَةُ الْمَظْلُومِ ، وَالْإِمَامُ الْمُقْسِدُ »

”تین افراد کی دعائیں رد نہیں کی جاتیں: کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والا۔ مظلوم کی پکار اور عادل حکمران۔“

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہماری دعاؤں کو شرف قبولیت سے نوازے۔ اور ہمارے گناہوں پر ہم سے درگزر فرمائے۔ اور ہم سب کو جنت الفردوس میں داخل کرے۔ اور عذاب جہنم سے اپنی پناہ میں رکھے۔

دوسرا خطبہ

محترم حضرات! پہلے خطبہ میں آپ نے دعا کی اہمیت و ضرورت، دعا کے آداب اور قبولیت دعا کے اسباب وغیرہ پر قرآن و حدیث کی روشنی میں ہماری گذارشات سماعت کیں۔ آئیے اب اسی موضوع کو مکمل کرتے ہوئے یہ بھی جان لیجئے کہ وہ کونسے اسباب ہیں جن کی بناء پر دعائیں قبول نہیں کی جاتیں۔

① سنن أبي داود، وصححه الألباني، ② جامع ابن ماجه، ابن حبان- صحيح الترغيب والترهيب: 1108، ③ سنن ابن ماجه وصححه الألباني.

جن کی دعائیں قبول نہیں کی جاتیں۔ عدم قبولیت کے اسباب

کچھ ایسے بد نصیب بھی ہیں جن کی دعائیں اللہ تعالیٰ کے ہاں قابل قبول نہیں ہوتیں۔ اور ان کی دعاؤں کی عدم قبولیت کے کچھ اسباب ہیں۔

① حرام کمائی۔ وہ لوگ جو حرام کھاتے ہیں اور ان کی پرورش مالِ حرام کے ساتھ ہوتی ہے ان کی دعائیں قبول نہیں کی جاتیں۔

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((يَا أَيُّهَا النَّاسُ، إِنَّ اللَّهَ طَيِّبٌ وَلَا يَقْبَلُ إِلَّا طَيِّبًا))

”اے لوگو! اللہ تعالیٰ پاک ہے اور صرف پاک چیز کو قبول کرتا ہے۔“

پھر آپ نے ایک ایسے شخص کا ذکر فرمایا جو لمبا سفر کر کے پراگندہ اور غبار آلود حالت میں آسمان کی طرف ہاتھوں کو بلند کر کے دعا کرتا ہے: اے میرے رب، اے میرے رب! حالانکہ اس کا کھانا، اس کا پینا اور اس کا لباس حرام کمائی سے ہوتا ہے اور اس کے جسم کی پرورش حرام رزق سے ہوئی ہوتی ہے تو ایسے شخص کی دعا کیسے قبول ہو سکتی ہے! ①

اس حدیث میں ذرا غور فرمائیں کہ اس شخص نے قبولیت دعا کے کئی اسباب اختیار کیے۔ سفر، پراگندہ اور غبار آلود حالت اور اللہ کے سامنے ہاتھوں کا اٹھانا وغیرہ..... لیکن اس کے باوجود اس کی دعا اللہ کے ہاں قابل قبول نہیں! کیوں؟ اس لیے کہ اس کا کھانا پینا اور لباس وغیرہ حرام کمائی سے ہوتا ہے۔

② کسی گناہ یا قطع رحمی کی دعا کرنا

حضرت عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَا عَلَى الْأَرْضِ مُسْلِمٍ يَدْعُو اللَّهَ تَعَالَى بِدَعْوَةٍ إِلَّا آتَاهُ اللَّهُ إِيَّاهَا ، أَوْ صَرَفَ عَنْهُ مِنَ السُّوءِ مِثْلَهَا . مَا لَمْ يَدْعُ بِإِثْمٍ أَوْ قَطِيعَةٍ رَحِمٍ)) فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ : إِذَا نُكِّثُ؟ قَالَ ((اللَّهُ أَكْثَرُ))

”خطہ زمین پر پایا جانے والا کوئی مسلمان جب اللہ تعالیٰ سے کوئی دعا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اس کی طلب کی ہوئی چیز دے دیتا ہے یا اس جیسی کوئی مصیبت اس سے ٹال دیتا ہے بشرطیکہ وہ گناہ یا قطع رحمی کی دعا نہ کرے۔“ یہ سن کر لوگوں میں سے ایک شخص کہنے لگا: تب تو ہم اور زیادہ دعا کریں گے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ اور زیادہ عطا کرے گا۔“ ②

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص گناہ یا قطع رحمی کی دعا کرے تو وہ دعا قبول نہیں ہوتی۔

① صحیح مسلم: 1014، ② جامع الترمذی: 3573، وصححه الألبانی.

(3) دعا میں نبی کریم ﷺ پر درود شریف نہ پڑھنا

حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

((كُلُّ دُعَاءٍ مُحْجُوبٌ حَتَّى يُصَلِّيَ عَلَى مُحَمَّدٍ ﷺ))

”ہر دعا کو روک لیا جاتا ہے یہاں تک کہ دعا کرنے والا حضرت محمد ﷺ پر درود شریف پڑھے۔“⁽¹⁾

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ((إِنَّ الدُّعَاءَ مَوْقُوفٌ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ، لَا يَصْعَدُ مِنْهُ شَيْءٌ حَتَّى

تُصَلِّيَ عَلَى نَبِيِّكَ ﷺ))

”بے شک دعا کو آسمان اور زمین کے درمیان روک دیا جاتا ہے اور اس میں سے کچھ بھی اوپر نہیں جاتا یہاں

تک کہ آپ اپنے نبی ﷺ پر درود پڑھیں۔“⁽²⁾

(4) امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو ترک کرنا

دین اسلام کا ایک اہم فریضہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر ہے۔ یعنی نیکی کی تلقین کرنا اور برائی سے منع کرنا۔ اگر کسی قوم میں یہ فریضہ مکمل طور پر ترک کر دیا جائے تو اس قوم کے لوگوں کی دعائیں قابل قبول نہیں ہوتیں۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: ((مُرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنْهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ قَبْلَ أَنْ تَدْعُوا فَلَا يُسْتَجَابَ لَكُمْ))

”تم نیکی کا حکم دیتے رہو اور برائی سے منع کرتے رہو اس سے پہلے کہ تم دعا کرو اور پھر دعائیں قبول نہ کی جائیں۔“⁽³⁾

ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا:

((وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَتَأْمُرَنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ أَوْ لَيُوشِكَنَّ اللَّهُ أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عِقَابًا مِنْهُ ثُمَّ تَدْعُونَهُ فَلَا يُسْتَجَابُ لَكُمْ))

”اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم ضرور بالضرور نیکی کا حکم دیتے رہنا اور ہر حال میں برائی سے منع کرتے رہنا ورنہ عنقریب اللہ تعالیٰ تم پر اپنا عذاب بھیجے گا۔ اس کے بعد تم اللہ تعالیٰ سے دعا کرو گے تو تمہاری دعائیں قبول نہیں کی جائیں گی۔“⁽⁴⁾

آخر میں ابراہیم بن ادہم کی ایک نصیحت آموز بات:

(1) رواہ الطبرانی فی الأوسط عن علی موقوفاً۔ وقال الألبانی فی صحیح الترغیب: 1675 صحیح لغيره. (2) جامع الترمذی: 486. وقال الألبانی: حسن. (3) سنن ابن ماجہ: 4004. وحسنه الألبانی. (4) جامع الترمذی: 2169.

ان سے پوچھا گیا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا، لیکن ہم دعا کرتے ہیں تو قبول نہیں ہوتی، کیا وجہ ہے؟

انہوں نے جواب دیا: اس کی وجہ یہ ہے کہ تمہارے دل دس چیزوں کے سبب مردہ ہو چکے ہیں:

- ① تم نے اللہ تعالیٰ کو پہچانا لیکن اس کا حق ادا نہ کیا۔
 - ② تم اللہ کا رزق کھاتے ہو لیکن اس کا شکریہ ادا نہیں کرتے۔
 - ③ تم قرآن کو پڑھتے ہو لیکن اس پر عمل نہیں کرتے۔
 - ④ تم شیطان کو اپنا دشمن سمجھنے کا دعویٰ تو کرتے ہو لیکن تم نے اس کو اپنا دوست بنا رکھا ہے۔
 - ⑤ تم رسول اکرم ﷺ کے ساتھ محبت کا دعویٰ کرتے ہو لیکن تم نے ان کی سنتوں کو چھوڑ دیا ہے۔
 - ⑥ تم جنت سے محبت کا دعویٰ تو کرتے ہو لیکن اس کے حصول کے لیے عمل نہیں کرتے ہو۔
 - ⑦ تم جہنم سے خوف کھانے کا دعویٰ کرتے ہو لیکن گناہوں سے اجتناب نہیں کرتے۔
 - ⑧ تم دوسروں کے عیب ڈھونڈتے ہو لیکن اپنے عیبوں پر نظر نہیں ڈالتے۔
 - ⑨ تم یہ مانتے ہو کہ موت برحق ہے لیکن اس کے لیے تیاری نہیں کرتے۔
 - ⑩ تم اپنے مردوں کو دفن کرتے ہو لیکن خود عبرت حاصل نہیں کرتے..... تو بتلاؤ تمہاری دعائیں کیسے قبول ہوں گی؟؟؟
- اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ ہمارے حال پر رحم فرمائے، ہمارا خاتمہ ایمان پر فرمائے اور ہمیں عذاب قبر اور عذاب جہنم سے محفوظ رکھے۔ اور ہمیں قبولیت دعا کے اسباب اختیار کرنے اور اخلاص کے ساتھ دعا کرنے کی توفیق بخشے اور پھر اسے قبول فرمائے۔

مسجد کے آداب

اہم عناصر خطبہ

- (1) مسجد کی اہمیت اور قدر و منزلت
- (2) مسجد تعمیر کرنے کے فضائل
- (3) مسجد کو آباد کرنے کے فضائل
- (4) مسجد میں باجماعت نماز ادا کرنے کی اہمیت
- (5) مسجد میں باجماعت نماز ادا کرنے کے فضائل
- (6) مسجد میں تعلیم قرآن کا اہتمام کرنا
- (7) مسجد میں درس قرآن و حدیث کا اہتمام کرنا
- (8) مسجد کے آداب

پہلا خطبہ

حضرات محترم! اسلام میں مسجد کی بڑی اہمیت ہے۔

✽ 'مسجد' اللہ تعالیٰ کا وہ گھر ہے جس میں مسلمان دن اور رات میں کم از کم پانچ مرتبہ جمع ہوتے اور اسلام کا سب سے

اہم فریضہ ادا کر کے اپنے دلوں کو سکون اور آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچاتے ہیں۔

✽ 'مسجد' وہ مقام ہے جہاں اللہ کے بندے اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہوتے اور اس کے سامنے عاجزی و انکساری کا

اظہار کرتے ہیں۔

✽ 'مسجد' وہ عبادت گاہ ہے جہاں مومنین تقرب الہی کے حصول کے لیے مختلف عبادات سرانجام دیتے ہیں۔

✽ 'مسجد' وہ جگہ ہے جہاں مختلف طبقات سے تعلق رکھنے والے اور متفاوت درجات و مراتب رکھنے والے لوگ ایک

ہی صف میں کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کے سامنے بندگی کا اظہار کرتے ہیں۔ ایک ہی قبلہ کی طرف رخ کر کے سب

ایک ہی اللہ کو پکارتے، اس سے راز و نیاز کی باتیں کرتے اور اس سے دعا کرتے ہیں۔
 ﴿مَسْجِدٌ وَهُوَ عَظِيمٌ جَلَّ جَلَالُهُ﴾ جہاں اللہ کے گناہگار بندے اپنے گناہوں پر آنسو بہاتے، توبہ و استغفار کرتے اور اللہ تعالیٰ سے سرگوشی کرتے ہوئے معافی مانگتے اور اسے راضی کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

آج کے خطبہ جمعہ میں ہم مساجد میں حاضر ہونے کے آداب بیان کریں گے، ان شاء اللہ تعالیٰ۔ لیکن آئیے سب سے پہلے یہ جان لیں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ’مساجد‘ کی کتنی اہمیت اور شریعت اسلامیہ میں ان کی قدر و منزلت کتنی بلند ہے!

’مساجد‘ کی نسبت اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف کی ہے جو ان کی عظیم قدر و منزلت کی دلیل ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللَّهِ مَنِ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَلَمْ يَحْشَسْ إِلَّا اللَّهَ فَعَسَىٰ أُولَٰئِكَ أَنْ يَكُونُوا مِنَ الْمُهْتَدِينَ﴾

”اللہ کی مساجد کو آباد کرنا تو اس کا کام ہے جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لایا، نماز پابندی سے پڑھتا

رہا اور زکوٰۃ ادا کرتا رہا اور اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرا۔ امید ہے کہ ایسے ہی لوگ ہدایت یافتہ ہوں گے۔“^(۱)

اس آیت کریمہ میں تین باتیں قابل توجہ ہیں:

پہلی یہ کہ اللہ تعالیٰ نے مساجد کی نسبت اپنی طرف کی ہے: ﴿مَسَاجِدَ اللَّهِ﴾ ”اللہ کی مسجدیں“ یقیناً یہ ان مساجد کا شرف اور ان کی فضیلت ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی طرف منسوب کر رہا ہے۔

دوسری یہ کہ اللہ تعالیٰ نے مساجد کی تعمیر اور تعمیر کے بعد ان کی آباد کاری کا کام ان لوگوں کی طرف منسوب کیا ہے جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لائے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ مساجد تعمیر کرنا اور انہیں آباد رکھنا ایمان کی نشانی ہے۔ اسی لیے رسول اکرم ﷺ نے بھی ارشاد فرمایا تھا کہ

((إِذَا رَأَيْتُمُ الرَّجُلَ يَعْتَادُ الْمَسَاجِدَ فَاشْهَدُوا لَهُ بِالْإِيمَانِ ، قَالَ اللَّهُ تَعَالَى : إِنَّمَا يَعْمُرُ

مَسَاجِدَ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ -----))

”اگر تم کسی آدمی کو مسجد میں آتا جاتا دیکھو تو اس کے ایمان کی گواہی دے دو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ

مساجد کو آباد کرنے کا کام وہی کر سکتا ہے جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لائے۔“^(۲)

تیسری یہ کہ جو شخص ایمان باللہ اور ایمان بالیوم الآخر کے تقاضوں کو پورا کرتا ہو، مساجد کو آباد رکھتا ہو یعنی پانچوں نمازیں پابندی کے ساتھ مساجد میں باجماعت ادا کرتا ہو، اس کے ساتھ ساتھ زکوٰۃ بھی ادا کرتا ہو اور اس کے دل میں

سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی اور کا ڈر اور خوف نہ ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہدایت یافتہ ہے۔

ان تینوں باتوں میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مساجد کی تعمیر و آباد کاری کی فضیلت ذکر کی ہے۔ جبکہ ایک اور آیت میں اللہ تعالیٰ نے مساجد کو ویران و بے آباد کرنے والے شخص کو سب سے بڑا ظالم قرار دیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسْجِدَ اللَّهِ أَنْ يُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ وَسَعَىٰ فِي خَرَابِهِ ۚ أُولَٰئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ أَنْ يَدْخُلُوهَا إِلَّا خَالِفِينَ ۚ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾^(۱) ”اور اس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہو سکتا ہے جو اللہ کی مسجدوں میں اس کا نام ذکر کرنے سے روکے اور اسے بے آباد کرنے کے درپے ہو۔ انھیں تو یہ چاہیے تھا کہ مسجدوں میں اللہ سے ڈرتے ڈرتے داخل ہوتے۔ ایسے ہی لوگوں کے لیے دنیا میں رسوائی اور آخرت میں بہت بڑا عذاب ہے۔“^(۲)

اس آیت میں بھی اللہ رب العزت نے مساجد کی نسبت اپنی طرف کی ہے اور یہ عظیم نسبت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اسلام میں مساجد کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ اور اُس شخص کو سب سے بڑا ظالم قرار دیا ہے جو اللہ کی مسجدوں میں اُس کا ذکر کرنے سے منع کرتا اور انھیں ویران کرنے کی کوشش کرتا ہو۔ اس کے علاوہ ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں رسوائی اور آخرت میں عذاب عظیم کی وعید بھی سنائی ہے۔ لہذا ایسی کسی بھی کوشش سے مسلمان کو بچنا چاہیے اور جیسے بھی ممکن ہو مساجد کی تعمیر و ترقی اور ان کی آباد کاری میں ہر مسلمان کو حصہ ڈالنا چاہیے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿فِي بُيُوتِ الَّذِينَ أُذِنَ لَهُمْ أَنْ تَرْفَعُوا فِيهَا اسْمُهُ يُسَبِّحُ لَهُ فِيهَا بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ ۚ رِجَالٌ لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ ۚ يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ ۚ لِيَجْزِيَ اللَّهُ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا وَيَزِيدَهُمْ مِنْ فَضْلِهِ ۚ وَاللَّهُ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾

”ان گھروں میں جن کے متعلق اللہ نے حکم دیا ہے کہ انھیں بلند کیا جائے اور ان میں اس کا نام ذکر کیا جائے، ان میں وہ لوگ صبح و شام اللہ کی تسبیح کرتے ہیں جنہیں اللہ کے ذکر، اقامتِ صلاۃ اور ادائے زکاۃ سے نہ تجارت غافل کرتی ہے اور نہ خرید و فروخت۔ وہ اس دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس میں دل اور آنکھیں الٹ جائیں گی۔ تاکہ وہ جو عمل کرتے ہیں اللہ انھیں اس کا بہترین بدلہ دے اور اپنے فضل سے اور زیادہ بھی دے۔ اور اللہ جسے چاہتا ہے بغیر حساب کے رزق عطا کرتا ہے۔“^(۳)

ان آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا ہے کہ اس نے اپنے گھروں (مساجد) کو بلند کرنے یعنی تعمیر کرنے کا

حکم دیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ان میں اللہ کا ذکر کرنے یعنی ان میں نمازیں ادا کرنے، قرآن کی تلاوت کرنے، دعا کرنے، حلقائے علم اور حلقائے حفظ قرآن قائم کرنے کا حکم بھی دیا ہے تاکہ یہ آباد رہیں اور ان کی رونق میں اضافہ ہوتا رہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی تعریف کی ہے جو تجارت اور کاروبار کی وجہ سے اللہ کے ذکر، اقامتِ صلاۃ اور ادائے زکاۃ سے غافل نہیں رہتے بلکہ صبح و شام اللہ کی مسجد میں حاضر ہو کر اس کی تسبیح کرتے اور دیگر اذکار وغیرہ پڑھتے رہتے ہیں۔ اور ایسے ہی لوگوں سے اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کا بہترین بدلہ اور اپنے فضل و کرم سے مزید بھی عطا کرنے کا وعدہ کیا ہے کیونکہ وہ جس کو چاہیے بلا حساب رزق عطا کرنے پر قادر ہے، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَإِنَّ الْمَسْجِدَ لِلَّهِ فَإِذَا دُعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا﴾

”اور مسجد اللہ تعالیٰ کے لیے ہی ہیں۔ لہذا تم اللہ کے ساتھ کسی اور کو مت پکارو۔“^(۱)

محترم حضرات! اب تک ہم نے جتنی آیات ذکر کی ہیں ان سب میں اللہ تعالیٰ نے مسجد کی تعمیر و آباد کاری کے فضائل سے آگاہ فرمایا ہے۔ لہذا تمام مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ ان کی قدر و منزلت کو پہچانیں، انھیں آباد رکھیں اور ان میں عبادت کر کے ان کی رونق میں اور اضافہ کریں۔

اور رسول اکرم ﷺ نے مسجد کی اہمیت اور قدر و منزلت کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

((أَحَبُّ الْبِلَادِ إِلَى اللَّهِ مَسَاجِدُهَا ، وَأَبْغَضُ الْبِلَادِ إِلَى اللَّهِ أَسْوَاقُهَا))

”شہروں میں اللہ تعالیٰ کو سب سے محبوب ان میں پائی جانے والی مسجد ہیں۔ اور شہروں میں اللہ تعالیٰ کو سب

سے زیادہ ناپسندیدہ ان میں پائے جانے والے بازار ہیں۔“^(۲)

چونکہ مسجد اللہ تعالیٰ کے گھر ہیں اور یہ اسے کسی بھی ملک یا شہر یا بستی میں سب سے زیادہ محبوب ہیں اس لیے ان مسجد کا رخ کرنے اور ان میں حاضر ہونے والے ہر مسلمان کو اس بات پر یقین ہونا چاہیے کہ وہ ان مسجد سے تہہ دامن نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی رحمتوں سے اپنا دامن بھر کر ہی، اپس لوٹے گا۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: ((مَنْ تَوَضَّأَ وَجَاءَ إِلَى الْمَسْجِدِ فَهُوَ زَائِرُ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ وَحَقُّ عَلَى

الْمَرْءِ أَنْ يُكْرِمَ الزَّائِرَ))

”جو شخص وضو کرے اور مسجد کی طرف آئے تو وہ اللہ عزوجل کا مہمان ہے۔ اور میزبان (اللہ تعالیٰ) پر یہ حق ہے

کہ وہ مہمان کا اکرام کرے۔“^(۳)

(۱) الجن: 18، 72۔ (۲) صحیح مسلم: 671، (۳) السلسلة الصحيحة للالكباني: 1169۔

مسجد تعمیر کرنے کے فضائل

مسجد کی جو اہمیت اور قدر و منزلت ہم نے ابھی ذکر کی ہے اسی کے پیش نظر مسلمانوں کو مساجد کی تعمیر کا خاص طور پر اہتمام کرنا چاہیے۔ خاص طور پر ان کو جنہیں اللہ تعالیٰ نے، فرمقدار میں مال عطا کیا ہے کیونکہ ضروریات زندگی سے فاضل مال کا بہترین مصرف مسجد تعمیر کرنا ہے۔

اللہ کے رسول حضرت محمد ﷺ نے مسجد بنانے کی فضیلت ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

«مَنْ بَنَى مَسْجِدًا لِلَّهِ كَمْفَحَصٍ قَطَاةٍ أَوْ أَصَابَ بَنَى اللَّهُ لَهُ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ»

”جو شخص اللہ کے لیے مسجد بنائے (خواہ وہ) پرندے کے گھونسلے کی مانند یا اس سے بھی چھوٹی ہو تو اللہ اس کے لیے جنت میں گھر بنا دیتا ہے۔“¹

یاد رہے کہ مسجد بنانا ایسا عظیم عمل ہے کہ اس کا اجر و ثواب بنانے والے کی موت کے بعد بھی جاری رہتا ہے۔ اسی لیے رسول اکرم ﷺ نے اسے موت کے بعد فائدہ پہنچانے والے اعمال میں شمار کیا ہے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«إِنْ مِمَّا يَلْحَقُ الْمُؤْمِنَ مِنْ عَمَلِهِ وَحَسَنَاتِهِ دَفْعُ مَوْتِهِ : عَمَّا عَذَمَهُ وَنَشْرُهُ، وَوَلَدُ صَالِحًا تَرْكُهُ، وَمُصْحَفًا وَرَّثَهُ، أَوْ مَسْجِدًا بَنَاهُ، أَوْ بَيْتًا لِابْنِ السَّبِيلِ أَمَّاهُ، أَوْ تَهْرًا أَحْرَاهُ، أَوْ صَدَقَةً أَخْرَجَهَا مِنْ مَالِهِ فِي صِحَّتِهِ وَخَيْرًا، يَأْتِيهَا مِنْ بَعْدِ مَوْتِهِ»

”مومن کے جن اعمال اور جن نیکیوں کا ثواب اس کی موت کے بعد بھی اس کو ملتا رہتا ہے وہ ہیں: نعم جو اس نے سکھلایا یا اس کی نشر و اشاعت کی، نیک اولاد جو اس نے اپنے پیچھے چھوڑی، وہ مصحف جو اس نے اپنے ورثے میں چھوڑا، یا وہ مسجد جو اس نے بنوائی، یا وہ گھر جو اس نے کسی مسافر کے لیے بنوایا، یا وہ نہر جو اس نے جاری کی، یا وہ صدقہ جو اس نے اپنی تندرستی اور زندگی میں اپنے مال سے نکالا۔ ان سب چیزوں کا ثواب اسے اس کی موت کے بعد بھی ملتا رہتا ہے۔“²

مساجد کو آباد کرنے کے فضائل

اسلام میں صرف یہ نہیں ہے کہ مساجد کو تعمیر کرنے کے بعد انہیں ایسے ہی ویران و بے آباد چھوڑ دیا جائے۔ بلکہ اسلام اس بات کی ترغیب دلاتا ہے کہ انہیں آباد کیا جائے، ان کی رونق میں اضافہ کیا جائے، ان سے دل لگایا جائے،

1. سنن ابن ماجہ: 738، وصححه الالبانی. (2) سنن ابن ماجہ: 142، وحسنه الالبانی.

ان میں پانچوں نمازیں قائم کی جائیں اور انہیں قرآن و حدیث کی دعوت کا مرکز بنایا جائے۔ آئیے اب مسجد کو آباد کرنے کے فضائل سے اپنے دلوں کو منور کریں۔

آن حدیث نبوی میں رسول اکرم ﷺ نے مسجد سے دل لگا۔ نہ اور اسے آباد رکھنے والے شخص کو قیامت کے روز عرش باری تعالیٰ کے سائے میں جگہ پانے کی عظیم خوشخبری دی ہے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ

«سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمْ اللَّهُ فِي ظِلِّهِ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ : الْأِمَامُ الْعَادِلُ ، وَشَابٌّ نَشَأَ بِعِبَادَةِ اللَّهِ ، وَرَجُلٌ قَلْبُهُ مُعَلَّقٌ فِي الْمَسَاجِدِ ، وَرَجُلَانِ تَحَالَفَا فِي اللَّهِ ، اجْتَمَعَا عَلَيْهِ وَتَفَرَّقَا عَلَيْهِ ، وَرَجُلٌ دَعَاهُ امْرَأَتُهُ ذَاتَ مَنْصَبٍ وَجَمَالَ فَقَالَ : إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ ، وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَأَخْفَاهَا حَتَّى لَا تَعْلَمَ شِمَالُهُ مَا تُنْفِقُ يَمِينُهُ ، وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللَّهَ خَالِيًا فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ»

”سات افراد ایسے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ اپنے (عرش کے) سائے میں جگہ دے گا اور اس دن اس کے (عرش کے) سائے کے علاوہ کوئی اور سایہ نہ ہوگا: عادل حکمران۔ وہ دو جوان جس کی نشوونما اللہ کی عبادت کے ساتھ ہوئی۔ وہ آدمی جس کا دل مسجد سے لٹکا ہوا ہو۔ وہ دو آدمی جنہوں نے آپس میں ایک دوسرے سے اللہ کی رضا کے لیے محبت کی، اسی پر اکٹھے ہوئے اور اسی پر جدا جدا ہوئے۔ وہ آدمی جس کو ایک عہدے پر فائز خوبصورت عورت نے دعوت (زنا) دی تو اس نے کہا: میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں۔ وہ آدمی جس نے اس طرح خفیہ طور پر صدقہ کیا کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی پتہ نہ چل سکا کہ اس کے دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا ہے۔ اور وہ آدمی جس نے علیحدگی میں اللہ تعالیٰ کو یاد کیا تو اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔“^(۱)

(۲) قیامت کے روز مکمل نور نصیب ہوگا

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«يُسَبِّحُ الْمُسْلِمِينَ فِي الدَّلَامِ إِلَى الْمَسَاجِدِ بِالنُّورِ النَّارِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»

”اندھیروں میں مساجد کی طرف چل کر جانے والوں کو بشارت دے دیجئے کہ انہیں قیامت کے روز مکمل نور نصیب ہوگا۔“^(۲)

(۳) جنت میں اللہ جل شانہ کی مہمان نوازی

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

(۱) صحیح البخاری: 660، صحیح مسلم: 1031، تفسیر ابن کثیر: 165، جامع الترمذی: 223 و صحیحہ الالبانی.

((مَن غَدَا إِلَى الْمَسْجِدِ أَوْ رَاحَ ، أَعَدَّ اللَّهُ لَهُ فِي الْجَنَّةِ نَزْلًا ، كُلَّمَا غَدَا أَوْ رَاحَ))

”جو شخص صبح کے وقت یا شام کے وقت مسجد میں جائے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں مہمان نوازی تیار کرتا ہے، وہ جب بھی جائے، صبح کو یا شام کو۔“¹

④ مسجد کی طرف جاتے ہوئے قدم قدم پر گناہ معاف ہوتے اور درجات بلند ہوتے ہیں

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَن تَطَهَّرَ فِي بَيْتِهِ ثُمَّ مَشَى إِلَى بَيْتِ مَنْ يُؤْتِ اللَّهُ ، لِيَنْتَضِيَ فَرِيضَةً مِّنْ فَرَائِصِ اللَّهِ ، كَانَتْ خُطُوتَاهُ إِحْدَاهُمَا تَحُطُّ خَطِيئَةً وَالْأُخْرَى تَرْفَعُ دَرَجَةً))

”جو شخص اپنے گھر میں وضو کرے، پھر اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر کی طرف روانہ ہو جائے اور اس کا مقصد صرف اللہ کے فرائض میں سے ایک فریضہ کو ادا کرنا ہو تو اس کے دو قدموں میں سے ایک قدم ایک گناہ کو مٹاتا ہے اور دوسرا ایک درجہ بلند کرتا ہے۔“²

مسجد میں باجماعت نماز ادا کرنے کی اہمیت

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ﴾

”نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دیتے رہو۔ اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کیا کرو۔“³

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے رکوع کرنے والوں یعنی نماز پڑھنے والوں کے ساتھ باجماعت نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ مساجد میں جا کر باجماعت ادا کرنا واجب ہے۔ اور اسی لیے رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا: ((مَن سَمِعَ النِّدَاءَ فَلَمْ يَأْتِهِ فَلَا صَلَاةَ لَهُ إِلَّا مِنْ عُذْرٍ))

”جو شخص اذان سنے، پھر وہ اذان (کی جگہ یعنی مسجد میں) نہ آئے تو اس کی نماز ہی نہیں۔ ہاں اگر عذر ہو تو کوئی حرج نہیں۔“⁴

اور جب ایک صحابی (ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ) رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے جو کہ نابینا اور عمر رسیدہ تھے، جن کا گھر دور تھا، گھر اور مسجد کے درمیان بہت درخت تھے اور سانپ اور درندے وغیرہ بھی تھے۔ اور انھوں نے یہ اعذار بیان کرتے ہوئے کہا کہ: اے اللہ کے رسول! میں نابینا ہوں اور مجھے مسجد میں لانے والا کوئی نہیں ہے تو مجھے گھر میں نماز پڑھنے کی اجازت دیجئے۔ تو آپ ﷺ نے اجازت دے دی۔ پھر جب وہ جانے لگا تو آپ نے پوچھا:

① صحیح البخاری: 662، صحیح مسلم: 669، صحیح مسلم: 666، البقرة: 43:2، جامع الترمذی: 217، سنن ابن ماجہ: 793، وصححه الألبانی.

((هَلْ تَسْمَعُ الْبَدَاءَ ؟)) وفي رواية : ((هَلْ تَسْمَعُ حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ ، حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ)) ”کیا تم اذان کی آواز سنتے ہو؟“ ایک روایت میں ہے کہ کیا تم ”حی علی الصلاة، حی علی الفلاح“ کی آواز سنتے ہو؟ اس نے کہا: جی ہاں سنتا ہوں۔

تو آپ ﷺ نے فرمایا: ((لَا أَحَدُ لَكَ رُخْصَةٌ)) وفي رواية : ((فَأَجِبْ))

”میرے پاس تمہارے لیے کوئی رخصت نہیں ہے۔“ ایک روایت میں ہے کہ ”اگر تم اذان سنتے ہو تو اس کو قبول کرتے ہوئے مسجد میں آکر نماز پڑھا کرو۔“

محترم حضرات! اس حدیث میں ذرا غور کریں کہ ایک نابینا صحابی جس کے پاس ایک نہیں کئی عذر تھے، جب رسول اکرم ﷺ نے اسے گھر میں نماز پڑھنے کی رخصت نہیں دی تو آج کسی شخص کے لیے یہ رخصت کیسے ہو سکتی ہے کہ وہ جہاں چاہے اکیلا نماز پڑھ لے اور باجماعت نماز پڑھنے کے لیے مسجد میں نہ آئے!!!

اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مساجد میں نماز باجماعت ادا کرنے کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے کہتے ہیں:

((مَنْ سَرَهُ أَنْ يَلْقَى اللَّهَ نَدَامًا مُسْلِمًا فَلْيَحَافِظْ عَلَى هَؤُلَاءِ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ حَيْثُ يُنَادَى بِهِنَّ ، فَإِنَّ اللَّهَ شَرَعَ لِنَبِيِّكُمْ ﷺ سُنَنَ الْهُدَى يَأْتِيَنَّ مِنْ سُنَنِ الْهُدَى ، وَلَوْ أَنَّكُمْ صَلَّيْتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ كَمَا يُصَلِّي هَذَا الْمُتَخَلِّفُ فِي بَيْتِهِ لَتَرَكْتُمْ سُنَّةَ نَبِيِّكُمْ ، وَلَوْ تَرَكْتُمْ سُنَّةَ نَبِيِّكُمْ لَضَلَلْتُمْ . وَمَا مِنْ رَجُلٍ يَتَمَهَّرُ فَيُحْسِنُ الطُّهُورَ ثُمَّ يَعْمِدُ إِلَى مَسْجِدٍ مِنْ هَذِهِ الْمَسَاجِدِ إِلَّا كَتَبَ اللَّهُ لَهُ بِكُلِّ خُطْوَةٍ يَخْطُوهَا حَسَنَةً وَرِزْقَةً بِهَا دَرَجَةٌ . وَيَحْطُ عَنْهَا بِهَا سَبْعَةٌ . وَلَقَدْ رَأَيْنَا وَمَا يَتَخَلَّفُ عَنْهَا إِلَّا مُنَافِقٌ مَعْلُومُ الْمُنَافِقِ . وَلَقَدْ كَانَ الرَّجُلُ يُؤْتَى بِهِ يُهَادَى بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ حَتَّى يُقَامَ فِي الصَّنْبِ))

”جس شخص کو یہ بات اچھی لگتی ہو کہ وہ کل (قیامت کے روز) اللہ تعالیٰ سے مسلمان ہونے کی حالت میں ملے تو وہ ان پانچ نمازوں کو ہمیشہ وہاں ادا کرے جہاں سے ان کے لیے بلایا جاتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی ﷺ کے لیے ہدایت کے طریقے مشروع کیے ہیں اور یہ نمازیں بھی انہی میں سے ہیں۔ اور اگر تم اپنے گھروں میں نمازیں پڑھنا شروع کر دو جیسا کہ یہ پیچھے رہنے والا اپنے گھر میں ہی نماز پڑھ لیتا ہے تو تم اپنے نبی ﷺ کی سنت کو چھوڑنے والے ہو گے۔ اور اگر تم نے اپنے نبی ﷺ کی سنت کو چھوڑ دیا تو تم گمراہ ہو جاؤ گے۔ اور کوئی بھی شخص جو اچھی طرح سے وضو کرنے کے بعد ان مساجد میں سے کسی مسجد کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اس

① صحیح مسلم: 653، و سنن أبي داود: 552، 553، سنن النسائي: 851، سنن ابن ماجه: 792.

کے ہر ہر قدم پر اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایک نیکی لکھ دیتا ہے، اس کے بدلے میں ایک درجہ بلند کر دیتا ہے اور اس کی ایک برائی کو مٹا دیتا ہے۔ اور ہم (نبی کریم ﷺ کے عہد میں) دیکھتے تھے کہ باجماعت نماز سے صرف وہ منافق پیچھے رہتا تھا جس کا نفاق سب کو معلوم ہوتا۔ اور ایک شخص کو مسجد میں باجماعت نماز کے لیے اس حالت میں لایا جاتا تھا کہ اس نے دو آدمیوں کے درمیان ان کے کندھوں کا سہارا یا ہوا ہوتا، یہاں تک کہ اسے صف میں لا کھڑا کیا جاتا۔“¹

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مساجد میں باجماعت نماز سے پیچھے رہنا نفاق کی علامت ہے۔ لہذا مسلمانو! اس سلسلے میں قطعاً سستی نہ کیا کرو اور مساجد میں ہی باجماعت نماز ادا کیا کرو۔

مساجد میں باجماعت نماز ادا نہ کرنا کتنا بڑا گناہ ہے! اس کا اندازہ آپ اس بات سے کر سکتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے مسجد میں باجماعت نماز ادا نہ کرنے والے لوگوں کے گھروں کو اُن سمیت آگ لگانے کا ارادہ کیا تھا۔ جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے کچھ لوگوں کو بعض نمازوں میں نہ پایا تو آپ نے فرمایا: «لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ أَمْرَ رَجُلًا يُصَلِّيَ بِالنَّاسِ . ثُمَّ أَخَالَفَ بِلِ رِجَالٍ تَخْلَفُونَ عَنْهَا . فَأَمَرْتُهُمْ فَيَحْرِقُوا عَلَيْهِمْ بِحُزْمِ الْخَطْبِ بِيَوْمِهِمْ»

”میں نے ارادہ کر لیا ہے کہ کسی کو نماز پڑھانے کا حکم دوں، پھر ان لوگوں کے پاس جاؤں جو نماز پڑھنے نہیں آتے، تو اُن سمیت ان کے گھروں کو ایندھن کی گٹھریوں کے ساتھ آگ لگانے کا حکم جاری کر دوں۔“²

مسجد میں باجماعت نماز ادا کرنے کے فضائل

محترم حضرات! مساجد میں باجماعت نماز ادا کرنے کی اہمیت تو آپ نے معلوم کر لی۔ اب یہ بھی جان لیجئے کہ مسجد میں باجماعت نماز ادا کرنے کی فضیلت کتنی زیادہ ہے!

(1) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«مَلَائَةُ الرَّجُلِ فِي جَمَاعَةٍ تَزِيدُ عَلَى مَلَائَةٍ فِي تَنَاهٍ وَصَلَاتِهِ فِي سَوْفَةٍ بِضْعًا وَعِشْرِينَ دَرَجَةً ، وَذَلِكَ أَنَّ أَحَدَهُمْ إِذَا تَوَضَّأَ بِأَحْسَنِ الْوُضُوءِ . ثُمَّ أَمْسَكَ الْمَسْجِدَ ، لَا يَنْهَرُهُ إِلَّا الصَّلَاةُ ، لَا يُرِيدُ إِلَّا الصَّلَاةَ ، فَلَمْ يَعْطُ خَطْوَةً إِلَّا زَفَعَ لَهُ فِي دَرَجَةٍ ، وَحُطِّ عَنْهُ بِهَا خَطِيئَتُهُ حَتَّى يَدْخُلَ الْمَسْجِدَ ، فَإِذَا دَخَلَ الْمَسْجِدَ كَانَتْ فِي الْمَلَائَةِ مَا كَانَتْ الصَّلَاةُ

① صحیح مسلم: 654، ② صحیح البخاری: 644، و صحیح مسلم: 651.

تَحْبِسُهُ، وَالْمَلَائِكَةُ يُدْعُونَ عَلَىٰ أَحَدِكُمْ مَا دَامَ فِي مَجْلِسِهِ الَّذِي صَلَّى فِيهِ، يَقُولُونَ: اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنَا، اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنَا، اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنَا، مَا لَمْ يُؤْذِ فِيهِ، مَا لَمْ يُحْدِثْ فِيهِ»

”آدمی کی جماعت کے ساتھ نماز کا ثواب اُس نماز سے نہیں گنا سے زیادہ بڑھ جاتا ہے جسے وہ گھر میں یا بازار میں اکیلے پڑھے۔ اور یہ اس طرح کہ جب کوئی شخص اچھی طرح سے وضو کرے، پھر مسجد میں صرف نماز پڑھنے کی نیت سے آئے، نماز کے علاوہ اس کا کوئی اور مقصد نہ ہو تو اس کے ایک ایک قدم پر اس کا ایک درجہ بلند اور ایک گناہ مٹا دیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ مسجد میں داخل ہو جائے۔ پھر جب وہ مسجد میں پہنچ جاتا ہے تو جب تک وہ نماز کے انتظار میں بیٹھا رہتا ہے وہ ایسے بہتے جیسے نماز پڑھ رہا ہو۔ اور وہ جب تک اپنی جائے نماز پر بیٹھا رہتا ہے فرشتے اس کے لیے دعا کرتے رہتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں: اے اللہ! اس پر رحم فرما۔ اے اللہ! اس کی مغفرت فرما۔ اے اللہ! اس کی توبہ قبول فرما۔ وہ بدستور اسی طرح دعا کرتے رہتے ہیں جب تک وہ کسی کو اذیت نہ دے یا اس کا وضو نہ لوٹ جائے۔“⁽¹⁾

اس حدیث میں رسول اکرم ﷺ نے مسجد میں باجماعت نماز ادا کرنے کے متعدد فضائل ذکر فرمائے ہیں:

- (1) مسجد میں باجماعت نماز ادا کرنا اکیلے نماز پڑھنے سے میر گناہ زیادہ (ستائیس گنا) افضل ہے۔
 - (2) مسجد کی طرف آتے ہوئے ہر قدم پر ایک درجہ بلند اور ایک گناہ مٹا دیا جاتا ہے۔
 - (3) جب تک وہ مسجد میں نماز کے لیے بیٹھا رہے تو وہ ایسے بہتے جیسے نماز پڑھ رہا ہو۔
 - (4) نماز کے بعد جب تک وہ اپنی جگہ پہ بیٹھا رہے فرشتے اُس کے لیے مسلسل دعائے مغفرت و دعائے رحمت کرتے رہتے ہیں۔
- یہ تمام فضائل بھی نصیب ہو سکتے ہیں جب آپ مسجد میں باجماعت نماز پڑھنے کے لیے آئیں گے۔
- (2) حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی اُس کا گھر میرے علم کے مطابق مسجد سے سب سے زیادہ دور تھا لیکن وہ ایک نماز سے بھی پیچھے نہیں رہتا تھا۔ اسے کہا گیا کہ اگر تم گدھا خرید لیتے تو کم از کم اندھیرے میں اور سخت گرمی کے وقت اس پر سوار ہو کر آتے! تو اس نے کہا: مجھے یہ اچھا نہیں لگتا کہ میرا گھر مسجد کے قریب ہو کیونکہ میں یہ چاہتا ہوں کہ میرا مسجد کی طرف آنا اور پھر اپنے گھر والوں کے پاس واپس لوٹنا دونوں اللہ کے ہاں لکھے جائیں۔ چنانچہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((لَا جَمْعَ لِلَّهِ لَكَ، ذَلِكَ كُلُّهُ)) ”اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے یہ دونوں چیزیں جمع کر دی ہیں۔“⁽²⁾

- (3) حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مسجد کے ارد گرد کچھ جگہیں خالی ہوئیں تو بنو سلمہ نے ان میں منتقل

ہونے کو ارادہ کیا تاکہ وہ مسجد کے قریب آجائیں۔ یہ بات نبی کریم ﷺ تک پہنچی تو آپ نے بنو سلمہ سے کہا: ”مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ تم مسجد کے قریب منتقل ہونا چاہتے ہو؟“ انھوں نے کہا: جی ہاں، ہم یہ ارادہ کر چکے ہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ((يَا بَنِي سَلَمَةَ! دِيَارُكُمْ تُكْتَبُ اِنَارُكُمْ، تُكْتَبُ اِنَارُكُمْ))⁽¹⁾۔

”اے بنو سلمہ! تم اپنے گھروں میں ہی رہو۔ کیونکہ تمہارا آنا جانا لکھا جا رہا ہے۔ تمہارے آنے جانے کے نشانات محفوظ کیے جا رہے ہیں۔“

(4) بہت سارے فضائل ایسے ہیں جو آپ کو مسجد میں باجماعت نماز ادا کیے بغیر نصیب نہیں ہو سکتے۔ مثلاً:

(1) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ صَلَّى الْفَجْرَ فِي جَمَاعَةٍ ، ثُمَّ قَعَدَ يَذْكُرُ اللَّهَ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ ، ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ ، كَانَتْ لَهُ كَأَجْرِ حَجَّةٍ وَعُمْرَةٍ تَامَّةٍ تَامَّةٍ))

”جس شخص نے نماز فجر باجماعت ادا کی، پھر طلوع آفتاب تک بیٹھا اللہ کا ذکر کرتا رہا، پھر دو رکعتیں پڑھیں تو اسے یقینی طور پر مکمل حج و عمرہ کا ثواب ملے گا۔“⁽²⁾

یہ فضیلت آپ کو تمہی نصیب ہو سکتی ہے جب آپ نماز فجر مسجد میں باجماعت ادا کریں گے۔

(2) نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((مَنْ صَلَّى لِلَّهِ اَرْبَعِينَ يَوْمًا فِي جَمَاعَةٍ يُدْرِكُ التَّكْبِيرَ الْاَوَّلَى كُتِبَ لَهُ بَرَاءَةٌ تَانِي : بَرَاءَةٌ مِّنَ الذَّنْبِ وَبَرَاءَةٌ مِّنَ الْفَقَاقِ))

”جو شخص اللہ کی رضا کے لیے چالیس دن اس طرح باجماعت نماز پڑھے کہ تکبیر اولیٰ بھی فوت نہ ہو تو (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) اس کے لیے دو چیزوں سے براءت لکھ دی جاتی ہے: جہنم کی آگ سے اور نفاق سے۔“⁽³⁾

یہ اور اس طرح کے دیگر بہت سارے فضائل حاصل کرنے کے مواقع آپ کو کب ملیں گے؟ جب آپ مساجد میں باجماعت نماز ادا کریں گے۔

قرآن کی تعلیم حاصل کرنا

مساجد کو آباد کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ تو ان میں باجماعت نماز ادا کرنا ہے۔ تاہم نمازوں کے علاوہ انھیں آباد کرنے کا ایک اور ذریعہ ان میں حلقہ قرآن قائم کرنا بھی ہے۔

⁽¹⁾ صحیح مسلم: 665، (2) جامع الترمذی: 586، وصححه الألبانی، (3) جامع الترمذی: 241، وحسنه الألبانی.

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم ’صفہ‘ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا: ”تم میں سے کون ہے جو یہ پسند کرتا ہو کہ وہ ہر روز صبح سویرے ’بطحان‘ یا ’عقیق‘ میں جائے، پھر وہاں سے دو موٹی تازی اونٹنیاں بغیر کسی گناہ اور قطع رحمی کے لے آئے؟ ہم نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہم سب یہ پسند کرتے ہیں۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((أَفَلَا يَعْنُو أَحَدُكُمْ إِلَى الْمَسْجِدِ فَيَعْلَمُ أَوْ يَقْرَأُ آيَتَيْنِ مِنْ كِتَابِ اللَّهِ عَزَّوَجَلَّ خَيْرٌ لَهُ مِنْ نَاقَتَيْنِ ، وَثَلَاثَ خَيْرٌ لَهُ مِنْ ثَلَاثٍ ، وَأَرْبَعٌ خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَرْبَعٍ ، وَمِنْ أَعْدَادِ بَنٍ مِنَ الْإِبِلِ))

”کیا تم میں سے کوئی شخص صبح سویرے مسجد میں نہیں جاتا جہاں وہ کتاب اللہ کی دو آیات کا علم حاصل کرے یا ان کی تلاوت کرے، یہ اس کے لیے دو اونٹنیوں سے بہتر ہے۔ اور تین آیات تین اونٹنیوں سے اور چار آیات چار اونٹنیوں سے بہتر ہیں۔ پھر اسی طرح ہر آیت ایک ایک اونٹ سے بہتر ہوگی۔“^(۱)

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

((مَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِي بَيْتٍ مِنْ بُيُوتِ اللَّهِ يَتْلُونَ كِتَابَ اللَّهِ وَيَتَدَارَسُونَهُ بَيْنَهُمْ إِلَّا نَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِينَةُ وَغَشِيَتْهُمْ الرَّحْمَةُ وَحَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ وَذَكَرَهُمُ اللَّهُ فِيمَنْ عِنْدَهُ))

”جو لوگ اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں جمع ہو کر کتاب اللہ کی تلاوت کرتے اور آپس میں ایک دوسرے کو اس کی تعلیم دیتے ہیں تو ان پر سکون قلب نازل ہوتا ہے، رحمت باری تعالیٰ انہیں اپنی آغوش میں لے لیتی ہے، انہیں فرشتے گھیر لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ فرشتوں کے سامنے ان کا تذکرہ کرتا ہے۔“^(۲)

دروس قرآن وحدیث کا اہتمام کرنا

مساجد کی آباد کاری اور ان کی رونقوں میں اضافے کا ایک اور ذریعہ ہے ان میں دروس قرآن وحدیث کا اہتمام کرنا اور انہیں علوم اسلامیہ کی نشر و اشاعت کا مرکز بنانا۔

حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مسجد میں بیٹھے ہوئے چند لوگوں کے پاس آئے اور کہنے لگے: تم یہاں کیوں بیٹھے ہو؟ انھوں نے کہا:

((جَلَسْنَا نَذْكُرُ اللَّهَ)) ”ہم یہاں بیٹھے اللہ تعالیٰ کا ذکر کر رہے ہیں۔“

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم تم صرف اسی لیے بیٹھے ہو؟

(۱) صحیح مسلم: 803، (۲) صحیح مسلم: 2699.

انھوں نے کہا: اللہ کی قسم! ہم صرف اسی لیے بیٹھے ہیں۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: خبردار! میں نے تم سے حلف اس لیے نہیں لیا کہ میں تمہیں جھوٹا سمجھتا ہوں، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے بھی اسی طرح کچھ لوگوں کو مسجد میں بیٹھا ہوا دیکھا تو آپ نے پوچھا: تم کیوں بیٹھے ہو؟ انھوں نے کہا: «جَلَسْنَا نَذْكُرُ اللَّهَ وَنَحْمَدُهُ عَلَى مَا هَدَانَا لِلْإِسْلَامِ (مَنْ بِهِ عَلَيْنَا)»

”ہم یہاں بیٹھے اللہ تعالیٰ کو یاد کر رہے ہیں اور اس کا شکر ادا کر رہے ہیں کہ اس نے ہمیں اسلام کی طرف ہدایت دے کر ہم پہ احسان فرمایا ہے۔“

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ کی قسم تم صرف اسی لیے بیٹھے ہو؟

انھوں نے کہا: اللہ کی قسم! ہم صرف اسی لیے بیٹھے ہیں۔

تو آپ نے فرمایا: «أَمَّا إِنِّي لَمْ أَسْتَحْلِفْكُمْ تِهْمَةً لَّكُمْ . وَلَكِنَّهُ أَتَانِي جِبْرِيلُ فَأَخْبَرَنِي أَنَّ اللَّهَ عَزَّوَجَلَّ يُبَاهِي بِكُمْ الْمَلَائِكَةَ»

”یاد رکھنا! میں نے تم سے حلف اس لیے نہیں لیا کہ میں تمہیں جھوٹا سمجھتا ہوں بلکہ اصل بات یہ ہے کہ ابھی میرے پاس جبریل علیہ السلام آئے تھے جنھوں نے مجھے اطلاع دی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کے سامنے تم پر فخر کر رہا ہے۔“

اور ایک مرتبہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مدینہ کے ایک بازار میں گئے اور بازار والوں کو مخاطب کر کے فرمایا:

آپ کو کس چیز نے عاجز کیا ہے؟

انھوں نے کہا: کس چیز سے؟

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: رسول اکرم ﷺ کی وراثت تقسیم سو رہی ہے اور تم یہاں ہو، تم جا کر اپنا حصہ کیوں نہیں وصول کرتے؟

انھوں نے کہا: کہاں ہے وہ؟

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: مسجد میں

چنانچہ وہ جلدی سے مسجد کی طرف چلے گئے لیکن خود ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ وہیں رہے۔

جب وہ لوگ واپس لوٹے تو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا ہوا؟

انھوں نے کہا: ابو ہریرہ! ہم مسجد کے اندر گئے لیکن ہمیں تو اس میں کوئی چیز تقسیم ہوتی ہوئی نظر نہیں آئی!

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: تم نے مسجد میں کسی کو دیکھا بھی؟ انھوں نے کہا: ہاں، کچھ لوگوں کو ہم نے دیکھا جو نماز پڑھ رہے تھے، کچھ لوگ قرآن پڑھ رہے تھے اور کچھ لوگ حلال و حرام کے بارے میں مذاکرہ کر رہے تھے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: افسوس۔ یہ تم پر، وہی تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت ہے۔^(۱) اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو مساجد سے گہری محبت کرنے، انھیں آباد رکھنے اور ان میں باجماعت نماز ادا کرنے کی توفیق دے۔

دوسرا خطبہ

حضرات محترم! مسجد کی اہمیت اور اس کے مختلف فضائل سننے کے بعد اب مسجد کے آداب بھی جان لیجئے۔ ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ ان آداب کا بھرپور خیال رکھے جو ہم قرآن و حدیث کی روشنی میں بیان کر رہے ہیں۔

مسجد کے آداب

۱ مسجد کی صفائی

آداب مسجد میں سب سے پہلے یہ ہے کہ مسجد کی تعمیر کے بعد اسے صاف ستھرا رکھنے کا خصوصی اہتمام کرنا چاہیے کیونکہ مسجد اللہ کا گھر ہے۔ جب ہم اپنے گھروں کی صفائی کا خیال رکھتے ہیں تو اللہ کے گھر اس کے زیادہ حقدار ہیں کہ انھیں صاف ستھرا رکھا جائے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ

((أَمَرَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِبِنَاءِ الْمَسَاجِدِ فِي الدُّوَرِ أَنْ تُصَفَّ وَتُطَيَّبَ))

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محلوں میں مسجدیں تعمیر کرنے اور انھیں صاف و ستھرا اور خوشبودار رکھنے کا حکم دیا۔“^(۲)

مساجد کی صفائی بہت ہی عظیم عمر ہے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک کالے رنگ کی عورت مسجد کی صفائی کرتی تھی۔ پھر اچانک اس نے مسجد میں آنا چھوڑ دیا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے نہ پا کر اس کے بارے میں پوچھا۔ چنانچہ لوگوں نے

① الطبرانی، وصححه الألبانی فی صحیح الترغیب والترہیب: 83. ② سنن أبي داود: 455، جامع الترمذی: 594.

بتایا کہ وہ توفوت ہو چکی ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: «أَفَلَا كُنْتُمْ اَذَنْتُمُونِي؟» ”تم نے مجھے خبر کیوں نہ دی؟“

تو لوگوں نے گویا اسے حقیر تصور کیا۔

لیکن نبی کریم ﷺ نے فرمایا: «ذَلُّونِي عَلَى قَبْرِهَا» ”مجھے اس کی قبر کے بارے میں بتاؤ، کہاں ہے؟“ لوگوں نے اس کے بارے میں آپ کو آگاہ کیا تو آپ اس کی قبر پر گئے اور اس کی نماز جنازہ پڑھی۔¹ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ مسجد کی صفائی کرنا نہایت ہی عظیم عمل ہے کہ جس کی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے اس کا لے رنگ کی عورت (جس کو معاشرے میں کوئی خاص اہمیت نہ دی جاتی تھی) اس کے متعلق خصوصی طور پر دریافت کیا۔ پھر جب آپ ﷺ کو اس کی موت کے بارے میں آگاہ کیا گیا تو آپ ﷺ نے اُس کی قبر پہ جا کر اس کی نماز جنازہ ادا کی۔

مسجد کو ہر قسم کی گندگی سے پاک رکھنا ضروری ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم مسجد میں رسول کرم ﷺ کے ساتھ تھے کہ ایک دیہاتی آیا اور اس نے مسجد میں پیشاب کرنا شروع کر دیا۔ تو آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کی طرف لپکے اور کہا: ٹھہر جاؤ، ٹھہر جاؤ۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «لَا تُزِرُّمُوهُ دَعْوُهُ» ”اسے مت کاٹو اور چھوڑ دو۔“

چنانچہ انھوں نے اسے چھوڑ دیا یہاں تک کہ وہ پیشاب سے فراغ ہو گیا۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے اسے بلا کر فرمایا: «إِنَّ هَذِهِ الْمَسَاجِدَ لَا تَصْلُحُ لِبَشِيٍّ مِنْ هَذَا الْبَوْلِ وَلَا الْقَذَرِ، إِنَّمَا هِيَ لِذِكْرِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ وَالصَّلَاةِ وَقِرَاءَةِ الْقُرْآنِ»

”یہ مساجد یقیناً اس پیشاب اور گندگی کے لیے نہیں بنائی گئی ہیں۔ بلکہ یہ تو صرف اللہ عز وجل کا ذکر کرنے،

نماز پڑھنے اور تلاوت قرآن کے لیے بنائی گئی ہیں۔“

اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے پانی کا ایک ڈول منگوا کر اس کے پیشاب پر بہا دیا۔⁽²⁾

2 مسجد میں بد بودار چیز کھا کر آنا منع ہے۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

«مَنْ أَكَلَ ثُومًا أَوْ بَصَلًا فَلْيَعْتَزِلْنَا، أَوْ لْيَعْتَزِلْ مَسْجِدَنَا، وَلْيَقْعُدْ فِي بَيْتِهِ»

[صحیح البخاری: 1337، وصحیح مسلم: 956، صحیح مسلم: 285۔]

”جو شخص لہسن یا پیاز کھائے تو وہ ہم سے دور رہے (یا آپ نے فرمایا) وہ ہماری مسجد سے دور رہے اور اپنے گھر میں ہی بیٹھا رہے۔“^(۱)

دوسری روایت میں ہے:

« مَنْ أَكَلَ الْبَصَلَ وَالْثُومَ وَالْكَوَاكِبَ فَلَا يَقْرَبَنَّ مَسْجِدَنَا فَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ تَتَأَذَّى مِمَّا يَتَأَذَّى مِنْهُ بَنُو آدَمَ »

”جو شخص پیاز، لہسن اور کڑی کھائے تو وہ ہماری مسجد کے قریب تک نہ آئے کیونکہ فرشتوں کو بھی ہر اس چیز سے اذیت پہنچتی ہے جس سے انسانوں کو اذیت پہنچتی ہے۔“^(۲)

3 مسجد میں صاف ستھرا لباس پہن کر آنا

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿يَبْنَى دَمَ خُلُوفٍ وَأَزْيَنَتَكَ عَنْ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾

”اے آدم کی اولاد! تم ہر مسجد کی طرف آتے ہوئے اپنے آپ کو خوب آراستہ کر لیا کرو۔“^(۳)

یعنی وہ لباس زیب تن کر لیا کرو جو تمہیں خوبصورت بنائے اور زینت بخشنے۔ لہذا بد بودار یا گندا لباس پہن کر نماز ادا کرنا قطعاً درست نہیں ہے۔ اسی طرح مکمل لباس پہنے بغیر نماز پڑھنا بھی درست نہیں ہے جیسا کہ بعض لوگ خصوصاً گرمی کے موسم میں صرف چادر (لنگی) اور بنیان ہی میں نماز پڑھ لیتے ہیں! ایسے لوگوں کو سوچنا چاہیے کہ کیا وہ اس حالت میں کسی بڑے آدمی کے سامنے جانا گوارا کرتے ہیں؟ اگر نہیں تو پھر اللہ جو کہ بادشاہت کا مالک ہے اس کے سامنے اس حالت میں جانا کیوں گوارا کر لیتے ہیں؟

اسی طرح رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

« إِذَا صَلَّيْ أَحَدُكُمْ فَلْيَتَبَسَّ ثَوْبَيْهِ فَإِنَّ اللَّهَ أَحَقُّ أَنْ يُتَرَبَّنَ لَهُ »

”تم میں سے کوئی شخص جب نماز پڑھنا چاہے تو اپنے دونوں کپڑے پہن لے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کا زیادہ حقدار ہے کہ اس کے لیے خوبصورتی اختیار کی جائے۔“^(۴)

4 مسجد میں داخل ہوتے اور اس سے نکلتے وقت مسند پر طریقہ اختیار کرنا

مسجد میں داخل ہوتے وقت پہلے دایاں پاؤں اندر رکھنا اور نکلتے وقت پہلے بائیں پاؤں باہر رکھنا چاہیے۔

(۱) صحیح البخاری: 855، و صحیح مسلم: 564، (۲) صحیح مسلم: 564، (۳) الأعراف: 31، (۴) أخرجه البيهقي وصححه الألباني في الثمر المستطاب ج 1، ص: 286.

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ
 ”رسول اللہ ﷺ کی سنتوں میں سے ایک سنت یہ ہے کہ جب تم مسجد میں داخل ہونے لگو تو پہلے دایاں پاؤں اندر رکھو اور باہر نکلنے لگو تو پہلے بائیں پاؤں باہر رکھو۔“¹

5 مسجد میں داخل ہوتے وقت اور باہر نکلتے وقت مسنون دعا پڑھنا

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

« إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلْيَسْلِمْ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ ثُمَّ لِيَقُلْ : اللَّهُمَّ افْتَحْ لِي أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ ، وَإِذَا خَرَجَ فَلْيَقُلْ : اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ »

”تم میں سے کوئی شخص جب مسجد میں داخل ہو تو وہ نبی ﷺ پر سلام بھیجے، پھر یہ دعا پڑھے:
 (اللَّهُمَّ افْتَحْ لِي أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ)

”اے اللہ! میرے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔“
 اور جب مسجد سے باہر نکلنے لگے تو یہ دعا پڑھے: (اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ)
 ”اے اللہ! میں تجھ سے تیرے فضل کا سوال کرتا ہوں۔“²

6 تحیۃ المسجد پڑھنا

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

« إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلَا يَجْلِسُ حَتَّى يُسَلِّمَ رَكْعَتَيْنِ »

”تم میں سے کوئی شخص جب مسجد میں داخل ہو تو اس وقت تک نہ بیٹھے جب تک دو رکعات نماز ادا نہ کر لے۔“³

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے دو رکعتیں پڑھے بغیر مسجد میں بیٹھنے سے منع فرمایا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ تحیۃ المسجد پڑھے بغیر مسجد میں بیٹھنا ممنوع ہے۔ تاہم یہاں ایک بات کی وضاحت ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ مسجد میں داخل ہو کر جو بھی نماز پڑھی جائے وہی اُس کے لیے تحیۃ المسجد ہوتی ہے۔ مثلاً کوئی شخص مسجد میں داخل ہو اور فرض نماز کی جماعت ہو رہی ہو یا اقامت ہونے ہی والی ہو، پھر وہ فرض نماز میں مل جائے تو وہی نماز اُس کے لیے تحیۃ المسجد

(1) الحاکم: صحیح علی شرط مسلم، ووافقه الذہبی. (2) سنن أبي داود: 465 وصححه الألبانی. (3) صحیح البخاری: 1163.

ہوگی۔ اور اگر وہ داخل ہو کر فرض نماز سے پہلے کی سنتیں پڑھ لے تو وہی سنتیں اُس کے لیے تحیۃ المسجد ہوگی۔ اور اگر وہ کسی ایسے وقت میں مسجد میں داخل ہو کہ جب فرض نماز کا وقت نہیں ہے اور وہ مسجد میں بیٹھنا چاہتا ہے تو اس حالت میں اسے تحیۃ المسجد کی دو رکعتیں پڑھنا ہوگی۔

خاص طور پر جب وہ نماز جمعہ کے لیے آئے اور امام کا خطبہ شروع ہو چکا ہو تو اسے تحیۃ المسجد پڑھ کر ہی بیٹھنا ہوگا۔ جیسا کہ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ «دَحَلَ رَجُلٌ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالنَّبِيُّ ﷺ يَخْطُبُ فَقَالَ: صَلَّيْتُ؟ قَالَ: لَا، قَالَ: فَصَلِّ رَكْعَتَيْنِ»

یعنی ایک آدمی جمعہ کے دن مسجد میں داخل ہوا تو اُس وقت نبی کریم ﷺ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: کیا تم نے نماز پڑھی ہے؟ اس نے کہا: نہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”اٹھو اور دو رکعت نماز پڑھو۔“^(۱)

وفی روایۃ لمسلم: «جَا سَلِيكَ غَطَفَانِي يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَرَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَخْطُبُ، فَجَلَسَ، فَقَالَ لَهُ: يَا سَلِيكَ! سَمِعَ، فَارْكَعَ رَكْعَتَيْنِ، وَلَجَّوْرَ فَمِهُمَا، ثُمَّ قَالَ: إِذَا جَاءَ أَحَدُكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ فَارْكَعْ رَكْعَتَيْنِ، وَلْيَتَخَوَّزْ فِيهِمَا»

یعنی حضرت سلیک غطفانی جمعہ کے روز اس وقت آئے جب رسول اللہ ﷺ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ وہ آکر بیٹھ گئے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے سلیک! کھڑے ہو جاؤ اور دو ہلکی پھلکی رکعات ادا کرو۔

پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”تم میں سے کوئی شخص جب جمعہ کے دن اس وقت آئے جبکہ امام خطبہ دے رہا ہو تو وہ دو رکعت نماز ادا کرے اور انھیں ہلکا پھلکا پڑھے۔“^(۲)

۷ سترہ کے سامنے نماز ادا کرنا

مسجد میں نمازی کو چاہیے کہ وہ سترہ کے سامنے کھڑا ہو کر نماز ادا کرے۔ مثلاً دیوار یا ستون یا کرسی وغیرہ کے سامنے، حتیٰ کہ اگر کوئی اور چیز نہ ہو تو سامنے جو نمازی بیٹھا ہو یا نماز ادا کر رہا ہو تو اسے بھی سترہ بنایا جاسکتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«إِذَا صَلَّي أَحَدُكُمْ فَلْيُصَلِّ بِسُتْرَةٍ وَلْيَدْنُ مِنْهَا»

”تم میں سے کوئی شخص جب نماز پڑھنا چاہے تو سترہ کی طرف پڑھے اور اس کے قریب ہو جائے۔“^(۳)

ابن ماجہ کی روایت میں ان الفاظ کا اضافہ بھی ہے:

«وَلَا يَدْعُ أَحَدًا يَمُرُّ بَيْنَ يَدَيْهِ فَإِنْ جَاءَ أَحَدٌ يَمُرُّ فَلْيُفَاتِهِ فَإِنَّهُ شَيْطَانٌ»

(۱) صحیح البخاری: 931، و صحیح مسلم: 875، (۲) صحیح مسلم: 875، (۳) سنن أبي داود: 698، و صحیحہ الالبانی.

”اور اپنے سامنے سے کسی کو گزرنے نہ دے۔ اگر کوئی گزرنا چاہے تو وہ اسے سختی سے پیچھے دھکیل دے کیونکہ وہ شیطان ہے۔“^(۱)

8 نمازی کے سامنے سے گزرنا ممنوع ہے

نمازی کے سامنے سے گزرنا قطعاً درست نہیں ہے۔ ہاں اگر نمازی نے سترہ رکھا ہوا ہو اور سترہ کے ادھر سے گزرنا ممکن ہو تو کوئی حرج نہیں ہے۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((لَوْ يَعْلَمُ الْمَارُّ بَيْنَ يَدَيِ الْمُصَلِّي مَاذَا عَلَيْهِ الْكَانَ أَنْ يَقِفَ أَرْبَعِينَ خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَنْ يَمْزِيَنَ بِنَدِيهِ))

”اگر نمازی کے سامنے سے گزرنے والے کو گزرنے کا گناہ معلوم ہو جائے تو چالیس (سال یا مہینے یا دن) تک اس کا کھڑا رہنا ایک قدم آگے بڑھنے سے اس کے لیے بہتر ہوتا۔“^(۲)

9 خواتین کو خوشبو لگا کر مسجد میں نہیں آنا چاہیے

اگرچہ خواتین مسجد میں آکر نماز پڑھ سکتی ہیں تاہم نبی کریم ﷺ کی حدیث کے مطابق ((وَبُيُوتُهُنَّ خَيْرٌ لَّهُنَّ)) ”ان کے گھر ان کے لیے بہتر ہیں۔“^(۳)

یعنی اگر وہ گھروں میں ہی نماز پڑھیں تو یہ ان کے لیے زیادہ اجر و ثواب کا باعث ہے۔

اگر وہ مساجد میں آکر نماز پڑھنا چاہیں تو انھیں کچھ شرائط کی پابندی کرنا ہوگی۔

پہلی یہ کہ مساجد میں ان کے لیے باپردہ انتظام ہو، دوسری یہ کہ وہ خود مکمل پردہ کر کے آئیں اور تیسری یہ کہ وہ خوشبو

لگا کر مساجد میں نہ آئیں۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

((أَيُّمَا امْرَأَةٍ أَصَابَتْ بِخُورٍ فَلَا تَشْهَدْ مَعَنَا الْبِشَاءَ الْآخِرَةَ))

”جو خاتون خوشبو استعمال کرے تو وہ ہم (مردوں کے ساتھ مسجد میں) نماز عشاء پڑھنے نہ آئے۔“^(۴)

10 مسجد میں گمشدہ چیز کا اعلان کرنا حرام ہے

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: ((مَنْ سَمِعَ رَجُلًا يَتَشَدُّ ضَالَّةً فِي الْمَسْجِدِ فَلْيَقُلْ : لَا رَدَّهَا اللَّهُ))

(۱) سنن ابن ماجہ: 954، وصححه الألبانی، (۲) صحيح البخاري: 510، وصحيح مسلم: 507، (۳) سنن أبي داود: 567، وصححه الألبانی، (۴) صحيح مسلم: 444.

عَلَيْكَ . فَإِنَّ الْمَسَاجِدَ لَمْ تُبْنَ لِهَذَا))

”جو شخص کسی آدمی کو مسجد میں گمشدہ چیز کا اعلان کرتے ہوئے سنے تو وہ کہے: اللہ تعالیٰ اس چیز کو تمھارے پاس نہ لوٹائے۔ کیونکہ مسجدیں اس لیے نہیں بنائی گئیں۔“^(۱)

﴿۱۱﴾ مسجد میں خرید و فروخت ممنوع ہے ﴿﴾

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

((إِذَا رَأَيْتُمْ مَنْ يَبِيعُ أَوْ يَبْتَاعُ فِي الْمَسْجِدِ فَقُورِلُوا : لَا أَرْبَحَ اللَّهُ تِجَارَتَكَ))

”جب تم مسجد میں کسی کو کوئی چیز فروخت کرتے ہوئے یا خرید کرتے ہوئے دیکھو تو کہو: اللہ تمھاری تجارت میں کوئی برکت نہ ڈالے۔“^(۲)

﴿۱۲﴾ مسجد میں آواز بلند کرنا درست نہیں ہے ﴿﴾

رسول اکرم ﷺ مسجد میں اعتکاف بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ نے بعض لوگوں کو اونچی آواز میں قرآن کی تلاوت کرتے ہوئے سنا۔ چنانچہ آپ نے پردہ ہٹایا اور ان سے مخاطب ہو کر فرمایا:

((أَلَا إِنَّ كُلَّكُمْ مُنَاجٍ رَبَّهُ فَلَا يُؤْذِينَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا ، وَلَا يَرْفَعُ بَعْضُكُمْ عَلَى بَعْضٍ فِي الْقِرَاءَةِ))

”خبردار! تم میں سے ہر شخص اپنے رب سے سرگوشی کرنے والا ہے۔ لہذا تم میں سے کوئی کسی کو اذیت نہ پہنچائے اور نہ ہی تلاوت قرآن میں کوئی کسی پر اپنی آواز کو بلند کرے۔“^(۳)

﴿۱۳﴾ اذان ہونے کے بعد مسجد سے نکل کر چلے جانا درست نہیں ہے ﴿﴾

ابو الشعثاء بیان کرتے ہیں کہ ہم مسجد میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیٹھے تھے، جب اذان ہوئی تو ایک آدمی چلتا بنا۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اسے بغور دیکھنے لگے۔ جب وہ مسجد سے نکل کر چلا گیا تو انھوں نے فرمایا:

((أَمَّا هَذَا فَقَدْ عَصَى أَبَا الْقَاسِمِ)) ”رہا یہ آدمی تو اس نے ابو القاسم حضرت محمد ﷺ کی نافرمانی کی ہے۔“^(۴)

① صحیح مسلم: 568. ② جامع الترمذی: 1321. و صحیحہ الالبانی. ③ سنن أبي داود: 1332. و صحیحہ الالبانی.

④ صحیح مسلم: 655.

﴿14﴾ نماز نفل گھروں میں ادا کرنا افضل ہے۔

نماز نفل (جس میں فرض نمازوں سے پہلے یا ان کے بعد کی سنتیں بھی شامل ہیں) مسجد میں پڑھنے کی بجائے گھر میں پڑھنا افضل ہے۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

« فَصَلُّوا أَيْهَا النَّاسُ فِي بُيُوتِكُمْ ، فَإِنَّ أَفْضَلَ الصَّلَاةِ صَلَاةَ الْمَرْءِ فِي بَيْتِهِ إِلَّا الْمَكْتُوبَةَ »

”لوگو! تم اپنے گھروں میں بھی نماز پڑھا کرو، کیونکہ آدمی کی سب سے افضل نماز وہ ہے جسے وہ اپنے گھر میں ادا کرے، سوائے فرض نماز کے۔“⁽¹⁾

اور صحیح مسلم میں اس حدیث کے الفاظ یوں ہیں: «فَعَلَيْكُمْ بِالصَّلَاةِ فِي بُيُوتِكُمْ . فَإِنَّ خَيْرَ صَلَاةِ الْمَرْءِ فِي بَيْتِهِ إِلَّا الصَّلَاةَ الْمَكْتُوبَةَ»

”تم اپنے گھروں میں بھی نماز ضرور پڑھا کرو، کیونکہ آدمی کی بہترین نماز وہ ہے جو وہ اپنے گھر میں پڑھے، سوائے فرض نماز کے۔“²

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

« اجْعَلُوا فِي بُيُوتِكُمْ مِنْ صَلَاتِكُمْ . وَلَا تَتَّخِذُوهَا قَبُورًا »

”تم کچھ نماز اپنے گھروں میں ادا کیا کرو اور انھیں قبرستان مت بناؤ۔“⁽³⁾

جبکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

« إِذَا قَضَيْتُمْ الصَّلَاةَ فِي مَسْجِدِهِ فَلْيَجْعَلْ لِبَيْتِهِ نَصِيبًا مِنْ صَلَاتِهِ . فَإِنَّ اللَّهَ جَاعِلٌ فِي بَيْتِهِ مِنْ صَلَاتِهِ خَيْرًا »

”تم میں سے کوئی شخص جب مسجد میں نماز پڑھے تو وہ اپنی نماز میں سے کچھ حصہ اپنے گھر کے لیے بھی رکھے، کیونکہ گھر میں کچھ نماز ادا کرنے سے اللہ تعالیٰ گھر میں خیر بھلائی لاتا ہے۔“⁽⁴⁾

حضرات محترم! یہ تھے مساجد کے چند ضروری آداب جن کا خیال رکھنا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو مساجد سے محبت کرنے اور انھیں آباد کرنے کی توفیق دے۔

① صحیح البخاری: 731. ② صحیح مسلم: 781. ③ صحیح البخاری: 432، و صحیح مسلم: 777. ④ صحیح مسلم: 778.

ایمان کے فضائل اور ارکان

اہم عناصر خطبہ

- (1) ایمان کی اہمیت (2) ایمان کا مفہیم
(3) ایمان کے ارکان (4) ایمان باللہ اور اس کے تقاضے

پہلا خطبہ

براہِ رانِ اسلام! آج کے خطبہ جمعہ کا آغاز ہم قرآن مجید کی دو آیات مبارکہ سے کرتے ہیں:
پہلی آیت: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝﴾

”جو شخص نیک عمل کرے، مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ ایمان والا ہو تو اسے ہم یقیناً بہت ہی اچھی زندگی عطا کریں گے۔ اور ان کے نیک اعمال کا بہتر بدلہ بھی انہیں ضرور دیں گے۔“⁽¹⁾

دوسری آیت: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ طُوبٰى لَهُمْ وَحَسُنَ مَا ابْرَءَ﴾

”جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے، ان کے لیے خوشحالی بھی ہے اور عمدہ ٹھکانا بھی۔“⁽²⁾

پہلی آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے نیک عمل کرنے والے ہر مرد و عورت کو دنیا میں پاکیزہ زندگی عطا کرنے اور آخرت میں ان کے اعمال کا بہتر بدلہ دینے کا وعدہ فرمایا ہے، لیکن اس شرط پر کہ عمل کرنے والا خواہ مرد ہو یا عورت ایمان والا ہو۔۔۔ اس سے معلوم ہوا کہ دنیا و آخرت کی کامرانی و کامیابی کے لیے ایمان بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔

اسی طرح دوسری آیت کریمہ میں بھی اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں اور عمل صالح کرنے والوں کو دنیا میں خوشحالی اور

اگر ایک انسان ایمان والا ہو، اس کے ساتھ ساتھ کبیرہ گناہوں کا ارتکاب بھی کرتا ہو اور اسی حالت میں تو بہ کرنے سے پہلے اس کی موت آجائے تو روز قیامت اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو اسے اس کے گناہوں کی سزا دے گا اور پھر اس کے ایمان ہی کی بنیاد پر اسے جہنم سے نجات دے کر جنت میں داخل کرے گا۔ جیسا کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ حدیث الشفاعة کے ضمن میں بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿فَأَقُولُ : أَنَا لَهَا ، فَأَنْطَلِقُ فَأَسْتَأْذِنُ عَلَى رَبِّي ، فَيُؤْذَنُ لِي ، فَأَقُولُ بَيْنَ يَدَيْهِ ، فَأَحْمَدُهُ بِمُحَمَّدٍ لَا أَقْدِرُ عَلَيْهِ إِلَّا ، يُلْهِمُنِيهِ اللَّهُ ، ثُمَّ أَخِرُّ لَهُ سَاجِدًا ، فَيُقَالُ لِي : يَا مُحَمَّدُ ! ارْفَعْ رَأْسَكَ ، وَقُلْ يُسْمِعْ لَكَ ، وَسَلِّ تَعْطَهُ ، وَاشْفَعْ تُشْفَعُ ، فَأَقُولُ : رَبِّ أُمَّتِي أُمَّتِي ، فَيُقَالُ : انْطَلِقْ ، فَمَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ بَرٍّ أَوْ شَعِيرَةٍ مِنْ إِيْمَانٍ فَأَخْرَجَهُ مِنْهَا ، فَأَنْطَلِقُ فَأَفْعَلُ ، ثُمَّ أَرْجِعُ إِلَى رَبِّي فَأَحْمَدُهُ بِتِلْكَ الْمُحَامِدِ ، ثُمَّ أَخِرُّ لَهُ سَاجِدًا ، فَيُقَالُ لِي : يَا مُحَمَّدُ ! ارْفَعْ رَأْسَكَ ، وَقُلْ يُسْمِعْ لَكَ ، وَسَلِّ تَعْطَهُ ، وَاشْفَعْ تُشْفَعُ ، فَأَقُولُ : رَبِّ أُمَّتِي أُمَّتِي ، فَيُقَالُ : انْطَلِقْ ، فَمَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ خَرَدَلٍ مِنْ إِيْمَانٍ فَأَخْرَجَهُ مِنْهَا ، فَأَنْطَلِقُ فَأَفْعَلُ ، ثُمَّ أَعُودُ إِلَى رَبِّي فَأَحْمَدُهُ بِتِلْكَ الْمُحَامِدِ ، ثُمَّ أَخِرُّ لَهُ سَاجِدًا ، فَيُقَالُ لِي : يَا مُحَمَّدُ ! ارْفَعْ رَأْسَكَ ، وَقُلْ يُسْمِعْ لَكَ ، وَسَلِّ تَعْطَهُ ، وَاشْفَعْ تُشْفَعُ ، فَأَقُولُ : رَبِّ أُمَّتِي أُمَّتِي ، فَيُقَالُ : انْطَلِقْ ، فَمَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ أَذْنَى أَذْنَى مِنْ مِثْقَالِ حَبَّةٍ مِنْ خَرَدَلٍ مِنْ إِيْمَانٍ فَأَخْرَجَهُ مِنَ النَّارِ ، فَأَنْطَلِقُ فَأَفْعَلُ﴾

”میں کہوں گا: میں اس کے لیے تیار ہوں۔ چنانچہ میں جاؤں گا اور اپنے رب سے اجازت طلب کروں گا۔ جب مجھے اجازت دی جائے گی تو میں اس کی بارگاہ میں کھڑا ہو جاؤں گا اور اس کی وہ تعریفیں کروں گا جو اب نہیں کر سکتا۔ وہ صرف اسی وقت اللہ تعالیٰ مجھے الہام کرے گا، پھر میں اس کے سامنے سجدہ ریز ہو جاؤں گا، پھر مجھے کہا جائے گا: اے محمد! اپنا سر اٹھائیے اور بات کیجئے، آپ کی بات سنی جائے گی۔ اور سوال کیجئے، آپ کا سوال پورا کیا جائے گا۔ اور شفاعت کیجئے، آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔“

میں کہوں گا: اے میرے رب! میری امت کی بخشش فرما اور میری امت کو جہنم سے بچا۔

کہا جائے گا: آپ جاپے اور جس شخص کے دل میں گندم یا جو کے دانے کے برابر ایمان ہو اسے جہنم سے نکال لیجیے!

میں جاؤں گا اور اسی طرح کرونگا جیسا کہ مجھے حکم دیا جائے گا۔

پھر میں اپنے رب کے پاس واپس لوٹ کر آؤں گا اور وہی تعریفیں پھر عرض کرونگا۔ اس کے بعد سجدہ ریز ہو جاؤں گا۔

پھر مجھے کہا جائے گا: اے محمد! اپنا سراٹھائیے اور بات کیجئے، آپ کی بات سنی جائے گی۔ اور سوال کیجئے، آپ کا سوال پورا کیا جائے گا۔ اور شفاعت کیجئے، آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔

میں کہوں گا: اے میرے رب! میری امت کی بخشش فرما اور میری امت کو جہنم سے بچا۔

کہا جائے گا: آپ جاییے اور جس شخص کے دل میں ایک رائی کے دانے کے برابر ایمان ہو اسے جہنم سے نکال لیجئے!

میں جاؤں گا اور اسی طرح کرونگا جیسا کہ مجھے حکم دیا جائے گا۔

پھر میں اپنے رب کے پاس واپس لوٹ کر آؤں گا اور وہی تعریفیں پھر عرض کرونگا۔ اس کے بعد سجدہ ریز ہو جاؤں گا۔

پھر مجھے کہا جائے گا: اے محمد! اپنا سراٹھائیے اور بات کیجئے، آپ کی بات سنی جائے گی۔ اور سوال کیجئے، آپ کا سوال پورا کیا جائے گا۔ اور شفاعت کیجئے، آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔

میں کہوں گا: اے میرے رب! میری امت کی بخشش فرما اور میری امت کو جہنم سے بچا۔

کہا جائے گا: آپ جاییے اور جس شخص کے دل میں ایک رائی کے دانے سے بھی کم، اس سے بھی کم اور اس سے بھی کم ایمان ہو اسے جہنم سے نکال لیجئے!

میں جاؤں گا اور اسی طرح کرونگا جیسا کہ مجھے حکم دیا جائے گا..... الخ^(۱)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ روز قیامت ایمان ہی کی بنیاد پر انسان کی نجات ممکن ہو سکے گی۔ اور کسی انسان کی نجات کے لیے ایمان اس قدر اہم ہے کہ اگر یہ رائی کے دانے سے بھی کم ہوگا تو اللہ تعالیٰ اسے ضرور جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کر دے گا۔

اور جب ایمان دنیا و آخرت میں انسان کی کامیابی اور نجات کے لیے اتنا اہم ہے تو اس کی تعریف کا جاننا اور اس کے ارکان کو معلوم کرنا نہایت ضروری ہے۔

ایمان کی تعریف

ایمان تین چیزوں کا نام ہے: قول باللسان، واعتقاد بالجنان، وعمل بالارکان

زبان کا اقرار۔ دل کی تصدیق۔ اور اعضاء کا عمل۔

یعنی زبان سے ایمان کے تمام ارکان کا اقرار کرنا اور دل سے ان کی تصدیق کرنا مثلاً اللہ تعالیٰ کی ربوبیت، الوہیت اور اس کے اسماء و صفات میں اس کی وحدانیت کا زبان سے اقرار کرنا اور دل میں یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ اکیلا ہی کائنات کا خالق و مالک اور عبادت کے لائق ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی طرح وہ اپنے اسماء و صفات میں بھی یکتا اور منفرد ہے۔

نیز ایمان کی تعریف میں دل کے اعمال بھی شامل ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا، اسی سے ڈرنا، اسی کی طرف رجوع کرنا اور اسی پر توکل کرنا وغیرہ۔

اور چونکہ ایمان میں اعمال بھی شامل ہیں اس لیے عمل صالح کرنے سے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے اور نافرمانی کرنے سے ایمان میں کمی واقع ہوتی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُ رَبِّهِمْ زَانِهَاتٌ وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ۝ الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ ۝ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا لَهُمْ دَرَجَاتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ۝﴾

”سچے مومن تو وہ ہیں کہ جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل کانپ اٹھتے ہیں۔ اور جب انھیں اللہ کی آیات سنائی جائیں تو ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے۔ اور وہ اپنے رب پر ہی بھروسہ کرتے ہیں۔ (اور) وہ نماز قائم کرتے ہیں اور ہم نے جو مال و دولت انھیں دے رکھا ہے اس میں سے وہ خرچ کرتے ہیں۔ یہی سچے مومن ہیں جن کے لیے ان کے رب کے ہاں درجات ہیں، بخشش ہے اور عزت کی روزی ہے۔“

ان آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے سچے مومنوں کی پانچ صفات ذکر فرمائی ہیں۔ ان میں سے پہلی تین صفات کا تعلق دل سے اور دوسری دو صفات کا تعلق اعضاء سے ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حقیقی اور سچے ایمان کے حصول کے لیے اعضاء کا عمل ضروری ہے۔ اور یہ بھی ثابت ہوا کہ عمل صالح سے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے۔

ایمان اور عمل

ایمان صرف زبان کے اقرار اور دل کی تصدیق ہی کا نام نہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ عمل صالح بھی ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی متعدد آیات کریمہ میں ان لوگوں کو جنت کی خوشخبریاں دی ہیں جو ایمان والے اور عمل صالح کرنے والے ہوں۔ جیسا کہ اس کا فرمان ہے:

﴿وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ كُلَّمَا رُزِقُوا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رُزِقُوا قَالُوا هَذَا الَّذِي رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ وَأُتُوا بِهِ مُتَشَابِهًا وَلَهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُطَهَّرَةٌ وَهُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾

”(اے پیغمبر) جو لوگ ایمان لائیں اور اچھے عمل کریں انہیں خوشخبری دے دیجئے کہ ان کے لیے ایسے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ جب بھی انہیں کوئی پھل کھانے کو دیا جائے گا تو کہیں گے: یہ تو وہی پھل ہیں جو ہمیں اس سے پہلے (دنیا میں) دیے جا چکے ہیں، کیونکہ جو پھل انہیں دیا جائے گا وہ شکل و صورت میں دنیا کے پھل سے ملتا جلتا ہوگا۔ نیز ان ایمان والوں کے لیے وہاں پاک و صاف بیویاں (بھی) ہوں گی۔ اور وہ ان باغات میں ہمیشہ قیام پذیر رہیں گے۔“

اسی طرح فرمایا: ﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾

”البتہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے عمل کیے، نماز قائم کرتے رہے اور زکوٰۃ ادا کرتے رہے تو ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے۔ انہیں نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔“^(۱)

بلکہ اللہ تعالیٰ نے قسم اٹھا کر تمام انسانوں کو خسارہ پانے والے قرار دیا ہے، سوائے ان کے جو ایمان والے ہوں اور عمل صالح کرتے ہوں۔ فرمان الہی ہے: ﴿وَالْعَصْرُ ۝ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ ۝ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝﴾

”زمانے کی قسم! بلاشبہ انسان گھاٹے میں ہے، سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے۔ اور ایک دوسرے کو حق کی تلقین اور صبر کی تاکید کرتے رہے۔“^(۲)

اور سورۃ التین میں تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے ایک نہیں، کئی قسمیں اٹھا کر فرمایا کہ تمام انسان اشرف المخلوقات ہونے کے باوجود ادنیٰ ترین مخلوق کے درجے میں ہیں، سوائے ان کے جو ایمان والے ہوں اور عمل صالح کرتے ہوں۔ فرمایا:

﴿وَالَّتَيْنِ وَالزَّيْتُونِ ۝ وَالْعِوَجِ سَيْبِينَ ۝ وَهَذَا الْبَلَدِ الْأَمِينِ ۝ لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ ۝ ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِينَ ۝ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ ۝﴾

”قسم ہے انجیر کی اور زیتون کی۔ اور طور سینا کی اور اس امن والے شہر (مکہ) کی کہ ہم نے انسان کو بہترین

ساخت پر پیدا کیا ہے، پھر ہم نے اسے ادنیٰ ترین مخلوق کے درجہ میں لوٹا دیا، بجز ان لوگوں کے جو ایمان لانے اور نیک عمل کیے۔ ان کے لیے غیر منقطع اجر ہے۔^(۱)

ان تمام آیاتِ کریمہ سے ثابت ہوا کہ زبان کے اقرار اور دل کی تصدیق کے ساتھ ساتھ اعضاء کے اعمال بھی ایمان میں شامل ہیں۔

﴿۱﴾ اوامر پر عمل

اعضاء کے اعمال میں ایک تو وہ اعمال ہیں جن کا تعلق انتہائی اوامر سے ہے، یعنی ان احکامات پر عملدرآمد کرنے سے ہے جو اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول ﷺ نے صادر فرمائے مثلاً نماز، روزہ، حج، زکاۃ، جہاد..... وغیرہ

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ۝ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ حَشِعُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ لِلزَّكَاةِ فَاعِلُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ ۝ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ۝ فَمَنْ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمْتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ زَعُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَوَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ ۝ أُولَٰئِكَ هُمُ الْوَارِثُونَ ۝ الَّذِينَ يَرِثُونَ الْفُرُوسَ ۝ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝﴾

”ایمان والے لوگ کامیاب ہو گئے۔ جو اپنی نماز میں عاجزی کرتے ہیں۔ اور جو بے ہودہ باتوں سے دور رہتے ہیں۔ اور جو زکاۃ ادا کرتے رہتے ہیں۔ اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں، سوائے اپنی بیویوں اور کنیزوں کے جو ان کے قبضہ میں ہوں، کیونکہ ان کے معاملہ میں ان پر کوئی ملامت نہیں۔ البتہ ان کے سوا جو کوئی اور ذریعہ تلاش کرے تو ایسے ہی لوگ حد سے بڑھنے والے ہیں۔ اور جو اپنی امانتوں اور عہدو پیمان کا پاس رکھتے ہیں۔ اور اپنی نمازوں پر محافظت کرتے ہیں۔ یہی لوگ ایسے ہیں جو فردوس کے وارث بنیں گے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔“^(۲)

ان آیاتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی جو صفات ذکر فرمائی ہیں ان میں سے بعض کا تعلق دل سے اور بعض کا تعلق اعضاء سے ہے۔ یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اعضاء کے اعمال ایمان میں شامل ہیں۔

نیز فرمایا: ﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ۝﴾

”(حقیقی) مومن تو وہ لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے، پھر شک میں نہیں پڑے اور اپنے

مالوں اور جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ یہی سچے (مومن) ہیں۔“^۱
اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو سچا مومن قرار دیا ہے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لانے کے ساتھ ساتھ اپنی جانوں اور اپنے اموال کے ساتھ جہاد بھی کرتے ہیں۔ اس کا معنی یہ ہوا کہ جہاد بھی ایمان میں شامل ہے۔

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
«مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَصْمُتْ ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ جَارَهُ ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ»
”جو شخص اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو تو وہ خیر ہی کی بات کرے، ورنہ خاموش رہے۔ اور جو شخص اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو تو وہ اپنے پڑوسی کی عزت کرے۔ اور جو شخص اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو تو وہ اپنے مہمان کا اکرام کرے۔“^۲
یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ خیر کی بات کرنا، پڑوسی کے حقوق ادا کرنا اور مہمان نوازی کرنا..... یہ سارے اعمال ایمان میں شامل ہیں۔

۲ نواہی (ممنوعات) سے اجتناب

اعضاء کے اعمال میں امتثالِ ادا امر کے ساتھ ساتھ اجتنبِ نواہی بھی شامل ہے۔ یعنی ان اعمال سے بچنا جن سے اللہ تعالیٰ نے یا اس کے رسول ﷺ نے منع کیا ہے۔ اور نواہی میں سب سے پہلے شرک سے منع کیا گیا ہے۔

شرک سے اجتناب

فرمان الہی ہے: ﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ أُولَٰئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ وَهُمْ مُهْتَدُونَ﴾
”جو لوگ ایمان لائے، پھر اپنے ایمان کو ظلم (شرک) سے آلودہ نہیں کیا، انہی کے لیے امن و سلامتی ہے اور یہی لوگ راہِ راست پر ہیں۔“^۳

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی ﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ أُولَٰئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ وَهُمْ مُهْتَدُونَ﴾ تو یہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہم پر بہت گراں گذری۔ چنانچہ انہوں نے کہا: ہم میں سے کون ہے جس نے (گناہ اور معصیت کے ذریعے) اپنی جان پر ظلم نہیں کیا؟

① الحجرات 49:15. ② صحيح البخاري: 6138، 4675، صحيح مسلم: 47. ③ الانعام 6:82.

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((لَيْسَ هُوَ كَمَا تَظُنُّونَ ، إِنَّمَا هُوَ كَمَا قَالَ لَنَمَنَّ لَا بَيْتَ لَا تُشْرِكْ بِاللَّهِ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ ۝))

”اس سے مراد وہ نہیں جیسا کہ تم گمان کر رہے ہو، بلکہ اس سے مراد (شرک ہے) جیسا کہ حضرت لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا تھا: اے میرے پیارے بیٹے! اللہ کے ساتھ شرک مت کرنا کیونکہ شرک بہت بڑا ظلم ہے۔“^(۱)

معاصی سے اجتناب

اسی طرح ایمان میں معاصی (اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں) سے اجتناب کرنا بھی شامل ہے۔ جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((الْأَيُّزِيُّ الرَّائِي حِينَ يَزْنِي وَهُوَ مُؤْمِنٌ ، وَلَا بِسَرِقِ السَّارِقِ حِينَ يَسْرِقُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ ، وَلَا يَشْرِبُ الْخَمْرَ حِينَ يَشْرِبُهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ))

”کوئی زانی ایمان کی حالت میں زنا نہیں کر سکتا۔ اور کوئی چور بحالتِ ایمان چوری نہیں کر سکتا۔ اور کوئی شرابی ایمان کی حالت میں شراب نوشی نہیں کر سکتا۔“^(۲)

ایمان کے شعبے

ایمان کے بارے میں ہم نے جو وضاحت قرآن و سنت کی روشنی میں پیش کی اس کے بعد یہ بھی جان لیجئے کہ ایمان کے متعدد شعبے ہیں۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((الْإِيمَانُ بِضْعٌ وَسَبْعُونَ ، أَوْ بِضْعٌ وَسِتُّونَ ، شُعْبَةٌ : فَأَفْضَلُهَا قَوْلٌ : لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ، وَأَذْنَاهَا إِسَادَةُ الْأَذَى عَنِ الطَّرِيقِ وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الْإِيمَانِ))

”ایمان کے ستر (یا ساٹھ) سے زیادہ شعبے ہیں۔ سب سے افضل شعبہ ((لا إله إلا الله)) کہنا ہے۔ اور سب سے کم تر شعبہ راستے سے تکلیف دہ چیز کو دور کرنا ہے۔“^(۳)

ارکانِ ایمان

برادرانِ اسلام! اب آئیے ذرا یہ معلوم کریں کہ ایمان کے ارکان کتنے اور کون سے ہیں؟

(۱) صحیح البخاری: 32، صحیح مسلم: 124 واللفظ لہ: (۲) صحیح البخاری: 2475، صحیح مسلم: 57، (۳) صحیح مسلم: 35.

ایمان کے ارکان چھ ہیں۔ اور وہ ہیں:

(1) اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا (2) اس کے فرشتوں پر ایمان لانا

(3) اس کی کتابوں پر ایمان لانا (4) اس کے رسولوں پر ایمان لانا

(5) قیامت کے دن پر ایمان لانا (6) اچھی اور بری تقدیر پر ایمان لانا

یہ ارکان قرآن وحدیث کے متعدد دلائل سے ثابت ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَكِنَّ الْإِيمَانَ مِنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ﴾

”درحقیقت نیکی یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ پر، قیامت کے دن پر، فرشتوں پر، کتابوں پر اور تمام نبیوں پر ایمان لائے۔“⁽¹⁾

اسی طرح اس کا فرمان ہے:

﴿آمَنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ كُلٌّ آمَنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ لَا نُفَرِّقُ

بَيْنَ أَحَدٍ مِنْ رُسُلِهِ وَقَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا عَفَرَكَ رَبَّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ﴾

”رسول ایمان لایا اس چیز پر جو اس کی طرف اللہ تعالیٰ کی جانب سے اتری اور مؤمن بھی ایمان لائے۔ یہ

سب اللہ تعالیٰ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے، اس کے رسولوں

میں سے کسی میں ہم تفریق نہیں کرتے۔ اور وہ کہتے ہیں کہ اے رب! ہم نے تیرا ارشاد سن لیا اور مان لیا۔

اے ہمارے رب! ہمیں تیری بخشش چاہیے اور تیری ہی طرف لوٹ کر جانا ہے۔“⁽²⁾

نیز فرمایا: ﴿إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ﴾

”بے شک ہم نے ہر چیز کو ایک (مقررہ) اندازے پر پیدا فرمایا ہے۔“⁽³⁾

اور نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((الْإِيمَانُ أَنْ تُؤْمِنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَتُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ

خَيْرُهُ وَشَرُّهُ))

”ایمان یہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر، قیامت کے

دن پر اور اچھی و بری تقدیر پر ایمان لائیں۔“⁽⁴⁾

عزیزان گرامی! ارکان ایمان اختصار کے ساتھ ذکر کرنے کے بعد اب انھیں تفصیل کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔

(1) البقرة: 177، (2) البقرة: 285، (3) القمر: 49، (4) صحيح مسلم: 8.

پہلا رن

اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا

ایمان باللہ تین چیزوں پر اعتقاد رکھنے کا نام ہے:

(۱) اس بات کا اعتقاد رکھنا کہ اس کائنات کا رب ایک ہی ہے اور وہ اکیلا ہی اس کا خالق و مالک ہے۔ وہی اس کے تمام امور کی تدبیر کرنے والا ہے اور وہی اس کائنات کے معاملات میں تصرف کرنے والا ہے۔ روزی دینے والا وہی ہے، زندہ کرنے والا وہی ہے، مارنے والا وہی ہے۔ اور وہی نفع و نقصان کا مالک ہے، اس کے سوا اور کوئی رب (پروردگار) نہیں۔ وہ جو چاہتا ہے سو کرتا ہے۔ اور جس چیز کا ارادہ کر لے اسے کہتا ہے: ہو جا، تو وہ ہو جاتی ہے۔ جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جسے چاہتا ذلیل کرتا ہے۔ اسی کے ہاتھ میں آسمانوں اور زمینوں کی بادشاہت ہے۔ اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔ وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ وہ دوسروں سے بے پرواہ ہے۔ ہر قسم کا حکم اسی کے لیے ہے۔ ہر قسم کی بھلائی اسی کے ہاتھ میں ہے۔ اس کے کاموں میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ اور نہ ہی اس پر کوئی غلبہ پانے والا ہے، بلکہ تمام مخلوقات فرشتے اور جن و انس سب اسی کے غلام اور بندے ہیں۔ یہ سب اس کی بادشاہت، طاقت اور اس کے ارادے سے باہر نہیں نکل سکتے۔

یہ تمام خصوصیات صرف اسی کا حق ہیں، وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ ان چیزوں کا اس کے سوا اور کوئی حق دار نہیں۔ ان چیزوں کی نسبت کسی اور کی طرف کرنا یا ان میں سے کسی چیز کا اثبات اس کے سوا کسی اور کے لیے کرنا قطعاً جائز نہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً ۖ وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَكُمْ ۝﴾

”اے لوگو! اپنے اس رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا فرمایا، تاکہ تم پر ہیزگار بن جاؤ۔ وہ ذات جس نے تمہارے لیے زمین کو بچھونا اور آسمان کو چھت بنایا اور آسمان سے پانی اتار کر اس سے پھل پیدا کیے جو تمہارے لیے روزی ہیں۔“^۱

اور فرمایا: ﴿قُلِ اللَّهُمَّ مِلْكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُدْخِلُ
مَنْ تَشَاءُ فِي بَيْدِكَ الْخَيْرُ إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝﴾

① البقرة: 2: 21, 22.

”آپ کہہ دیجئے اے اللہ! اے تمام بادشاہت کے مالک! تو جسے چاہتا ہے بادشاہت دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے بادشاہت چھین لیتا ہے۔ اور تو جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ذلت دیتا ہے۔ تیرے ہی ہاتھ میں سب بھلائیاں ہیں۔ بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔“^(۱)

اور فرمایا: ﴿وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا كُلٌّ فِي كِتَابٍ

مَبِين

”زمین پر چلتے پھرنے والے جتنے جاندار ہیں سب کا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔ وہی ان کے رہنے سہنے کی جگہ کو جانتا ہے اور ان کے سونے جانے کی جگہ کو بھی۔ سب کچھ واضح کتاب میں موجود ہے۔“^{۱۰}

اور فرمایا: ﴿إِلَّا لَهُ الْخَلْقُ﴾، الْأَمْرُ تَبَرَّكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴿﴾

”یاد رکھو! اللہ ہی کے لیے خاص ہے خالق ہونا اور حاکم ہونا، بابرکت ہے وہ اللہ جو تمام عالم کا پروردگار ہے۔“³

اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کے دلائل

اللہ تعالیٰ کی ربوبیت پر بے شمار دلائل موجود ہیں۔ جو شخص بھی ان میں غور و فکر کرے گا اس کے علم میں پختگی حاصل ہوگی اور اس کا یقین بڑھ جائے گا کہ باری تعالیٰ اپنی ربوبیت والوہیت میں یکتا و لاثنانی ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ ان دلائل میں سے چند ایک کو ہم بطور مثال ذکر کرتے ہیں:

ان کائنات کی تخلیق اور اس کا عجیب و غریب نظم و نسق اللہ تعالیٰ کی قدرت کا عظیم شاہکار ہے۔ جو آدمی بھی غور و فکر اور سوچ و بچار کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار کیے بغیر نہیں رہ سکے گا۔

یہ زمین و آسمان، یہ سورج اور چاند، حیوانات، نباتات اور جمادات، لیل و نہار کا بڑا ہی دقیق نظام یہ سب چیزیں دلالت کرتی ہیں کہ وہ اکیلا ہی ان کا خالق و مالک اور عبادت کا مستحق ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَجَعَلْنَا فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَنْ تَمِيدَ بِهِمْ ۖ وَجَعَلْنَا فِيهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ ۝ وَجَعَلْنَا السَّمَاءَ سَفْهًُا مُحْفُوظًا ۖ وَهُمْ عَنْ آيَاتِهَا مُعْرِضُونَ ۝ وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ۝﴾

”اور ہم نے زمین میں پہاڑ بنادیے تاکہ وہ انھیں لے کر ہچکولے نہ کھائے۔ اور ہم نے اس میں کشادہ راہیں بنادیں تاکہ وہ راستہ معلوم کر لیں۔ اور آسمان کو محفوظ چھت بھی ہم نے ہی بنایا ہے لیکن لوگ اس کی قدرت کی

نشانوں سے منہ پھیرنے والے ہیں۔ وہی اللہ ہے جس نے رات اور دن اور سورج اور چاند کو پیدا کیا ہے۔ ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے مدار میں تیرتے پھرتے ہیں۔“^(۱)

(۲) اللہ تعالیٰ اپنی قدرت اور ربوبیت کی متعدد نشانیاں ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے:

﴿وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافَ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ ۚ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّلْعَالَمِينَ ۝ وَمِنْ آيَاتِهِ مَنَامُكُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَاؤُكُمْ مِنْ فَضْلِهِ ۚ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ۝ وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ تَقُومَ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ بِأَمْرِهِ ۚ ثُمَّ إِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً مِّنَ الْأَرْضِ إِذَا أَنْتُمْ تَخْرُجُونَ ۝﴾

”اور اس کی نشانوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر اب تم ایک انسان ہو جو ہر جگہ پھیل رہے ہو۔ اور ایک یہ کہ اس نے تمہاری ہی جنس سے تمہارے لیے بیویاں پیدا کیں تاکہ تم ان کے پاس سکون حاصل کر سکو۔ اور اس نے تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کر دی، اس میں غور و فکر کرنے والوں کے لیے کئی نشانیاں ہیں۔ اور ایک یہ کہ اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور تمہاری زبانیں اور تمہارے رنگ مختلف بنا دیے، دانش مندوں کے لیے اس میں بھی یقینا کئی نشانیاں ہیں۔ نیز تمہارا رات اور دن کو سونا اور اس کا فضل تلاش کرنا بھی اس کی نشانوں میں سے ہے، جو لوگ غور سے سنتے ہیں ان کے لیے اس میں بہت سی نشانیاں ہیں۔ اور ایک یہ کہ وہ تمہیں بجلی دکھاتا ہے جس سے تم ڈرتے بھی ہو اور امید بھی رکھتے ہو۔ اور آسمان سے پانی برساتا ہے جس سے زمین و اس کے مرنے کے بعد زندہ کر دیتا ہے، سمجھنے والوں کے لیے اس میں بھی بہت سی نشانیاں ہیں۔ اور اس کی نشانوں میں سے ایک یہ ہے کہ زمین و آسمان اسی کے حکم سے (بلاستون) قائم ہیں، پھر جب وہ تمہیں ایک ہی دفعہ زمین میں سے پکارے گا تو تم زمین سے نکل کھڑے ہو گے۔“^(۲)

(۳) اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانوں میں سے ایک نشانی جانوروں کے پیٹ سے نکلنے والا صاف، سفید، خوش رنگ، پاکیزہ، مزیدار اور خالص دودھ بھی ہے جو محض ایک مشروب ہی نہیں بلکہ انسانی جسم کی نشوونما کے لیے مکمل غذا کا کام دیتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۚ نُسْقِيكُمْ مِمَّا فِي بُطُونِهِمْ مِنْ بَيْنِ فَرْثٍ وَدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَائِغًا لِلشَّارِبِينَ ۝﴾

”اور تمہارے لیے چوپائے جانوروں میں بھی نشانِ عبرت موجود ہے۔ ان کے پیٹوں میں غذا کا فضلہ اور خون موجود ہوتا ہے۔ ان دونوں چیزوں کے درمیان سے ہم تمہیں خالص دودھ پلاتے ہیں جو پینے والوں کے لیے خوشگوار ہوتا ہے۔“^(۱)

(۴) اسی طرح قدرتِ الہی کی ایک بڑی نشانی شہد کی مکھی کے پیٹ سے نکلنے والا لذیذ مشروب ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے لیے شفا رکھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَأَوْحَىٰ رَبُّكَ إِلَى النَّحْلِ أَنِ اتَّخِذِي مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا وَمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُونَ ۖ ثُمَّ كُلِّي مِنْ كُلِّ الشَّجَرِ فَاسْلُكِي سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ۚ يَخْرُجُ مِنْ بُطُونِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ فِيهِ شِفَاءٌ لِلنَّاسِ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ۝﴾

”اور آپ کے رب نے شہد کی مکھی کی طرف وحی کی کہ پہاڑوں میں، درختوں میں اور (انگور وغیرہ کی) بیلوں میں اپنا گھر (چھتا) بنا، پھر ہر قسم کے پھل سے اس کا رس چوس اور اپنے رب کی ہموار کردہ راہوں پر چلتی رہ۔ ان مکھیوں کے پیٹ سے مختلف رنگوں کا مشروب (شہد) نکلتا ہے جس میں لوگوں کے لیے شفا ہے۔ یقیناً اس میں بھی ایک نشانی ہے ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں۔“^(۲)

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ شہد کی مکھی اور اس کے پیٹ سے نکلنے والے مشروب میں قدرتِ الہی کی کئی نشانیاں موجود ہیں:

(۱) شہد کی مکھی کی طرف اللہ تعالیٰ کی فطری وحی کے نتیجے میں وہ اپنے لیے ایسا چھتا یا اپنا گھر بناتی ہے جسے انسان دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی ماہر انجینئر نے اس کی ڈیزائننگ کی ہے۔ اس چھتے میں خانے ہوتے ہیں اور انھی خانوں میں مکھیاں شہد کا ذخیرہ کرتی ہیں۔ اور بیرونی خانوں پر پہرہ دار مکھیاں پہرہ دیتی ہیں جو اجنبی مکھیوں یا کیڑوں کو ان خانوں میں گھسنے نہیں دیتیں۔

(۲) ایک مکھی ان مکھیوں کی سردار یا ملکہ ہوتی ہے اور سب مکھیاں اس کی تابع فرمان ہوتی ہیں۔ اور جب وہ رزق کی تلاش میں نکلتی ہیں تو ان میں ایسا نظم و ضبط پایا جاتا ہے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔

(۳) مکھیاں تلاشِ معاش میں اڑتی اڑتی دور دراز جگہوں پر جا پہنچتی ہیں اور مختلف رنگ کے پھلوں، پھولوں اور میٹھی چیزوں پر بیٹھ کر ان کا رس چوستی ہیں، پھر یہی رس اپنے چھتا کے خانوں میں لا کر ذخیرہ کرتی رہتی ہیں، گویا ان مکھیوں کا نظم و ضبط، پیہم آمد و رفت، ایک خاص قسم کا گھرتیار کرنا، پھر باقاعدگی کے ساتھ اس میں شہد کو ذخیرہ کرتے رہنا۔۔۔

یہ سب راہیں اللہ تعالیٰ نے مکھی کے لیے اس طرح ہموار کر دی ہیں کہ اسے کبھی سوچنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی۔

(4) شہد مختلف رنگوں میں ہوتا ہے اور اس کے متعدد خواص ہیں۔ سب سے اہم خاصیت یہ ہے کہ بہت سی بیماریوں کے لیے شفا کا حکم رکھتا ہے۔ دوسری خاصیت یہ ہے کہ جو اشیاء شہد میں رکھی جائیں وہ بڑی مدت تک اس میں برقرار و بحال رہتی ہیں۔ اور اگر دو انیاں ڈالی جائیں تو ان کا اثر حتیٰ کہ ان کی خوشبو بھی طویل عرصہ تک برقرار رہتی ہے۔

(5) سب سے حیران کن بات یہ ہے کہ شہد کی مکھی بذات خود ایک زہریلا جانور ہے۔ انسان کو ڈس جائے تو اس کی جلد متورم اور اس میں سوزش پیدا ہو جاتی ہے۔ اور ایسے زہریلے جانور کے اندر سے نکلا ہوا شہد انسان کی اکثر بیماریوں کے لیے باعثِ شفا ہے۔ نیز اس کے لیے ایک شیریں اور لذیذ غذا کا کام بھی دیتا ہے۔⁽¹⁾

② ایمان باللہ کا دوسرا لازمی تقاضا یہ ہے کہ بندہ یہ اعتقاد رکھے کہ اللہ تعالیٰ ہی معبودِ برحق ہے، وہ اکیلا ہی تمام قسم کی ظاہری و باطنی عبادات کا مستحق ہے اور عبادات میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں۔

یہ وہ توحید ہے کہ جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کو مبعوث فرمایا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ﴾

”اور یقیناً ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا کہ (لوگو!) صرف اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے بچو۔“⁽²⁾

(اللہ تعالیٰ کے علاوہ جس کی عبادت کی جائے اور وہ اس عبادت سے راضی ہو وہ طاغوت ہے)

اور ہر رسول نے اپنی قوم کو یہی فرمایا:

﴿اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ﴾

”تم ایک اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔“⁽³⁾

اور حدیثِ پاک میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

((أَتَذَرِي مَا حَقَّ لِلَّهِ عَلَى الْعِبَادِ وَمَا حَقَّ الْعِبَادُ عَلَى اللَّهِ؟ قُلْتُ: اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ. قَالَ:

حَقَّ لِلَّهِ عَلَى الْعِبَادِ أَنْ يَعْبُدُوهُ وَلَا يُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا، وَحَقَّ الْعِبَادُ عَلَى اللَّهِ أَلَّا يُعَذِّبَ مَنْ لَا

يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا))

”کیا تم جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کا بندوں پر اور بندوں کا اللہ تعالیٰ پر کیا حق ہے؟ میں نے کہا: اللہ اور اس کے

رسول ﷺ زیادہ جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا بندوں پر یہ حق ہے کہ وہ اس کی عبادت کریں

اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ اور بندوں کا اللہ تعالیٰ پر حق یہ ہے کہ وہ ایسے شخص کو عذاب میں

(1) تیسیر القرآن از مولانا عبد الرحمن کیلانی، (2) النحل 16: 36، (3) الأعراف 7: 59.

بتلا نہ کرے جو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔“^(۱)

لہذا تمام عبادات (مثلاً دعا، نذر و نیاز، توکل، ذبح وغیرہ) صرف اللہ تعالیٰ کے لیے بجالائی جائیں، اسی کے سامنے ہاتھ پھیلائے جائیں، اسی کو حاجت روا، مشکل کشا، بگڑی بنانے والا، داتا اور نفع و نقصان کا مالک سمجھا جائے، کیونکہ وہی معبود برحق ہے، اس کے سوا باقی تمام معبودان باطل ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ذَلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّ مَا يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ هُوَ الْبَاطِلُ وَأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ﴾

”یہ سب اس لیے کہ اللہ ہی حق ہے اور اس کے سوا جسے بھی یہ پکارتے ہیں وہ باطل ہے۔ اور بے شک اللہ ہی بلندی والا اور کبریائی والا ہے۔“^(۲)

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ لَا شَرِيكَ لَهُ ۝ وَبِذَلِكَ أُفْهِمُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ ۝﴾

”آپ ان سے کہہ دیجئے کہ میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور میری موت سب کچھ رب العالمین کے لیے ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔ مجھے اسی بات کا حکم دیا گیا ہے۔ اور میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار ہوں۔“^(۳)

اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: «إِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلِ اللَّهَ ، وَإِذَا اسْتَعْنَتْ فَاسْتَعِنْ بِاللَّهِ ، وَاعْلَمْ أَنَّ الْأُمَّةَ لَوِ اجْتَمَعَتْ عَلَى أَنْ يَنْفَعُوكَ بِشَيْءٍ ، لَمْ يَنْفَعُوكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللَّهُ لَكَ ، وَإِنْ اجْتَمَعُوا عَلَى أَنْ يَضُرُّوكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَضُرُّوكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللَّهُ عَلَيْكَ»

”تم جب بھی مانگنا چاہو تو صرف اللہ تعالیٰ سے مانگو۔ اور تمہیں جب بھی مدد کی ضرورت ہو تو صرف اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرو۔ اور اس بات پر اچھی طرح سے یقین کر لو کہ اگر تمام لوگ مل کر تمہیں کوئی نفع پہنچانا چاہیں تو وہ ایسا نہیں کر سکتے، سوائے اس نفع کے جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے حق میں لکھ رکھا ہے۔ اور اگر وہ سب کے سب مل کر تمہیں نقصان پہنچانا چاہیں تو وہ ایسا بھی نہیں کر سکتے۔ ہاں اللہ تعالیٰ نے تمہارا جو نقصان لکھ رکھا ہے وہ تو ہو کر رہے گا۔“^(۴)

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں ہر عبادت میں اخلاص نصیب کرے اور اپنے اوپر سچا ایمان لانے کی توفیق دے۔

دوسرا خطبہ

حضرات محترم! پہلے خطبہ میں ہم نے بیان کیا کہ ایمان باللہ تین چیزوں پر اعتقاد رکھنے کا نام ہے۔ ان میں سے دو

(۱) متفق علیہ۔ (۲) الحج ۲۲: ۶۲۔ (۳) الأنعام ۶: ۱۶۲، ۱۶۳۔ (۴) احمد، ترمذی۔ صحیح الجامع للآلبانی: ۷۹۵۷۔

کی وضاحت ہم کر چکے ہیں۔ آئیے اب تیسری چیز کے متعلق بھی ہماری معروضات سماعت فرما لیجئے۔

(3) ایمان باللہ کا تیسرا لازمی تقاضا یہ ہے کہ اس بات پر پختہ اعتقاد ہو کہ اللہ تعالیٰ تمام اسمائے حسنی (اچھے ناموں) سے موسوم اور صفاتِ کاملہ سے متصف ہے۔ اور وہ اپنے ان اسمائے حسنی اور صفاتِ کمال میں یکتا ہے جن کا ذکر اس نے اپنی کتاب (قرآن مجید) میں یا اس کے رسول ﷺ نے اپنی احادیث مبارکہ میں کیا ہے۔ اور ان میں اس کا کوئی مثل ہے اور نہ کوئی شریک ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلِلّٰهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنٰی فَادْعُوْهُ بِهَا ۚ وَذُرُّوا الذِّیْنَ یُنۢجُوْنَ فِیۡٓ اَسْمَآئِهِۦ سِیِّئَۃً ۚ سَیُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝﴾

”اور اچھے اچھے نام اللہ ہی کے لیے ہیں۔ لہذا ان ناموں سے ہی تم اسے پکارا کرو۔ اور ایسے لوگوں سے تعلق بھی نہ رکھو جو اس کے ناموں میں کج روی کرتے ہیں۔ ان لوگوں کو ان کے کیے کی سزا ضرور ملے گی۔“

اللہ تعالیٰ کے ناموں میں کج روی کرنے یا ٹیڑھی راہ اختیار کرنے سے مراد ایک تو یہ ہے کہ اس کے تمام اسمائے حسنی کا یا ان میں سے بعض کا انکار کر دیا جائے۔ دوسرا یہ ہے کہ اس کے اسمائے حسنی، اس کی جن صفاتِ عالیہ پر دلالت کرتے ہیں انھیں تسلیم نہ کیا جائے۔ اور تیسرا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنی جن عظیم معانی پر دلالت کرتے ہیں ان کے خلاف عمل کیا جائے۔ مثلاً اس کا ایک نام (الرزاق) ہے جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ رزق دینے کا اختیار صرف اللہ کے پاس ہے۔ اور اس کے خلاف عمل یہ ہے کہ اسے چھوڑ کر غیر اللہ کے سامنے جھولی پھیلائی جائے اور غیر اللہ کو رزق دینے والا تصور کیا جائے۔ اسی طرح اس کا ایک نام (العظیم) ہے جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ہر قسم کی عظمت و بزرگی اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور کائنات کے تمام امور میں اسی کا حکم چلتا ہے۔ اس لیے جبین نیاز کا جھکانا اور سجدہ ریز ہونا صرف اسی کے لیے روا ہے۔ اور اس کے خلاف عمل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر کسی بزرگ یا ولی کے سامنے اپنے آپ کو جھکا یا جائے، یا اس کی قبر پر سجدہ کیا جائے، یا غیر اللہ کو کائنات کے امور میں تصرف کرنے والا مانا جائے۔

یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنی کی تعداد خود اللہ تعالیٰ کو ہی معلوم ہے۔ اور وہ جو نبی مکرم حضرت محمد ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ

«إِنَّ لِلّٰهِ تِسْعَةً وَتِسْعِينَ اِسْمًا، مَنْ أَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ، وَهُوَ وَثَرٌ يُحِبُّ الْوَثَرَ»

”بے شک اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں، جو شخص انھیں شمار (یا حفظ) کرے گا جنت میں داخل ہوگا۔ اور وہ

(اللہ تعالیٰ) طاق ہے، طاق ہی کو پسند فرماتا ہے۔“^(۱)

تو اس سے مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنی میں سے ۹۹ اسماء ایسے ہیں کہ جن کو یاد کرنے، ان کے معانی کو اپنے دل میں اتارنے اور ان کے خلاف عمل نہ کرنے والے شخص کو رسول اکرم ﷺ نے جنت کی بشارت دی ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کے بارے میں جو اعتقاد ہم نے ذکر کیا ہے یہ دو بنیادوں پر قائم ہے: پہلی بنیاد: اللہ تعالیٰ کے لیے ہی وہ اچھے نام اور بلند صفات ہیں جو کہ اس کے کامل ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ نہ اس کا کوئی ہم مثل ہے اور نہ ہی کائنات میں سے اس کا کوئی شریک ہے۔

مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ”الحی“ (زندہ رہنے والا) ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی صفت ”حیات“ ثابت ہوتی ہے۔ لہذا اس کے بارے میں ضروری ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کے لیے اسی کامل طریقے پر ثابت کیا جائے جس کا وہ مستحق ہے۔ اور یہ زندگی کامل اور ہمیشہ رہنے والی زندگی ہے کہ جس میں کمال کے تمام لوازم مثلاً علم اور قدرت وغیرہ موجود ہیں۔ اور یہ ایسی زندگی ہے کہ جو شروع سے ہے اور کبھی ختم ہونے والی نہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۖ الْحَيُّ الْقَيُّومُ ۚ لَا تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ ۚ﴾

”اللہ تعالیٰ ہی معبود برحق ہے (اس کے سوا کوئی معبود نہیں) جو زندہ جاوید اور قائم رہنے والا ہے، نہ اسے ننگھ آتی ہے اور نہ ہی نیند۔“^(۲)

دوسری بنیاد: اللہ تعالیٰ تمام عیوب و نقائص مثلاً نیند، عاجز آجانا، جہالت اور ظلم وغیرہ سے پاک ہے اور مخلوق کی مشابہت سے مبرا ہے۔ چنانچہ یہ ضروری ہے کہ ہر اس چیز کی نفی کی جائے جس کی نفی اللہ تعالیٰ نے خود اپنی ذات سے یا رسول اللہ ﷺ نے اپنے رب سے کی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ۝﴾

”اس جیسی کوئی چیز نہیں اور وہ سننے والا، دیکھنے والا ہے۔“^(۳)

اور فرمایا: ﴿وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ ۝﴾

”اور آپ کا رب بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔“

اور فرمایا: ﴿وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعْجِزَهُ مِن شَيْءٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ﴾

”اور آسمانوں اور زمین میں کوئی ایسی چیز نہیں جو اللہ تعالیٰ کو عاجز کر دے۔“^(۴)

(۱) صحیح البخاری و صحیح مسلم. (۲) البقرة: 255. (۳) الشوری: 11: 42. (۴) فصلت: 46: 41. (۵) فاطر: 35: 44.

اور فرمایا: ﴿وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ۝﴾

”اور آپ کا پروردگار بھولنے والا نہیں ہے۔“^(۱)

صفاتِ عالیہ کے اثبات کے لیے چند ضروری امور

اللہ تعالیٰ کی صفاتِ عالیہ کو ثابت کرتے ہوئے پانچ امور کا لحاظ رکھنا ضروری ہے:

- (۱) قرآن مجید اور حدیث پاک میں وارد شدہ تمام صفات کو اللہ تعالیٰ کے لیے حقیقی طور پر ثابت کرنا۔
 - (۲) اس بات پر پختہ اعتقاد رکھنا کہ اللہ تعالیٰ تمام کامل صفات سے متصف ہے اور تمام عیوب و نقائص سے مبرا ہے۔
 - (۳) اللہ تعالیٰ کی صفات اور مخلوقات کی صفات میں کسی قسم کی مشابہت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ پاک ہے، اس جیسی کوئی چیز نہیں، نہ اس کی صفات میں اور نہ اس کے افعال میں۔
 - (۴) اللہ تعالیٰ کی صفات کی کیفیت سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو معلوم نہیں۔ اس لیے ان صفات کی کیفیت معلوم کرنے کا تکلف کرنا یا بیان کرنا مخلوق کے لیے قطعاً درست نہیں۔
 - (۵) ان صفات پر مرتب ہونے والے احکام اور آثار پر ایمان لانا۔
- ان پانچ امور کی وضاحت کے لیے ہم اللہ تعالیٰ کی صفت ”الاستواء“ سے مثال بیان کر سکتے ہیں۔ لہذا اس صفت میں ان چیزوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے:

- (۱) شرعی نصوص میں صفت ”استواء“ وارد ہے، یعنی اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے۔ لہذا اس صفت کو اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت کرنا اور اس پر ایمان لانا ضروری ہے۔
- ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰی ۝﴾
- ”رحمن عرش پر مستوی ہے۔“^(۲)

- (۲) صفت ”استواء“ کو اللہ تعالیٰ کے لیے ایسے کامل طریق پر ثابت کرنا جس کا وہ مستحق ہے۔ اور اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے عرش پر حقیقی طور پر بلند ہے جیسا کہ اس کے شایان شان ہے۔
- (۳) اللہ تعالیٰ کے عرش پر مستوی ہونے کو مخلوقات کے مستوی ہونے سے تشبیہ نہ دینا، کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر قسم کے عرش سے بے پرواہ ہے اور وہ اس کا محتاج نہیں ہے۔

- (۴) اللہ تعالیٰ کے عرش پر مستوی ہونے کی کیفیت میں غور و فکر نہ کرنا، کیونکہ یہ ایک غیبی معاملہ ہے جسے اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ جیسا کہ امام مالک رحمہ اللہ کا مشہور قول ہے: «الاستواء معلوم ، والكيف مجهول،

(۱) مریم: 64، طہ: 205۔

والایمان به واجب ، والسؤال عنه بدعة)) یعنی ”استنواء“ (کا معنی) معلوم ہے ، اس کی کیفیت نامعلوم ہے، اس پر ایمان لانا واجب ہے اور اس کے بارے میں سوال کرنا بدعت ہے۔“

5) اس صفت پر مرتب ہونے والے احکام اور آثار پر ایمان، لانا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت، بزرگی اور بڑائی جو اس کے شایان شان ہے۔ اسی طرح اس صفت سے اللہ تعالیٰ کا مطلقاً اپنی مخلوقات پر بلند ہونا ثابت ہوتا ہے اور اس میں ان لوگوں کی تردید ہے جو اللہ تعالیٰ کو ذات کے اعتبار سے ہر جگہ پر موجود مانتے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ ذات کے اعتبار سے عرش پر ہی مستوی ہے۔ ہاں وہ اپنی صفات (مثلاً علم، سننا، دیکھنا، نگرانی کرنا اور احاطہ کرنا وغیرہ) کے اعتبار سے ہر جگہ پر موجود ہے اور دنیا میں کوئی کام اس کے علم کے بغیر نہیں ہوتا۔ وہ کائنات کی تمام حرکات و سکنات کا علم رکھتا ہے، انھیں سننا اور دیکھتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَعِنْدَ ذَٰلِكَ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۚ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٌ فِي ظِلْمٍ الْأَرْضِ وَلَا يَظِبُّ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ۝﴾

”اور غیب کی چابیاں تو اسی کے پاس ہیں۔ انھیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ سمندر اور خوشکی میں جو کچھ ہے اسے وہ جانتا ہے۔ اور کوئی پتہ تک نہیں گرتا جسے وہ جانتا نہ ہو۔ نہ ہی زمین کی تاریکیوں میں کوئی دانہ ہے جس سے وہ باخبر نہ ہو۔ اور تر اور خشک جو کچھ بھی ہو سب کتاب مبین میں موجود ہے۔“^(۱)

اور یہ جو ہم نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ذات کے اعتبار سے عرش پر مستوی ہے، اس کی تائید اللہ تعالیٰ کا اسم گرامی (العلی) بھی کرتا ہے جس سے اس کی صفت (العلو) ثابت ہوتی ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ ۝﴾

”وہ بلند و برتر اور عظمت والا ہے۔“^(۲)

اس کے علاوہ اللہ کے بندوں کے دل بھی سجدہ کی حالت میں، اسی طرح دعا کرتے ہوئے اسی بلندی کی طرف ہی متوجہ ہوتے ہیں اور سجدہ کرنے والا پکارتا ہے: «سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى» ”پاک ہے میرا پروردگار جو بلند و بالا اور عظمت والا ہے۔“

ذاتی اور فعلی صفات کے بارے میں اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ

اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کے بارے میں جو عقیدہ ہم نے ذکر کیا ہے، اہل السنۃ والجماعۃ یہی عقیدہ اللہ تعالیٰ کی

ذاتی اور فعلی صفات کے بارے میں رکھتے ہیں۔

ذاتی صفات سے مراد وہ صفات عالیہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات سے متعلق ہیں مثلاً چہرہ، ہاتھ، نفس اور انگلیاں وغیرہ۔ یہ وہ صفات ہیں جن کا قرآن مجید کی آیات کریمہ اور احادیث نبویہ میں ذکر آیا ہے۔

اور فعلی صفات سے مقصود وہ صفات ہیں جو اللہ تعالیٰ کے بعض افعال سے متعلق ہیں مثلاً آنا، نازل ہونا، محبت کرنا، راضی ہونا، پسند کرنا، ناپسند کرنا، ناراض ہونا، غضبناک ہونا، انتقام لینا، ہنسنا، خوش ہونا وغیرہ..... یہ تمام صفات بھی قرآن مجید اور احادیث مبارکہ میں وارد ہوئی ہیں۔ چنانچہ اہل السنۃ والجماعۃ ان تمام صفات کو اللہ تعالیٰ کے لیے اس طرح ثابت کرتے ہیں جیسا کہ اس کی بڑائی اور عظمتِ شان کے لائق ہے۔ اور وہ ان صفات کی تاویل نہیں کرتے اور نہ ہی انھیں مخلوق کی صفات سے تشبیہ دیتے ہیں، بلکہ ان پر یوں ایمان لاتے ہیں جیسا کہ اس کے شایانِ شان ہے۔

برادرانِ اسلام! آج کے خطبہ میں ہم نے ارکانِ ایمان میں سے صرف ایمان باللہ کی وضاحت کی ہے۔ باقی ارکان کے متعلق ہم ان شاء اللہ تعالیٰ آئندہ خطبہ جمعہ میں وضاحت کریں گے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں سچا اور کامل ایمان نصیب فرمائے۔ آمین۔

تکملہ ارکان ایمان 1

اہم عناصر خطبہ

(1) ایمان بالملائکہ (2) ایمان بالکتب

پہلا خطبہ

برادران اسلام! گذشتہ خطبہ جمعہ میں ہم ایمان کی اہمیت و فضیلت کے علاوہ ارکان ایمان میں سے ایمان باللہ کی تفصیلات بیان کر چکے ہیں۔ آج کے خطبہ جمعہ میں بھی ارکان ایمان ہی ہمارا موضوع ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں سچا اور حقیقی ایمان نصیب فرمائے۔ آمین

دوسرا رکن

فرشتوں پر ایمان لانا

ایمان بالملائکہ یعنی فرشتوں پر ایمان لانا ایمان کے ان چھ ارکان میں سے دوسرا رکن ہے جن کے بغیر بندے کا ایمان نہ تو درست ہوتا ہے اور نہ ہی قبول کیا جاتا ہے۔ اور تمام مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ معزز فرشتوں پر ایمان لانا فرض ہے۔ اگر کوئی شخص ان سب کے وجود کا یا ان میں سے بعض کے وجود کا انکار کرے تو وہ کافر ہے اور کتاب و سنت اور اجماع امت کا مخالف ہے۔

(1) ایمان بالملائکہ سے کیا مقصود ہے؟

اس بات پر پختہ اعتقاد رکھنا کہ ”ملائکہ“ اللہ تعالیٰ کی ایب ایسی مخلوق ہیں جسے اس نے نور سے پیدا فرمایا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری کرتے ہیں اور وہ انھیں جو حکم دیتا ہے وہ کر گزرتے ہیں اور اس کی نافرمانی نہیں کرتے۔ وہ دن رات اس کی تسبیح بیان کرتے ہیں اور اس سے ذرا نہیں اکتاتے۔ ان کی تعداد کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے اور اس نے ان کے ذمہ مختلف قسم کے فرائض سونپ رکھے ہیں۔

(2) فرشتوں پر ایمان لانے کی کیفیت

فرشتوں پر کما حقہ ایمان لانے کے لیے دو امور ضروری ہیں :

(1) ان کے وجود کا اقرار کرنا اور اس بات پر یقین رکھنا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی عبادت کے لیے پیدا فرمایا ہے۔ ان کا وجود حقیقی ہے اور ہمارا ان کو نہ دیکھ سکرنا ان کے نہ ہونے کی دلیل نہیں، کیونکہ کائنات میں کتنی ہی ایسی عجیب و غریب مخلوقات ہیں جن کا وجود حقیقی ہے لیکن ہم نے انہیں دیکھا نہیں۔ یہاں ہم فرشتوں کے وجود پر بعض دلائل ذکر کرتے ہیں :

(1) نبی اکرم ﷺ نے جبریل علیہ السلام کو اپنی اصلی شکل میں دو مرتبہ دیکھا۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ «رَأَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ جِبْرِيلَ فِي صُورَتِهِ وَلَهُ سِتْرٌ مِثْلُ جَنَاحٍ، وَكُلُّ جَنَاحٍ مِثْلُ سَدِّ الْأَفْقِ»

”رسول اللہ ﷺ نے جبریل امین (علیہ السلام) کو اپنی اصل شکل میں دیکھا۔ ان کے چھ سو پر تھے اور ہر پر نے مشرق و مغرب کی پوری فضا (آسمان کو) ڈھانپا ہوا تھا۔“⁽¹⁾

(2) اسی طرح بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی بعض فرشتوں کو انسانی شکل میں دیکھا جیسا کہ حدیث جبریل میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت جبریل علیہ السلام ایک آدمی کی شکل میں آئے جن کے کپڑے انتہائی سفید اور بال انتہائی سیاہ تھے، ان پر سفر کا کوئی نشان نہ تھا اور ہمارے ساتھیوں میں سے کوئی انہیں پہچانتا بھی نہ تھا۔ انھوں نے رسول اکرم ﷺ سے ایمان، اسلام، احسان، قیامت اور اس کی علامات کے بارے میں سوالات کیے۔ آپ ﷺ نے انہیں جوابات دیے۔ پھر جب وہ چلے گئے تو رسول اللہ ﷺ نے بتایا کہ یہ حضرت جبریل علیہ السلام تھے جو دین سکھانے آئے تھے۔⁽²⁾

اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے جنگ احد میں نبی کریم ﷺ کے دائیں بائیں دو آدمی دیکھے جنہوں نے سفید رنگ کا لباس پہنا ہوا تھا۔ انہیں میں نے نہ اس سے پہلے کبھی دیکھا تھا اور نہ بعد میں کبھی دیکھا۔ یعنی حضرت جبریل علیہ السلام اور حضرت میکائیل علیہ السلام۔⁽³⁾

اس سے ثابت ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی حضرت جبریل علیہ السلام کو انسانی شکل میں دیکھا تھا اور یہ فرشتوں کے وجود کی دلیل ہے۔

(3) فرشتوں کا جنگ بدر میں شریک ہونا

ارشاد باری تعالیٰ ہے : ﴿بَلَىٰ إِن تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا وَيَأْتُوكُم مِّن فُورِهِمْ هَذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ آلَافٍ مِّن

(1) أخرجه أحمد في المسند وذكره الحافظ ابن كثير في تفسيره وقال: إسناده حسن: تفسير ابن كثير: 265/4. (2) صحيح

مسلم 8. (3) صحيح البخاري: 5862.

الْمَلَائِكَةُ مُسَوِّمِينَ ﴿١﴾

”کیوں نہیں! اگر تم صبر کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور (اگر) دشمن تم پر فوراً چڑھ آئے تو تمہارا رب خاص نشان رکھنے والے پانچ ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کرے گا۔“^(۱)

اور حضرت رفاعہ بن رافع الزرقی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت جبریل علیہ السلام نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے: «مَا تَعْدُونَ أَهْلَ بَدْرٍ فَيْدُكُمْ؟» «اہل بدر کا آپ کے نزدیک کیا مقام ہے؟» آپ ﷺ نے جواب دیا: «مِنْ أَفْضَلِ الْمُسْلِمِينَ» «وہ مسلمانوں میں سب سے افضل ہیں» (یا آپ ﷺ نے اسی طرح کا کوئی اور کلمہ کہا۔) حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا: «وَكَذَلِكَ مَنْ شَهِدَ بَدْرًا مِنَ الْمَلَائِكَةِ» «اور اسی طرح وہ فرشتے بھی سب سے افضل ہیں جو جنگ بدر میں شریک ہوئے تھے۔“^(۲)

(۲) ان کو جو مقام و مرتبہ اللہ تعالیٰ نے عطا کیا ہے انہیں اسی پر برقرار رکھنا۔ اور وہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے مامور بندے ہیں، اللہ تعالیٰ نے انہیں عزت دی ہے، ان کے مرتبہ کو بلند کیا اور انہیں اپنا تقرب نصیب کیا ہے۔ ان میں سے بعض اللہ تعالیٰ کی وحی وغیرہ کے پیامبر اور قاصد ہیں۔ اور ان میں اتنی ہی طاقت ہے جس قدر اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا کی ہے۔ اس کے باوجود وہ اپنے اور دوسروں کے کسی نفع و نقصان کے مالک نہیں۔ اس لیے کسی قسم کی عبادت کو ان کے لیے بجا لانا جائز نہیں، چہ جائیکہ انہیں اللہ تعالیٰ کی عفات سے متصف کیا جائے جیسا کہ عیسائیوں کا حضرت جبریل علیہ السلام کے بارہ میں عقیدہ ہے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهُۥٓ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُونَ ۝ لَا يَسْبِقُونَهُۥ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِأَمْرِهٖ يَعْمَلُونَ ۝﴾

”(مشرک لوگ) کہتے ہیں کہ رحمن اولاد والا ہے۔ اس کی ذات پاک ہے، بلکہ وہ سب (فرشتے) اس کے معزز بندے ہیں، کسی بات میں اللہ تعالیٰ پر سبقت نہیں لے جاتے، بلکہ اس کے فرمان پر کار بند ہیں۔“^(۳)

اور فرمایا: ﴿لَا يَعْصُونَ اللّٰهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ۝﴾

”انہیں جو حکم اللہ تعالیٰ دیتا ہے، وہ اس کی نافرمانی نہیں کرتے بلکہ جو حکم دیا جائے اسے بجا لاتے ہیں۔“^(۴)

فرشتوں کے بارہ میں یہ تھا اجمالی ایمان جو ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے۔ اور جہاں تک تفصیلی ایمان کا تعلق ہے تو وہ ان چیزوں پر مشتمل ہے:

(۱) ان کی پیدائش: اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو نور سے پیدا کیا ہے۔ جیسا کہ اس نے جنوں کو آگ اور بنی آدم کو مٹی سے

پیدا کیا۔ اور ان کی پیدائش آدم علیہ السلام کی پیدائش سے قبل کی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «خُلِقَتِ الْمَلَائِكَةُ مِنْ نُورٍ، وَخُلِقَ الْجَانُّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ، وَخُلِقَ آدَمُ مِمَّا وُصِفَ لَكَ»

”فرشتوں کو نور سے پیدا کیا گیا اور جنوں کو بھڑکنے والے شعلے سے۔ اور آدم کو اس چیز سے جس کا وصف تمہارے لیے بیان کیا گیا (یعنی مٹی سے)۔“^(۱)

(۲) فرشتوں کی تعداد: فرشتے ایک ایسی مخلوق ہیں کہ جن کی تعداد بہت زیادہ ہے اور اسے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ﴾^(۳) اور تیرے رب کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔“^(۴)

اور حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((إِنِّي أَرَى مَا لَا تَرَوْنَ ، وَأَسْمَعُ مَا لَا تَسْمَعُونَ . أَطَلَبُ السَّمَاءَ وَحَقٌّ لَهَا أَنْ تَنْطَبُ ، مَا فِيهَا مَوْضِعٌ أَرْبَعُ أَصَابِعٍ إِلَّا وَ مَلَكٌ وَاضِعٌ جَهَنَّمَ سَاجِدًا لِلَّهِ))

”بے شک میں وہ چیز دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے اور میں وہ چیز سنتا ہوں جو تم نہیں سنتے۔ آسمان چرچرایا اور اسے حق ہے کہ وہ چرچرائے (کیونکہ) اس میں چار انگلیوں کے برابر کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں کوئی فرشتہ اپنی پیشانی رکھے ہوئے اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز نہ ہو۔“^(۵)

اور واقعہ معراج میں آپ ﷺ نے بیان فرمایا کہ جب انھیں ساتویں آسمان پر لے جایا گیا تو وہاں انھوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ البیت المعمور کی طرف ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے ہیں۔ اور البیت المعمور کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا:

((يَدْخُلُهُ فِي كُلِّ يَوْمٍ سَبْعُونَ أَلْفَ مَلَكٍ لَا يَعُودُونَ إِلَيْهِ))

”اس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں جو پھر کبھی دوبارہ اس کی طرف نہیں پلٹتے۔“^(۶)

اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((يُؤْتَى بِالنَّارِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ، لَهَا سَبْعُونَ أَلْفَ زِمَامٍ ، مَعَ كُلِّ زِمَامٍ سَبْعُونَ أَلْفَ مَلَكٍ يَحْزُرُونَهَا))

”قیامت کے روز جہنم کو لایا جائے گا، اس کی ستر ہزار لگائیں ہوگی اور ہر لگام کے ساتھ ستر ہزار فرشتے ہونگے

(۱) صحیح مسلم: 2996، (۲) المدثر: 31، (۳) جامع الترمذی: 2312، وحسنہ الألبانی، (۴) صحیح مسلم: 162،

جو اسے کھینچ رہے ہوں گے۔“^(۱)

ان تمام احادیث سے ہمارے لیے واضح ہو جاتا ہے کہ فرشتوں کی ایک بہت بڑی تعداد ہے جس کا علم سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کے پاس نہیں۔ پاک ہے وہ ذات جس نے ان کو پیدا کیا اور ان کی گنتی کو شمار کیا۔

(۳) فرشتوں کے نام: اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یا رسول اللہ ﷺ نے حدیث پاک میں جن فرشتوں کے نام ذکر کیے ہیں ان پر ایمان لانا فرض ہے۔ ان میں سے تین عظیم فرشتوں کے نام یہ ہیں:

(۱) حضرت جبریل علیہ السلام، انھیں جبرائیل بھی کہا جاتا ہے اور وہی روح القدس ہیں۔ اور ان کے ذمے انبیاء علیہم السلام پر وحی نازل کرنا تھا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلْجَبْرِيِّينَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَى قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ﴾

”جو جبریل کا دشمن ہو اس سے آپ کہہ دیجئے کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپ کے دل پر پیغام باری اتارا ہے۔“^(۲)

(۲) حضرت میکائیل علیہ السلام، انھیں میکال بھی کہا جاتا ہے اور ان کے ذمہ بارش نازل کرنا ہے۔ وہ اسے وہاں نازل کرتے ہیں جہاں اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے۔

(۳) حضرت اسرافیل علیہ السلام، جن کے ذمہ صور میں پھونکنا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے منتظر ہیں، جب انھیں حکم ملے گا تو وہ صور میں پھونکیں گے جس سے دنیاوی زندگی کی انتہاء ہو جائے گی۔ اس کے بعد وہ دوبارہ اس میں پھونکیں گے جس سے لوگ اٹھ کھڑے ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہوں گے۔

حضرت ابوسعید الخدري رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«كَيْفَ أُنْعَمُ وَصَاحِبُ الْقَرْنِ قَدْ التَّقَمَ الْقَرْنُ وَاسْتَمَعَ الْإِذْنَ مَتَى يُؤْمَرُ بِالنَّفْخِ فَيَنْفُخُ»

”میں کیسے آسودگی سے زندگی بسر کروں جبکہ سینگ والا (فرشتہ) سینگ اپنے منہ میں لے چکا ہے اور وہ انتہائی توجہ کے ساتھ یہ حکم سننے کے انتظار میں ہے کہ صور پھونکو، تاکہ وہ فوراً اس پر عمل درآمد کرے اور صور پھونکے۔“

یہ بات گویا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر بھاری گزری، جس پر نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«قُولُوا: حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ، عَلَى اللَّهِ تَوَكَّلْنَا»

تم ”یہ کہو کہ ہمیں اللہ ہی کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔ ہم نے اللہ پر ہی توکل کیا۔“^(۳)

(۱) صحیح مسلم: 2842، (۲) البقرة: 97، (۳) جامع الترمذی: 2431، وصححه الألبانی.

4) فرشتوں کی صفات: فرشتے ایک حقیقی مخلوق ہیں اور ان کے حقیقی اجسام ہیں جو بعض صفات سے متصف ہیں۔ مثلاً ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو بڑی طاقتور شکلوں میں پیدا فرمایا ہے جو ان کے بڑے بڑے اعمال کے شایان شان ہیں، وہ اعمال جو اللہ تعالیٰ نے ان کے سپرد کیے ہیں۔ دوسری یہ کہ ان کے پر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے دودو، تین تین اور چار چار پر بنائے ہیں اور اس سے زیادہ بھی ہیں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے جبریل علیہ السلام کو اپنی اصلی شکل میں دیکھ، ان کے چھ سو پر تھے اور ہر پر نے آسمان کو ڈھانپ رکھا تھا۔

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿الْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولٰٓئِیْ اَجْنِحَةٌ مِّثْلٰی وَاُخْرٰی ۚ یَزِیْدُ فِی الْخَلْقِ مَا یَشَآءُ ۚ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝﴾

”تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جو (ابتداءً) آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے۔ اور جو دو دو، تین تین، چار چار پروں والے فرشتوں کو اپنا پیغمبر (قاصد) بنانے والا ہے۔ اور وہ مخلوق میں جس قدر چاہے اضافہ کرتا ہے۔“^①

تیسری یہ کہ وہ کھانے پینے کے محتاج نہیں ہیں۔ اور نہ وہ شادی کرتے ہیں اور نہ ہی آگے ان کی نسل چلتی ہے۔ چوتھی یہ کہ تمام فرشتے، ملک الموت سمیت قیامت کے دن فوت ہو جائیں گے۔ پھر انھیں ان اعمال کی ادائیگی کے لیے دوبارہ اٹھایا جائیگا جو اللہ تعالیٰ نے ان کے سپرد کر رکھے ہیں۔ پانچویں یہ کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے لیے مختلف قسم کی عبادات بجالاتے ہیں مثلاً دعا، تسبیح، رکوع، سجود، خوف، خشیت، محبت وغیرہ۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿یُسَبِّحُوْنَ اَیُّیْلَ وَاللَّهَآرَ لَا یَفْثُرُوْنَ ۝﴾
”وہ دن رات اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے ہیں، سستی اور کمی نہیں کرتے۔“^②

۵) فرشتوں کے فرائض

فرشتے وہ بڑی بڑی ذمہ داریاں نبھاتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کے سپرد کی ہیں۔ ان میں سے بعض یہ ہیں:

① عرش کو اٹھانا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿اَلَّذِیْنَ یَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَہٗ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّہُمْ وَیُؤْمِنُوْنَ بِہٖ وَیَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا وَسِعْتَ کُلَّ شَیْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاعْفِرْ لِلَّذِیْنَ تَابُوْا وَاَتَّبَعُوْا سَبِیْلَکَ وَقِہُمْ عَذَابَ الْجَحِیْمِ ۝ رَبَّنَا وَاَدْخِلْہُمْ جَنَّۃِ عَدْنٍ الَّتِیْ وَعَدْتْہُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِہُمْ وَاَزْوَاجِہُمْ وَذُرِّیَّتِہُمْ ۚ اِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ۝﴾

”جو (فرشتے) عرش اٹھائے ہوئے ہیں اور جو اس کے گرد ہیں، سب اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح

کرتے اور اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور ایمان والوں کے لیے استغفار کرتے ہیں (اور کہتے) ہیں: اے ہمارے رب! تو نے اپنی رحمت اور علم سے ہر چیز کا اعطہ کر رکھا ہے، لہذا جن لوگوں نے توبہ کی اور تیری راہ کی پیروی کی انہیں بخش دے اور دوزخ کے عذاب سے بچالے۔ اے ہمارے رب! انہیں ان ہمیشہ رہنے والے باغات میں داخل کر جن کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے۔ اور ان کے آباؤ اجداد، ان کی بیویوں اور ان کی اولاد میں سے جو صالح ہیں انہیں بھی۔ بلاشبہ تو ہر چیز پر غالب اور حکمت والا ہے۔“^(۱)

اس آیت کریمہ سے ثابت ہوا کہ کئی فرشتے ایسے ہیں جو عرش الہی کو اٹھائے ہوئے ہیں۔ اور وہ اللہ رب العزت کی تسبیحات پڑھنے کے ساتھ ساتھ ان ایمان والوں کے لیے دعائیں بھی کرتے ہیں جنہوں نے توبہ کی اور اللہ تعالیٰ کے دین کی پیروی کی۔

(۲) بنی آدم کے اعمال کو لکھنا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿وَإِن عَلَيْكُمْ لِحَفِظِينَ ۝ كَرَامًا كَاتِبِينَ ۝ يَعْلَمُونَ مَا تَفْعَلُونَ ۝﴾

”اور تم پر نگران (فرشتے) مقرر ہیں جو معزز ہیں، اعمال لکھنے والے ہیں۔ جو کچھ تم کرتے ہو وہ اسے جانتے ہیں۔“^(۲)

اور اعمال کو لکھنے والے فرشتے دن اور رات کے الگ الگ ہیں۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«يَتَعَابَبُونَ فِيكُمْ مَلَائِكَةٌ بِاللَّيْلِ وَمَلَائِكَةٌ بِالنَّهَارِ، وَيَجْتَمِعُونَ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ وَصَلَاةِ الْعَصْرِ، ثُمَّ يَخْرُجُ الَّذِينَ بَاتُوا فِيكُمْ، فَيَسْأَلُهُمْ رَبُّهُمْ وَهُوَ أَعْلَمُ بِهِمْ: كَيْفَ تَرَكْتُمْ عِبَادَتِي؟ فَيَقُولُونَ: تَرَكْنَاهُمْ وَهُمْ يُصَلُّونَ، وَأَتَيْنَاهُمْ وَهُمْ يُصَلُّونَ»

”تم میں دن اور رات کے فرشتے باری باری آتے ہیں۔ وہ نماز فجر اور نماز عصر کے وقت جمع ہوتے ہیں۔ پھر وہ فرشتے اوپر جاتے ہیں جنہوں نے تمہارے پاس رات گزاری ہوئی ہے۔ چنانچہ ان کا رب ان سے سوال کرتا ہے حالانکہ وہ ان کے بارے میں زیادہ جانتا ہے: تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا؟ تو وہ کہتے ہیں: ہم نے انہیں جب چھوڑا تو وہ نماز پڑھ رہے تھے اور جب ہم ان کے پاس آئے تب بھی وہ نماز ہی پڑھ رہے تھے۔“^(۳)

(۳) امت کے سلام کو نبی ﷺ تک پہنچانا۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«إِنَّ لِلَّهِ مَلَائِكَةً سَبَّاحِينَ فِي الْأَرْضِ يُبَلِّغُونِي عَنْ أُمَّتِي السَّلَامَ»

(۱) غافر ۷: ۴۰، ۸: ۲۸، الإنفاطار ۸۲: ۱۰-۱۲، (۲) صحيح البخاري: ۳۲۲۳، ۵۵۵، صحيح مسلم: ۶۳۲۔

”بے شک اللہ کے کچھ فرشتے ایسے ہیں جو زمین میں سیاحت کرتے رہتے ہیں اور وہ مجھ تک میری امت کا سلام پہنچاتے ہیں۔“^(۱)

(۴) بنی آدم کی حفاظت کرنا

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿لَهُ مُعَقِّبَاتٌ مِّنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ يَحْفَظُونَكَ إِنَّ مِثْقَالَ حَبَّةٍ خَيْرٌ لَّكَ مِنْ صَاعٍ ذَهَبٍ﴾

”ہر شخص کے آگے اور پیچھے اللہ کے مقرر کردہ نگران (فرشتے) ہیں جو اللہ کے حکم سے اس کی حفاظت کرتے ہیں۔“^(۲)

(۵) رحم مادر میں انسان میں روح پھونکنا، اس کا رزق، عمل، بدبختی اور سعادت مندی لکھنا۔

حضرت حذیفہ بن اُسید الغفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((إِذَا مَرَّ بِالنُّطْفَةِ ثَلَاثَانِ وَأَرْبَعُونَ لَيْلَةً ، بَعَثَ اللَّهُ إِلَيْهَا مَلَكًا ، فَصَوَّرَهَا وَخَلَقَ سَمْعَهَا ، وَبَصَرَهَا وَجَلَدَهَا ، وَلَحَمَهَا وَعِظَامَهَا ، ثُمَّ قَالَ : يَا رَبِّ ! أَذْكَرٌ أَمْ أُنْثَى ؟ فَيَقْضِي رَبُّكَ مَا شَاءَ ، وَيَكْتُبُ الْمَلَكُ ، ثُمَّ يَقُولُ : يَا رَبِّ ! أَجَلٌ ؟ فَيَقُولُ رَبُّكَ مَا شَاءَ ، وَيَكْتُبُ الْمَلَكُ ، ثُمَّ يَخْرُجُ الْمَلَكُ بِالصَّحِيفَةِ فِي يَدِهِ ، فَلَا يَزِيدُ عَلَى مَا أُمِرَ وَلَا يَنْقُصُ))

”جب (رحم مادر میں) نطفہ پر بیالیس راتیں گزر جاتی ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف ایک فرشتہ بھیجتا ہے جو اس کی شکل و صورت بناتا ہے اور اس کے کان، آنکھیں، جلد، گوشت اور ہڈیاں بناتا ہے۔ پھر وہ کہتا ہے: اے میرے رب! مرد یا عورت؟ تو تمہارا رب جو چاہتا ہے فیصلہ فرماتا ہے اور فرشتہ لکھ لیتا ہے۔ پھر وہ کہتا ہے: اے میرے رب! اس کی عمر کتنی ہوگی؟ تو تمہارا رب جو چاہتا ہے کہتا ہے اور فرشتہ لکھ لیتا ہے۔ پھر وہ کہتا ہے: اے میرے رب! اس کا رزق کتنا ہوگا؟ تو تمہارا رب جو چاہتا ہے فیصلہ فرماتا ہے اور فرشتہ لکھ لیتا ہے۔ اس کے بعد فرشتہ صحیفہ لے کر نکل جاتا ہے اور اس میں کسی قسم کی کمی بیشی نہیں کرتا۔“^(۳)

اسی طرح حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ (جو کہ الصادق المصدق ہیں) نے

ارشاد فرمایا:

”بے شک تم میں سے ہر شخص کی پیدائش اس کی ماں کے پیٹ میں چالیس دن تک (بصورتِ نطفہ) جمع کی جاتی

(۱) سنن النسائي: 1282۔ ابن حبان: 914۔ وصححه الألبانی۔ (۲) الرعد 13: 11۔ (۳) صحيح مسلم: 2645۔

ہے۔ پھر اتنا ہی عرصہ وہ خونِ بستر کی شکل میں رہتا ہے۔ پھر اتنی ہی مدت وہ گوشت کے لوٹھڑے کی شکل میں رہتا ہے۔ پھر ایک فرشتہ بھیجا جاتا ہے جو اس میں روح پھونکتا ہے۔ اور اسے چار کلمات کے لکھنے کا حکم دیا جاتا ہے: اس کا رزق، اس کی موت، اس کا عمل اور کیا یہ نیک بخت ہوگا یا بد بخت۔ اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: «فَوَالَّذِي لَا إِلَهَ غَيْرُهُ! إِنِّي أَحَدَكُمْ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ حَتَّىٰ مَا يَكُونُ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا إِلَّا ذِرَاعٌ، فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ، فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ فَيَدْخُلُهَا، وَإِنِّي أَحَدَكُمْ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ حَتَّىٰ مَا يَكُونُ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا إِلَّا ذِرَاعٌ، فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ، فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَيَدْخُلُهَا»

”اس ذات کی قسم جس کے سوا اور کوئی معبود برحق نہیں! بے شک تم میں سے ایک شخص اہل جنت کے عمل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے، لیکن تقدیر اس پر سبقت لے جاتی ہے، پھر وہ اہل جہنم کا کوئی عمل کرتا ہے اور وہ جہنم میں چلا جاتا ہے۔ اور تم میں سے ایک شخص اہل جہنم کے عمل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور جہنم کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے، لیکن تقدیر اس پر سبقت لے جاتی ہے، پھر وہ اہل جنت کا کوئی عمل کرتا ہے اور وہ جنت میں چلا جاتا ہے۔“^(۱)

(۶) موت کے وقت بنی آدم کی ارواح کو قبض کرنا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَحَدَكُمْ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفْعَلُونَ﴾

”اور وہ اپنے بندوں پر پوری قدرت رکھتا ہے اور تم پر نگران (فرشتے) بھیجتا ہے، حتیٰ کہ جب تم میں سے کسی کو موت آتی ہے تو ہمارے فرشتے اس کی روح قبض کر لیتے ہیں۔ اور وہ (اپنے کام میں) ذرہ بھر کوتاہی نہیں کرتے۔“^(۲)

نیز فرمایا: ﴿وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الظَّالِمُونَ فِي غَمَرَاتِ الْمَوْتِ وَالْمَلَائِكَةُ بَاسِطُو أَيْدِيهِمْ أَخْرِجُوا أَنْفُسَكُمُ﴾

”اور اگر آپ اس وقت دیکھیں جب کہ یہ ظالم لوگ موت کی سختیوں میں ہوں گے اور فرشتے اپنے ہاتھ بڑھا رہے ہوں گے کہ ہاں اپنی جانیں نکالو۔“^(۳)

(۷) قبر میں لوگوں سے سوال و جواب کرنا اور اس پر مرتبہ و نیوالی جزا یا سزا دینا۔

(۸) جہنم کے خازن

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَقَالَ الَّذِينَ فِي النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ادْعُوا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ﴾

① صحیح البخاری: 3208، صحیح مسلم: 2643، ② الأنعام: 61، ③ الأنعام: 93۔

﴿اَوْ لَمْ يَكُنْ تَابِتًا لَكُمْ رُسُلُكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ﴾ قَالَ لَوْلَا بَلَىٰ - قَالُوا فَاذْعُوْا وَمَا دَعُوْا الْكَافِرِيْنَ اِلَّا فِي ضَلٰلٍ ۝ ﴿۱﴾

”اور جو لوگ جہنم میں ہو گئے وہ جہنم کے محافظوں سے کہیں گے: اپنے رب سے دعا کرو کہ وہ ایک دن تو ہمارے عذاب میں کچھ تخفیف کر دے۔ وہ کہیں گے: کیا تمہارے پاس رسول واضح دلائل لے کر نہیں آئے تھے؟ جہنمی کہیں گے: کیوں نہیں (ضرور آئے تھے۔) تو وہ کہیں گے: پھر تم خود پکارو اور کافروں کی پکار تو ضائع ہو جانے والی ہے۔“^(۱)

نیز فرمایا: ﴿وَنَادُوا يٰۤاٰلِہٰٓہٗٓ لَیْقُضْ عَلَیْنَا رَبُّکَ﴾ قَالَ اِنَّکُمْ مُّکِشُوْنَ ۝ ﴿۲﴾

”وہ پکاریں گے: اے مالک! (داروغہ جہنم کا نام) تمہارا رب ہمارا کام تمام کر دے (تو اچھا ہے) وہ کہے گا: تم ہمیشہ یہیں رہو گے۔“^(۲)

برادران اسلام! ہم نے فرشتوں کے بعض فرائض کا تذکرہ کیا ہے۔ ان کے علاوہ ان کے اور بھی کئی فرائض ہیں جنہیں وہ سرانجام دیتے ہیں۔ آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں فرشتوں پر سچا اور حقیقی ایمان نصیب کرے۔

دوسرا نقطہ

حضرات محترم! آئیے اب ارکان ایمان میں سے تیسرے رکن (ایمان بالکتاب) کے بارے میں کچھ گذارشات سماعت فرمائیے۔

تیسرا رکن

کتابوں پر ایمان لانا

اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام پر جو کتابیں نازل کیں ان پر ایمان لانا ایمان کے ارکان میں سے تیسرا رکن ہے۔ اور کتابوں پر ایمان لانے سے مقصود یہ ہے کہ بندہ دل سے اس بات کی تصدیق کرے کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ کتابیں اپنے رسولوں پر نازل فرمائی ہیں جو کہ اس کا حقیقی کلام ہیں اور غیر مخلوق ہیں، ان میں نور ہے اور وہ باعث ہدایت ہیں۔ اور ان میں جو کچھ ہے اس کی پیروی کرنا اور اس پر عمل کرنا واجب ہے۔ ان کی تعداد کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ اور جو شخص ان کا یا ان میں سے بعض کا انکار کرے وہ کافر ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿يٰۤاٰیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَالْکِتٰبِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰی رَسُوْلِہٖ وَالْکِتٰبِ الَّذِیْ نَزَّلَ مِنْ قَبْلُ ۚ وَمَنْ یَّکْفُرْ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَکِتٰبِہٖ وَرَسُوْلِہٖ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِیْدًا ۝ ﴿۱﴾

”اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ پر، اس کے رسول (ﷺ) پر اور اس کتاب پر ایمان لے آؤ جو اس نے اپنے رسول پر نازل فرمائی ہے۔ اسی طرح ان کتابوں پر بھی جو اس نے اس سے پہلے نازل فرمائی ہیں۔ اور جس شخص نے اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں اور قیامت کے دن سے کفر کیا وہ دور کی گمراہی میں جا پڑا۔“^①

کتابیں نازل کرنے کی حکمت

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابیں متعدد حکمتوں کے پیش نظر نازل فرمائیں۔ پہلی حکمت: آسمانی کتابیں مخلوق کے لیے باعثِ رحمت و ہدایت ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ذَٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ ۝

”اس کتاب میں کوئی شک و شبہ نہیں اور یہ پرہیزگاروں کے لیے باعثِ ہدایت ہے۔“^②

نیز فرمایا: ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ﴾

”وہ رمضان کا مہینہ تھا جس میں قرآن نازل کیا گیا جو لوگوں کے لیے باعثِ ہدایت ہے اور اس میں ہدایت کی اور (حق و باطل کے درمیان) فرق کرنے کی نشانیاں ہیں۔“^③

دوسری حکمت: آسمانی کتابیں بندوں کے لیے دنیا و آخرت کی سعادت کی ضامن ہیں۔ ان کے لیے دنیا میں گزر بسر کرنے کے لیے ایک نظامِ زندگی اور دستورِ حیات ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾

”یقیناً ہم نے اپنے پیغمبروں کو واضح دلائل دے کر مبعوث فرمایا اور ان کے ساتھ کتاب اور ترازو کو نازل کیا تاکہ لوگ عدل پر قائم رہیں۔“^④

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں پر کتابیں نازل کرنے کی حکمت ذکر فرمائی ہے اور وہ یہ ہے کہ تاکہ لوگ عدل و انصاف کے تقاضوں کے مطابق زندگی بسر کر سکیں اور کوئی کسی پر ظلم نہ کر سکے۔

تیسری حکمت: اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابیں اس لیے نازل فرمائیں کہ تاکہ اس کے بندے اپنے تمام مسائل میں انھیں اپنا مرجع بنائیں اور ہر مسئلہ میں ان کی طرف رجوع کریں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَإِنْ تَنَادَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرَُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ۝

① النساء: 4: 136، ② البقرة: 2: 2، ③ البقرة: 2: 185، ④ الحديد: 25: 57.

”پھر اگر کسی معاملہ میں تمہارا اختلاف ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹا دو اگر تم اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔ اسی میں بھلائی ہے اور انجام کے اعتبار سے یہی اچھا ہے۔“

یہی وجہ ہے کہ عرفات میں خطبہ حجۃ الوداع کے دوران رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو تلقین فرمائی کہ وہ کتاب اللہ (قرآن مجید) کو مضبوطی سے تھام لے، اس طرح وہ کبھی گمراہ نہیں ہوگی۔ ارشاد فرمایا:

((.... وَقَدْ تَرَكْتُ فِيكُمْ مَا لَنْ تَضِلُّوا بَعْدَهُ اِنْ اِعْتَصَمْتُمْ بِهِ كِتَابَ اللَّهِ))

”اور (جان لو) میں تم میں ایک ایسی چیز چھوڑ کر جا رہا ہوں جسے تم نے مضبوطی سے تھام لیا تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے اور وہ ہے کتاب اللہ.....“ (2)

لہذا ہم پر لازم ہے کہ ہم قرآن مجید کو سیکھیں، پڑھیں، اس میں غور و فکر کریں اور اس پر عمل کریں۔

چوتھی حکمت: کتابیں نازل کرنے کی چوتھی حکمت یہ ہے کہ لوگ ان کے ذریعے فیصلے کر سکیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللَّهُ الذَّكِّيْنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ وَآتَاكَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ﴾

”در اصل لوگ ایک ہی جماعت تھے پھر اللہ تعالیٰ نے نبیوں کو خوشخبریاں دینے اور ڈرانے والے بنا کر مبعوث فرمایا اور ان کے ساتھ سچی کتابیں نازل فرمائیں تاکہ لوگوں کے ہر اختلافی امر کا فیصلہ ہو جائے۔“ (3)

اس آیت کریمہ کی روشنی میں ہم پر لازم ہے کہ ہم اپنے باہمی اختلافات کا فیصلہ قرآن مجید کے ذریعے کریں اور تمام متنازعہ امور میں کتاب اللہ کی طرف رجوع کریں۔ اور کتاب اللہ جو فیصلہ کر دے اس کے سامنے اپنے آپ کو جھکا دیں اور اسے کھلے دل سے تسلیم کر لیں۔

پانچویں حکمت: پانچویں حکمت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے انتقال کے بعد اللہ کا دین ان کتابوں کے ذریعے محفوظ رہے۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((تَرَكْتُ فِيْكُمْ شَيْئَيْنِ لَنْ تَضِلُّوا بَعْدَهُمَا : كِتَابَ اللَّهِ وَسُنَّتِيْ، وَلَنْ يَتَفَرَّقَا حَتَّى يَرِدَا عَلَى الْحَوْضِ))

”میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں۔ ان کے بعد (یعنی اگر تم نے انھیں مضبوطی سے تھام لیا تو) کبھی گمراہ نہیں ہو گے۔ ایک ہے کتاب اللہ (قرآن مجید) اور دوسری ہے میری سنت۔ اور یہ دونوں کبھی جدا جدا نہیں ہوں گی یہاں تک کہ حوض پر میرے پاس آئیں گی۔“ (4)

چھٹی حکمت: چھٹی حکمت یہ ہے کہ یہ کتابیں لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی حجت کے طور پر قائم رہیں، تاکہ کوئی شخص یہ نہ کہہ

[1] النساء: 4: 59. [2] صحیح مسلم: 1218. [3] البقرة: 2: 213. [4] صحیح الجامع: 2973.

سکے کہ میرے پاس تو کوئی نصیحت کرنے والا آیا ہی نہ تھا۔ اور چونکہ کتاب اللہ (قرآن مجید) موجود اور بفضل اللہ محفوظ و مامون ہے اس لیے یہ اللہ تعالیٰ کی حجت کے طور پر قائم ہے اور واجب الاتباع ہے۔

جیسا کہ اللہ رب العزت کا فرمان ہے: ﴿اتَّبِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ﴾^(۱) ”تم لوگ اس چیز کی پیروی کرو جو تمہارے رب کی طرف سے تمہاری طرف نازل کی گئی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسرے سرپرستوں کی پیروی مت کرو۔“^(۲)

اور فرمایا: ﴿وَهَذَا كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ فَاتَّبِعُوهُ وَاتَّقُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾^(۳) ”اور یہ ایک کتاب ہے جس کو ہم نے نازل کیا ہے، یہ بڑی برکت والی ہے۔ لہذا تم اس کی پیروی کرو اور ڈرتے رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔“^(۴)

آسمانی کتابیں

آسمانی کتب جن کا ذکر قرآن وحدیث میں وارد ہے وہ ہیں:

۱۔ زبور: یہ وہ کتاب ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل فرمایا۔ اس پر بھی ایمان لانا واجب ہے لیکن اس پر جسے اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل فرمایا، وہ زبور قطعی طور پر نہیں جو یہودیوں کے ہاتھوں تحریف کا شکار ہو چکی ہے۔ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے: ﴿وَاتَيْنَاكَ دَاوُدَ زَبُورًا﴾^(۱) ”اور ہم نے داؤد (علیہ السلام) کو زبور عطا فرمائی۔“^(۲)

۲۔ ابراہیم وموسیٰ علیہ السلام کے صحیفے: یہ وہ صحیفے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا فرمائے تھے۔ یہ تمام صحیفے مفقود ہیں اور ان کے بارے میں کسی کو کچھ معلوم نہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿أَمْ لَمْ يُنَبِّأْ بِمَا فِي صُحُفِ مُوسَىٰ ۖ وَإِبْرَاهِيمَ النَّبِيِّ ۖ وَآلِ هَارُونَ ۖ وَآلِ يُونُسَ ۖ الْأُولَىٰ ۚ وَآلِ الْآخِرَىٰ ۚ إِنَّ هَٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْأُولَىٰ ۖ صُحُفِ إِبْرَاهِيمَ ۖ وَآلِ هَارُونَ ۖ وَآلِ يُونُسَ ۖ وَالْآخِرَىٰ خَيْرٌ ۖ أَفَلَا تَعْقِلُونَ﴾^(۱) ”کیا اس چیز کی خبر نہیں دی گئی جو موسیٰ (علیہ السلام) اور ونا دار ابراہیم (علیہ السلام) کے صحیفوں میں تھی کہ کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور یہ کہ انسان کے لیے صرف وہی ہے جس کی کوشش اس نے خود کی۔ اور یہ کہ اس کی کوشش عنقریب دیکھی جائیگی پھر اسے پورا پورا بدلہ دیا جائیگا۔“^(۲)

اور فرمایا: ﴿بَلْ تُؤْثِرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ۖ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ ۖ أَفَلَا تَعْقِلُونَ﴾^(۳) ”اِنَّ هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْاُولٰٓئِ ۚ صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَ

”لیکن تم تو دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو حالانکہ آخرت بہت بہتر اور بہت بقاء والی ہے۔ البتہ یہ باتیں پہلے صحیفوں میں بھی ہیں (یعنی موسیٰ علیہ السلام) اور ابراہیم علیہ السلام کے صحیفوں میں۔“^۱

(3) تورات: یہ اللہ تعالیٰ کی وہ کتاب ہے جس کو اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل فرمایا اور اسے باعث نور و ہدایت بنایا۔ اس کے ذریعے بنی اسرائیل کے انبیاء علیہم السلام اور ان کے علماء فیصلے فرماتے تھے۔ اس تورات پر ایمان لانا واجب ہے جسے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر نازل فرمایا تھا نہ کہ اس محرف شدہ تورات پر جو اہل کتاب کے پاس موجود ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿إِنَّا أَنْزَلْنَا التَّوْرَةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّونَ الَّذِينَ أَسْلَمُوا لِلَّذِينَ هَادُوا وَالرَّبَّنِيَّةُونَ وَالْأَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوا مِنْ كِتَابِ اللَّهِ﴾

”بل شبہ ہم نے تورات کو نازل کیا جس میں ہدایت و نور ہے۔ اسی تورات کے مطابق اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار انبیاء علیہم السلام ان لوگوں کے فیصلے کیا کرتے تھے جو یہودی بن گئے تھے اور خدا پرست اور علماء بھی (اسی تورات کے مطابق فیصلے کرتے تھے) کیونکہ انھیں اللہ تعالیٰ کی اس کتاب کی حفاظت کا حکم دیا گیا تھا۔“^۲

(4) انجیل: یہ اللہ تعالیٰ کی وہ کتاب ہے جس کو اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل فرمایا۔ وہ پہلی آسمانی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے۔ لیکن یہ بات ذہن میں رہے کہ صرف اس انجیل پر ایمان لانا واجب ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اس کے صحیح اصولوں کے ساتھ عیسیٰ علیہ السلام پر نازل فرمایا تھا نہ کہ اس تحریف شدہ انجیل پر جو آج اہل کتاب کے پاس موجود ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَقَفَّيْنَا عَلَىٰ آثَارِهِم بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَةِ وَآتَيْنَاهُ

الْإِنْجِيلَ فِيهِ هُدًى وَنُورٌ وَمُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَةِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ ۝﴾

”اور ہم نے ان کے بعد عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو بھیجا جو اپنے سے پہلے کی نازل شدہ کتاب تورات کی تصدیق کرنے والے تھے۔ اور ہم نے انھیں انجیل عطا فرمائی جس میں نور اور ہدایت تھی اور یہ کتاب بھی اپنے سے پہلے کی کتاب تورات کی تصدیق کرتی تھی اور وہ پرہیزگاروں کے لیے سراسر ہدایت و نصیحت تھی۔“^۳

یاد رہے کہ تورات و انجیل میں دوسرے احکام کے ساتھ ساتھ ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ کی رسالت کی بشارت بھی موجود تھی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ

إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَلَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ ﴿١﴾

”جو لوگ ایسے رسول، نبی امی کی اتباع کرتے ہیں جس کو وہ اس ﷺ نے پاس تو رات و انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں، وہ انھیں نیک باتوں کا حکم دیتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں۔ اور پاکیزہ چیزوں کو حلال کرتے ہیں اور ناپاک چیزوں کو ان پر حرام کرتے ہیں۔ اور ان لوگوں پر جو بوجھ اور طوق تھے ان کو دور کرتے ہیں۔“^(۱)

۵) قرآن کریم: یہ اللہ تعالیٰ کا وہ کلام پاک ہے جسے اس نے خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ پر نازل فرمایا۔ اور یہ نازل کردہ آسمانی کتابوں میں سب سے آخری کتاب ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ﴿وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ وَمُهَيِّمًا عَلَيْهِ فَاحْكُم بَيْنَهُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ﴾

”اور ہم نے آپ کی طرف حق کے ساتھ یہ کتاب نازل فرمائی ہے جو پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے۔ اور ان کی محافظ ہے۔ اس لیے آپ ان کے آپس کے معاملات میں اس اللہ تعالیٰ کی اتاری ہوئی کتاب کے ساتھ فیصلہ کیجئے۔“^(۲)

لیکن یہاں سوال یہ ہے کہ وہ کون سے امور ہیں جن کی بناء پر قرآن مجید کو سابقہ تمام کتابوں پر امتیازی حیثیت حاصل ہے؟ وہ متعدد امور ہیں جن میں سے چند ایک کا ہم تذکرہ کرتے ہیں۔

۱) قرآن مجید اپنے الفاظ و معانی میں اور کوئی علمی حقائق میں معجزانہ حیثیت کا حامل ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿قُلْ لَّيْنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ أَنْ يَأْتُوا بِمِثْلِ هَذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِشَيْءٍ وَكَوْكَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا ۝﴾

”آپ کہہ دیجئے! اگر جن و انس سب مل کر قرآن جیسی کوئی چیز بنا لائیں تو نہ لاسکیں گے، خواہ وہ سب ایک دوسرے کے مددگار ہی کیوں نہ ہوں۔“^(۳)

۲) قرآن مجید آسمانی کتابوں میں سے آخری کتاب ہے۔ اس کے نزول کے ساتھ ہی کتابوں کے نزول کا سلسلہ ختم کر دیا گیا جیسا کہ ہمارے نبی محمد ﷺ کے آنے کے بعد رسالت کے دروازہ کو بند کر دیا گیا۔

۳) اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کی تحریف سے قرآن مجید کی حفاظت کا ذمہ اٹھایا ہے جبکہ دوسری کتابوں کا معاملہ یہ نہیں ہے اور اسی لیے ان میں تحریف واقع ہو چکی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿إِنَّا نَحْنُ نُزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَفِظُونَ ۝﴾

”ہم نے ہی اس ذکر کو نازل فرمایا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔“^①

(4) قرآن مجید سابقہ کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَىٰ وَلَٰكِن تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ﴾

①

”یہ قرآن جھوٹی اور بنی بنائی بات نہیں بلکہ یہ ان کتابوں کی تصدیق کرتا ہے جو اس سے پہلے نازل ہوئیں۔

اور یہ ہر چیز کو کھول کر بیان کرنے والا ہے اور ایمان والوں کے لیے باعث ہدایت و رحمت ہے۔“^②

(5) قرآن مجید سابقہ تمام کتب کا نسخہ ہے۔ لہذا قرآن مجید کے نزول کے بعد اب یہ درست نہیں کہ کوئی اس سے پہلی

کتب میں سے کسی کتاب سے احکام الہی اخذ کرے۔ یہی وجہ ہے کہ جب رسول اکرم ﷺ نے حضرت عمر بن

خطاب رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ ان کے ہاتھ میں تورات کے کچھ اوراق ہیں تو آپ ﷺ کے چہرہ انور پر ناراضگی کے آثار

نمایاں ہو گئے اور آپ نے فرمایا: ((وَاللّٰهُ لَوْ كَانَ مُؤَسِّسًا حَيًّا يَبْنِي اَعْظَمَكُمْ مَا خَلَقَ لَهُ اِلَّا اَنْ يَتَّبِعَنِي))

”اللہ کی قسم! اگر موسیٰ علیہ السلام تمہارے درمیان زندہ موجود ہوتے تو ان کے لیے سوائے میری اتباع کے اور کوئی

چارہ نہ ہوتا۔“^③ یعنی وہ بھی میری اور میرے اوپر نازل ہونے والی کتاب قرآن مجید ہی کی اتباع کرتے اور

اسی کا مطالعہ کر کے اس سے شرعی احکام اخذ کرتے۔

حضرات محترم! یہ اور ان کے علاوہ دوسری کئی خصوصیات کی بناء پر قرآن مجید دیگر آسمانی کتابوں سے ممتاز حیثیت کا

حامل ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اس عظیم الشان کتاب کو اپنا دستور حیات بنانے کی توفیق دے۔

ارکان ایمان میں سے بقیہ ارکان کی تفصیلات کے متعلق ہم ان شاء اللہ تعالیٰ آئندہ خطبہ جمعہ میں گفتگو کریں

گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایمان پر قائم رکھے اور اسی پر ہمارا خاتمہ فرمائے۔ آمین۔

① الحجر 9:15 ② یوسف 12:111 ③ أخرجه الدارمي وأحمد وغيرهما بسند حسن.

تکمّلہ ارکان ایمان 2

اہم عناصر خطبہ

(1) ایمان بالرسول (2) ایمان بالیوم الآخر (3) ایمان بالقدر

پہلا خطبہ

برادران اسلام! گذشتہ دو خطبات جمعہ میں ہم ایمان کی اہمیت و فضیلت کے علاوہ ارکان ایمان میں سے تین ارکان (ایمان باللہ، ایمان بالملائکہ، ایمان بالکتاب) کو تفصیلاً بیان کر چکے ہیں۔ آج کے خطبہ جمعہ میں ان شاء اللہ تعالیٰ اسی موضوع کو مکمل کریں گے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں سچا اور حقیقی ایمان نصیب فرمائے۔

چوتھا رکن

رسولوں پر ایمان لانا

(1) رسولوں پر ایمان لانے سے مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغامات و احکامات پہنچانے کے لیے جن انبیاء و رسل ﷺ کو منتخب فرمایا ان کی تصدیق کی جائے۔ اور ان کے متعلق پختہ اعتقاد رکھا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف جو کچھ نازل فرمایا انھوں نے اسے مخلوق تک واضح طور پر پہنچا دیا، اس میں نہ تو انھوں نے کچھ تبدیلی کی اور نہ ہی کچھ چھپایا۔ اور انھوں نے اس امانت کو ادا کر دیا جو اللہ تعالیٰ نے انھیں سونپی تھی۔ انھوں نے امت کی خیر خواہی کی اور لوگوں پر حجت قائم کر دی۔ اور جس شخص نے ان کی فرمانبرداری کی وہ ہدایت یاب ہوا اور جس نے ان کی نافرمانی کی وہ گمراہ ہوا۔ اور اللہ تعالیٰ نے انبیاء و رسل ﷺ میں سے جن کے نام ہمارے لیے ذکر کیے ہیں ان پر اور جن کے نام ذکر نہیں کیے ان سب پر ایمان لانا ہمارے لیے ضروری ہے۔

2 حقیقت نبوت کیا ہے؟

خالق اور مخلوق کے درمیان خالق کی شریعت کو پہنچانے کا جو واسطہ ہے اسے نبوت کہا جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے

بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے احسان فرماتا ہے۔ اور اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتا ہے اس کے لیے منتخب فرمالیتا ہے۔ انتخاب کرنے کا یہ اختیار اللہ کے سوا کسی اور کو نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اللَّهُ يَصْطَفِي مِنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا وَمِنَ النَّاسِ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ﴾

”فرشتوں میں سے اور انسانوں میں سے پیغام پہنچانے والوں کو اللہ چن لیتا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ سننے والا دیکھنے والا ہے۔“^(۱)

یہ بات ذہن میں رہے کہ نبوت وہی (عطائی) ہوتی ہے کسی نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اسے کثرت عبادت سے حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ اور نہ ہی یہ نبی کے اختیار یا طلب کرنے سے ملتی ہے۔ بلکہ یہ تو درحقیقت ایک انتخاب ہے جو کہ صرف اللہ کی جانب سے ہی ہوتا ہے۔

باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿اللَّهُ يَجْتَبِي إِلَيْهِ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ يُنِيبُ ۝﴾

”اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اپنا برگزیدہ بناتا ہے اور جو بھی اس کی طرف رجوع کرے وہ اس کی صحیح راہنمائی کرتا ہے۔“^(۲)

۳ رسولوں کی بعثت میں کیا حکمت ہے؟

اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو مختلف حکمتوں کے پیش نظر مبعوث فرمایا:

پہلی حکمت: انسانوں کو بندوں کی عبادت سے نکال کر بندوں کے رب کی عبادت پر لگانا۔ مخلوق کی غلامی کا طوق اتار کر عبادت رب العباد کی آزادی عطا کرنا۔ اور اس عظیم مقصد کی یاد دہانی کروانا جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا ہے اور وہ ہے اللہ کی عبادت۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ﴾

”اور یقیناً ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا کہ (لوگو) صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے سوا تمام باطل معبودوں سے بچو۔“^(۳)

دوسری حکمت: لوگوں پر حجت قائم کرنا۔

باری تعالیٰ کا فرمان ہے:

① الحج 75:22. ② الشوریٰ 13:42. ③ النحل 36:16.

﴿رُسُلًا مُّبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا﴾

”ہم نے انھیں رسول بنایا ہے خوشخبریاں سنانے والے اور ڈرانے والے تاکہ رسولوں کو بھیجنے کے بعد لوگوں کی اللہ تعالیٰ پر کوئی حجت نہ رہ جائے۔ اللہ تعالیٰ بڑا غالب اور بڑا حکمت ہے۔“^(۱)

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ انبیاء و رسل ﷺ امت کو برائی سے ڈرا کر، ان کی خیر و بھلائی کی طرف راہنمائی کر کے اور ان کو ثواب کی بشارت دے کر اپنی ذمہ داری ادا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی حجت لوگوں پر قائم کرتے تھے۔ اور اس سلسلے میں وہ کسی سے خوف نہیں کھاتے تھے بلکہ محض اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے اس کا حکم بجالاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿الَّذِينَ يَبْلُغُونَ رِسَالَاتِ اللَّهِ وَيَخْشَوْنَهُ وَلَا يَخْشَوْنَ أَحَدًا إِلَّا اللَّهَ ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ حَسِيبًا﴾

”یہ سب ایسے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچایا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ ہی سے ڈرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہ ڈرتے تھے اور اللہ تعالیٰ حساب لینے کے لیے کافی ہے۔“^(۲)

تیسری حکمت: بعض غیبی امور کو بیان کرنا جن کا ادراک لوگ اپنی عقلوں سے نہیں کر سکتے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات، فرشتے، قیامت کے دن سے پہلے واقع ہونے والے امور، روز قیامت، حساب و کتاب، جنت و دوزخ وغیرہ۔

چوتھی حکمت: عملی نمونہ پیش کرنا

رسولوں کی بعثت کا ایک مقصد یہ تھا کہ وہ وحی الہی پر عمل کر کے لوگوں کے سامنے دین کی وضاحت کریں اور انھیں زندگی گزارنے کا ایک بہترین نمونہ پیش کریں۔ باری تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ ۚ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ﴾

”اور ہم نے آپ کی طرف ذکر (کتاب) کو اتارا تاکہ لوگوں کی طرف جو کچھ نازل کیا گیا ہے آپ اسے کھول کھول کر بیان کر دیں، شاید کہ وہ غور و فکر کریں۔“^(۳)

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهِدَاهُمْ أَقْتَدِهِ﴾

”یہی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی ہے، لہذا آپ بھی انھی کے راستے کی پیروی کیجئے۔“^(۴)

اسی طرح فرمایا: ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيهِمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾

(۱) النساء: 165، (۲) الأحزاب: 33، (۳) النحل: 44، (۴) الأنعام: 90.

”یقیناً تمہارے لیے ان لوگوں میں بہترین نمونہ ہے۔“¹

پانچویں صمت: لوگوں کے نفوس کی اصلاح اور ان کا تزکیہ کرنا۔

باری تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمَمِينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝﴾

”وہی ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو انہیں اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے

اور ان کو پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے۔ اگرچہ وہ اس سے پہلے واضح گمراہی میں تھے۔“²

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((إِنَّمَا بُعِثْتُ لِأَتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ)) ”میں یقیناً اچھے اور پاکیزہ اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہوں۔“³

4 تمام انبیاء کا دین اسلام ہے

تمام انبیاء و رسل ﷺ کا دین دین اسلام ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ﴾

”بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ دین اسلام ہی ہے۔“⁴ جب اللہ کے نزدیک پسندیدہ دین دین اسلام

ہے تو اس نے اپنے انبیاء و رسل ﷺ کو بھی اسی دین کی دعوت کے لیے مبعوث فرمایا۔

تمام انبیاء ﷺ ایک اللہ کی عبادت کی طرف بلاتے اور غیر اللہ کی عبادت کو چھوڑنے کی تلقین کرتے رہے، اگرچہ ان

کی شریعتیں اور احکام مختلف تھے لیکن وہ سب کے سب ایک اساس و بنیاد پر متفق تھے اور وہ ہے توحید۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((الْأَنْبِيَاءُ إِخْوَةٌ لِّعَلَاءِ أُمَّهَاتِهِمْ شَيْءٌ وَدِينُهُمْ وَاحِدٌ))

یعنی ”تمام انبیاء آپس میں علاقائی بھائی ہیں (جن کا باپ ایک ہے اور) مائیں الگ الگ ہیں۔ اور ان سب کا

دین ایک ہے۔“⁵

5 تمام رسول بشر ہیں اور انہیں علم غیب بھی نہیں ہے

علم غیب اللہ تعالیٰ کی خصوصیات میں سے ہے نہ کہ انبیاء ﷺ کی صفات میں سے۔ اس لیے کہ وہ دوسرے انسانوں

(1) الممتحنة: 60: 6. (2) الجمعة: 62: 2. (3) أخرجه بهذا اللفظ البيهقي في السنن الكبرى: 318/10، واحد بلفظ ”صالح

الأخلاق“: 513/14 وصححه الألباني في الصحيحة: 54 وصحيح الجامع: 2394. (4) آل عمران: 19: 3. (5) صحيح

البخاري: 3443، صحيح مسلم: 2365.

کی طرح انسان ہی تھے۔ وہ کھاتے پیتے بھی تھے۔ شادی بھی کرتے تھے۔ سوتے بھی تھے۔ بیمار بھی ہوتے تھے اور وہ تھکاوٹ بھی محسوس کرتے تھے۔ اور انھیں بھی انسانوں کی طرح خوشی و غمی، مشقت و آسانی اور ہشاش و بشاش ہونا جیسے عوارض لاحق ہوتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا إِنَّهُمْ لَيَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَ يَسْتَوُونَ فِي الْأَسْوَاقِ﴾

”اور ہم نے آپ سے پہلے جتنے رسول بھیجے سب کے سب کھانا بھی کھاتے تھے اور بازاروں میں بھی چلتے تھے۔“^(۱)

اور فرمایا: ﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّن قَبْلِكَ وَ جَعَلْنَا لِهَؤُلَاءِ أَزْوَاجًا وَ ذُرِّيَّةً﴾

”ہم آپ سے پہلے بھی بہت سے رسول بھیج چکے ہیں اور ہم نے ان سب کو بیوی بچوں والا بنایا تھا۔“^(۲)

اور انبیاء علیہم السلام علم غیب بھی نہیں رکھتے بجز اس کے کہ جس کی اللہ تعالیٰ ان کو خبر دے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿خَلِمَ الْغَيْبُ فَلَا يُظْهِرُ عَلَى غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِنْ رَسُولٍ فَإِنَّهُ يَسْلُكُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ ذِكْرًا

خَلْفَهُ وَ صَدًّا﴾

”وہی غیب کا جاننے والا ہے اور وہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا، سوائے اس پیغمبر کے جسے وہ پسند کر لے

لیکن اس کے بھی آگے پیچھے پہرے دار مقرر کر دیتا ہے۔“^(۳)

﴿۶﴾ انبیاء و رسل علیہم السلام تبلیغ رسالت میں معصوم ہوتے ہیں

اللہ تعالیٰ نے اپنی رسالت اور اس کی تبلیغ کے لیے کائنات میں سے افضل اور پیدائشی اور اخلاقی اعتبار سے اکمل انسانوں کا انتخاب کیا۔ اور انھیں کبیرہ گناہوں سے معصوم اور عیوب و نقائص سے مبرا بنایا تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی وحی کو اپنی امتوں تک پہنچائیں۔ لہذا وہ باتفاق امت تبلیغ دین میں معصوم ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ ۚ وَإِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ ۗ وَاللَّهُ

يُعْصِصُكَ مِنَ النَّاسِ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ۝﴾

”اے رسول! جو کچھ بھی آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے اسے آپ پہنچا

دیجئے۔ اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اللہ تعالیٰ کی رسالت ادا نہیں کی اور آپ کو اللہ تعالیٰ ہی لوگوں

سے بچاتا ہے۔“^(۴)

(۱) الفرقان 20:25، (۲) الرعد 38:13، (۳) الجن 26، 27، 72، (۴) المائدة 67:5.

اور جب کبھی کسی نبی سے کوئی معمولی غلطی سرزد ہوئی، جس کا تبلیغ سے کوئی تعلق نہیں ہوتا تھا، اللہ تعالیٰ نے اسے اس کے لیے بیان فرمادیا اور اس نے اس سے فوراً توبہ کر لی اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر لیا۔ چنانچہ وہ معمولی غلطیاں ایسے ہو گئیں کہ گویا ان کا وجود ہی نہ تھا۔

⑦ انبیاء و رسل علیہم السلام کی تعداد

انبیاء علیہم السلام کی تعداد ایک لاکھ اور چوبیس ہزار ہے۔ ان میں سے رسولوں کی تعداد تین سو پندرہ ہے جیسا کہ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے سوال کیا کہ اے اللہ کے رسول؟ انبیاء کی تعداد کتنی ہے؟
تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «مِائَةُ أَلْفٍ وَأَرْبَعَةٌ وَعِشْرُونَ أَلْفًا ، أَلْسُلُ مِنْ ذَلِكَ ثَلَاثُمِائَةٍ وَخَمْسَةَ عَشَرَ»

”ان کی تعداد ایک لاکھ اور چوبیس ہزار ہے۔ ان میں سے تین سو پندرہ رسول تھے۔“^①
اس حدیث مبارک میں انبیاء کرام علیہم السلام کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ذکر کی گئی ہے اور ان میں سے 315 کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ رسل تھے۔ تو یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ نبی اور رسول میں کیا فرق ہے؟

نبی اور رسول میں فرق

اس سلسلے میں اہل علم کی متعدد آراء پائی جاتی ہیں لیکن سب سے صحیح رائے وہ ہے جسے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ نبی وہ ہوتا ہے جس کی طرف اللہ کی وحی نازل ہو اور وہ صرف ان لوگوں کو وحی کی تبلیغ کا پابند ہو جو اس پر ایمان لائیں۔ جبکہ رسول وہ ہوتا ہے جس کی طرف اللہ کی وحی نازل ہو اور وہ اپنے اوپر ایمان لانے والوں کو بھی تبلیغ وحی کا پابند ہو اور اللہ کے مخالفین (کفار و مشرکین) کو بھی تبلیغ رسالت پر مامور ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ایک صحیح حدیث میں حضرت نوح علیہ السلام کو پہلا رسول قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ ان سے پہلے سب انبیاء تھے مثلاً حضرت آدم علیہ السلام، حضرت شیث علیہ السلام اور حضرت ادریس علیہ السلام وغیرہم۔

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک شخص نے کہا: یا رسول اللہ! کیا آدم علیہ السلام نبی تھے؟ آپ نے فرمایا: ”ہاں، ان سے اللہ نے کلام بھی کیا۔“ اس شخص نے کہا: آدم علیہ السلام اور نوح علیہ السلام کے درمیان کتنی مدت تھی؟ آپ نے فرمایا: (عَشْرَةُ قُرُونٍ) یعنی ”دس صدیاں“^②

① مسند أحمد، وقال الحافظ ابن كثير: وسياق رواية الإمام أحمد أثبت وأولى بالصحة، ورجال إسناده هذا الإسناد لا بأس بهم۔ تفسير ابن كثير 717/1، وصححه الألباني في تخريج المشكاة: 5737. ② ابن حبان: 619. وصححه الأرناؤوط.

اللہ تعالیٰ نے جتنے انبیاء و رسل ﷺ بھیجے ان میں سے بعض کے واقعات اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیان فرمائے ہیں اور بعض کے واقعات بیان نہیں کئے۔ جن انبیاء ﷺ کے نام اللہ تعالیٰ نے میں ذکر فرمائے ہیں ان کی تعداد پچیس ہے۔

باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنَاهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ﴾^(۱) ”اور آپ سے پہلے کے بہت سے رسولوں کے واقعات ہم نے آپ سے بیان کئے ہیں اور بہت سے رسولوں کے نہیں کئے۔“

اسی طرح فرمایا: ﴿وَتِلْكَ حُجَّتُنَا آتَيْنَاهَا إِبْرَاهِيمَ عَلَىٰ قَوْمِهِ ۖ نَرْفَعُ دَرَجَاتٍ مَن نَّشَاءُ ۚ إِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ۝ وَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ ۚ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ ۚ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِ دَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ ۚ وَأَيُّوبَ ۚ وَيُوسُفَ ۚ وَمُوسَىٰ وَهَارُونَ ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۝ وَذَكَرْنَا وَيْحَ عِيسَىٰ وَآلِيَّاسَ ۚ كُلًّا مِّنَ الصَّالِحِينَ ۝ وَاسْمَاعِيلَ ۚ وَالْيَسَعَ ۚ وَيُونُسَ ۚ وَلُوطًا ۚ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَىٰ الْعَالَمِينَ ۝ وَمِنَ آبَائِهِمْ ذُرِّيَّتِهِمْ وَإِخْوَانِهِمْ ۚ وَاجْتَبَيْنَاهُمْ وَهَدَيْنَاهُمْ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝﴾

”یہ ہماری حجت تھی جو ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) کو ان کی قوم کے مقابلہ میں دی تھی۔ ہم جس کو چاہتے ہیں اس کے مرتبے بڑھا دیتے ہیں۔ بے شک آپ کا رب بڑا حکمت والا بڑا علم والا ہے۔ اور ہم نے انھیں اسحق اور یعقوب عطا کئے۔ ہر ایک کو ہم نے ہدایت دی اور پہلے زمانہ میں ہم نے نوح کو ہدایت دی اور ان کی اولاد میں سے داؤد، سلیمان، ایوب، یوسف، موسیٰ اور ہارون کو۔ اور اسی طرح ہم نیک کام کرنے والوں کو جزا دیا کرتے ہیں۔ اور زکریا، یحییٰ، عیسیٰ اور الیاس کو۔ یہ سب نیک لوگوں میں سے تھے۔ اور اسماعیل، یسع، یونس اور لوط کو۔ اور ہر ایک کو تمام جہان والوں پر ہم نے فضیلت دی۔ نیز ان کے کچھ باپ دادوں کو اور کچھ اولاد کو اور کچھ بھائیوں کو بھی۔ اور ہم نے ان کو مقبول بنایا اور سیدھے راستے کی طرف ان کی راہنمائی کی۔“^(۲)

اللہ تعالیٰ نے انبیاء ﷺ میں سے بعض کو بعض پر فضیلت اور برتری عطا کی۔ جیسا کہ اس کا فرمان ہے:

﴿وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيِّينَ عَلَىٰ بَعْضٍ﴾

”ہم نے بعض پیغمبروں کو بعض پر بہتری اور برتری دی ہے۔“^(۳)

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے رسولوں میں سے بعض کو بعض پر فضیلت عطا کی جیسا کہ اس کا ارشاد ہے:

﴿تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ﴾

”یہ رسول ہیں جن میں سے ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔“^(۱)

ان میں سے افضل رسول وہ ہیں جو اولو العزم (عزم والے، عالی ہمت) کہلاتے ہیں اور وہ ہیں: حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ہمارے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ۔

فرمان الہی ہے: ﴿فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ﴾

”پس (اے پیغمبر!) آپ ایسا صبر کریں جیسا صبر عالی ہمت رسولوں نے کیا۔“^(۲)

اور فرمایا: ﴿وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنْكَ ؕ وَمِنْ نُّوحٍ وَإِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰ ابْنِ مَرْيَمَ ؕ وَأَخَذْنَا مِنْهُم مِّيثَاقًا غَلِيظًا﴾

”جب ہم نے تمام نبیوں سے عہد لیا اور (بالخصوص) آپ سے اور نوح سے اور ابراہیم سے اور موسیٰ سے اور

مریم کے بیٹے عیسیٰ (ﷺ) سے۔ اور ہم نے ان سے پختہ عہد لیا۔“^(۳)

حضرت محمد ﷺ سب رسولوں میں سے افضل رسول ہیں۔ آپ ﷺ خاتم النبیین، امام المتقین اور بنی آدم کے سردار ہیں۔ جب تمام نبی اکٹھے ہوں تو آپ ﷺ ان کے امام اور رب وہ تشریف لائیں تو آپ ﷺ ان کے خطیب ہیں۔ آپ ﷺ صاحب مقام محمود ہیں جس پر پہلے اور بعد میں آنے والے بھی رشک کریں گے۔ آپ ہی صاحب لواء الحمد (جن کے پاس حمد کا جھنڈا ہوگا) اور صاحب حوض ہیں جہاں پر لوگ وارد ہونگے۔ اور آپ ہی صاحب وسیلہ وفضیلہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے دین کی سب سے افضل شریعت دے کر مبعوث فرمایا۔ اور آپ کی امت کو بہترین امت بنایا۔ آپ کو اور آپ کی امت کو فضائل اور بہترین خوبیوں سے مزین فرمایا جو کہ آپ کو اور آپ کی امت کو سابقہ امتوں سے ممتاز کرتی ہیں۔ اور آپ کی امت پیدائش کے اعتبار سے سب سے آخری امت ہے لیکن قیامت کے دن سب سے پہلے اٹھائی جانے والی ہے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

«أَنَا سَيِّدُ وَلَدِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَبَيْدِي لِبَوَاءِ الْحَمْدِ وَلَا فَخْرَ، وَمَا بَيْنَ نَبِيِّ يَوْمَئِذٍ آدَمَ فَسَنُ سِوَاهُ إِلَّا تَحْتَ لِوَائِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ»

”میں قیامت کے دن تمام بنی آدم کا سردار ہوں گا اور میرے ہاتھ میں حمد کا جھنڈا ہوگا اور اس پر مجھے

کوئی فخر نہیں۔ قیامت کے دن آدم علیہ السلام اور ان کے علاوہ جتنے بھی انبیاء علیہم السلام ہیں سب میرے جھنڈے

تِلے ہونگے۔“^(۴)

(۱) البقرة: 253، (۲) الاحقاف: 35، (۳) الاحزاب: 33، (۴) الترمذی: 3148، وصححه الالبانی۔

آخرت پر ایمان لانا

آخرت پر ایمان لانا ایمان کے ان ارکان میں سے ایک ہے جن کے بغیر انسان کا ایمان مکمل نہیں ہوتا۔ اور آخرت کے دن پر ایمان لانے سے مقصود یہ ہے کہ انسان کو اس بات پر پختہ یقین ہو کہ تمام انسانوں پر موت آئے گی اور سب کے سب کو قیامت کے روز اٹھایا جائے گا۔ پھر حساب و کتاب کے بعد ہر ایک کو اس کے اعتقاد و عمل کے مطابق جزاء و سزا دی جائے گی۔ گویا دنیاوی زندگی کی انتہاء اور اس کے بعد ایک دوسرے جہاں میں داخل ہونے پر پختہ اعتقاد رکھنے کا نام (ایمان بالیوم الآخر) ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يَوْمَ يَخْرُجُونَ مِنَ الْأَجْدَاثِ سِرَاعًا كَأَنَّهُمْ إِلَىٰ نُصُبٍ يُوفِضُونَ﴾ ۱

”جس دن وہ اپنی قبروں سے نکل کر اس طرح دوڑے جا رہے ہوں گے جیسے وہ اپنے بتوں کی طرف تیز تیز جا رہے ہیں۔“ ۱

قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ہم سے پہلے آنے والوں اور بعد میں آنے والوں، سب کو جمع کرے گا اور ہر ایک کو اس کے عمل کے مطابق بدلہ دے گا۔ پھر ایک گروہ جنت میں داخل ہوگا اور دوسرا جہنم میں۔

باری تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿قُلْ إِنَّ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ ۝ لَمَجْمُوعُونَ ۝ إِلَىٰ مِيقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُومٍ﴾ ۲

”آپ کہہ دیجئے کہ یقیناً سب اگلے اور پچھلے ضرور ایک مقررہ دن کے وقت جمع کئے جائیں گے۔“ ۲

قیامت کے دن کو قرآن کریم میں ایک سے زائد ناموں کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، مثلاً: یوم القیامہ، القارعہ، یوم الحساب، یوم الدین، الطامہ، الواقعہ، الحاقہ، الصاخہ، الغاشیہ وغیرہ۔

(۱) یوم القیامہ (قیامت کا دن) ﴿لَا تُقْسِمُ بِیَوْمِ الْقِیَامَةِ﴾ ۳

”میں قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی۔“ ۳

(۲) القارعہ (کھڑکھڑانے والی) ﴿الْقَارِعَةُ ۝ مَا الْقَارِعَةُ﴾ ۴

”کھڑکھڑانے والی، کیا ہے کھڑکھڑانے والی۔“ ۴

(۳) یوم الحساب (حساب کا دن) ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَضُنُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ بِمَا نَسُوا يَوْمَ

الْحِسَابِ﴾ ۵ ”یقیناً جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ سے بھٹک جاتے ہیں ان کے لیے سخت عذاب ہے اس لیے کہ انہوں نے حساب کے دن کو بھلا دیا ہے۔“ ۵

۱) المعارج 43:70، ۲) الواقعہ 50:49، ۳) القیامہ 1:75، ۴) القارعہ 101:2، ۵) سورۃ ص 26:38۔

(4) یوم الدین (جزاء کا دن) ﴿وَإِنَّ الْفُجَّارَ لَفِي جَحِيمٍ ۝ يَصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّينِ ۝﴾¹
 ”اور یقیناً بدکار لوگ دوزخ میں ہونگے، وہ اس میں جزاء کے دن داخل ہونگے۔“

(5) الطامة (آفت) ﴿فَإِذَا جَاءَتِ الطَّامَةُ الْكُبْرَى ۝﴾²

”پس جب وہ بڑی آفت (قیامت) آجائے گی۔“

(6) الواقعة (واقع ہونے والی) ﴿إِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۝﴾³

”جب واقع ہونے والی (قیامت) واقع ہو جائے گی۔“

(7) الحاقة (ثابت ہونے والی) ﴿الْحَاقَّةُ ۝ مَا الْحَاقَّةُ ۝﴾⁴

”ثابت ہونے والی، ثابت ہونے والی کیا ہے؟“

(8) الصاخة (کان بہرے کر دینے والی) ﴿فَإِذَا جَاءَتِ الصَّاخَةُ ۝﴾⁵

”پس جب کان بہرے کر دینے والی (قیامت) آجائے گی۔“

(9) الغاشية (چھپا لینے والی) ﴿هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْغَاشِيَةِ ۝﴾⁶

”کیا تیرے پاس (چھپا لینے والی) قیامت کی خبر پہنچی ہے۔“

حضرات محترم! ایمان بالیوم الآخر میں موت کے بعد جتنی تفصیل ہیں ان سب پر ایمان لانا شامل ہے مثلاً قبر کا عذاب اور اس کی نعمتیں، صور میں پھونکنا، دوبارہ زندہ ہونا، حشر، حساب اور جزاء و سزا، حوض، میزان، پل صراط اور جنت و دوزخ وغیرہ..... [جبکہ ہم ان تمام امور پر اور ان کے علاوہ قیامت کی نشانیوں اور اس کی ہولناکیوں پر زاد انخطیب کی دوسری جلد میں متعدد خطبات ذکر کر چکے ہیں۔ لہذا مزید تفصیلات کے لیے خطباء حضرات ان کا مراجعہ کر سکتے ہیں۔]

دوسرا خطبہ

برادران اسلام! آئیے اب ایمان کے آخری رکن (ایمان بالقدر) کے بارے میں بھی ہماری چند گزارشات قرآن و حدیث کی روشنی میں سماعت فرمالیجئے۔

چھٹا رکن

تقدیر پر ایمان لانا

تقدیر سے مراد وہ چیز ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے سابق علم اور اپنی حکمت کی بناء پر کائنات کے لیے مقرر فرمائی ہے۔

(1) الانفطار 82:14, 15. (2) النازعات 79:34. (3) الواقعة 56:1. (4) الحاقة 69:1, 2. (5) عبس 80:33. (6) الغاشية 88:1.

اور اس کا مرجع اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے۔ کیونکہ وہ یقیناً ہر چیز پر قادر ہے، جو چاہتا ہے کر گزرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایمان بالقدر دراصل اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی ربوبیت پر ایمان لانے کا ایک حصہ ہے۔ اور یہ ایمان کے ان ارکان میں سے ایک ہے کہ جن کے بغیر ایمان مکمل اور درست نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿إِن كُنْ مِنْ شَيْءٍ حَافِظًا فَحَقَّقْنَاهُ بِقَدَرٍ ۝﴾^۱
 ”بے شک ہم نے ہر چیز ایک تقدیر کے ساتھ پیدا کی ہے۔“

تقدیر کے مراتب

تقدیر کے چار مراتب ہیں اور ان چاروں پر ایمان لائے بغیر ایمان کامل نہیں ہوتا:
 پہلا مرتبہ: اللہ کے ازلی (ہمیشہ رہنے والے) علم پر ایمان لانا جو کہ ہر چیز کو محیط ہے۔
 اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ أَمْرَ اللَّهِ وَالْآيَاتِ لَا يَلْبِسُ الْغَيْبَ بِالْظَّاهِرِ ۚ إِنَّ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ۝﴾^۲
 ”کیا آپ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ آسمان و زمین کی ہر چیز کا علم رکھتا ہے! یہ سب لکھی ہوئی کتاب میں محفوظ ہے۔ اللہ تعالیٰ پر تو یہ امر بالکل آسان ہے۔“

نیز فرمایا: ﴿وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۚ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٌ مِنْ ظُرُومٍ إِلَّا وَجَدَ بِهَا رَقِيعًا ۚ وَلَا يَاسِبُ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ۝﴾^۳
 ”اور غیب کی چابیاں تو اسی کے پاس ہیں اور انھیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ سمندر اور خوشکی میں جو کچھ ہے اسے وہ جانتا ہے۔ اور کوئی پتہ تک نہیں گرتا جسے وہ جانتا نہ ہو۔ نہ ہی زمین کی تاریکیوں میں کوئی دانہ ہے جس سے وہ باخبر نہ ہو۔ اور تر اور خشک جو کچھ بھی ہو سب کتاب مبین (لوح محفوظ) میں موجود ہے۔“

دوسرا مرتبہ: اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کی بناء پر جو تقدیریں لوح محفوظ میں لکھ دی ہیں ان پر ایمان لانا۔
 ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿مَا فَتَنَّا فِي الْغَيْبِ مِنْ شَيْءٍ ۚ﴾^۴

”ہم نے کتاب (لوح محفوظ) میں کوئی چیز نہیں چھوڑی۔“

نیز فرمایا: ﴿وَمَا تَكُونُ فِي شَأْنٍ وَمَا تَتْلُوا مِنْهُ مِنْ قُرْآنٍ وَلَا تَعْمَلُونَ مِنْ عَمَلٍ إِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُودًا إِذْ تُفِيضُونَ فِيهِ ۚ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَبِّكَ مِنْ مِثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَلَا أَصْغَرَ مِنْ ذَلِكَ وَلَا أَكْبَرَ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ۝﴾^۵

کتاب فیہ

نہ کہے ہی!) تم جس حال میں بھی ہوتے ہو، قرآن میں سے جو چھکوں مل جائے اور (وہ) انہیں ہم
 انہی تم کو رہے ہوتے ہو، ہم یہ وقت تمہارے ہاں آجاء ہوتے ہیں بہرہ تمہاری اس شخص ہوتے ہو اور
 زمین و آسمان میں کوئی فرد برابر چیز بھی ایسی نہیں ہوگا کہ آپ سے چھوڑ دیتے اور وہ اسے اپنی پناہ
 یا اس سے بڑی کوئی چیز بھی ایسی نہیں جو واضح آ رہے (من صراط) میں رہے۔

۱۱۔ حضرت حمید اللہ بن عمرو بن العاص غزوہ یمین میں تھے۔ ان کی عمر بیس سال تھی۔

كذلك الله مفادير الخلق قبل ان يخلقهم الى غير ذلك من الامور التي لا يمكن ان تكون الا بالله تعالى.

اللہ تعالیٰ نے کائنات کی تقدیروں کو آسمانوں میں تخلیق کے لیے چاروں طرف پھیلانے کے لیے

اور حضرت عباۃ بن حماد نے اپنے جیب سے سچے سچے روکے روپے

يا بني! إنك لن تجد ملء حبيبة إلهيا حتى تصنع إلهك من نفسك
وما أخطاك لم يكن ليصلك

یعنی ”اے میرے پیارے جیہ! تم ایہاں کی طبیعت کا کتنا محسوس نہیں کرتے یہاں تک کہ اس وقت پر
 لکھیں کہ لو کہ جو چیز تمہارے مفرد میں لکھی گئی ہے وہ تم نے پہلے ہی نہیں دیکھی تھی۔“
 ”جی ہاں وہ تمہیں ملنے والی نہیں۔“

اس کے بعد انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو پیغام دیا۔

إِنَّ أَوَّلَ مَا خَلَقَ اللَّهُ الْفَضْلُ . فَالْفَضْلُ الْمَعْرِفَةُ وَالْحِكْمَةُ .
مَعَافَاةٌ تَكُونُ حَتَّى تَقْبُوهُ الْمَعْرِفَةُ

”اے عجب اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم و پاپا فرمایا۔ پھر اس نے کہا: ”یوسف! میں نے تجھے میرے
 دل میں رکھا ہے۔“ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”یوسف! میں نے تجھے میرے دل میں رکھا ہے۔“

یہ اراں حضرت عبداللہ بن عمرؓ بن العاصؓ کے اپنے بیٹے کے قتل کے بعد یہاں سے آپؐ کو روانہ فرمایا۔ یہاں تک اعلیٰ غیر ہندوستان کے ایک شخص کی مدد سے (اقتدار کے حصول اور) اقتدار پر آنے کی توان کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔

1. انويس 10-61، 2. صحيح مسلم: 2653، 3. ايزد: 41، 4. صحيحه لابي

انہی قولوں میں سے ہے : "میں نے اپنے رب سے پوچھا کہ میں نے کیا گناہ کیا ہے کہ مجھے ایسا عذاب پہنچا دیا ہے ؟"

”میرے لیے یہ سب کچھ ہے۔“

”جو اس وقت وہ آپ پر ہیں، ان کی موت ہے، تو آپ میرے لئے ان کو فرمائیے، اچھوٹے لڑکے، لڑکیاں، بل ما شاء اللہ“

وحدہ "اے اللہ تعالیٰ! شریک نہ ہو مجھے اللہ تعالیٰ سے نہ ہے۔" اے اللہ تعالیٰ! تو ہی جتنا

پاکستان میں مسیحیت پر ایمان لانے والے افراد کی تعداد کم ہے۔

بانی قلم و شمشیر: مولانا محمد رفیع الدین

”میں نے تجھے پہچان لیا ہے! اب میری پہچان کر۔“

یہ آپ کا بھی ارشاد ہے کہ خلیفہ اللہ علیہ السلام مقتدا

”ابہ قون لے نی: نگارے، ابہ قی کا بخری و پیرا، ابہ قی“

تقریر سے پہلے اس تقریر کا خلاصہ

تقریباً ۲۰۰۰ کے وسط میں ملک میں تعلیم کا طریقہ بدل گیا۔ اس وقت تک تو یہی مروجہ تھی کہ بچے کا خالق و مالک ہے۔ اور اس نے

تعلقات مہیچہ ہونے سے پہلے اور ان کی تدبیریں استر فرما رہی تھیں۔ ان کی موت نے اوقات، ان کا رزق کتنے ہوگا

اور کہاں سے جاکر لوگوں کو ایسے امور میں متوجہ کرے؟ اور یہ بھی کہ وہ خود تیار ہو کر خوش نصیبی اور بدبختی میں سے کس کو اختیار

کروں گے۔ وہ چچا اس نے، انجیل پوری پڑھ لی تھیں۔ اب اس نے کتاب کو اپنے غمزدہ اور غمگین منہ پر رکھا ہے۔

مذہب اللہ تعالیٰ کا ہے، مَن بہتو نے اور جو نہیں چاہتے، مَن بہتو اور جو نہیں ہو چکا ہے، نیز جو چھو ہوئے اور ۱۱

ہے اور ہونٹیں بھراؤں ہوتی تو کتے اور بلیاں کب پنچھوئے نہ ہوتے۔ اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ جسے چاہتا ہے بدیت

سے فائدہ ہے اور جسے طالب علم روزمرہ سے

یہ ایک ایسا عقیدہ ہے جس نے کہ بعد میں سے بہت سی شخصیات اور قدرت سے جس کے ذریعے وہ ان اعمال

لہذا انہی ساتھیوں پر اللہ تعالیٰ نے یہ وحیات و نصیحتیں بھی فرمائی ہیں کہ:

* التكملة : ١٠٥٨٩ - مستند احمد بن محمد الاثيري في نسخة ٤٠٣٩٦ - الفهرست ٢٠٦٢٣٩ - رواه البزار ، ورجاله

رجلنا المحقق عبد الحامد بن عبد الله بن هبة الله بن أبي

بندوں کی کوئی مشیت و چاہت نہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهَبَنَّ لَهُمْ سُبُلَنَا﴾^(۱)
 ”اور وہ لوگ جو ہماری راہ میں کوشش کرتے ہیں ہم انہیں اپنی راہوں کی راہنمائی ضرور کریں گے۔“
 اس آیت کریمہ سے ثابت ہوا کہ بندوں سے کوشش اور جدوجہد مطلوب ہے۔

افعال العباد

سلف صالحین علیہم السلام کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی بندوں کا اور ان کے افعال کا خالق ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ﴾^(۲)
 ”اور اللہ ہی نے تمہیں اور تمہارے اعمال کو پیدا فرمایا ہے۔“^(۳)

یعنی کوئی کام اللہ تعالیٰ کی مشیت عامہ کے بغیر نہیں ہوتا۔ ہاں البتہ ان افعال کے کرنے والے حقیقت میں بندے ہی ہیں۔ لہذا اگر کسی نے کسی واجب کام کو چھوڑا یا حرام کا ارتکاب کیا تو وہ یہ کہتے ہوئے اللہ تعالیٰ پر کوئی حجت نہیں قائم کر سکتا کہ یہ تو میری قسمت میں لکھا ہوا تھا، کیونکہ جب اس نے گناہ کیا تھا تو اس وقت اسے یہ معلوم نہ تھا کہ یہ گناہ میری تقدیر میں لکھا ہوا ہے۔ تقدیر تو اللہ تعالیٰ کا راز ہے جسے اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اور چونکہ اس نے اس گناہ کا ارتکاب اپنے اختیار سے کیا اس لیے وہ تقدیر کو اپنے گناہ پر حجت نہیں بنا سکتا۔ نیز یہ بات یاد رہے کہ مصائب پر تقدیر کو حجت بنانا تو جائز ہے، گناہوں پر حجت بنانا جائز نہیں ہے۔ جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت آدم علیہ السلام کے باہمی جھگڑے کے بارے میں ارشاد ہے:

«نُحَاجُّ آدَمَ وَمُوسَى ، فَقَالَ مُوسَى : أَنْتَ آدَمُ الَّذِي أَخْرَجْتَنِي مِنْ الْجَنَّةِ ، فَقَالَ لَهُ آدَمُ : أَنْتَ مُوسَى الَّذِي اضْطَلَقْتَ اللَّهَ بِرِسَالَتِهِ وَبِكَلَامِهِ ، ثُمَّ تَلَوْنِي عَلَى أَمْرِ قَدْ قُبِّرَ عَلَيَّ قَبْلَ أَنْ أُخْلَقَ ؟ فَحَجَّجَ آدَمُ مُوسَى ،

”آدم اور موسیٰ (علیہ السلام) آپس میں جھگڑ پڑے۔ چنانچہ موسیٰ (علیہ السلام) نے (آدم علیہ السلام) سے کہا: آپ وہی آدم ہیں جنہیں ان کی غلطی نے جنت سے نکال دیا تھا!

آدم (علیہ السلام) نے کہا: آپ وہی موسیٰ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی رسالت اور اپنے کلام کے لیے منتخب فرمایا۔ اس کے باوجود بھی آپ مجھ کو ایک ایسے معاملے پر ملامت کر رہے ہیں جسے میری تخلیق سے قبل ہی میری تقدیر میں لکھ دیا گیا تھا!

چنانچہ آدم (علیہ السلام) موسیٰ (علیہ السلام) پر غالب آ گئے۔“ ①

یہاں ایک بات کی وضاحت مناسب معلوم ہوتی ہے۔ وہ یہ کہ بندوں کے افعال و اعمال کے بارے میں تین نظریات پائے جاتے ہیں۔ ایک نظریہ یہ ہے کہ بندوں کے افعال بندوں کی مخلوق ہیں۔ بندے ان کے خالق ہیں اور ان میں اللہ تعالیٰ کا کوئی دخل نہیں ہے۔ یہ نظریہ قدریہ کا ہے جو تقدیر کا انکار کرتے ہیں۔ اس کے بالمقابل دوسرا نظریہ یہ ہے کہ انسان مجبور محض ہے اور اس کی حیثیت ہوا کے دوش پر اڑتے ہوئے چنکے کی ہے کہ ہوا اسے جس طرف چاہے اڑالے جائے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کی تقدیر پہلے سے لکھ کر اسے مجبور محض بنا دیا ہے..... یہ دونوں نظریات باطل ہیں۔

علماء سلف رحمہم نے ان دونوں کے درمیان ایک اور موقف اپنایا ہے جو کہ جہن برحق ہے۔ وہ یہ ہے کہ انسان نہ تو مکمل طور پر مختار کل ہے اور نہ ہی پورے طور پر مجبور محض ہے۔ اس طرح کہ کچھ چیزیں ایسی ہیں جن میں انسان مجبور محض ہے مثلاً انسان کی موت و حیات، اس کے رنگ کا گورا ہونا یا کالا ہونا، اس کا خوبصورت ہونا یا معذور ہونا۔ یہ ایسی چیزیں ہیں جن میں اس کا کوئی بس نہیں چل سکتا، لیکن اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے اسے اختیار اور ارادہ بھی عطا کیا ہے اور اسے متعدد صلاحیتوں سے نوازا ہے جن کی بناء پر وہ اچھے اور برے کی تمیز کر سکتا ہے۔ اور اسی اختیار اور اس کی صلاحیتوں کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ نے اسے مکلف بنایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ﴾ ② اور ہم نے اسے دونوں راستے دکھا دیے۔“ ③

یعنی خیر و شر کے، ایمان و کفر کے اور سعادت و ہمتی اور بد بختی کے دونوں راستے ہم نے اسے دکھا دیے ہیں اور معاملہ اس پر چھوڑ دیا ہے۔ ہاں اللہ تعالیٰ کو اس بات کا سابق علم حاصل ہے کہ وہ کونسی راہ اختیار کرے گا، لیکن اس علم کو انسان کے اچھی یا بری راہ کے اپنانے میں کوئی دخل نہیں۔ انسان اگر کوئی راہ اپناتا ہے تو اپنے اختیار سے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿لَیْمَنْ شَاءَ مِنْكُمْ اَنْ یَّسْتَقِیْمَ﴾ ④

”یہ (نصیحت ہے) اس شخص کے لیے جو تم میں سے سیدھی راہ پر چلنا چاہے۔“ ⑤

نیز فرمایا: ﴿وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكُمْ ۚ فَمَنْ شَاءَ فَلْیُؤْمِنْ وَ مَنِ شَاءَ فَلْیُکْفُرْ﴾ ⑥

”آپ کہہ دیجئے کہ حق تو وہ ہے جو آپ کے رب کی طرف سے ہے۔ اب جو چاہے اسے مان لے اور جو چاہے انکار کر دے۔“ ⑦

اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام سے فرمائے، ان پر کتابیں نازل فرمائیں اور ان کے ذریعے حق اور باطل

① صحیح البخاری: 6614، 7515، صحیح مسلم: 2652، ② البلد: 10، 90، ③ التکویر: 28، 81، ④ الکہف: 29، 18،

بندہ کے پر تقدیر کے بارے میں ”اباب“ ہیں:

۱۔ حسبِ مقدور واجبات و فرائض پہ عمل کر کے اور نماز کے اعتناء کر کے۔ اور اس حالت میں اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرتے رہے اور اس سے دعا کر کے کہ وہ اس سے یہ نیک و جہد کی کئی اعمال اور نیک اعمال سے صرف اس پر توکل کرے۔ اس کی پناہ طلب کرے اور چاہائی کے حصہ اور نیک اعمال کی پناہ سے اس کی مدد فرمائے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ثُمَّ مِنْ الْقَوَى خَيْرٌ وَأَحْسَنُ مِنْهُمَا مَا رَزَقَ اللَّهُ مِنْ قَبْلُ وَهُوَ أَشَدُّ رِجْماً
يُحْمَلُ، وَاسْتَعِزَّ بِاللَّهِ وَلَا تَعْجَلْ، وَبِالْإِسْلَامِ وَالْأَقْصَى وَبِالْإِسْلَامِ وَالْأَقْصَى
وَلَكِنْ قُلْ أَقْبَرُ اللَّهُ وَمَا تَدْعُونَ قَوْلًا قَدِيمًا لِقَوْلِ الشَّيْطَانِ

خاط قنور مومن کمزور مومن سے ملتا اور اللہ تعالیٰ دلیلیہ دے دے اور وہ بھی مومن بن جاتا ہے۔ اور قنور
چیز کے حصول کے لیے کوشش کرے جو تمہارا ہے یہ کفِ اکتی اور اللہ تعالیٰ سے بددعا ہے اور وہ کفر ہے۔
اور اگر تمہیں کوئی مصیبت پہنچے تو یہ نہ کہو کہ اُمّرتیں ہیں۔ تو اپنے بوجھ کا بوجھ لے لو کہ اللہ تعالیٰ سے کیا ہے
لکھا تھا اور اس نے جو چاہا وہ کر دیا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ (اور شیطان) اس کو کتاب سے لکھا تھا۔

۲۔ انسان پر لازم ہے کہ وہ تقدیر میں لکھی ہوئی چیز پر حیران و شوق کا اظہار نہ کرے۔ یہ صبر کا مظاہرہ ہے۔ اور وہ اس بات پر یقین کر لے کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے جس پر اسے ماضی میں رہنا چاہیے اور اسے تسلیم کرنا چاہیے۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے :

عجباً الأمر المومن . ان اقره كنهه .
 بكر فكان خيرا له . وان افسده ضار .

ان مومن کا معاملہ بڑا عجیب ہے اور اس کا ہر معاملہ یقیناً ان سے نیچے کا باعث ہوتا ہے اور یہ کوئی نیا
مذہب کے اور کسی کو نصیب نہیں ہوتی۔ اگر اسے کوئی غلط فہمی پہنچے تو وہ شکر ادا کرتا ہے۔ اس طرح مومن سے یہ
نیچے کا باعث بن جاتی ہے۔ اور اگر اسے کوئی غلط فہمی پہنچے تو وہ شکر ادا کرتا ہے اور اس کے لیے یہ باعث نیچے
بن جاتی ہے۔^۲

1. صحيح مسلم: 2664. 2. صحيح مسلم: 2999.

اور اسے اس بات پر بھی یقین ہونا چاہیے کہ جو چیز اس کے مقدر میں لکھی جا چکی ہے وہ اس سے چوکنے والی نہیں، بلکہ اسے مل کر رہے گی۔ اور جو چیز اللہ تعالیٰ نے اس کے مقدر میں نہیں لکھی وہ اسے ملنے والی نہیں، چاہے وہ جتنی محنت کر لے اور چاہے جتنے جتن کر لے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ ارشاد ہے:

«وَأَعْلَمُ أَنَّ مَا أَخْطَأْتُ لَمْ يَكُنْ لِيُصِيبَنَّكَ ، وَمَا أَصَابْتُ لَمْ يَكُنْ لِيُخْطَلَنْتُ»

”اور اس بات پر بھی اچھی طرح سے یقین کر لو کہ جو چیز اللہ تعالیٰ تجھ سے روک لے وہ تجھے ہرگز نہیں مل سکتی۔ اور جو چیز اللہ تعالیٰ تجھے عطا کرنا چاہے اسے کوئی بھی تجھ سے روک نہیں سکتا۔“^①

اور ابن الدہلیبی بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور ان سے عرض کی: میرے دل میں تقدیر کے متعلق کچھ شبہات پیدا ہو گئے ہیں، لہذا آپ مجھے کوئی ایسی بات بتائیں کہ جس سے اللہ تعالیٰ میرے وہ شبہات ختم کر دے۔ تو انھوں نے فرمایا:

”اگر اللہ تعالیٰ تمام آسمان والوں اور زمین والوں کو عذاب میں مبتلا کرے تو یہ اس کی طرف سے ان پر ظلم نہ ہوگا۔ اور اگر وہ ان پر رحم فرمائے تو اس کی رحمت ان کے اعمال سے کہیں زیادہ ہوگی۔ اور اگر تم اُحد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرو تو اللہ تعالیٰ اسے قبول نہیں فرمائے گا یہاں تک کہ تم تقدیر پر ایمان لے آؤ۔ اور اس بات پر یقین کر لو کہ جو چیز تمہاری مقدر میں لکھی ہوئی ہے وہ تم سے چوہ نہیں سکتی۔ اور جو چیز تمہارے مقدر میں نہیں لکھی ہوئی ہے وہ تمہیں مل نہیں سکتی۔ (اور یاد رکھو) اگر تمہاری موت اس کے علاوہ کسی اور عقیدہ پر آئی تو تم جہنم میں داخل ہو جاؤ گے۔“

ابن الدہلیبی بیان کرتے ہیں کہ اس کے بعد میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آیا تو انھوں نے بھی مجھے یہی بات کہی۔ اور پھر میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو انھوں نے بھی یہی فرمایا۔ بعد ازاں میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس آیا تو انھوں نے مجھے رسول اللہ ﷺ کی اسی طرح کی حدیث سنائی۔^②

لہذا تقدیر پر راضی ہونا لازمی امر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ہر فیصلہ ہر قسم کی بھلائی، عدل اور حکمت سے پُر ہے۔ اور جو شخص اس پر مطمئن ہو جائے وہ حیرت، تردد اور پریشانی سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ اور اس کی زندگی میں بے قراری اور اضطراب کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ اور پھر وہ کسی چیز کے چھین جانے سے غمزدہ نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ اپنے مستقبل کے بارے میں خوفزدہ رہتا ہے۔ بلکہ وہ لوگوں میں سب سے زیادہ سعادت مند، خوشگوار اور آسودہ حال ہوتا ہے۔ اور جس شخص کو اس بات پر یقین کامل ہو کہ اس کی زندگی محدود ہے اور اس کا رزق متعین اور محدود ہے تو وہ سمجھ جاتا ہے کہ بزدلی اس کی عمر میں اور بخیلی اس کے رزق میں بھی اضافے کا باعث نہ بنتی گی۔ ہر چیز لکھی ہوئی ہے۔ لہذا انسان کو چاہیے کہ

① مسند احمد، جامع الترمذی، صحیح الجامع للآلبانی: 7957، (۲) سنن أبی داؤد: 4699، سنن ابن ماجہ: 77، وصححه الآلبانی.

اسے جو مصیبت پہنچے وہ اس پر صبر کرے اور اپنے گناہوں پر استغفار کرے اور اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر راضی ہو جائے۔
 اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ وَ مَنْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ يَهْدِ اللَّهُ قَلْبَهُ ۚ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝﴾

”کوئی مصیبت اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر نہیں پہنچ سکتی۔ اور جو شخص اللہ پر ایمان لائے، اللہ اس کے دل کو ہدایت دے دیتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتے والا ہے۔“^①

نیز فرمایا: ﴿فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ ۖ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ﴾

”پس اے نبی! آپ صبر کیجئے۔ بے شک اللہ تعالیٰ کا وعدہ برحق ہے۔ نیز آپ اپنے گناہ کی معافی مانگتے رہئے۔“^②

مسئلہ قدر اللہ تعالیٰ کا اپنی مخلوق میں ایک راز ہے

تقدیر اللہ تعالیٰ کا اپنی مخلوق میں ایک راز ہے جسے سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جانتا۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا کسی کو گمراہ کرنا، کسی کو ہدایت دینا، کسی کو مارنا، کسی کو زندہ کرنا، کسی کو محروم کرنا اور کسی کو نوازنا وغیرہ ہے۔ ان تمام امور سے اللہ تعالیٰ ہی واقف ہے۔

اسی لیے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((إِذَا ذُكِرَ الْقَدَرُ فَأَمْسِكُوا)) یعنی ”جب تقدیر کا ذکر کیا جائے تو (بحث کرنے سے) رُک جاؤ۔“^③

تقدیر کو حجت بناتے ہوئے عمل کو چھوڑنا جائز نہیں

جو کچھ تقدیر میں لکھا جا چکا ہے اس پر بھروسہ کرتے ہوئے عمل کو چھوڑ دینا جائز نہیں، کیونکہ کسی کے پاس کوئی علم یقینی تو نہیں ہے کہ وہ جنتی ہے یا جہنمی۔ اگر اس کے پاس کچھ علم ہوتا تو ہم اسے نہ کسی کام کا حکم دیتے اور نہ کسی کام سے منع کرتے۔ اور اگر عمل کو چھوڑنا جائز ہوتا تو کبھی کسی قوم پر عذاب الہی نازل نہ ہوتا۔ اور نہ کسی کافر اور فاسق و فاجر کا مواخذہ ہوتا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم بقیع میں ایک جنازے میں شریک تھے۔ اتنے میں نبی اکرم ﷺ تشریف لے آئے۔ آپ ﷺ اور ہم سب بھی آپ ﷺ کے ارد گرد بیٹھ گئے۔ آپ ﷺ کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی جس سے آپ سر جھکائے ہوئے زمین پر کرید رہے تھے (جیسے کی گہری سوچ میں ہوں) پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

① التغابن: 11:64. ② غافر: 55:40. ③ رواہ الطبرانی فی الکبیر والبیہقی فی القضاء والقدر، وحسنہ العراقی فی تخریج الإحياء: 50/1 الحافظ ابن حجر فی الفتح: 476/1، والالبانی فی الصحیحہ: 34.

﴿مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ . مَا مِنْ نَفْسٍ مَنْفُوسَةٍ إِلَّا وَقَدْ كَتَبَ اللَّهُ مَكَانَهَا مِنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ . وَإِلَّا وَقَدْ كُتِبَتْ شَقِيئَةً أَوْ سَعِيدَةً﴾

”تم میں سے جو شخص بھی پیدا ہوا ہے اس کا ٹھکانا لکھ دیا گیا ہے، جنت میں یا دوزخ میں۔ اور یہ بھی لکھا جا چکا ہے کہ وہ نیک بخت ہے یا بد بخت۔“

یہ سن کر ایک شخص کہنے لگا: اے اللہ کے رسول! کیا ہم اپنی قسمت کے لکھے پر بھروسہ کرتے ہوئے عمل کرنا چھوڑ نہ دیں؟ کیونکہ جو نیک بختوں میں لکھا گیا ہے وہ بالآخر نیک بختوں میں ہی شامل ہوگا۔ اور جو بد بخت لکھا گیا ہے وہ بالآخر بد بختوں میں ہی شامل ہوگا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

﴿اغْمَلُوا فِكُلُّ مُيَسَّرٍ لِمَا خُلِقَ لَهُ . فَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ السَّعَادَةِ فَيُسَّرْ لِعَمَلِ أَهْلِ السَّعَادَةِ . وَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الشَّقَاوَةِ فَيُسَّرْ لِعَمَلِ أَهْلِ الشَّقَاوَةِ﴾ ثُمَّ قَرَأَ : ﴿فَأَمَّا مَنْ أَعْطَى وَاتَّقَى ۝ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَى ۝ فَسَنَنِيذًا لِلْيُسْرَى ۝ وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنَى ۝ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَى ۝ فَسَنَنِيذًا لِلْعُسْرَى ۝﴾

”تم عمل کرو، کیونکہ ہر ایک کو جس کام کے لیے پیدا کیا گیا وہ اس کے لیے آسان کر دیا گیا ہے۔ اور جو شخص سعادت مندوں میں لکھا گیا ہے اسے نیک اعمال کی توفیق دی جاتی ہے۔ اور جو شخص بد بختوں میں لکھا گیا ہے اسے ویسی ہی توفیق دی جاتی ہے۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیات تلاوت فرمائیں جن کا ترجمہ یہ ہے: ”پھر جس نے (اللہ کی راہ میں مال) دیا، پرہیزگاری اختیار کی اور اچھی باتوں کی تصدیق کی تو ہم اسے آسان راہ پر چلنے کی توفیق دیں گے۔ اور جس نے بخل کیا، بے پرواہی برتی اور بھلائی کو جھٹلایا تو ہم اسے تنگی کی راہ پر چلنے کی سہولت دیں گے۔“^①

اس حدیث سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ تقدیر میں لکھے ہوئے پر بھروسہ کر کے عمل ترک نہیں کرنا چاہیے۔ بلکہ حتی المقدور اللہ تعالیٰ کے احکامات کو بجالانا چاہیے اور اس کی محرمات سے اجتناب کرنا چاہیے۔

اسباب کا استعمال

اسباب کو اختیار کرنا تقدیر اور توکل کے منافی نہیں بلکہ یہ اس کا ایک جزو ہے۔ اگر کسی انسان پر کوئی مصیبت یا آزمائش آجائے تو اسے کہنا چاہیے ﴿قَدَّرَ اللَّهُ وَمَا شَاءَ فَعَلْ﴾ اللہ تعالیٰ ہی نے تقدیر بنائی ہے اور وہ جو چاہتا ہے

① صحیح البخاری: 4948، 4949، صحیح مسلم: 2647.

کر گزرتا ہے۔“ اور اس کے واقع ہونے سے قبل انسان پر یہ لازم ہے کہ وہ مشروع اسباب کو اختیار کرے، کیونکہ انبیاء کرام علیہم السلام نے بھی ان اسباب و وسائل کو اختیار کیا جو کہ ان کو ان کے دشمنوں سے تحفظ دیتے تھے۔ باوجود اس کے کہ انھیں اللہ تعالیٰ کی حفاظت اور وحی کی تائید بھی حاصل تھی۔ رسول اللہ ﷺ جو سید المتوکلین تھے، جن کا اپنے رب پر قوی توکل تھا، وہ بھی اسباب کو اختیار کرتے تھے۔

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَاعْتَدُوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَابٍ وَغَيْلٍ تُرْهَبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ﴾

”تم ان کے مقابلہ کے لیے حسب استطاعت قوت اور فوجی گھوڑوں کو تیار کرو، تاکہ اس کے ذریعے تم اللہ تعالیٰ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو خوف زدہ رکھ سکو۔“

نیز فرمایا: ﴿هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ ذَلُولًا فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا وَكُلُوا مِنْ رِزْقِهَا ۚ وَإِلَيْهِ تُشْجَرُونَ﴾^①
”اللہ تعالیٰ ہی وہ ذات ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو مطیع و پست کر دیا تاکہ تم اس کی راہوں میں چلتے پھرتے رہو۔ اور اللہ تعالیٰ کے رزق سے کھاؤ۔ اور اسی کی طرف تمہیں زندہ ہو کر کرنا ہوتا ہے۔“^②

اور ہم پہلے بھی نبی کریم ﷺ کا ایک ارشاد گرامی ذکر کر چکے ہیں اور یہاں خطبہ سے آخر میں دوبارہ اس کی یاد دہانی کراتے ہیں: ﴿الْمُؤْمِنُ الْقَوِيُّ خَيْرٌ وَأَخْبَرُ إِلَى اللَّهِ مِنَ الْمُؤْمِنِ الضَّعِيفِ ۚ وَفِي كُلِّ خَيْرٍ ۚ أَخْرَجَ عَلَى مَا يَنْفَعُكَ ۚ وَاسْتَعْنِ بِاللَّهِ وَلَا تَعْجِزْ ۚ وَإِنْ أَصَابَكَ شَيْءٌ فَلَا تَقُلْ لَوْ أَنِّي فَعَلْتُ كَذَا لَكَانَ كَذَا ۚ وَلَكِنْ قُلْ ۚ قَدَّرَ اللَّهُ وَمَا شَاءَ فَعَلَ ۚ فَإِنْ لَوْ تَفَتَّحْ عَمَلُ الشَّيْطَانِ﴾

”طاقتور مومن کمزور مومن سے بہتر اور اللہ تعالیٰ کو زیادہ پسندیدہ ہے اور دونوں میں خیر موجود ہے۔ اور تم اس چیز کے حصول کے لیے کوشش کرو جو تمہارے لیے نفع بخش ہو۔ اور اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرو اور عاجز نہ بنو۔ اور اگر تمہیں کوئی مصیبت پہنچے تو یہ نہ کہو کہ اگر میں ایسے کرتا تو ایسے ہو جاتا بلکہ یہ کہو کہ اللہ تعالیٰ نے تقدیر میں لکھا تھا اور اس نے جو چاہا وہ کر دیا، کیونکہ لفظ (لو) یعنی (اگر) شیطانی عمل کو کھولتا ہے۔“^③

آخر میں ایک بار پھر اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں سچا اور حقیقی ایمان نصیب فرمائے اور ایمان پر ہی ہمارا خاتمہ فرمائے۔

انبیائے کرام علیہم السلام کے بعد سب سے افضل انسان

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سیرت

اہم عناصر خطبہ

1. تذکرہ ایک عظیم شخصیت کا
2. فضائل ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ
3. خصوصیات ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ
4. ابو بکر رضی اللہ عنہ کا تعارف
5. عملی زندگی کے بعض پہلو
6. ضیضہ اول کے بعض اہم کارنامے

پہلا خطبہ

محترم حضرات! آج ہم ایک عظیم شخصیت کا ذکر خیر کر رہے ہیں۔

- وہ شخصیت کہ جس کے متعلق تمام اہل السنۃ والجماعۃ کا اتفاق ہے کہ وہ انبیائے کرام علیہم السلام کی جماعت کے بعد سب سے افضل جماعت یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سب سے افضل ہیں۔ اور جن کو اللہ تعالیٰ نے بہت ہی بلند مرتبہ نصیب کیا۔
- وہ شخصیت کہ جس نے سفر و حضر میں نبی کریم ﷺ کا ساتھ نہ چھوڑا۔ ہمیشہ آپ ﷺ کے ساتھ رہے اور نہ صرف یہ کہ اپنی تمام تر جسمانی توانائیاں اسلام کے لیے وقف کر دیں بلکہ اللہ کے راستے میں اپنا پورا مال بھی خرچ کر دیا۔
- وہ شخصیت کہ جس نے رسول اکرم ﷺ کی اس وقت نصرت و مدد کی جب ماسوائے چند ایک کے باقی سب لوگ آپ کو رسوا کرنے پر تلے ہوئے تھے۔
- وہ شخصیت کہ جس نے حضرت محمد ﷺ کی رسالت کی اس وقت تصدیق کی جب ماسوائے چند ایک کے باقی سب لوگ آپ کو جھٹلا رہے تھے۔
- وہ شخصیت کہ جس کے ایمان کو پوری امت کے ایمان کے ساتھ تولد کیا گیا تو اس کے ایمان کا وزن زیادہ تھا۔
- وہ شخصیت کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے ہجرت مدینہ کے تاریخی سفر میں رسول اللہ ﷺ کا ساتھی بننے کا شرف نصیب کیا۔
- وہ شخصیت کہ جس نے اللہ کے دین کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کر دیا۔

- وہ شخصیت کہ جس نے رسول اکرم ﷺ کے ساتھ تمام جنگوں میں شرکت کی اور جہاد فی سبیل اللہ کا فریضہ سرانجام دیا۔
- وہ شخصیت کہ جس کو غیروں نے تو نشانہ بنایا ہی، لیکن اپنوں نے بھی ان کی قدر اُس طرح نہ کی جیسی کرنی چاہیے تھی۔
- وہ شخصیت کہ جو اسلام قبول کرنے کے بعد زندگی بھر رسول اکرم ﷺ کے خصوصی مشیر و وزیر رہے۔ اور جب انتقال ہوا تو قبر بھی آپ ﷺ کی قبر کے ساتھ ملی۔

اس شخصیت سے میری مراد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ آج کے خطبہ جمعہ میں ہم اسی شخصیت کے حوالے سے گفتگو کریں گے، ان شاء اللہ تعالیٰ۔ اور خطبہ کے آغاز میں ہی ہم یہ واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ اس عظیم شخصیت سے محبت کرنا ہمارے ایمان کا جزو ہے۔ اور کسی مومن کا ایمان اُس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتا جب تک وہ اس شخصیت سے دلی محبت کا اظہار نہ کرے۔ جس انسان کے دل میں اس شخصیت کے بارے میں کوئی جھول ہے یا وہ ان سے محبت کرنا اپنے ایمان کا لازمی حصہ نہیں سمجھتا تو اسے اپنے ایمان کا جائزہ لینا ہوگا۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ کو سب سے زیادہ محبت اسی شخصیت کے ساتھ تھی۔ جیسا کہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے نبی کریم ﷺ سے سوال کیا کہ (أَيُّ النَّاسِ أَحَبُّ إِلَيْكَ؟) ”آپ کو لوگوں میں سب سے زیادہ محبوب کون ہے؟“

تو آپ ﷺ نے فرمایا: عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں۔

میں نے کہا: مردوں میں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ابو بکر رضی اللہ عنہ ہیں۔

میں نے کہا: پھر کون ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہیں۔^(۱)

جو شخص رسول اکرم ﷺ کو سب سے زیادہ محبوب تھا، کیا کسی سچے مومن کو اُن سے اظہار محبت کرنے میں کوئی تردد ہو سکتا ہے! ہرگز نہیں۔ بلکہ سچا مومن تو صدقِ دل کے ساتھ ان سے محبت کرنا اور ان کے فضائل و مناقب کا تذکرہ کرنا تقربِ الہی کا ذریعہ سمجھتا ہے۔ اس لیے ہر داعی و داعظ پر ان کا یہ حق ہے کہ وہ ان کے فضائل کا تذکرہ کرے، ان کی عملی زندگی کا مطالعہ کرے اور ان کے لیے دعائے خیر کرے۔ اسی لیے آج ہم انھیں موضوعِ خطبہ بنا رہے ہیں۔ اور آئیے سب سے پہلے یہ جان لیں کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کون تھے؟

ابو بکر رضی اللہ عنہ کا تعارف

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا نام ’عبد اللہ بن عثمان بن عمرو بن کعب القرشی التیمی‘ تھا مگر آپ ابو بکر بن ابی قحافہ کے نام سے زیادہ معروف تھے۔ آپ کی پیدائش منیٰ میں ہوئی جو کہ مکہ مکرمہ میں چند مقدس مقامات میں سے ایک ہے۔ آپ کے والد کا اصل نام تو عثمان بن عمرو تھا، تاہم وہ ابو قحافہ کی کنیت کے ساتھ زیادہ مشہور تھے۔ ابو قحافہ رضی اللہ عنہ فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوئے۔ جناب ابو بکر رضی اللہ عنہ اپنے والد کو لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو

(۱) صحیح البخاری: 3662، صحیح مسلم: 2384۔

آپ ﷺ نے فرمایا: ((لَوْ أَفْرَزَتِ الشَّمْخُ فِي بَيْتِهِ لَأَتَيْنَاذًا)) "اگر آپ اس بزرگ کو گھر میں ہی رہنے دیتے تو ہم خود ان کے پاس آ جاتے۔" ^(۱)

تو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: ان کا آپ کی خدمت میں حاضر: دنا ہی زیادہ بہتر تھا۔ اس موقع پر ابو قحافہ رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا۔ آپ ﷺ نے انھیں مبارکباد دی۔ ^(۲)

اور چونکہ ان کے سر اور دائرہ می کے بال بالکل سفید ہو چکے تھے تو آپ نے فرمایا:

((غَبِّرُوا هَذَا بِشَيْخِي وَاحْتَبِزُوا السَّوَادَ))

"اس سفیدی کو کسی رنگ کے ساتھ بدل دو اور سیاہ رنگ لگانے سے بچو۔" ^(۳)

جناب ابو بکر رضی اللہ عنہ کی والدہ کا نام سلمیٰ بنت صخر تھا اور کنیت ام الخير تھی۔ انھوں نے اسلام کے ابتدائی دور میں ہی اسلام قبول کر لیا تھا۔ آئیے ان کے قبول اسلام کا واقعہ سنیں۔

اس واقعہ سے آپ کو یہ بھی اندازہ ہو گا کہ خود ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کرنے کے بعد کتنی اذیتیں برداشت کیں۔ اور انھیں نبی کریم ﷺ سے کس قدر شدید محبت تھی!

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن کی تعداد 38 تھی، جمع ہوئے اور ابو بکر رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم ﷺ کے سامنے اصرار کیا کہ دعوت کا کام اب خفیہ طور پر نہیں بلکہ ظاہر ہو کر کرنا چاہیے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((يَا أَبَا بَكْرٍ! إِنَّا قَلِيلٌ)) "ابو بکر! ہم ابھی قلیل تعداد میں ہیں۔"

لیکن ابو بکر رضی اللہ عنہ مسلسل اصرار کرتے رہے حتیٰ کہ رسول اکرم ﷺ اس پر تیار ہو گئے۔ چنانچہ مسلمان مسجد حرام کے کونوں میں آ گئے اور ہر شخص اپنے اپنے قبیلے کے لوگوں کے ساتھ بیٹھ گیا۔ رسول اکرم ﷺ ان میں تشریف فرما تھے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور انھوں نے لوگوں میں خطبہ دینا شروع کر دیا۔ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف لوگوں کو علی الاعلان بلانے والے پہلے شخص تھے۔

مشرکین کی طرف سے رد عمل یہ ہوا کہ وہ ابو بکر رضی اللہ عنہ اور دیگر مسلمانوں پر کود پڑے۔ ان کی شدید پٹائی کی، ابو بکر رضی اللہ عنہ بھی ان کی زد میں آئے، انھیں بہت مارا گیا بلکہ قدموں تلے روند ا گیا۔ بد بخت عتبہ بن ربیعہ ان کے قریب آیا اور انھیں پیوند لگے جوتے سے مارنے لگا۔ اس نے ان کے چہرے کو بھی نشانہ بنایا اور ان کے پیٹ پر چڑھ گیا حتیٰ کہ ان کی حالت یہ ہو گئی کہ چہرے اور ناک سے ان کی پہچان ممکن نہ تھی۔ اسی دوران ان کے قبیلے (بنو تیم) کے لوگ دوڑتے

① صحیح ابن حبان: 5472 ب سناد صحیح. ② السيرة النبوية في ضوء المصادر الأصلية ج، 1 ص: 577. ③ صحیح

ہوئے آئے اور انھوں نے قریش کو ابو بکر رضی اللہ عنہ سے پیچھے دھکیل دیا۔ بنو تیم ابو بکر رضی اللہ عنہ کو ایک کپڑے میں اٹھا کر ان کے گھر لے آئے اور انھیں یقین تھا کہ یہ اب مرجائیں گے۔ وہ مسجد میں واپس لوٹے اور اعلان کیا کہ اگر ابو بکر رضی اللہ عنہ فوت ہو گئے تو ہم عتبہ بن ربیعہ کو ضرور قتل کریں گے۔

اس کے بعد بنو تیم دوبارہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کے گھر آئے اور وہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کے والد ابو قحافہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کو بار بار بلانے لگے۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ بے ہوش تھے اور ان کی طرف سے کوئی جواب نہ آ رہا تھا۔ آخر کار دن کے اختتام پر وہ بولنے کے قابل ہو گئے تو انھوں نے سب سے پہلے یہ پوچھا کہ ’رسول اللہ ﷺ کا کیا حال ہے؟‘

اس پر بنو تیم ان کی ملامت کرنے لگے اور انھیں چھوڑ کر چلے گئے۔ تاہم جاتے جاتے وہ ان کی والدہ ام الخیر کو اتنا کہہ گئے کہ اس کا خیال رکھنا اور کچھ کھانے پینے کے لیے ضرور دینا۔

جب والدہ کو ان کے ساتھ تنہائی میں بات کرنے کا موقع ملا تو انھوں نے اسرار کیا کہ مجھ نہ کچھ کھاپی لو۔ لیکن ان کی ایک ہی بات تھی کہ ’رسول اللہ ﷺ کا کیا حال ہے؟‘

ام الخیر نے کہا: اللہ کی قسم! مجھے تمہارے ساتھی کا کوئی پتہ نہیں ہے۔

ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: جائیں اور ام جمیل بنت خطاب سے پوچھ کے آئیں۔

وہ گئیں اور ام جمیل سے کہا: ابو بکر رضی اللہ عنہ محمد بن عبد اللہ ﷺ کے بارے میں پوچھ رہا ہے۔

ام جمیل نے کہا: اللہ کی قسم! مجھے نہ ابو بکر کا پتہ ہے اور نہ محمد بن عبد اللہ کا۔ ہاں اگر تم چاہو تو میں تمہارے بیٹے کے پاس چلوں؟ (اصل میں اُس وقت ام جمیل رضی اللہ عنہا مسلمان ہو چکی تھیں لیکن وہ اپنے اسلام و ظاہر نہیں کر رہی تھیں۔ اور انھیں پتہ تھا کہ ام الخیر ابھی مسلمان نہیں ہوئیں، اس لیے انھوں نے مکمل احتیاط کرتے ہوئے اعلیٰ کا اظہار کیا کہ کہیں ام الخیر کو یہ خبر نہ ہو جائے کہ رسول اللہ ﷺ کہاں ہیں۔ اور ساتھ ہی ساتھ وہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کی حالت کے بارے میں اطمینان حاصل کرنا چاہتی تھیں، اس لیے انھوں نے پیش کش کی کہ اگر ام الخیر کو منظور ہو تو وہ ان کے ساتھ ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس چلی جائیں)

ام الخیر نے کہا: ٹھیک ہے تم میرے ساتھ چلو۔

ام جمیل رضی اللہ عنہا نے جب ابو بکر رضی اللہ عنہ کی حالت دیکھی تو انھوں نے چیختے ہوئے اعلان کیا کہ

”جنھوں نے ابو بکر کے ساتھ یہ سلوک کیا ہے وہ یقینی طور پر برے اور کافر لوگ ہیں اور مجھے امید ہے کہ اللہ

تعالیٰ ان سے ضرور انتقام لے گا۔“

تو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے پھر بھی وہی سوال کیا کہ ”رسول اللہ ﷺ کا کیا حال ہے؟“

ام جہیل نے کہا: یہ آپ کی ماں سن رہی ہیں! تو انھوں نے کہا: کوئی پروا نہیں۔

ام جہیل نے کہا: وہ ٹھیک بھاک ہیں۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: وہ کہاں ہیں؟ ام جہیل نے کہا: دارِ رقم میں۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: 'اللہ کی قسم! میں اس وقت تک کچھ حاذقوں کا اور نہ کچھ بیوقوفوں کا جب تک رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر نہ ہو جاؤں۔'

وہ دونوں (ام الخیر اور ام جہیل) لوگوں کی آمد و رفت کے رک جانے کا انتظار کرنے لگیں۔ جب ماحول پرسکون ہو گیا تو وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو سہارا دے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس لے گئیں۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر رسول اللہ ﷺ ان سے لپٹ گئے اور ان کو بوسہ دیا۔ پھر مسلمان نبی ان سے لپٹ گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی حالت دیکھی تو آپ پر شدید رقت طاری ہوئی۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پہ قربان، اب میں ٹھیک ہوں۔ بس اُس بد بخت نے میرے چہرے کی جو حالت کر دی ہے اس سے بہت تکلیف ہو رہی ہے۔ اور یہ میری والدہ ہیں جو اپنے بیٹے کے ساتھ بہت اچھا سلوک کرتی ہیں۔ آپ بابرکت ہیں، لہذا آپ انھیں اللہ کی طرف دعوت دیں اور ان کے لیے دعا بھی کریں، شاید اللہ تعالیٰ آپ کے ذریعے انھیں جہنم سے بچالے!

چنانچہ نبی کریم ﷺ نے ان کے لیے دعا کی اور انھیں اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی۔ وہ فوراً مسلمان ہو گئیں۔^(۱)

محترم حضرات! اس واقعہ میں کئی باتیں نہایت ہی سبق آموز ہیں:

(۱) ابوبکر رضی اللہ عنہ کا رسول اللہ ﷺ سے بار بار یہ مطالبہ کرنا کہ دعوت الی اللہ کا کام چھپ چھپا کر نہیں بلکہ ظاہری طور پر کیا جائے، یہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ایمانی شجاعت کا ثبوت ہے۔

(۲) قبول اسلام کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اللہ کے دین کی خاطر بہت اذیتیں برداشت کیں۔ آپ کو اس سلسلے میں اتنا مارا گیا کہ لوگوں کو ان کی موت کا یقین ہو گیا۔

(۳) ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دل میں رسول اکرم ﷺ کی محبت کس قدر بیست تھی کہ بے ہوشی کے بعد جیسے ہی ہوش میں آئے تو پہلا سوال ہی رسول اکرم ﷺ کے متعلق کیا۔ پھر کچھ بھی کھانے پینے سے انکار کر دیا جب تک کہ انھیں رسول اللہ ﷺ کے پاس نہ لے جایا جائے۔

(۴) البدایہ والنہایہ: ج: ۳، ص: ۲۹، ۳۰؛ اسناد رجالہ ثقات، وقال الہیثمی فی المجمع: ج: ۹، ص: ۴۶، ۴۷، رواہ البزار ورجالہ رجال الصحیح غیر اسماعیل بن ابی الحرث وھو ثقہ۔

(4) اس واقعہ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ اپنی والدہ کی ہدایت کے لیے کتنے فکر مند تھے۔ انھوں نے خصوصی طور پر رسول اکرم ﷺ سے درخواست کی کہ ان کے حق میں عا کر یں اور انھیں اسلام کی طرف دعوت دیں، شاید اللہ تعالیٰ انھیں جہنم سے بچالے۔

یہ تو ذکر تھا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے والدین کا۔ اور جہاں تک ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیویوں اور ان کی اولاد کا تعلق ہے تو آپ رضی اللہ عنہ نے جاہلیت میں بھی دو عورتوں سے شادی کی تھی اور اسلام قبول کرنے کے بعد بھی دو خواتین سے شادی کی۔ جاہلیت میں (قیلہ بنت عبد العزی اور ام رومان رضی اللہ عنہا) سے جبکہ اسلام قبول کرنے کے بعد (اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا اور حبیبہ بنت خارجه بن زید رضی اللہ عنہا) سے شادی کی۔

قیلہ بنت عبد العزی سے ابو بکر رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے عبد اللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ اور اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا پیدا ہوئے۔ جبکہ ام رومان رضی اللہ عنہا سے عبد الرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ اور ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پیدا ہوئے۔ اور اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا پہلے جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں، انھی کے ساتھ انھوں نے ہجرت حبشہ بھی کی۔ پھر جب وہ جنگ موتہ میں شہید ہو گئے تو ان سے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے شادی کر لی۔ ان سے ان کے بیٹے محمد بن ابی بکر اس وقت پیدا ہوئے جب اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا رسول اکرم ﷺ کے ساتھ حج کرنے کی غرض سے مکہ مکرمہ جا رہی تھیں تو ذوالحلیفہ کے مقام پر ان کی پیدائش ہوئی۔ جب ابو بکر رضی اللہ عنہ فوت ہو گئے تو اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے شادی کر لی تھی۔ حبیبہ بنت خارجه بن زید رضی اللہ عنہا کے بطن سے ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیٹی ام کلثوم آپ کی وفات کے بعد پیدا ہوئی تھیں۔ یوں ابو بکر رضی اللہ عنہ کی تین بیٹیاں اور تین بیٹے تھے۔

ابو بکر رضی اللہ عنہ اور زمانہ جاہلیت

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ جاہلیت کے ایام میں بھی قریش کے درمیان اخلاق و کردار کے اعتبار سے ایک مثالی انسان سمجھے جاتے تھے۔ آپ ان میں بڑے ہی دل عزیز اور نہایت با اخلاق تھے۔ لوگ ان سے مشاورت کے لیے خصوصی طور پر ان کے ہاں جمع ہوتے اور ضروری معاملات میں ان کی رائے کو اہمیت دیتے تھے۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ جاہلیت میں شراب نوشی اور اس طرح کی دیگر برائیوں سے اجتناب کرتے تھے جو اس وقت معاشرے میں بری طرح پھیلی ہوئی تھیں اور جن کے لوگ بہت ہی دلدادہ تھے۔

جناب ابو بکر رضی اللہ عنہ جاہلیت میں بتوں کی پوجا بھی نہیں کرتے تھے۔ وہ خود بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ان کے والد انھیں بتوں کے پاس لے کر گئے اور کہا: دیکھو! یہ ہیں تمہارے معبود، تم انھی کی پوجا کیا کرو۔ پھر وہ چلے گئے۔ تو میں نے ایک بت کے قریب جا کر کہا: میں بھوکا ہوں، مجھے کچھ کھلاؤ۔ تو اس کی طرف سے کوئی جواب نہ آیا۔ میں نے کہا:

میرے پاس پہننے کو لباس نہیں ہے تو مجھے پہننے کے لیے کپڑے دو۔ لیکن اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ چنانچہ میں نے ایک پتھر اٹھا کے اسے دے مارا جس سے وہ چہرے کے بل نیچے گر گیا۔^(۱)

”صدیق“ کا لقب کیوں ملا؟

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وہ صحابی ہیں جنہیں ’صدیق‘ کا لقب ملا۔ کیوں؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے واقعہ معراج کے بارے میں سنتے ہی اُس کی تصدیق کر دی تھی۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ قریش کے کچھ لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہنے لگے: تم اپنے ساتھی کی بات مانو گے؟ وہ دعویٰ کرتا ہے کہ ایک ہی رات میں بیت المقدس گیا اور مکہ واپس لوٹ آیا؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: انھوں نے واقعتاً ایسی بات کی ہے؟

لوگوں نے کہا: ہاں، بالکل کی ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: تب انھوں نے سچ فرمایا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انھیں یہ جواب دیا کہ میں تو آپ ﷺ کی تصدیق اس سے بھی دور کے معاملے میں کرتا ہوں جب وہ آسمان سے وحی نازل ہونے کی خبر دیتے ہیں۔

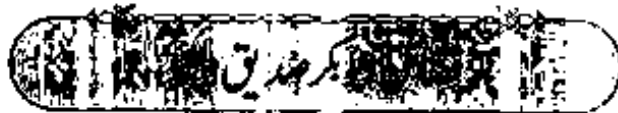
راوی کہتے ہیں: اسی لیے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ’صدیق‘ کہا گیا۔^(۲)

پھر رسول اکرم ﷺ بھی ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ’صدیق‘ کے لقب کے ساتھ یاد کیا کرتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ، ابوبکر رضی اللہ عنہ، عمر رضی اللہ عنہ اور عثمان رضی اللہ عنہ (یہ سب) احد پہاڑ پر چڑھے تو وہ ملنے لگا۔ اُس وقت نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

« أَتَيْتُ أَحَدًا ، فَإِنَّمَا عَلَيْكَ نَبِيٌّ وَصَدِيقٌ وَشَهِيدَانِ »

”احد پہاڑ! تم مت ہلو، اس لیے کہ اس وقت تمہارے اوپر نبی، صدیق اور دو شہید ہیں۔“^(۳)



سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے فضائل بہت زیادہ ہیں۔ ان میں سے بعض کا تذکرہ آپ نے سن لیا۔ اب مزید فضائل پیش خدمت ہیں۔

① التاریخ الاسلامی، ج 3، ص: 31. ② دلائل النبوة للبیہقی. وصحیحہ الألبانی فی الإسراء والمعراج، ص: 60، 61. ③ صحیح البخاری: 3675.

① جہنم سے آزادی کا پروانہ

رسول اکرم ﷺ نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کو 'عتیق' کے لقب سے نوازا جس کا معنی ہے: "جہنم کی آگ سے آزاد کردہ"۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: «أُبَشِّرُكَ، فَأَنْتَ عَتِيقُ اللَّهِ مِنَ النَّارِ» "تمہیں خوشخبری ہو کہ تمہیں اللہ تعالیٰ نے جہنم کی آگ سے آزاد کر دیا ہے۔" تب سے ابو بکر رضی اللہ عنہ کو 'عتیق' کہا جانے لگا۔^①

② جنت کی خوشخبری

رسول اکرم ﷺ نے متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان کے نام لیکر جنت کی خوشخبری دی۔ ان میں سر فہرست سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔

چنانچہ عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

"ابو بکر رضی اللہ عنہ جنت میں ہیں، عمر رضی اللہ عنہ جنت میں ہیں، عثمان رضی اللہ عنہ جنت میں ہیں، علی رضی اللہ عنہ جنت میں ہیں، طلحہ رضی اللہ عنہ جنت میں ہیں، زبیر رضی اللہ عنہ جنت میں ہیں، عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ جنت میں ہیں، سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جنت میں ہیں، سعید بن زید رضی اللہ عنہ جنت میں ہیں اور ابو سعیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ جنت میں ہیں۔"^②

اسی طرح حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ابو بکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھا اور فرمایا: «هَٰذَا ابْنَا سَيِّدَا كَهْمَا أَهْلُ الْجَنَّةِ مِنَ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ إِلَّا النَّبِيِّينَ وَالْمُرْسَلِينَ»

"یہ دونوں انبیاء و رسل پیغمبروں کے علاوہ باقی تمام اول و آخر اہل جنت میں عمر رسیدہ لوگوں کے سردار ہوں گے۔"^③

اور حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ایک باغ میں داخل ہوئے اور مجھے اس کے دروازے پر رہنے کا حکم دیا۔ چنانچہ ایک شخص آیا اور اس نے اندر داخل ہونے کی اجازت طلب کی، آپ ﷺ نے فرمایا: "اجازت دے دو اور اسے جنت کی بشارت بھی سنا دو۔" میں نے دیکھا تو وہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ تھے۔

پھر ایک اور شخص آیا اور اس نے بھی اندر داخل ہونے کی اجازت طلب کی۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: "اجازت دے دو اور اسے بھی جنت کی بشارت سنا دو۔" میں نے دیکھا تو وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے۔

پھر ایک اور شخص آیا اور اس نے بھی اندر داخل ہونے کی اجازت طلب کی۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: "اجازت

① جامع الترمذی: 3679، وصححه الألبانی، ② جامع الترمذی، مسند أحمد، صحيح الجامع للألبانی: 50.
③ جامع الترمذی: 3666، وصححه الألبانی.

دے دو اور اسے بھی جنت کی بشارت سنا دو اور اسے آگاہ کرو کہ اس پر ایک مصیبت نازل ہوگی۔“ میں نے دیکھا تو وہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تھے۔^(۱)

﴿۱﴾ ابو بکر رضی اللہ عنہ کو جنت کے ہر دروازے سے بلایا جائے گا

چونکہ ابو بکر رضی اللہ عنہ اعمال خیر میں سبقت لے جانے والے تھے اس لیے نبی کریم ﷺ نے آپ رضی اللہ عنہ کو بشارت دی تھی کہ آپ کو جنت کے ہر دروازے سے پکارا جائے گا کہ آپ آئیں اور جنت میں داخل ہو جائیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ أَتَقَى ذُوخَيْنِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ نُودِيَ مِنْ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ : يَا عَبْدَ اللَّهِ هَذَا خَيْرٌ، فَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الصَّلَاةِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الصَّلَاةِ ، وَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الْجِهَادِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الْجِهَادِ، وَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الصِّيَامِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الرِّثَانِ ، وَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الصَّدَقَةِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الصَّدَقَةِ))

”جو شخص اللہ کے راستے میں جوڑا (ایک نہیں بلکہ دو) خرچ کرتا ہے اسے جنت کے دروازوں سے پکار کر کہا جائے گا: اے اللہ کے بندے! یہ (دروازہ) تمہارے لیے بہتر ہے۔ لہذا نمازی کو باب الصلاۃ سے پکارا جائے گا، مجاہد کو باب الجہاد سے پکارا جائے گا، روزہ دار کو باب الریان سے پکارا جائے گا اور صدقہ کرنے والے کو باب الصدقۃ سے پکارا جائے گا۔“

چنانچہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، جس شخص کو ان تمام دروازوں سے پکارا جائے گا اسے تو کسی چیز کی ضرورت نہیں ہوگی۔ تو کیا کوئی ایسا شخص بھی ہوگا جسے ان تمام دروازوں سے پکارا جائے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

((نَعْمَ وَأَرْجُو أَنْ تَكُونَ مِنْهُمْ)) ”ہاں اور مجھے امید ہے کہ آپ بھی انہی لوگوں میں سے ہوں گے۔“^(۲)

دشمنوں نے بھی ابو بکر رضی اللہ عنہ کے فضائل کا اعتراف کیا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ جب مسلمانوں کو (اذیتیں دے کر) آزمائش میں ڈالا گیا تو ابو بکر رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے سرزمین حبش کی طرف روانہ ہو گئے۔ جب (برک الغمار) نامی مقام پر پہنچے تو وہاں ان کی ملاقات ابن الدغنه سے ہو گئی جو (القارۃ) قبیلے کا سردار تھا۔ اس نے پوچھا: ابو بکر! آپ کہاں جا رہے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا: مجھے میری قوم نے نکال دیا ہے، اس لیے اب میں زمین میں چل پھر کر اللہ کی عبادت کرنا چاہتا ہوں۔ تو اس نے

① صحیح البخاری: 3695، صحیح مسلم: 2403، ② صحیح البخاری: 1897، 3666، صحیح مسلم: 1027.

کہا: «فَإِنْ مِثْلَكَ يَا أَبَا بَكْرٍ لَا يَخْرُجُ وَلَا يُخْرَجُ . إِنَّكَ تَكْسِبُ الْمَغْدُومَ . وَتَصِلُ الرَّجْمَ ، وَتَحْمِلُ الْكَلَّ . وَتَقْرِي الضَّيْفَ ، وَتُعِينُ عَلَى نَوَائِبِ الْحَقِّ »

”ابو بکر! آپ جیسے کو نہ تو خود نکلتا چاہیے اور نہ ہی اسے نکالا جانا چاہیے۔ آپ تو تہی دست کو کما کر دیتے ہیں، صلہ رحمی کرتے ہیں، بوجہ برداشت کرتے ہیں، مہمان نواز ہیں اور حق کے واقعات (تمام خصال خیر) میں مدد کرتے ہیں۔“

پھر اس نے کہا: میں آپ کو پناہ دیتا ہوں، آپ واپس لوٹ جائیں اور اپنے شہر میں اپنے رب کی عبادت کریں۔ چنانچہ ابو بکر رضی اللہ عنہ واپس لوٹ آئے۔ خود ابن الدغنے بھی ان کے ساتھ آیا اور شام کے وقت اس نے اشراف قریش کے ہاں چکر لگایا اور ان سے کہا: «إِنْ أَبَا بَكْرٍ لَا يَخْرُجُ مِثْلُهُ وَلَا يُخْرَجُ . أَنْتُمْ خَرَجُونَ رَجُلًا يَكْسِبُ الْمَغْدُومَ . وَتَصِلُ الرَّجْمَ . وَتَحْمِلُ الْكَلَّ . وَتَقْرِي الضَّيْفَ ، وَتُعِينُ عَلَى نَوَائِبِ الْحَقِّ »

”ابو بکر جیسے کو تو نہ خود نکلتا چاہیے اور نہ ہی اسے نکالا جانا چاہیے۔ قریش کی جماعت! کیا تم اس شخص کو نکالتے ہو جو تہی دست کو کما کر دیتا ہے، صلہ رحمی کرتا ہے، بوجہ برداشت کرتا ہے، مہمان نواز ہے اور حق کے واقعات (تمام خصال خیر) میں مدد کرتا ہے۔“

چنانچہ ابن الدغنے نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کو جو پناہ دی تھی قریش نے اسے تسلیم کر لیا اور وہ ان کی باتوں کو جھٹلانہ سکے۔^① اس واقعہ میں اس بات کا ثبوت ہے کہ قریش باوجود مخالفت اور دشمنی کے ابو بکر رضی اللہ عنہ کے اعلیٰ اخلاق اور ان کے فضائل و مناقب کا انکار نہ کر سکے۔ بلکہ انھوں نے ایک کافر کی زبانی بیان ہونے والے ان کے اعلیٰ اوصاف کو تسلیم کیا۔ وہ کیوں ایسا نہ کرتے؟ آخر ابو بکر رضی اللہ عنہ تھے ہی اعلیٰ انسان کہ جن کی صفات حمیدہ کا انکار ممکن ہی نہ تھا۔

محترم حضرات! آپ ذرا غور کریں کہ ابن الدغنے نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کے جو اوصاف ذکر کیے بالکل یہی اوصاف حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے رسول اکرم ﷺ کے اُس وقت بیان کیے جب آپ ﷺ پر پہلی وحی نازل ہوئی اور آپ گھبرا کر گھر پہنچے تھے۔ یہ ایک اور دلیل ہے اس بات کی کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نہایت عظیم انسان تھے کہ ان میں بھی وہی صفات پائی جاتی تھیں جو رسول اکرم ﷺ میں پائی جاتی تھیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے بھی انبیائے کرام رضی اللہ عنہم کے بعد سب سے پہلے صدیقین کا تذکرہ فرمایا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالضَّالِّينَ وَالصَّادِقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا ۝﴾^②

① صحیح البخاری، کتاب مناقب الأنصار باب ہجرة النبي وأصحابه: 3905، ② النساء: 69.



حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی عملی زندگی کے بعض پہلو ہم ذکر کرتے ہیں کیونکہ اس شخصیت کے محض فضائل و مناقب کا تذکرہ ہی کافی نہیں ہے جب تک کہ ان کی عملی زندگی کو نمایاں نہ کیا جائے۔ عملی زندگی سے ہی ان کی عظمت کا صحیح اندازہ ہو سکتا ہے۔

﴿2﴾ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ تمام اعمال خیر میں دوسروں سے سبقت لے جاتے تھے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ أَصْبَحَ مِنْكُمْ الْيَوْمَ صَائِمًا؟» «آج تم میں سے کون ہے جو روزے سے ہو؟»

تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں روزے سے ہوں۔

پھر آپ ﷺ نے فرمایا: «فَمَنْ تَبَعَ مِنْكُمْ الْيَوْمَ جَنَازَةً؟»

«آج تم میں سے کس نے نمازہ جنازہ اور تدفین میت میں شرکت کی؟»

تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے۔

پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

«فَمَنْ أَطْعَمَ مِنْكُمْ الْيَوْمَ مِسْكِينًا؟» «آج تم میں سے کس نے مسکین کو کھانا کھلایا؟»

تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے۔

پھر آپ ﷺ نے فرمایا: «فَمَنْ عَادَ مِنْكُمْ الْيَوْمَ مَرِيضًا؟» «آج تم میں سے کس نے مریض کی عیادت کی؟»

تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے۔

تو آنحضور ﷺ نے فرمایا: «مَا اجْتَمَعْنَ فِي أَمْرٍ إِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ»

«یہ خصلتیں جس میں جمع ہو جائیں وہ یقیناً جنت میں داخل ہوگا۔»^(۱)

اس حدیث میں جہاں اس بات کا ثبوت ہے کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اعمال خیر میں سب سے زیادہ سبقت لے جانے والے تھے وہاں اس کا ثبوت بھی ہے کہ جو شخص ان تمام اعمال کو ایک ہی دن میں انجام دے گا وہ جنت میں داخل ہوگا۔

﴿3﴾ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنا سارا مال اللہ کے راستے میں خرچ کر دیا۔^(۲)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اکرم ﷺ نے ہمیں صدقہ کرنے کا حکم دیا اور اتفاق

سے اُس دن میرے پاس مال موجود تھا۔ میں نے دل میں کہا: آج حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے سبقت لے جانے کا بہترین موقع ہے، لہذا میں اپنا آدھا مال لے آیا اور آنحضور ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ آپ نے پوچھا: اپنے گھر والوں کے لیے کیا چھوڑ کر آئے ہو؟ میں نے کہا: جتنا مال آپ کی خدمت میں پیش کیا ہے اتنا ہی گھر والوں کے لیے چھوڑ آیا ہوں۔ پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اپنا پورا مال لے آئے اور رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ آپ نے پوچھا: اپنے گھر والوں کے لیے کیا چھوڑ کر آئے ہو؟ تو انھوں نے کہا: میں ان کے لیے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو چھوڑ کر آیا ہوں۔ تب میں نے کہا: میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے کبھی سبقت نہیں لے جا سکتا۔^①

③ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے غلاموں کو آزاد کراتے تھے

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَسَيَجْزِيهِ الْاَكْفَلُ ۝ الَّذِي يُؤْتِي مَالًا يَكْفُلُ ۝ وَمَا لِحَدِيثٍ عِنْدَ مَنْ نَعِمَةٍ تُجْزَى ۝ اِلَّا اِبْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰی ۝ وَلَسَوْفَ يَرْضٰی ۝﴾
 ”اور جو پرہیزگار ہوگا اسے اُس (آگ) سے دور رکھا جائے گا جس نے پاکیزہ ہونے کی خاطر اپنا مال دیا۔ اس پر کسی کا کوئی احسان نہ تھا جس کا وہ بدلہ چکا تا۔ بلکہ اس نے تو محض اپنے رب برتر کی رضا کے لیے (مال خرچ کیا) اور جلد ہی وہ راضی ہو جائے گا۔“^②

ان آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اُس شخص کی دو صفات ذکر کی ہیں جسے جہنم کی آگ سے دور رکھا جائے گا۔ پہلی صفت یہ کہ وہ متقی اور پرہیزگار ہو۔ دوسری یہ کہ وہ اپنی پاکیزگی اور محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے مال خرچ کرتا ہو۔ اس لیے نہیں کہ کسی کا اس پر کوئی احسان ہو تو وہ اُس کا بدلہ چکانے کے لیے مال خرچ کرے۔

اکثر مفسرین کا کہنا ہے کہ ان آیات کا روئے سخن خاص طور پر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی طرف ہے جن میں یہ دونوں صفتیں بدرجہ اتم موجود تھیں۔ وہ پرہیزگار بھی تھے اور اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے والے بھی تھے۔ خصوصاً ان غلاموں کو آزاد کرانے میں مال خرچ کرتے تھے جو مسلمان ہو جاتے تھے تو ان کے مالک انھیں بری طرح پیٹتے اور دردناک ایذائیں دیتے تھے۔ ان کی یہ کیفیت رسول اکرم ﷺ سے برداشت نہ ہوتی تو آپ ابو بکر رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیتے کہ انھیں خرید کر آزاد کر دو۔ چنانچہ وہ منہ مانگی قیمت دے کر انھیں خرید لیتے، پھر انھیں آزاد کر دیتے۔ تقریباً سترہ غلاموں کو کافروں کے عذاب سے نجات دلا کر انھیں آزاد کیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے وہ سات غلام آزاد کرائے جنھیں اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی پاداش میں عذاب دیا جاتا تھا۔ ان میں سے ایک حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور اسی طرح حضرت عامر بن فہرہ رضی اللہ عنہ

① سنن ابی داود: 1678، وحسنہ الالبانی. ② اللیل 17:92-21.

بھی ہیں۔^①

ابو بکر رضی اللہ عنہ کا یہ عمل یقیناً اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہی تھا ورنہ ان پر ان غلاموں میں سے کسی کا کوئی احسان نہ تھا کہ وہ اس کا بدلہ چکاتے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انھیں یہ خوشخبری دی کہ ﴿وَلَسَوْفَ يَرْضَىٰ﴾ ”وہ عنقریب راضی ہو جائے گا۔“

④ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اپنے رشتہ داروں پر مال خرچ کرتے تھے

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اپنے قریبی رشتہ داروں پر مال خرچ کرتے تھے۔ انھی میں سے ایک مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ بھی تھے جو ایک محتاج آدمی تھے اور ابو بکر رضی اللہ عنہ انھیں کچھ ماہوار وظیفہ دیا کرتے تھے۔ لیکن جب ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بعض منافقوں کی جانب سے بدکاری کی تہمت لگائی گئی اور بعض سادہ لوح مسلمان بھی اس فتنہ کی رو میں بہہ گئے تھے تو ان کی صف میں یہ مسطح بھی رضی اللہ عنہ شامل ہو گئے۔ چنانچہ آسمان سے وحی کے ذریعے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت نازل ہونے کے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے قسم اٹھائی کہ

«وَاللّٰهُ لَا أَفْقُ عَلَىٰ مَسْطَحٍ شَيْئًا أَبَدًا بَعْدَ مَا قَالَ لِعَائِشَةَ» ”اللہ کی قسم! اب جبکہ اس مسطح رضی اللہ عنہ نے عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی ہے تو میں اس پر کچھ بھی خرچ نہیں کروں گا۔“

تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿وَلَا يَأْتِيهِمْ أُولُو الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ وَاللَّهُ عَفْوٌ رَّحِيمٌ﴾

”اور تم میں سے جو بزرگی اور کشادگی والے ہیں انھیں اپنے قرابت داروں، مسکینوں اور اللہ کے راستے میں ہجرت کرنے والوں کو دینے سے قسم نہیں کھالینی چاہیے بلکہ معاف کر دینا اور درگزر کر دینا چاہیے۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تمھارے گناہ معاف فرمادے؟ وہ بہت معاف کرنے والا، بڑا مہربان ہے۔“^②

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عفو و درگزر کی تلقین کی اور فرمایا کہ ”کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تمھارے گناہ معاف فرمادے؟ تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: «بَلَىٰ وَاللّٰهِ يَا ذُنَّبَا إِنَّا لَنَجُوبُ أَنْ تَغْفِرَ لَنَا»

”کیوں نہیں اے ہمارے رب! ہم یقیناً یہ چاہتے ہیں کہ تو ہمیں معاف کر دے۔“

اس کے بعد انھوں نے مسطح رضی اللہ عنہ کا خرچہ پہلے کی طرح جاری کر دیا۔^③

اس واقعہ سے جہاں یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اپنے قریبی رشتہ داروں پر مال خرچ کرتے تھے، وہاں ان کی ایک اور عظیم صفت کا بھی پتہ چلتا ہے اور وہ ہے عفو و درگزر۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو معاف کر دیا جو ان کی

① للمستدرک للحاکم: 284/3، صحیح علی شرط الشیخین ووافقه الذہبی، ② النور: 22:24، ③ البخاری، التفسیر

باب (إِنَّ الَّذِينَ يُؤْتُونَ كُنْ تَعْلَمُ الْفَالِحَةُ...)، 4757.

لختِ جگر پر بدکاری کی تہمت لگانے والے لوگوں میں شامل ہو گیا تھا اور ان کے لیے ذہنی اذیت اور شدید پریشانی کا سبب بنا تھا۔ یقیناً یہ ابو بکر رضی اللہ عنہ جیسے عظیم لوگوں کی ہی صفت ہو سکتی ہے ورنہ عام طور پر ایسے شخص کو زندگی بھر معاف نہیں کیا جاتا اور اسے ہر طرح سے انتقامی کارروائی کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔

﴿5﴾ تقویٰ اور پرہیزگاری

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ انتہائی متقی اور بڑے ہی پرہیزگار تھے۔ اس کا اندازہ آپ اس واقعہ سے کر سکتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کا ایک غلام ایک دن کھانے کی کوئی چیز لے کر آیا تو انھوں نے اس میں سے کچھ کھالیا۔ پھر غلام نے کہا: کیا آپ کو معلوم ہے کہ جو کچھ آپ نے کھایا ہے یہ کہاں سے آیا ہے؟ انھوں نے پوچھا: کہاں سے آیا ہے؟ اس نے کہا: میں نے جاہلیت کے دور میں ایک آدمی کے لیے کہانت کی تھی۔ میں کہانت جانتا تو نہ تھا البتہ میں اسے دھوکہ دینے میں کامیاب ہو گیا۔ آج اس سے ملاقات ہوئی تو اس نے یہی کھانا مجھے دیا جس سے آپ نے بھی کھایا ہے! چنانچہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنا ہاتھ اپنے منہ میں داخل کیا اور کوشش کر کے جو کچھ ان کے پیٹ میں تھا اسے تے کر ڈالا۔ پھر انھوں نے کہا: اگر یہ میری جان لیے بغیر باہر نہ نکلتا تو پھر بھی میں اس کی پروا نہ کرتا۔ اے اللہ! جو کچھ میری رگوں اور انتڑیوں میں رہ گیا ہے اس سے میں بیزاری کا اظہار کرتا ہوں۔^①

﴿6﴾ نبی کریم ﷺ کا دفاع

ابو بکر رضی اللہ عنہ اسلام قبول کرنے کے بعد ہمیشہ نبی کریم ﷺ کا دفاع کرتے رہے۔

عروہ بن زبیر کہتے ہیں کہ میں نے عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ مشرکین نے نبی کریم ﷺ سے جو سب سے بڑی بدسلوکی کی اُس کے بارے میں مجھے بتائیں۔ تو انھوں نے کہا:

نبی کریم ﷺ حطیم میں نماز پڑھ رہے تھے کہ اسی دوران عقبہ بن ابی معیط آیا اور اس نے ایک کپڑا آپ ﷺ کی گردن میں ڈال کر اسے مروڑا اور آپ ﷺ کا گلا بڑی شدت کے ساتھ گھونٹنے لگا۔ چنانچہ ابو بکر رضی اللہ عنہ آئے، اس کو اس کے کندھوں سے کپڑا اور نبی کریم ﷺ سے دور ہٹا دیا۔ اور فرمایا: ﴿أَتَقْتُلُونَ رَجُلًا أَنْ يَقُولَ رَبِّيَ اللَّهُ﴾ ”کیا تم اس آدمی کو اس لیے مارنا چاہتے ہو کہ وہ یہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے؟“^②

﴿7﴾ ابو بکر رضی اللہ عنہ نہایت ہی رقیق القلب تھے

جی ہاں، جناب ابو بکر رضی اللہ عنہ بہت ہی نرم دل انسان تھے۔

① صحیح البخاری: 3554. ② صحیح البخاری: 3856.

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کی وفات کے بعد ایک مرتبہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: چلو آج ام ایمن رضی اللہ عنہا کی زیارت کے لیے چلتے ہیں جیسا کہ رسول اکرم ﷺ بھی ان کی زیارت کے لیے جایا کرتے تھے۔ چنانچہ ہم جب ان کے ہاں پہنچے تو وہ رونے لگ گئیں۔ تو ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: آپ کیوں روتی ہیں؟ رسول اللہ ﷺ کے لیے جو کچھ اللہ کے ہاں ہے وہ ان کے لیے بہتر ہے۔ تو انہوں نے کہا:

« مَا أَبْكِي أَنْ أَكُونَ أَغْلَمَ أَنْ مَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ لِرَسُولٍ ﷺ وَلَكِنْ أَبْكِي أَنَّ الْوَحْيَ قَدْ انْقَطَعَ مِنَ السَّمَاءِ » ”مجھے پتہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے لیے جو کچھ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے وہ ان کے لیے بہتر ہے۔ میں تو صرف اس لیے رو رہی ہوں کہ اب آسمان سے وحی کا نزول منقطع ہو چکا ہے۔“

یہ بات ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما دونوں کے رونے کا سبب بنی، چنانچہ وہ بھی ام ایمن رضی اللہ عنہا کے ساتھ زور زور سے رونے لگ گئے۔^①

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کی بیماری میں شدت آئی اور آپ ﷺ سے نماز کے لیے کہا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: « مُرُّوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ » ”ابو بکر رضی اللہ عنہ کو حکم دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔“ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: « إِنَّ أَبَا بَكْرٍ دَخَلَ رَقِيقٌ . إِذَا قَرَأَ الْقُرْآنَ غَلَبَهُ الْبُكَاءُ » ”بے شک ابو بکر رضی اللہ عنہ بہت نرم دل ہیں، جب قرآن پڑھتے ہیں تو ان پر رونا غالب آ جاتا ہے۔“ تو آپ ﷺ نے فرمایا: « مُرُّوهُ فَلْيُصَلِّ » ”انہیں حکم دو کہ وہ نماز پڑھائیں۔“^②

تواضع اور انکساری

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بہت ہی متواضع انسان تھے۔ تکبر اور بڑائی کی بجائے عاجزی اور انکساری کا اظہار کرتے تھے۔ چنانچہ جب نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

« مَنْ جَرَّ ثَوْبَهُ خِيَلَاءَ لَمْ يَنْظُرِ اللَّهُ إِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ »

”جو شخص اپنا کپڑا تکبر کرتے ہوئے گھسیٹے اس کی طرف اللہ تعالیٰ قیامت کے روز دیکھنا بھی گوارا نہ کرے گا۔“

تو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: میرا کپڑا ایک طرف سے نیچے کو ڈھلک جاتا ہے الا یہ کہ میں ہر وقت اس کا خیال رکھوں تو کیا یہ بھی تکبر ہے؟

نبی کریم ﷺ نے جواب دیا: « إِنَّكَ لَسْتَ تَصْنَعُ ذَلِكَ خِيَلَاءَ »

”آپ یقیناً ایسا تکبر کے ساتھ نہیں کرتے۔“^③

① صحیح مسلم: 2454، ② متفق علیہ، ③ صحیح البخاری: 3665.

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے ابو بکر رضی اللہ عنہ سے تکبر کی نفی کر دی جو اس بات کی دلیل ہے کہ ان میں ایسی چیز ہرگز نہ تھی۔

اور سعید بن مسیب بیان کرتے ہیں کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جب اپنی فوجوں کو شام کی طرف روانہ کیا تو انھوں نے ان پر یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ، عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اور شرمیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر کیا۔ پھر جب وہ سوار یوں پر سوار ہوئے تو ابو بکر رضی اللہ عنہ انھیں الوداع کہنے کے لیے ان کے ساتھ ساتھ پیدل چل دیئے حتیٰ کہ وہ ثنیۃ الوداع تک پہنچ گئے۔ تینوں امراء نے کہا: اے خلیفہ رسول اللہ! آپ پیدل چل رہے ہیں اور ہم سوار یوں پر سوار ہیں! تو انھوں نے جواب دیا: ((إِنِّي أَخْشَى خُطَايَ هَذِهِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ)) "میں سمجھتا ہوں کہ میرے یہ قدم اللہ کے راستے میں اٹھ رہے ہیں۔" ^(۱) یہ ہے عاجزی و انکساری کہ خلیفۃ المسلمین پیدل چل رہا ہے اور اس کے ماتحت فوجی افسران سوار یوں پر سوار ہیں۔ اور اسے خلیفہ اپنے لیے شرف سمجھتا ہے اور جہاد فی سبیل اللہ تصور کرتا ہے۔

ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بعض خصوصیات

سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی کئی خصوصیات ایسی ہیں جو باقی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی صحابی میں نہیں ہیں۔ ان میں سے اہم خصوصیات یہ ہیں:

۱۔ سب سے پہلے مسلمان

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آزاد لوگوں میں سب سے پہلے اسلام قبول کیا۔

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ «رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ وَمَا مَعَهُ إِلَّا خَفْسَةُ أَعْبَدُ وَامْرَأَتَانِ وَأَبُو بَكْرٍ» "میں نے رسول اللہ ﷺ کو اُس وقت دیکھا جب آپ کے ساتھ (اسلام قبول کرنے والے خوش نصیبوں میں) صرف پانچ غلام، دو خواتین اور ابو بکر رضی اللہ عنہ تھے۔" ^(۲)

پانچ غلاموں سے مراد بلال رضی اللہ عنہ، زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ، عامر بن لُہیرہ رضی اللہ عنہ جو ابو بکر رضی اللہ عنہ کے غلام تھے، ابو لکبہ رضی اللہ عنہ (صفوان بن امیہ کے غلام) اور یاسر رضی اللہ عنہ (عمار رضی اللہ عنہ کے والد) ہیں۔ اور دو خواتین سے مراد خدیجہ رضی اللہ عنہا اور سمیہ رضی اللہ عنہا یا ام ایمن رضی اللہ عنہا ہیں۔

اس سے ثابت ہوا کہ آزاد لوگوں میں سب سے پہلے جس شخصیت کو اسلام قبول کرنے کا شرف حاصل ہوا وہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ہیں۔

(۱) رواہ مالک فی الموطأ: 971، والبیہقی: 18592، (۲) صحیح البخاری: 3857، 3660.

انھوں نے کس طرح اسلام قبول کیا، آئے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی زبانی سنیں کہ انھوں نے کیسے اسلام قبول کیا۔ وہ بیان کرتی ہیں کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے رفیق خاص اور گہرے دوست تھے۔ اور جب آنحضور ﷺ کو مبعوث کیا گیا تو قریش کے کچھ لوگ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہنے لگے: ابو بکر! یہ تمہارا دوست دیوانہ ہو گیا ہے۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: کیوں انھیں کیا ہوا؟ انھوں نے کہا: وہ دیکھو، وہ مسجد میں بیٹھا ایک معبود کی عبادت کی طرف دعوت دے رہا ہے اور وہ دعویٰ کرتا ہے کہ اسے نبی بنا کر بھیجا گیا ہے۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: انہوں نے واقعتاً ایسی بات کی ہے؟ انھوں نے کہا: ہاں جاؤ دیکھو وہ مسجد میں بیٹھا یہی تو کہہ رہا ہے۔ چنانچہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے پاس گئے اور ان سے پوچھا: ابوالقاسم! مجھے آپ کی طرف سے کیا بات پہنچی ہے؟ آپ نے فرمایا: ابو بکر! آپ کو کیا بات پہنچی ہے؟ انھوں نے جواب دیا: مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ آپ اکیلے اللہ کی عبادت کی طرف دعوت دیتے ہیں اور آپ نے دعویٰ کیا ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں! نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”ہاں ابو بکر! اللہ تعالیٰ نے مجھے بشارت سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ اور مجھے اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا مصداق بنایا ہے اور مجھے تمام لوگوں کی طرف رسول بنا کر مبعوث کیا ہے۔“

تب ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے آپ سے کبھی جھوٹی بات نہیں سنی ہے اور آپ واقعتاً رسالت کے اہل ہیں کیونکہ آپ امین ہیں، صلہ رحمی کرتے ہیں، آپ کا کردار اچھا ہے۔ آپ اپنا ہاتھ آگے بڑھائیے، میں آپ کی بیعت کرتا ہوں۔ رسول اکرم ﷺ نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے آپ کی بیعت کی اور آپ کی تصدیق کی۔ اور اس بات کا اقرار کیا کہ آپ جو دین لے کر آئے ہیں وہ بالکل برحق ہے۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کو جہاں کہیں بلایا انھوں نے کبھی پس و پیش نہیں کی۔^①

یعنی ابتدائی دور میں جب دیگر لوگ رسول اکرم ﷺ کو جھٹلا رہے تھے تو اس وقت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کو اللہ کا سچا رسول تسلیم کیا، نہ صرف رسول تسلیم کیا بلکہ اپنی جان اور اپنے مال کے ساتھ رسول اکرم ﷺ کا بھرپور ساتھ بھی دیا۔ یہ وہ بات ہے جس کا اعتراف خود رسول اکرم ﷺ بھی کیا کرتے تھے۔

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ اسی دوران ابو بکر رضی اللہ عنہ اس طرح آئے کہ انھوں نے اپنے کپڑے کا ایک کونا اتنا اٹھایا ہوا تھا کہ گھٹنا ظاہر ہو رہا تھا۔ تو نبی کریم ﷺ نے انھیں اس حالت میں آتے دیکھ کر فرمایا:

((أَمَا صَاحِبُكُمْ فَقَدْ غَاوَرَ)) ”تمہارا ساتھی کسی سے لڑ کر آ رہا ہے۔“ (ان پر غصہ کے آثار نمایاں تھے)

① الرياض النضرة في مناقب العشرة: 415/1.

ابو بکر رضی اللہ عنہ نے سلام کہا اور پھر گویا ہوئے: یا رسول اللہ! میرے اور ابن خطاب رضی اللہ عنہ کے مابین کوئی بات تھی، پھر میں نے پہل کی اور ندامت کا اظہار کیا۔ اور میں نے ان سے معافی مانگی لیکن انھوں نے معاف کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ اس لیے اب میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ تو آپ رضی اللہ عنہ نے تین بار فرمایا:

«يَغْفِرُ اللَّهُ لَكَ يَا أَبَا بَكْرٍ» «ابو بکر! اللہ تعالیٰ آپ کو معاف فرمائے۔»

اس کے بعد ہوا یوں کہ عمر رضی اللہ عنہ کو بھی شرمندگی ہوئی اور وہ سیدھے ابو بکر رضی اللہ عنہ کے گھر چلے گئے۔ پوچھا: کیا ابو بکر رضی اللہ عنہ ہیں؟ جواب ملا: نہیں ہیں۔ پھر وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سلام پیش کیا۔ نبی کریم ﷺ کے چہرے پر ناراضگی کے آثار اس قدر نمایاں ہونے لگے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کو بھی خوف محسوس ہوا۔ چنانچہ ابو بکر رضی اللہ عنہ اپنے گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے اور کہا: یا رسول اللہ! اللہ کی قسم! میں نے ہی ظلم کیا تھا۔ یہ بات انھوں نے دو مرتبہ کہی۔ پھر نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: «إِنَّ اللَّهَ بَعَثَنِي إِلَيْكُمْ فَقُلْتُمْ: كَذِبْتَ. وَقَالَ أَبُو بَكْرٍ: صَدَقَ، وَوَأَسَانِي بِنَفْسِهِ وَمَالِهِ. فَهَلْ أَنْتُمْ تَارِكُوْنِي صَاحِبِي؟»

”مجھے اللہ تعالیٰ نے نبی بنا کر بھیجا تو تم نے مجھے جھٹلایا، جبکہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے میری تصدیق کی اور اپنے نفس اور

مال کے ساتھ میری ہمدردی کی۔ تو کیا تم میرے ساتھی کو میری خاطر چھوڑ سکتے ہو؟“⁽¹⁾

اور حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«(إِنَّ أَمَنَ النَّاسِ عَلَيَّ فِي صُحْبَتِهِ وَمَالِهِ أَبُو بَكْرٍ، وَلَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِيلًا غَيْرَ رَبِّي لَاتَّخَذْتُ

أَبَا بَكْرٍ، وَلَكِنْ أَخُوَّةُ الْإِسْلَامِ وَمَوَدَّةُ. لَا يَنْفِقُ فِي الْمَسْجِدِ بَابٌ إِلَّا مِنْهُ إِلَّا بَابُ أَبِي بَكْرٍ)»

”میرا ساتھ نبھانے اور مال خرچ کرنے میں مجھ پر سب سے زیادہ احسان ابو بکر رضی اللہ عنہ کا ہے۔ اور اگر میں اللہ

تعالیٰ کے علاوہ کسی کو خلیل بنانے والا ہوتا تو ابو بکر رضی اللہ عنہ کو بتاتا، لیکن اسلامی بھائی چارہ اور اس کی محبت ہی کافی

ہے۔ مسجد کے تمام دروازوں کو بند رکھا جائے سوائے باب ابو بکر کے۔“⁽²⁾

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کرنے کے بعد اس کی تبلیغ شروع کر دی۔ چنانچہ ان کی دعوت پر بہت سارے لوگ

مشرف باسلام ہوئے۔ خاص طور پر ان میں عشرہ مبشرہ میں سے وہ چھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی شامل ہیں جنھیں نبی کریم ﷺ

نے بعد میں نام لے کر جنتی قرار دیا تھا۔

2] ہجرت مدینہ کے ساتھی

ابو بکر رضی اللہ عنہ کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ وہ سفر و حضر میں رسول اکرم ﷺ کے ساتھ رہے حتیٰ کہ سفر ہجرت میں بھی

(1) صحیح البخاری: 3661، (2) صحیح البخاری: 3654، صحیح مسلم: 2382.

آپ ﷺ نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کو ہی اپنا رفیق سفر بنایا۔^①

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے مسلمانوں سے کہا:

”مجھے وہ شہر خواب میں دکھایا گیا ہے جس کی طرف تم نے ہجرت کرنی ہے، اس میں کھجور کے درخت بہت زیادہ ہیں اور وہ سیاہ پتھروں والی دوزمینوں کے درمیان واقع ہے۔“

چنانچہ بہت سارے مسلمانوں نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کر لی، حتیٰ کہ جن مسلمانوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی وہ بھی واپس آ گئے اور مدینہ منورہ چلے گئے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بھی مدینہ منورہ کے لیے تیاری کر لی تھی لیکن رسول اکرم ﷺ نے انھیں کہا: ”ابھی رک جاؤ، ہو سکتا ہے کہ مجھے بھی ہجرت کی اجازت دے دی جائے۔“ تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: میرا باپ آپ پر قربان ہو، کیا آپ کو اس کی امید ہے؟ آپ نے فرمایا: ”ہاں“ تو ابو بکر رضی اللہ عنہ رک گئے تاکہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہجرت کریں۔ انھوں نے دو سوار یوں کو اس سفر کے لیے خوب تیار کر لیا۔^②

پھر جب قریش مکہ نے رسول اکرم ﷺ کو قتل کرنے کا پروگرام بنایا تو آپ ﷺ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے اور ہجرت کا آخری پروگرام طے کیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ ہم دو پہر کے وقت حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے گھر میں بیٹھے ہوئے تھے، اچانک کسی نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو اطلاع دی کہ دیکھو! وہ رسول اللہ ﷺ چادر اوڑھے ہوئے آرہے ہیں حالانکہ آپ ﷺ اس سے پہلے اس وقت کبھی ہمارے پاس نہیں آیا کرتے تھے۔ تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا:

”میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں، آپ ﷺ کسی ضروری امر کی بناء پر ہی اس وقت آرہے ہیں۔ چنانچہ آپ ﷺ تشریف لائے، گھر میں داخل ہونے کی اجازت طلب کی، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اجازت دی تو آپ ﷺ اندر آ گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: آپ کے پاس جو دوسرے لوگ ہیں انھیں کسی اور کمرے میں بھیج دو۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ اے اللہ کے رسول! یہ آپ کے گھر والے ہی تو ہیں! تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”مجھے ہجرت کی اجازت مل گئی ہے۔“

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں، کیا میں بھی آپ کے ساتھ ہجرت کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ہاں“ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: تو لیجئے ان دو سوار یوں میں سے ایک آپ لے لیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ٹھیک ہے لیکن میں یہ سواری قیمت کے عوض لوں گا۔“

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: پھر ہم نے دونوں کا سامان سفر جلدی سے تیار کیا اور ایک تھیلے میں رکھ دیا۔ حضرت

اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا نے اپنی بیٹی کا ایک حصہ کاٹ کر تھیلے کا منہ باندھ دیا۔ اسی لیے انھیں "ذات الطاقین" کہا جاتا تھا۔^①

رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ غار ثور میں دونوں مسافرات کے اندھیرے میں ایک کنٹھن اور انتہائی مشکل راستہ طے کر کے غار ثور تک پہنچے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کو باہر زکّے کے لیے کہا اور خود اندر چلے گئے۔ اندر جا کر اسے صاف کیا، اس کی ایک جانب ایک سوراخ دیکھا تو اپنی چادر کا ایک ٹکڑا پھاڑ کر اس کا منہ بند کر دیا۔ ابھی دو سوراخ اور بھی تھے جن میں انھوں نے اپنے پاؤں رکھ دئے اور رسول اللہ ﷺ کو اندر تشریف لانے کے لیے کہا۔ آپ ﷺ اندر آئے اور اپنے یار غار حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی گود میں سر رکھ کر سو گئے۔ اس دوران حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاؤں پر کسی زہریلے جانور نے کاٹا لیکن آپ نے رسول اللہ ﷺ کے آرام کی خاطر بالکل حرکت نہ کی۔ البتہ آپ کے آنسو نہ رُک سکے۔ چند آنسو رسول اللہ ﷺ کے چہرے پر بھی گرے۔ اس پر آپ ﷺ بیدار ہو گئے۔ آپ ﷺ نے ان کے رونے کا سبب پوچھا تو انھوں نے کہا: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں! کسی چیز نے مجھے کاٹ لیا ہے۔ تو آپ اٹھے اور جس جگہ پر زہریلے جانور نے کاٹا تھا وہاں آپ نے اپنا ثعاب مبارک لگایا۔ اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا درد جاتا رہا۔^②

قریش کے سراغ رساں افراد حضرت محمد ﷺ کو تلاش کرتے کرتے اس غار کے دہانے پر جا پہنچے جس میں آپ ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ موجود تھے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں غار میں رسول اکرم ﷺ کے پاس بیٹھا تھا، میں نے اپنا سراو پر کواٹھایا تو مجھے تلاش کرنے والے لوگوں کے قدم نظر آئے۔ میں نے کہا: اے اللہ کے نبی! اگر ان میں سے کسی شخص نے اپنی نظر نیچے جھکا لی تو وہ یقیناً ہمیں دیکھ لے گا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((يَا أَبَا بَكْرٍ! مَا ظَنَنْتَ بِاِثْنَيْنِ اَللّٰهُ تَالِئُهُمَا))

"اے ابوبکر! تمہارا ان دو کے بارے میں کیا گمان ہے جن کے ساتھ تیسرا اللہ ہے۔"^③

③ نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مضبوط موقف

جب رسول اکرم ﷺ اس دار فانی سے رخصت ہو گئے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بہت ہی گہرا صدمہ پہنچا جس سے وہ نہایت افسردہ اور ان کے حوصلے بہت ہی پست ہو گئے۔ حتیٰ کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جیسے بہادر اور شجاع صحابی نے بھی یہ کہہ دیا کہ ((وَاللّٰهِ مَا مَاتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ)) "اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ فوت نہیں ہوئے۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ "اللہ کی قسم! میرے دل میں یہی تھا کہ رسول اللہ ﷺ پر موت نہیں آئی۔ اور عنقریب

① صحیح البخاری: 2318 و 3906. ② الر حیق المختوم (عربی): 164. ③ صحیح البخاری: 3653، و صحیح

اللہ تعالیٰ انھیں اٹھائے گا اور یقیناً آپ ان لوگوں کے (جو آپ کی موت کی باتیں کر رہے ہیں) ہاتھ پاؤں کاٹ دیں گے۔“

اسی دوران ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ آئے، انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے چہرہ سے کپڑا ہٹایا، پھر آپ کا بوسہ لیا اور فرمایا: اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ کبھی آپ کو دو موتوں کا ذائقہ نہیں چکھائے گا (یعنی جو موت آپ پر لکھی تھی وہ آچکی) اس کے بعد آپ باہر آئے اور عمر رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: اے قسم اٹھانے والے! ٹھہر جاؤ۔

پھر ابو بکر رضی اللہ عنہ نے گفتگو شروع کی تو عمر رضی اللہ عنہ بیٹھ گئے۔ اس کے بعد ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کی اور فرمایا: «أَلَا مَنْ كَانَ يَعْْبُدُ مُحَمَّدًا ﷺ فَإِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ ، وَمَنْ كَانَ يَعْْبُدُ اللَّهَ فَإِنَّ اللَّهَ حَيٌّ لَا يَمُوتُ» «خبردار! جو شخص محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا تو وہ یہ جان لے کہ محمد ﷺ فوت ہو چکے ہیں۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا تو وہ یقین کر لے کہ اللہ تعالیٰ زندہ ہے، اُس پر موت نہیں آئے گی۔“

اس کے بعد انھوں نے یہ آیات پڑھیں: ﴿إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُمْ مَيِّتُونَ﴾^(۱)

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَى أَعْقَابِكُمْ ۚ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَى عَقْبَيْهِ فَلَنْ يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ﴾^(۲)

یہ سن کر لوگ سسکیاں بھر بھر کر رونے لگے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”اللہ کی قسم! ایسے لگا کہ جیسے لوگوں کو یہ علم ہی نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت بھی نازل کی ہے۔ حتیٰ کہ جب ابو بکر رضی اللہ عنہ نے یہ آیت تلاوت کی تو ان سے لوگوں کو اس کا پتہ چلا، اس کے بعد ہر انسان اس کی تلاوت کرنے لگا۔“

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”میں نے جب ابو بکر رضی اللہ عنہ سے یہ آیات سنیں تو دہشت زدہ رہ گیا حتیٰ کہ میری ہانگیں میرا وزن برداشت نہ کر سکیں اور میں زمین پر گر گیا۔ پھر یہ آیات سن کر مجھے یقین ہو گیا کہ نبی کریم ﷺ وفات پا چکے ہیں۔“^(۳)

اس کر بناک اور انتہائی المناک موقع پر ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ مضبوط موقف اُن کے مضبوط ایمان کی دلیل ہے۔ ایسا کیوں نہ ہوتا جبکہ وہ رسول اللہ ﷺ کے رمز شناس بھی تھے۔ جیسا کہ ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ ایک مرتبہ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور ارشاد کیا:

«إِنَّ عَبْدًا خَيَّرَهُ اللَّهُ بَيْنَ أَنْ يُؤْتِيَهُ مِنْ زَهْرَةِ الدُّنْيَا مَا شَاءَ وَبَيْنَ مَا عِنْدَهُ . فَأَخْتَارَ مَا عِنْدَهُ»

”بے شک ایک بندے کو اللہ تعالیٰ نے اختیار دے دیا ہے کہ وہ جتنا چاہے اللہ تعالیٰ اسے دنیا کا مال و دولت دے دے یا وہ اس چیز کو چن لے جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ تو اس بندے نے اس چیز کو چن لیا ہے جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔“ (یعنی اس نے اپنے رب سے ملاقات کو پسند کر لیا ہے۔)

یہ سن کر ابو بکر رضی اللہ عنہ رونے لگے اور کہا: ہمارے ماں باپ آپ پہ قربان ہوں۔

ابوسعید الخدري رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم ان کی اس بات پر بڑے حیران ہوئے اور لوگوں نے کہا: دیکھو اس بوڑھے کو کہ اللہ کے رسول تو بس اتنا فرما رہے ہیں کہ ایک بندے کو اللہ تعالیٰ نے اختیار دیا ہے کہ وہ چاہے تو اپنی خشا کے مطابق دنیا کا مال و دولت لے لے یا جو نعمتیں اللہ کے پاس ہیں وہ انھیں چن لے اور یہ (ابو بکر رضی اللہ عنہ) کہہ رہے ہیں کہ ہمارے ماں باپ آپ پہ قربان ہوں! اصل بات یہ تھی کہ رسول اکرم ﷺ کو ہی اختیار دیا گیا تھا (اور انھوں نے اس چیز کو چن لیا تھا جو اللہ کے پاس ہے۔ یعنی آپ ﷺ کی اس حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ آپ ﷺ کی موت کا وقت قریب آنے والا ہے۔ اور یہ اشارہ صرف ابو بکر رضی اللہ عنہ ہی سمجھ سکے کیونکہ) ابو بکر رضی اللہ عنہ ہم سب میں نبی کریم ﷺ کو زیادہ جانتے تھے۔^①

اس خطبہ کے آخر میں ہم اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ وہ ہمیں اس عظیم شخصیت سے سچی محبت کرنے اور ان کے نقش قدم پہ چلنے کی توفیق دے۔

دوسرا خطبہ

محترم حضرات! اب تک جس شخصیت کے فضائل و مناقب آپ نے سماعت کیے اسی شخصیت کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی وفات کے بعد آپ ہی سب سے پہلے خلیفہ بنے۔

④ خلیفہ اول

اہل السنۃ والجماعۃ اس بات پر متفق ہیں کہ سب سے افضل صحابی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ رسول اکرم ﷺ کے خلیفہ اول ہیں۔ انھیں یہ شرف کیسے نصیب ہوا آئیے اس کا احوال معلوم کرتے ہیں۔

خلافت کے لیے ابو بکر رضی اللہ عنہ کا یہ استحقاق خود رسول اللہ ﷺ کی کئی احادیث سے ماخوذ ہے۔

چنانچہ آپ ﷺ نے اپنی مرض الموت کے دوران لوگوں کی امامت کے لیے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ہی حکم دیا جو اس بات کی طرف واضح اشارہ تھا کہ جو شخص آپ کی حیات میں امامت کا مستحق ہے وہی آپ ﷺ کی وفات کے بعد

① صحیح البخاری: 3904، صحیح ابن حبان: 6594.

خلافت کا سب سے پہلا حقدار ہے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی بیمار پڑ گئے، پھر جب آپ کا مرض بہت حد تک بڑھ گیا تو آپ نے فرمایا: «مُرُوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ» "ابو بکر رضی اللہ عنہ کو حکم دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔" ^(۱) بلکہ خود رسول اکرم ﷺ نے بھی مرض الموت میں سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پیچھے بیٹھ کر نماز ادا کی۔ یعنی ابو بکر رضی اللہ عنہ امام تھے اور رسول اکرم ﷺ مقتدی تھے۔

اسی طرح صحیح بخاری میں حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک عورت آپ ﷺ کے پاس آئی تو آپ ﷺ نے اسے دوبارہ آنے کا حکم دیا۔ اس نے پوچھا: اگر میں آؤں اور آپ کو نہ پاؤں تو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: «إِنْ لَمْ تَجِدْنِي فَأَنْتِي أَبَا بَكْرٍ» "اگر تم مجھے نہ پاؤ تو ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس آنا۔" ^(۲)

یہ حدیث واضح دلیل ہے اس بات پر کہ خلافت کے سب سے پہلے حقدار حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ تھے۔

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے اپنی مرض (الموت) میں مجھ سے کہا:

((أَدْعِي لِي أَبَا بَكْرٍ وَأَخَاكَ حَتَّى أَكْتُبَ كِتَابًا . فَإِنِّي أَخَافُ أَنْ يَثْمَنِي مُتَمَنٍّ وَيَقُولَ قَائِلٌ: أَنَا أَوَّلِي . وَيَأْنِي اللَّهُ وَالْمُؤْمِنُونَ إِلَّا أَبَا بَكْرٍ))

"جاؤ ابو بکر اور اپنے بھائی کو بلا کر لاؤ تاکہ میں ایک دستاویز لکھ دوں کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ کوئی تمنا کرنے والا شخص تمنا کرے اور کوئی کہنے والا یہ کہے کہ میں (خلافت کا) زیادہ حقدار ہوں۔ جبکہ اللہ اور تمام مومنین ابو بکر کے سوا کسی پر راضی نہیں ہونگے۔" ^(۳)

ان تمام احادیث میں واضح اشارے موجود ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کے بعد خلافت کے سب سے زیادہ حقدار جناب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔

تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی افضلیت کی گواہی دیتے تھے

نبی کریم ﷺ کے واضح اشاروں کے ساتھ ساتھ خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت میں بھی انھیں سب سے افضل گردانا جاتا تھا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کے زمانے میں لوگوں میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دیتے

① صحیح البخاری: 678، و صحیح مسلم: 418، ② جامع الترمذی: 362، 363، و صحیحہ الالبانی: ③ صحیح البخاری: 3659، ④ صحیح مسلم: 2387.

تھے۔ چنانچہ ہم ابو بکر رضی اللہ عنہ کو سب سے افضل قرار دیتے تھے اور ان کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے تھے، ان کے بعد عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور پھر عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو افضل تصور کرتے تھے۔^①

حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو سب سے افضل سمجھتے تھے

محمد بن حنفیہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے والد (حضرت علی رضی اللہ عنہ) سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد سب سے افضل کون ہے؟ تو انھوں نے کہا: ابو بکر رضی اللہ عنہ ہیں۔

میں نے کہا: پھر کون ہے؟ انھوں نے کہا: عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہیں۔
پھر مجھے خدشہ ہوا کہ اس کے بعد کہیں وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا نام نہ لے لیں تو میں نے کہا: پھر آپ ہیں؟
انھوں نے کہا: میں تو مسلمانوں میں سے ایک عام شخص ہوں۔^②

چنانچہ رسول اکرم ﷺ کی وفات کے بعد جب سقیفہ بنی ساعدہ میں ایک اجتماع منعقد ہوا تو اس میں شریک ہونے والے تمام مہاجرین و انصار نے اس بات پر اتفاق کیا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ان کے خلیفہ ہیں۔ پھر انھوں نے ان کی بیعت بھی کی۔

صحیح بخاری میں مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد انصار مدینہ سقیفہ بنی ساعدہ میں سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے ہاں جمع ہوئے اور انھوں نے کہا: «مِنَّا أَمِيرٌ وَمِنْكُمْ أَمِيرٌ» "ایک امیر ہم میں سے اور ایک تم میں سے ہوگا۔" یعنی ایک انصار میں سے اور ایک مہاجرین میں سے۔ چنانچہ ابو بکر رضی اللہ عنہ، عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ ان کے پاس پہنچے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بات کرنا چاہا لیکن انھیں ابو بکر رضی اللہ عنہ نے خاموش کر دیا۔ اور عمر رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ اللہ کی قسم میں تو صرف اس لیے بولنا چاہتا تھا کہ میں نے وہاں پر وہ گفتگو کرنے کی تیاری کر لی تھی جو مجھے اچھی لگتی تھی اور مجھے اندیشہ تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ اس قدر مؤثر گفتگو نہ کر سکیں۔ لیکن جب ابو بکر رضی اللہ عنہ نے گفتگو کی تو اس میں سب سے زیادہ بلاغت تھی۔ انھوں نے فرمایا:

«نَحْنُ الْأَمْوَاءُ وَأَنْتُمْ الْوُزَرَاءُ» "ہم (مہاجرین) امیر اور آپ (انصار) وزیر ہو گئے۔"

تو حباب بن منذر رضی اللہ عنہ نے کہا: «لَا وَاللَّهِ لَا نَفْعَ لَنَا مِنْ أَمِيرٍ وَمِنْكُمْ أَمِيرٌ» "اللہ کی قسم ہم ایسا نہیں کریں گے۔ ایک امیر ہم میں سے اور ایک آپ میں سے ہوگا۔"

تو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: نہیں، ہم امراء اور آپ وزراء ہو گئے۔ (کیونکہ) گھر (وطن) کے لحاظ سے وہ (قریش) عرب لوگوں میں سب سے افضل ہیں اور عادات اور افعال کے لحاظ سے ان میں عربیت سب سے زیادہ گہری ہے۔ لہذا

① صحیح البخاری: 3655، ② صحیح البخاری: 3671، سنن أبي داود: 4629.

تم عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ یا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کرلو۔

تو عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: نہیں بلکہ ہم آپ کی بیعت کرتے ہیں کیونکہ آپ ہمارے سردار، ہم میں سب سے افضل اور رسول اللہ ﷺ کو سب سے زیادہ محبوب ہیں۔

پھر عمر رضی اللہ عنہ نے ان کا ہاتھ پکڑا اور ان کی بیعت کی۔ اس کے بعد دیگر لوگوں نے بھی ان کی بیعت کی۔^①
اس طرح ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے پہلے خلیفہ بن گئے۔

انھوں نے خلافت سنبھالتے ہی ایک خطبہ ارشاد فرمایا جس کے الفاظ یہ ہیں:

”حمد و ثناء کے بعد، اے لوگو! مجھے تمہارا ذمہ دار بنایا گیا ہے حالانکہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں۔ اگر میں نے کوئی اچھا کام کیا تو تم میری معاونت کرنا اور اگر میں نے کوئی غلط کام کیا تو مجھے سیدھا کر دینا۔ سچ بولنا امانت ہے اور جھوٹ بولنا خیانت ہے۔ تم میں جو کمزور ہے وہ میرے نزدیک طاقتور ہے یہاں تک کہ میں اللہ کی مشیت کے ساتھ اس کا حق اس کو دلا دوں۔ اور تم میں جو طاقتور ہے وہ میرے نزدیک کمزور ہے یہاں تک کہ میں اللہ کی مشیت کے ساتھ اس سے حق لے لوں۔ جو قوم جہاد فی سبیل اللہ کو ترک کر دیتی ہے اللہ تعالیٰ اس پر ذلت کو مسلط کر دیتا ہے۔ اور جس قوم میں بے حیائی پھیل جاتی ہے اسے اللہ تعالیٰ ضرور آزماتا ہے۔ تم میری اطاعت اُس وقت تک کرنا جب تک میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتا رہوں۔ اور جب میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کروں تو تم میری اطاعت نہ کرنا۔ اب اٹھو اور نماز ادا کرو، اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے۔“^②

اس تاریخی خطبہ میں ویسے تو تمام باتیں نہایت اہم ہیں لیکن ان کی آخری بات کہ تم میری اطاعت اُس وقت تک کرنا جب تک میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتا رہوں۔ اور جب میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کروں تو تم میری اطاعت نہ کرنا۔ سنہری حروف سے لکھنے کے قابل ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے نزدیک حکومت و سیاست کے تمام امور کا منبع و مصدر قرآن و حدیث ہی تھے۔ انھوں نے ہمیشہ ان دونوں مصادر کو اپنے سامنے رکھا اور انھی کی روشنی میں حکومت و سلطنت کے امور چلاتے رہے۔ اور شاید یہی وجہ ہے کہ ان کا اور ان کے بعد آنے والے تمام خلفائے راشدین کا دور اس امت کا سب سے تابناک دور تھا۔ پھر جیسے جیسے حکمران قرآن و حدیث سے دور ہوتے چلے گئے ویسے ویسے اس امت کی ذلت و رسوائی میں بھی اضافہ ہوتا چلا گیا۔ ولا حول ولا قوة الا باللہ۔

① صحیح البخاری: کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ باب قول النبی ﷺ لو كنت متخذًا خليلاً: 3668. ② البدایہ والنہایہ ج 5، ص: 248، ج 6، ص: 301، قال ابن کثیر: (إسناده صحيح).

عہد صدیقی کے اہم کارنامے

محترم حضرات! حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے خلافت کی ذمہ داری سنبھالی تو اس کا حق ادا کر دیا۔ چنانچہ انھوں نے اپنی رعایا کی فلاح و بہبود کے لیے وہ سب کچھ کیا جو انھیں کرنا چاہیے تھا اور جو وہ کر سکتے تھے۔ انھوں نے کمزور کو اس کا حق دلویا، طاقتور کو ظلم سے روکا، عدل و انصاف قائم کیا اور جہاد فی سبیل اللہ کا فریضہ سرانجام دینے کے لیے اپنی فوجوں کو مختلف سمتوں کی طرف روانہ کیا۔

ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خلافت کی باگ ڈور سنبھالی ہی تھی کہ کئی فتنوں نے سراٹھایا۔ کئی عرب قبائل مرتد ہو گئے، مدینہ منورہ میں رہائش پذیر منافق اسلام کے خلاف سرگرم عمل ہو گئے، کئی جھوٹے لوگوں نے نبوت کا دعویٰ کر دیا اور اہل مدینہ پر اندرونی و بیرونی خطرات منڈلانے لگے۔ لیکن اللہ رب العزت نے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جس بصیرت سے نوازا تھا انھوں نے اسے بھرپور استعمال کرتے ہوئے ان تمام فتنوں کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔

چونکہ جناب ابو بکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں مختلف حالات، جنگ و صلح، خوف و امن، شدت و آسودگی ہر حال میں آپ ﷺ کے ساتھ رہے اس لیے فہم اسلام میں ان کی شخصیت منفرد تھی۔ اور اسی لیے وہ اسلام کے خلاف اٹھنے والے ہر طوفان اور تمام تند و تیز آندھیوں کے سامنے پہاڑ کی طرح ڈٹے رہے۔

خلافت سنبھالنے کے بعد ان کے اہم کارناموں کا تذکرہ اس خطبہ میں تفصیل کے ساتھ تو نہیں کیا جاسکتا، تاہم مختصر طور پر ہم ان کے بعض کارناموں کی طرف اشارہ کر دیتے ہیں۔

۱۔ جیش اسامہ کی روانگی

سب سے پہلا مسئلہ جیش اسامہ کی شام کی طرف روانگی کا تھا جس کا حال ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ ایک مرتبہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اس اللہ کی قسم جس کے علاوہ اور کوئی معبود برحق نہیں! اگر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ نہ بنایا جاتا تو آج اللہ کی عبادت کرنے والا کوئی نہ ہوتا۔ پھر انھوں نے یہی بات دوسری اور تیسری مرتبہ بھی کہی۔ لوگوں نے کہا: بس کرو ابو ہریرہ۔ تو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: رسول اکرم ﷺ نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو سات سو فوجیوں کا سپہ سالار بنا کر شام کی طرف روانہ فرمایا۔ جب اس لشکر نے (ذو حشب) مقام پر پڑاؤ ڈالا تو ادھر نبی کریم ﷺ کا انتقال ہو گیا اور مدینہ کے ارد گرد بسنے والے کئی عرب قبائل مرتد ہو گئے۔ تب رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک وفد کی شکل میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہنے لگے: اے ابو بکر! اس لشکر کو واپس بلا لیجئے، یہ شام کی طرف متوجہ ہے اور ادھر مدینہ کے آس پاس عرب قبائل مرتد ہو رہے ہیں۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: اس اللہ کی قسم جس کے علاوہ اور کوئی معبود برحق نہیں! اگر رسول اکرم ﷺ کی ازواج مطہرات کی حفاظت کرنے والا بھی کوئی نہ بچے تو میں پھر بھی اس لشکر کو واپس آنے کا حکم نہیں دے سکتا جس کو رسول اللہ ﷺ نے روانہ فرمایا تھا۔ اور نہ ہی میں وہ جہنڈا سرنگوں کر سکتا ہوں جسے رسول اللہ ﷺ نے لہرایا تھا۔ اس کے بعد انھوں نے لشکر اسامہ کو سفر جاری رکھنے کا حکم دیا۔ چنانچہ ان کا جس قبیلے سے بھی گزر ہوتا اور جو مرتد ہونے کا سوچ رہا ہوتا اس قبیلے کے لوگ کہتے: اگر ان لوگوں کے پاس طاقت نہ ہوتی تو یہ اپنے گھروں سے نہ نکلتے، اس لیے انھیں چھوڑ دو یہاں تک کہ ان کی رومیوں سے لڑائی ہو۔ چنانچہ اس لشکر کی اہل روم سے لڑائی ہوئی، مسلمانوں نے رومیوں کو شکست سے دوچار کیا، ان میں سے کئی لوگوں کو قتل کیا اور صحیح سالم واپس لوٹ آئے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جو لوگ مرتد ہونے کا سوچ رہے تھے وہ اسلام پر ثابت قدم رہے۔^(۱)

② مانعین زکاة کے خلاف اعلان جنگ

رسول اکرم ﷺ کی وفات کے بعد جن لوگوں نے زکاة دینے سے انکار کر دیا تھا جناب ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ان کے خلاف اعلان جنگ کرتے ہوئے فرمایا:

«وَاللّٰهُ لَوْ مَنَعُوْنِيْ عَقَالًا كَانُوْا يُؤَدُّوْنَهُ اِلٰی رَسُوْلٍ اَللّٰهِ ﷺ لِقَاتِلْتَهُمْ عَلٰی مَنَعِهِ»

”اللہ کی قسم! جو لوگ ایک رسی بھی آنحضرت ﷺ کو دیا کرتے تھے، اگر مجھے نہیں دیں گے تو میں ان سے جنگ کروں گا۔“^(۲)

ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ اس بات کا ثبوت ہیں کہ آپ اسلام کا دقیق فہم رکھتے تھے۔ دین اسلام کے لیے نہایت غیرت مند تھے۔ اور عبد نبوی میں دین اسلام جس شکل میں موجود تھا اس کو اس کی اصل ہیئت پر رکھنے کے لیے پرعزم تھے۔

③ فتنہ ارتداد کا سد باب

رسول اکرم ﷺ کی وفات کے بعد بعض عرب قبائل مرتد ہو گئے تھے جس کے کئی اسباب تھے۔ اہم اسباب میں سے ایک سبب یہ تھا کہ نو مسلم لوگوں کے دلوں میں ابھی ایمان راسخ نہیں ہوا تھا کہ آپ ﷺ فوت ہو گئے جس سے وہ انتہائی بد دل ہوئے اور دین اسلام سے مرتد ہو گئے۔ اسی طرح جاہلیت کی طرف لوٹنے کی چاہت، اقتدار کی طمع، قبائلی عصبیت اور حسد وغیرہ جیسے اسباب اس فتنہ کا موجب بنے۔

① الاعتقاد والهداية إلى سبيل الرشاد إلى مذهب السلف أهل السنة والجماعة للبيهقي، ص: 422، ② صحيح البخاري:

7285، 7284، وصحيح مسلم: 20.

مرتد ہونے والے لوگ کئی قسم کے تھے۔ کچھ وہ تھے جنہوں نے ملت اسلام کو کھینچا چھوڑ دیا اور کفر کی طرف واپس چلے گئے۔ کچھ وہ تھے جنہوں نے جھوٹے مدعیان نبوت مثلاً اسود غنسی اور مسیلہ کذاب وغیرہ کی پیروی کی۔ اور کچھ وہ تھے جنہوں نے اسلام کے بعض احکام مثلاً زکوٰۃ کا انکار کر دیا تھا۔

یہ بہت بڑا فتنہ تھا۔ جب اس خطرناک فتنہ کی لہر اٹھی تو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کا سد باب کرنے کے لیے مختلف اقدامات کیے جن کے نتیجے میں یہ فتنہ دم توڑ گیا۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنی قائدانہ صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے ایسی پالیسی اختیار کی کہ جس سے مسلمانوں کو تقویت ملی، دشمنان اسلام کمزور پڑ گئے اور مرتدین اپنی سازشوں میں کامیاب نہ ہو سکے۔ جہاں کہیں مرتدین نے سر اٹھانے کی کوشش کی وہاں ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنے لشکر بھیجے جنہوں نے اس فتنہ کو کچل کر رکھ دیا۔ فتنہ ارتداد کے خلاف جنگوں میں اسلامی فتوحات کے نتیجے میں بہت زیادہ اموال غنیمت کے طور پر مسلمانوں کے قبضہ میں آ گئے جنہیں ابو بکر رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں پر ہی خرچ کیا۔ اس سے مسلمان مزید مضبوط ہو گئے اور روم و فارس کے دشمنان اسلام کے خلاف برسر پیکار ہونے کی تیاریاں کرنے لگے۔

۴۔ عہد صدیقی کی فتوحات

فتنہ ارتداد کے خلاف جیسے ہی جنگ ختم ہوئی اور جزیرہ عرب میں استقرار بحال ہو گیا تو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اسلامی فتوحات کے لیے منصوبہ بندی کی۔ آپ نے فتح عراق کے لیے دو فوجیں تیار کیں۔ ان میں سے ایک کی قیادت انھوں نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اور دوسری کی قیادت حضرت شعی بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو سونپی۔ چنانچہ ان فوجوں کے کفار کے ساتھ کئی معرکے ہوئے۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو عراق فتح کرنے کی توفیق دی اور ایک بڑا ملک مسلمانوں کے زیر اقتدار آ گیا۔

اسی طرح فتح شام کے لیے بھی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کی فوج کے چار لشکر تیار کیے۔ پہلا لشکر یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کی قیادت میں دمشق کی طرف روانہ ہوا۔ اس کے تین دن بعد دوسرا لشکر حضرت شعیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں تبوک اور بلقاء سے ہوتے ہوئے بصری کی طرف روانہ ہوا۔ پھر تیسرا لشکر حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کی قیادت میں روانہ ہوا جس کی منزل مقصود حمص تھی۔ چوتھا لشکر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی قیادت میں فلسطین کی جانب روانہ ہوا۔ پھر کچھ عرصہ بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جناب خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو خط لکھ کر حکم دیا کہ وہ عراق سے شام چلے جائیں اور چاروں لشکروں کو یرموک کے مقام پر خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی قیادت میں جمع ہونے اور رومیوں کے خلاف جنگ کرنے کا حکم صادر کیا۔ یہ جناب ابو بکر رضی اللہ عنہ کی فوجی حکمت عملی تھی کہ انھوں نے اسلامی فوج کے (کمانڈران چیف) کی حیثیت سے اپنی فوج کو چار حصوں میں تقسیم کر کے پہلے مختلف راستوں سے روانہ کیا، پھر انھیں ایک جگہ جمع ہو کر ایک ہی

قائد کی قیادت میں کفار کے خلاف برسر پیکار ہونے کا حکم دیا۔ چنانچہ رومیوں کے خلاف پہلا معرکہ 'اجنادین' کے مقام پر ہوا جس میں مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی اور رومیوں کو شکست فاش سے دو چار ہونا پڑا۔ پھر دوسرا فیصلہ کن معرکہ 'یرموک' میں ہوا۔ اس میں بھی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو شاندار فتح نصیب کی۔ اسی معرکہ کے دوران ہی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ وفات پا گئے جس کی خبر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ہو چکی تھی لیکن انھوں نے جنگ کے خاتمے کے بعد ہی مسلمانوں کو اس کی اطلاع دی۔

جمع قرآن

ابو بکر رضی اللہ عنہ نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایک لشکر مسلحہ کذاب اور اس کی فوج کا مقابلہ کرنے کے لیے روانہ کیا۔ 'یمامہ' کے مقام پر سخت جنگ ہوئی۔ مسلحہ مارا گیا اور اس کی فوج کو شکست ہوئی۔ لیکن اس معرکہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے بہت سارے حفاظ قرآن شہید ہو گئے۔ چنانچہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو خدشہ لاحق ہوا کہ اگر اسی طرح حفاظ قرآن شہید ہوتے رہے تو کہیں قرآن مجید ضائع نہ ہو جائے۔ انھوں نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کے سامنے یہ خدشہ پیش کیا اور مشورہ دیا کہ وہ جمع قرآن کا حکم جاری کریں۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے پہلے تو رد کا اظہار کیا لیکن عمر رضی اللہ عنہ کے بار بار کہنے پر اللہ تعالیٰ نے انھیں اس سلسلے میں شرح صدر نصیب کیا اور وہ اس پر تیار ہو گئے۔ انھوں نے کاتب وحی حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو یہ ڈیوٹی سونپی۔ انھوں نے بھی پہلے رد کا اظہار کیا بلکہ انھوں نے کہا: اگر مجھے ایک پہاڑ کو کسی دوسری جگہ پر منتقل کرنے کا حکم دیا جاتا تو شاید وہ میرے لیے زیادہ آسان ہوتا۔ نسبت جمع قرآن کے۔ لیکن ابو بکر رضی اللہ عنہ کے اصرار کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کا سینہ بھی اس کام کے لیے کھول دیا۔ چنانچہ انھوں نے کعبہ کی چھڑیوں اور باریک پتھر کے صحیفوں پر لکھی گئی قرآن مجید کی آیات اور سورتوں کو جمع کیا۔ اسی طرح لوگوں کے سینوں میں محفوظ قرآن مجید کے مختلف اجزاء کو یکجا کیا۔^①

اس طرح قرآن مجید تحریری شکل میں جمع کر دیا گیا جو عہد صدیقی کا بہت بڑا کارنامہ تھا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے جتنی محبت کرنے اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق نصیب فرمائے۔

جہنم سے آزادی کے اسباب

اہم عناصر خطبہ

جہنم سے آزادی حاصل کرنے کے اہم اسباب:

1. توحید (2) اخلاص (3) دعا (4) تقویٰ (5) روزہ رکھنا (6) تکبیر اولی کے ساتھ باجماعت نماز ادا کرنا (7) فجر و عصر کی نمازوں کو ہمیشہ پڑھتے رہنا (8) ظہر سے پہلے اور اس کے بعد چار رکعات ہمیشہ پڑھتے رہنا (9) اللہ کے ذکر کی وجہ سے رونا (10) اللہ کے راستے میں اپنے قدموں کو غبار آلود کرنا (11) بیٹیوں کی پرورش اور تربیت کرنا (12) مسلمان بھائی کی عزت کا دفاع کرنا (13) مسلمان کو آزاد کرانا (14) حسن اخلاق کا مظاہرہ کرنا (15) صبح و شام کے اذکار میں سے ایک خاص ذکر کا پڑھنا

پہلا خطبہ

محترم حضرات! ہر مسلمان اس بات کی تمنا اور دعا کرتا ہے کہ اسے قیامت کے روز اللہ تعالیٰ جہنم کے عذاب سے نجات دے کر جنت میں داخل کر دے کیونکہ دراصل یہی وہ حقیقی کامیابی ہے جس سے ہر مسلمان ہمکنار ہونا چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فَمَنْ دُخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ﴾¹ ”پھر جس شخص کو جہنم سے دور اور جنت میں داخل کر دیا جائے گا تو وہی شخص درحقیقت کامیاب ہو گا۔ اور دنیا کی زندگی تو محض دھوکے کا سامان ہے۔“²

لیکن سوال یہ ہے کہ وہ کون سے اسباب ہیں کہ جنہیں اختیار کیا جائے تو اللہ تعالیٰ ان کی وجہ سے مسلمان کو جہنم سے آزادی دے دیتا ہے؟ آئیے آج کے خطبہ جمعہ میں انہی اسباب کو جاننے کی کوشش کرتے ہیں:

1 توحید

جہنم سے آزادی حاصل کرنے اور جنت میں داخل ہونے کا سب سے بڑا سبب اللہ رب العزت کی توحید کو دل کی

گہرائیوں سے تسلیم کرنا ہے۔

حضرت عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا تھا کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

«مَنْ شَهِدَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ النَّارَ»

”جو آدمی یہ گواہی دے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں تو اس پر اللہ تعالیٰ نے جہنم حرام کر دی ہے۔“^(۱)

اسی طرح حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«إِنِّي لَا غَلَمُ كَلِمَةً لَا يَقُولُهَا عَبْدٌ حَقًّا مِّنْ قَلْبِهِ فَيَمُوتُ عَلَى ذَلِكَ إِلَّا حَرَّمَ اللَّهُ عَلَى النَّارِ»

”میں ایک ایسا کلمہ جانتا ہوں کہ جس کو کوئی بندہ سچے دل کے ساتھ پڑھے، پھر اسی پر اس کی موت آجائے تو اسے اللہ تعالیٰ جہنم کی آگ پر حرام کر دیتا ہے۔“^(۲)

اور حضرت عتبہ بن جحش کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«إِنَّ اللَّهَ حَرَّمَ عَلَى النَّارِ مَنْ قَالَ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ يَتَنَعَّى بِذَلِكَ وَجْهَ اللَّهِ»

”بے شک اللہ تعالیٰ اس شخص کو جہنم پر حرام کر دیتا ہے جو محض اللہ کی رضا کی خاطر لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہتا ہے۔“

ان احادیث سے یہ ثابت ہوا کہ توحید باری تعالیٰ کا دل سے اقرار کرنا جہنم سے آزادی حاصل کرنے کا سبب بنتا ہے۔ اور توحید کی ضد ہے شرک جو کہ جہنم میں داخل ہونے کا سبب بنتا ہے جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اکرم ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا: دو واجب کرنے والی چیزیں کون سی ہیں؟

تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «مَنْ مَاتَ لَا يُشْرِكُ بِاللَّهِ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ، وَمَنْ مَاتَ يُشْرِكُ بِاللَّهِ دَخَلَ النَّارَ»

”جس شخص کی موت اس حالت میں آئے کہ وہ کسی کو اللہ کے ساتھ شریک نہیں ٹھہراتا تھا تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔ اور جس آدمی کی موت اس حالت میں آئے کہ وہ اللہ کے ساتھ شرک کرتا تھا تو وہ جہنم میں داخل ہوگا۔“^(۳)

توحید اور شرک دو متضاد چیزیں ہیں اور یہ دونوں کسی ایک شخص میں جمع نہیں ہو سکتیں۔ اگر کوئی شخص توحید خالص کو مانتا اور اس کو دل سے تسلیم کرتا ہو تو وہ یقینی طور پر شرک سے بچنے والا ہوگا۔ اور اگر کوئی شخص شرک کرتا ہو تو وہ یقیناً

① صحیح مسلم: 29، المستدرک ج ۱، ص: 143، وقال الحاكم: صحيح على شرط الشيخين ووافقه الذهبي.
② صحیح مسلم: 93.

توحید خالص سے عاری ہوگا۔ انجام کے اعتبار سے بھی یہ دونوں الگ الگ چیزیں ہیں۔ توحید کو ماننے والے کا انجام جنت اور شرک کرنے والے کا انجام جہنم ہے۔

اللہ رب العزت فرماتا ہے:

﴿إِنَّهُ مَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ﴾

”یقین کر لو کہ جو شخص اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت حرام کر دی ہے اور اس کا ٹھکانا جہنم ہی ہے۔“^①

② اخلاص

جہنم سے آزادی حاصل کرنے کا دوسرا سبب اخلاص ہے جس کا معنی ہے: ہر عبادت کو خالصتاً اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے سرانجام دینا اور ریا کاری اور دکھلاوے سے بچنا۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: «لَنْ يُؤَافِيَ عَبْدٌ عَبْدُ اللَّهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَقُولُ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ يَنْتَعِبُ بِهَا وَجْهَ اللَّهِ إِلَّا حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ النَّارَ»

”جو بندہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ سے اس حالت میں ملے گا کہ اس نے خالصتاً اللہ کی رضا کے لیے یہ کہا تھا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں تو اللہ تعالیٰ اس پر جہنم کی آگ کو حرام کر دے گا۔“^②

اس سے معلوم ہوا کہ عبادت میں اخلاص جہنم سے آزادی کا سبب بنتا ہے جبکہ اخلاص کے برعکس ریا کاری، دکھلاوا اور تعریف سننے کی خواہش یا کسی دنیاوی غرض کا حصول مقصود ہو تو یہ چیز انسان کو جہنم میں لے جاتی ہے۔ چنانچہ جہنم میں سب سے پہلے جن تین لوگوں کو پھینکا جائے گا وہ ریا کاری کرنے والے ہی ہوں گے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”قیامت کے دن سب سے پہلے جس شخص کا فیصلہ لیا جائے گا وہ ایک شہید ہوگا۔ چنانچہ اسے لایا جائے گا، اللہ تعالیٰ اسے اپنی نعمتیں یاد دلانے گا اور وہ انہیں یاد کر لے گا یعنی اقرار کر لے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا: ان نعمتوں میں تم نے کیا عمل کیا تھا؟ وہ جواب دے گا: میں تیرے راستے میں قتال کرتے کرتے شہید ہو گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کہے گا: تو جھوٹ بولتا ہے، تو نے تو قتال صرف اس لیے کیا تھا کہ تجھے جرأت مند کہا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کہا گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ اس کے متعلق حکم دے گا اور اسے چہرے کے بل گھسیٹ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

پھر ایک اور شخص لایا جائے گا جس نے علم حاصل کیا تھا اور اس نے لوگوں کو تعلیم دی تھی اور وہ قرآن کا قاری تھا، اللہ تعالیٰ اسے اپنی نعمتیں یاد دلائے گا اور وہ انہیں یاد کر لے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا: ان نعمتوں میں تم نے کیا عمل کیا تھا؟ وہ جواب دے گا: میں نے علم حاصل کیا، پھر لوگوں کو تعلیم دی اور تیری رضا کی خاطر قرآن کو پڑھا۔ اللہ تعالیٰ کہے گا: تو جھوٹ بولتا ہے، تو نے علم صرف اس لیے حاصل کیا کہ تجھے عالم کہا جائے اور قرآن اس لیے پڑھا کہ تجھے قاری کہا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کہا گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ اس کے متعلق حکم دے گا اور اسے بھی چہرے کے بل مھسٹ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

پھر ایک اور شخص لایا جائے گا جسے اللہ تعالیٰ نے نوازا تھا اور اسے ہر قسم کا مال عطا کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ اسے بھی اپنی نعمتیں یاد دلائے گا اور وہ انہیں یاد کر لے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا: ان نعمتوں میں تم نے کیا عمل کیا تھا؟ وہ جواب دے گا: جہاں کہیں خرچ کرنا تجھے پسند تھا وہاں میں نے محض تیری رضا کی خاطر خرچ کیا اور ایسی کوئی جگہ میں نے چھوڑی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کہے گا: تو جھوٹ بولتا ہے، تو نے تو محض اس لیے خرچ کیا تھا کہ تجھے سخی کہا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کہا گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ اس کے متعلق حکم دے گا اور اسے بھی چہرے کے بل مھسٹ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔^(۱)

3 دعا

جہنم سے آزادی حاصل کرنے کا تیسرا سبب ہے: دعا یعنی اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا کہ وہ جہنم سے اپنی پناہ میں رکھے اور اس کے عذاب سے بچائے۔

عباد الرحمن کی صفات میں ایک صفت اللہ تعالیٰ یوں بیان فرماتا ہے:

﴿وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ إِنَّ عَذَابَنَا كَانَ غَرَامًا ۝ إِنَّهَا سَاءَتْ مُسْتَقَرًّا وَمُقَامًا ۝﴾

”اور جو یہ دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم سے دوزخ کا عذاب پرے ہی پرے رکھ کیونکہ اس کا

عذاب چمت جانے والا ہے۔ بے شک وہ ٹھہرنے اور رہنے کے لحاظ سے بدترین جگہ ہے۔“^(۲)

لہذا رحمٰن کے بندوں کو چاہیے کہ وہ جہنم کے عذاب سے نجات حاصل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے

رہیں۔ اور اس کی فضیلت اس قدر زیادہ ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ سَأَلَ اللَّهَ الْجَنَّةَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ، قَالَتْ الْجَنَّةُ : اللَّهُمَّ ادْخُلْهُ الْجَنَّةَ ، وَمَنْ اسْتَجَازَ مِنْ

① صحیح مسلم، الإمارة، باب من قاتل للرياء والسمعة: 1905. ② الفرقان: 25: 65، 66.

النَّارِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ . قَالَتِ النَّارُ : اَللّٰهُمَّ اَجِرْهُ مِنْ النَّارِ»

”جو شخص اللہ تعالیٰ سے تین مرتبہ جنت کا سوال کرے تو جنت کہتی ہے: اے اللہ! اسے جنت میں داخل کر دے۔

اور جو آدمی جہنم سے تین مرتبہ پناہ طلب کرے تو جہنم کہتی ہے: اے اللہ! اسے جہنم سے پناہ دے۔“^(۱)

یعنی خود جہنم بھی اس سے بچنے کی دعا کرنے والے کے لیے دعا کرتی ہے کہ اے اللہ! اسے مجھ سے بچالے۔

اور اس سلسلے میں ہمیں رسول اکرم ﷺ کا نمونہ سامنے رکھنا چاہیے جو کہ خود بھی جہنم سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرتے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی اس کی تعلیم دیتے تھے۔ جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ دعا اس قدر اہتمام کے ساتھ سکھلاتے تھے کہ جیسے انھیں قرآن مجید کی ایک سورت سکھلا رہے ہوں:

« اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ . وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ . وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَالِ . وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَخْيَا وَالْمَمَاتِ»

”اے اللہ! میں جہنم کے عذاب سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ اور قبر کے عذاب سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

اور مسیح دجال کے فتنے سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ اور زندگی اور موت کے فتنے سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔“^(۲)

اسی طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اکثر و بیشتر یہ دعا مانگتے تھے:

« رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَفِنَا عَذَابَ النَّارِ»

”اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں اچھائی عطا کر اور آخرت میں بھلائی دے۔ اور ہمیں عذاب جہنم سے بچا۔“^(۳)

﴿تقویٰ﴾

’تقویٰ‘ سے مراد ہے اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے اس کی نافرمانی سے پرہیز کرنا اور برائیوں اور گناہوں سے اپنے دامن کو بچائے رکھنا۔ لفظ ’تقویٰ‘ وقایہ سے ہے جس کا مطلب ہے اپنے اور گناہوں کے درمیان خوف الہی کو رکاوٹ بنانا۔ لہذا جو شخص اللہ تعالیٰ کے خوف کی بناء پر گناہوں سے بچتا رہے تو یہ چیز اس کے لیے جہنم سے آزادی کا سبب بن سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَ اِنْ مِنْكُمْ اِلَّا وَاْرِدُهَا كَانَ عَلَى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضٰیًا ۝ ثُمَّ نُنَجِّی الَّذِیْنَ اٰتَقَوْا وَ نَذَرُ الظَّالِمِیْنَ

فِيْهَا جَحِیْمًا﴾

① صحیح الجامع: 6275. ② صحیح مسلم: 590. ③ صحیح البخاری: 6389.

”اور تم میں سے کوئی نہیں جس کا جہنم پر گزر نہ ہو، یہ طے شدہ بات ہے جو آپ کے رب کے ذمہ ہے۔ پھر ہم پر ہیزگاروں کو تو بچالیں گے، اور ظالموں کو اس میں گھٹنوں کے بل گرا چھوڑیں گے۔“⁽¹⁾

اس آیت کریمہ سے ثابت ہوا کہ جہنم سے نجات حاصل کرنے والے لوگ وہی ہونگے جو دنیا میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے برائیوں سے اجتناب کرتے تھے۔

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ لوگوں کو سب سے زیادہ کون سی چیز جنت میں پہنچائے گی؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«تَقْوَى اللَّهِ وَحُسْنُ الْخُلُقِ» «اللہ کا ڈر اور اچھا اخلاق۔“

پھر آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ لوگوں کو سب سے زیادہ کون سی چیز جہنم میں پہنچائے گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

«الْفُحْمُ وَالْفَرْحُ» «منہ اور شرمگاہ۔“⁽²⁾

چونکہ زیادہ تر گناہ انہی دو اعضاء (منہ اور شرمگاہ) سے ہوتے ہیں اس لیے رسول اکرم ﷺ نے انہیں جہنم میں سب سے زیادہ پہنچانے والے اعضاء قرار دیا۔ لہذا جہنم سے نجات حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ان دونوں اعضاء کی خاص طور پر حفاظت کریں اور ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کریں۔

منہ سے کسی کو گالی گلوچ نہ کریں۔ جھوٹ، غیبت، فحش گوئی اور چغل خوری سے اپنا منہ پاک رکھیں۔ منہ سے صرف حلال کھائیں بہیں اور اسے حرام سے بچائے رکھیں۔

اسی طرح شرمگاہ کی شہوت کو جائز اور حلال طریقے سے پورا کریں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: «وَالَّذِينَ هُمْ لِقُرُوبِهِمْ حَافِظُونَ ۖ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ۚ فَمِمَّنْ أُنْفَكِي ۖ وَآءَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعُدُونَ ۚ»

”اور جو لوگ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں، ہاں ان کی بیویوں اور لونڈیوں کے بارے میں جن کے وہ مالک ہیں ان پر کوئی ملامت نہیں۔ اب جو شخص اس کے علاوہ کوئی اور راہ تلاش کرے گا تو ایسے لوگ حد سے گزر جانے والے ہیں۔“⁽³⁾

محترم حضرات! جہنم کو شہوات اور نفسانی خواہشات کے ساتھ ڈھانپا گیا ہے جیسا کہ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«حُقِّبَ الْجَنَّةُ بِالْمَكَارِهِ وَحُقِّبَ النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ» «جنت کو ان کاموں سے ڈھانپا گیا ہے جو کہ (طبیعی انسانی

(1) مریم 71: 72، (2) جامع الترمذی: 2004، وقال: صحيح غريب وحسنه الألباني، (3) للعارج: 29: 31۔

(کو) ناپسند ہوتے ہیں اور جہنم کو شہوات سے ڈھانپا گیا ہے۔“

اور ’تقویٰ‘ کا تقاضا یہ ہے کہ مسلمان اپنی خواہشات کو شریعت کا پابند بنائے اور شہوت پرستی سے پرہیز کرے۔ یہ چیز جہنم سے نجات حاصل کرنے کے لیے نہایت ضروری ہے۔ اگر یہ نہ ہو اور انسان اپنی شہوات میں غرق ہو جائے تو اس کا انجام یقینی طور پر جہنم ہی ہے۔ والعیاذ باللہ

۵ روزے رکھنا

روزہ انسان کے لیے ڈھال ہے جس کے ذریعے وہ دورانِ روزہ شہوات سے بچ سکتا ہے اور آخرت میں جہنم سے نجات حاصل کر سکتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: «الصَّيَّامُ جُنَّةٌ مِنَ النَّارِ كَجُنَّةِ أَخِيكُمْ مِنَ الْقِتَالِ»

”روزہ جہنم کی آگ سے ڈھال ہے جیسا کہ تم میں سے کوئی شخص جنگ سے بچنے کے لیے ڈھال لیتا ہے۔“^①

ایک دن کا روزہ مسلمان کو جہنم سے کتنا دور کر دیتا ہے اس کا اندازہ آپ اس حدیث سے کر سکتے ہیں:

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: «مَنْ غَبَدَ يَصُومُ يَوْمًا فِي سَبِيلِ اللَّهِ إِلَّا بَاعَدَ اللَّهُ بِذَلِكَ الْيَوْمِ

وَجْهَهُ عَنِ النَّارِ سَبْعِينَ خَرِيفًا»

”جو شخص اللہ کی راہ میں ایک روزہ رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں اس کے چہرے کو جہنم سے ستر سال

کی مسافت تک دور کر دیتا ہے۔“^②

اسی طرح رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

«مَنْ صَامَ يَوْمًا فِي سَبِيلِ اللَّهِ جَعَلَ اللَّهُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ النَّارِ خَنْدَقًا كَمَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ»

”جو شخص اللہ کے راستے میں ایک دن کا روزہ رکھے، اللہ تعالیٰ اس کے اور جہنم کے درمیان ایک ایسی خندق بنا

دیتا ہے جو اتنی لمبی ہوتی ہے جتنی زمین و آسمان کے درمیان کی مسافت ہے۔“^③

اور شاید یہی وجہ ہے کہ متعدد گناہوں کے کفارہ میں روزے رکھنا شروع کیا گیا ہے مثلاً قتلِ خطا، ظہار اور رمضان کے دنوں میں بیوی سے جماع کرنے کی پاداش میں مسلسل دو مہینوں کے روزے رکھنا شروع ہے۔ اسی طرح قسم توڑنے کے کفارہ میں تین دن کے روزے ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ روزے گناہوں کو مٹاتے ہیں اور جب

① صحیح مسلم: 2822، سنن النسائی: 2231، سنن ابن ماجہ: 1639، وصحیحہ الالبانی فی صحیح الترغیب والترہیب: 982، صحیح البخاری: 2840، وصحیح مسلم: 1153، (جامع الترمذی: 1624) وقال الالبانی: حسن صحیح.

گناہ مٹ جاتے ہیں تو انسان اللہ کے فضل و کرم سے جنم سے آزادی حاصل کرنے کے لائق ہو جاتا ہے۔

﴿6﴾ چالیس دن تکبیر اولیٰ کے ساتھ باجماعت نماز ادا کرنا ﴿﴾

نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: «مَنْ صَلَّى لِلَّهِ أَرْبَعِينَ يَوْمًا فِي جَمَاعَةٍ يُدْرِكُ التَّكْبِيرَةَ الْأُولَى كُتِبَ لَهُ بِرَاءَةٌ ثَانٍ: بَرَاءَةٌ مِّنَ الشَّارِ وَبَرَاءَةٌ مِّنَ الْبَيْفَاقِ»

”جو شخص اللہ کی رضا کے لیے چالیس دن اس طرح باجماعت نماز پڑھے کہ تکبیر اولیٰ بھی فوت نہ ہو تو (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) اس کے لیے دو چیزوں سے براءت لکھ دی جاتی ہے: جنم کی آگ سے اور نفاق سے۔“⁽¹⁾

مسلسل چالیس دنوں میں ہر نماز تکبیر اولیٰ کے ساتھ باجماعت ادا کرنا بہت بڑا عمل ہے۔ اس عرصہ کی نمازیں 200 ہوتی ہیں۔ یوں سمجھ لیں کہ یہ دو سو قدم ہیں جنت کی طرف! کیا یہ سودا مہنگا ہے؟ نہیں، ہرگز نہیں، اگر دو سو نمازیں تکبیر اولیٰ کے ساتھ باجماعت ادا کرنے سے جنم سے آزادی کا پروانہ مل جائے تو یہ سودا ہرگز مہنگا نہیں۔ لہذا اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرتے ہوئے کمر بستہ ہو جائیں اور عزم کریں کہ یہ نفل ان شاء اللہ ضرور کریں گے!

﴿7﴾ فجر و عصر کی نمازوں کو ہمیشہ ادا کرتے رہنا ﴿﴾

ویسے تو ہر نماز اہم ہے لیکن فجر و عصر کی اہمیت زیادہ ہے۔ اس لیے جو شخص باقی نمازوں کے ساتھ ساتھ ان دونوں نمازوں کو ہمیشہ پابندی کے ساتھ بروقت پڑھتا رہے تو اس کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«لَنْ يُلَاحِظَ النَّارَ أَحَدٌ صَلَّى قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا» يَغْنِي الْفَجْرَ وَالْعَصْرَ

”وہ شخص جنم میں ہرگز داخل نہ ہوگا جو طلوع آفتاب سے پہلے (نماز فجر) اور غروب آفتاب سے پہلے (نماز عصر) پڑھتا رہے۔“⁽²⁾

اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«مَنْ صَلَّى الْبُرْذَيْنِ دَخَلَ الْجَنَّةَ»

”جو شخص دو ٹھنڈی نمازیں (فجر و عصر) پڑھتا رہے تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔“⁽³⁾

فجر کی نماز اس قدر اہم ہے کہ اگر کوئی شخص اسے باجماعت ادا کرے تو اسے پوری رات کے قیام کا ثواب ملتا ہے۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: «مَنْ صَلَّى الْعِشَاءَ فِي جَمَاعَةٍ فَكَأَنَّمَا قَامَ بِصَنْفِ اللَّيْلِ . وَمَنْ صَلَّى الصُّبْحَ فِي جَمَاعَةٍ فَكَأَنَّمَا صَلَّى اللَّيْلَ كُلَّهُ»

(1) جامع الترمذی: 241، وحسنہ الاکبانی: 634، (2) صحیح البخاری: 574، و صحیح مسلم: 635،

”جو شخص نماز عشاء باجماعت ادا کرے تو اس نے گویا آدھی رات قیام کیا اور جو فجر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھے تو وہ گویا پوری رات نماز پڑھتا رہا۔“^(۱)

اور جہاں تک نماز عصر کا تعلق ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں خصوصی طور پر ارشاد فرمایا کہ نمازوں میں سے اس نماز کو ہمیشہ پابندی سے اور بروقت ادا کرتے رہو۔

فرمایا: ﴿حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَىٰ ۖ وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ﴾

”تم تمام نمازوں کو پابندی سے پڑھتے رہو اور خاص طور پر درمیانی نماز کو (یعنی نماز عصر کو)۔ اور اللہ کے حضور ادب سے کھڑے ہوا کرو۔“^(۲)

نماز عصر کو چھوڑنے کا خسارہ کتنا بڑا ہوتا ہے اس کا اندازہ آپ اس حدیث سے کر سکتے ہیں جس میں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ «الَّذِي تَفْوُتُهُ صَلَاةُ الْعَصْرِ كَالْمَا وَتَرَ أَهْلَهُ وَمَالَهُ»

”جس آدمی کی نماز عصر فوت ہو جائے، گویا اس سے اس کے گھر والوں اور اس کے مال کو سلب کر لیا گیا۔“^(۳) یعنی اگر کسی آدمی سے اس کے اہل و عیال اور اس کے پورے مال و دولت کو تھین لیا جائے تو جتنا بڑا خسارہ اس آدمی کا ہوگا اتنا ہی بڑا خسارہ اس شخص کا ہوگا جو نماز عصر کو چھوڑ دے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ «مَنْ تَرَكَ صَلَاةَ الْعَصْرِ فَقَدْ خَبِطَ عَقْلَهُ»

”جو شخص نماز عصر چھوڑ دے تو اس کے سارے اعمال ناسخ ہو جاتے ہیں۔“^(۴) یعنی ایک مرتبہ نماز عصر کو چھوڑنے سے پوری زندگی کے نیک اعمال برباد ہو جاتے ہیں۔

﴿ظہر سے پہلے اور اس کے بعد چار رکعات ہمیشہ پڑھتے رہنا﴾

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«مَنْ حَافِظٌ عَلَى أَزْنَعِ زَكَاةٍ قَبْلَ الظُّهْرِ، وَأَرْبَعٍ يَعْذُّهَا خَرَمَهُ اللَّهُ عَلَى النَّارِ»

”جو آدمی ظہر سے پہلے چار رکعات اور اس کے بعد بھی چار رکعات ہمیشہ پڑھتا رہے تو اسے اللہ تعالیٰ جہنم کی آگ پر حرام کر دیتا ہے۔“^(۵)

﴿اللہ کے ڈر کی وجہ سے رونا﴾

اللہ تعالیٰ کی خشیت اور اس کے خوف کی بناء پر آنکھوں سے آنسو بہانا بھی جہنم سے آزادی حاصل کرنے کا بہت

① صحیح مسلم: 656. ② البقرة: 238. ③ صحیح البخاری: 552، و صحیح مسلم: 626. ④ صحیح

بڑا سبب ہے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: «لَا يَلِيحُ النَّارُ زَجْلًا بَكَى مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ حَتَّى يُعَوِّذَ اللَّبَنُ فِي الضَّرْعِ ، وَلَا يَجْتَمِعُ غُبَارُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَذُخَانُ جَهَنَّمَ فِي مَنْخَرِي مُسْلِمٍ»

”وہ شخص جہنم میں داخل نہیں ہوگا جو اللہ کے ڈر کی وجہ سے رو یا۔ (وہ جہنم میں نہیں جائے گا) تا وقتیکہ دودھ تھنوں میں واپس لوٹ آئے۔ اور اللہ کے راستے میں غبار اور جہنم کا دھواں یہ دونوں ایک مسلمان کے نختوں میں اکٹھے نہیں ہو سکتے۔“^(۱) یعنی جو شخص اللہ کے راستے میں غبار آلود ہوتا ہے وہ بھی قیامت کے روز جہنم کے دھویں اور اس کے عذاب سے محفوظ رہے گا۔

اسی طرح نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: «ثَلَاثَةٌ لَا تَرَى أَعْيُنُهُمُ النَّارَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ : غَيْرٌ بَكَتْ مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ ، وَغَيْرٌ حَرَسَتْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ، وَغَيْرٌ غَضَّتْ عَنْ مَحَارِمِ اللَّهِ»

”تین قسم کے لوگوں کی آنکھیں جہنم کو نہیں دیکھیں گی۔ ایک وہ آنکھ جس سے اللہ کے ڈر کی وجہ سے آنسو بہہ نکلے، دوسری وہ آنکھ جس نے اللہ کے راستے میں پہرہ دیا اور تیسری وہ جو اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو دیکھنے سے محفوظ رہی۔“^(۲)

خوفِ الہی کی بناء اپنی آنکھوں سے آنسو بہانے والا مسلمان قیامت کے روز ان خوش نصیبوں میں شامل ہوگا جنہیں اللہ رب العزت اپنے عرش کے سائے تلے جگہ دے گا اور اس دن عرش کے سائے کے علاوہ کوئی اور سایہ نہیں ہوگا۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

”سات افراد ایسے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ اپنے (عرش کے) سائے میں جگہ دے گا اور اس دن اس کے (عرش کے) سائے کے علاوہ کوئی اور سایہ نہ ہوگا۔ (ان سات میں آپ ﷺ نے اس آدمی کا بھی ذکر کیا) جس نے خلوت میں اللہ تعالیٰ کو یاد کیا تو اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔“^(۳)

ﷻ اللہ کے راستے میں اپنے قدموں کو غبار آلود کرنا

اللہ کے راستے میں چل کر جانا جس سے جانے والے کے قدم غبار آلود ہو جائیں، یہ وہ عمل ہے کہ اس کی وجہ سے بھی اللہ تعالیٰ اس کے کرنے والے کو جہنم سے آزادی دے دیتا ہے۔

«البخاري: 553، ⑤جامع الترمذي: 427، وصححه الألباني.

①جامع الترمذي وقال: حسن صحيح، وصححه الألباني. ②رواه الطبراني وقال الألباني: حسن لغيره السلسلة الصحيحة: 2673، ③صحيح البخاري: 660، وصحيح مسلم: 1031.

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: «مَنْ اغْتَبَثَ قَدَمَاهُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَهُمَا حَرَامٌ عَلَى النَّارِ»

”جس شخص کے دونوں قدم اللہ تعالیٰ کے راستے میں غبار آلود ہوں تو وہ دونوں جہنم پر حرام ہو جاتے ہیں۔“^①

’اللہ کے راستے‘ سے مراد بنیادی طور پر تو جہاد فی سبیل اللہ ہے، تاہم اس میں وہ تمام اعمال خیر شامل ہیں جنہیں اللہ کی رضا کے لیے سرانجام دینے کی خاطر انسان تنگ دو کرتا ہے۔ اور ان میں نماز جمعہ کے لیے چل کر آنا بھی شامل ہے۔ جیسا کہ حدیث نبوی میں ہے کہ

«مَنْ غَسَلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَاغْتَسَلَ ، وَتَغَزَّ وَابْتَغَزَّ ، وَمَشَى وَلَمْ يَزْكِبْ ، وَذَنَا مِنَ الْإِمَامِ .

فَاسْتَمَعَ وَلَمْ يَلْغُ ، كَانَ لَهُ بِكُلِّ خُطْوَةٍ عَمَلٌ سَنَةٍ ، أَجْرُ صِيَامِهَا وَقِيَامِهَا»

”جس شخص نے جمعہ کے روز غسل کرایا اور خود غسل کیا اور نماز کے اول وقت میں آیا اور خطبہ جمعہ شروع سے

سنا۔ اور چل کر آیا اور سوار نہیں ہوا۔ اور امام کے قریب بیٹھ کر خطبہ غور سے سنا اور اس دوران کوئی لغو حرکت

نہیں کی تو اسے ہر قدم پر ایک سال کے روزوں اور ایک سال کے قیام کا اجر ملے گا۔“^②

① بیٹیوں کی پرورش اور تربیت کرنا

اولاد دینے کا اختیار اللہ کے پاس ہے۔ وہ جس کو چاہے بیٹے دے، جس کو چاہے بیٹیاں دے، جس کو چاہے بیٹے اور بیٹیاں دونوں دے اور جس کو چاہے کچھ بھی نہ دے۔

اللہ رب العزت کا فرمان ہے: ﴿لِلَّهِ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ يُخَلِّقُ مَا يَشَاءُ يَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ إِنَّا ثَاوِيَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ الدُّكُورَ ۖ أَوْ يَزْوَجَهُمْ ذُكْرًا أَوْ إِنَاثًا ۖ وَيَجْعَلُ مَنْ يَشَاءُ عَقِيمًا ۚ إِنَّهُ عَلِيمٌ قَدِيرٌ ۝﴾

”آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ ہی کی ہے، وہ پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے، جسے چاہتا ہے بیٹیاں عطا کرتا

ہیں، اور جسے چاہتا ہے بیٹے عطا کرتا ہے، یا انھیں ملا کر بیٹے اور بیٹیاں عطا کرتا ہے، اور جسے چاہتا ہے بانجھ

کردیتا ہے، یقیناً وہ سب کچھ جاننے والا، ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔“^③

لہذا جس شخص کو اللہ تعالیٰ بیٹیاں دے تو وہ جاہلیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے انھیں اپنے لیے عار نہ سمجھے اور نہ ہی

اپنی بیوی کو برا بھلا کہے کیونکہ اس کے اختیار میں نہیں کہ وہ بس بیٹے ہی پیدا کرے۔ یہ تو صرف اللہ تعالیٰ کا

اختیار ہے۔ اور اسے اپنی بیٹیوں کی پرورش اور تعلیم و تربیت کا اہتمام کرنا چاہیے کیونکہ یہی بیٹیاں اس کے اور

جہنم کے درمیان پردہ بن کر حائل ہو جائیں گی۔

① جامع الترمذی: 1632۔ وصححه الألبانی۔ ② سنن أبي داود: 345، وسنن ابن ماجه: 1087۔ وصححه الألبانی۔

③ الشوری: 50، 49، 42۔

نبی کریم ﷺ نے بیٹیوں کی تعلیم و تربیت کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

((مَنْ ابْتَلَى مِنْ هَذِهِ الْبَنَاتِ بِشَيْءٍ فَأَخْسَنَ إِلَيْهِنَّ كُنَّ لَهُ مِثْرًا مِّنَ النَّارِ))

”جس شخص کو ان بیٹیوں کی وجہ سے کسی طرح آزمائش میں آلا جائے پھر وہ ان سے اچھائی کرے تو یہ اس کے لیے جہنم سے پردہ بن جائیں گی۔“^①

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میرے پاس ایک مسکین عورت آئی جس نے اپنی دو بیٹیوں کو اٹھا رکھا تھا۔ میں نے اسے تین کھجوریں پیش کیں۔ اُس نے ایک ایک کھجوران میں سے ہر ایک کو دے دی اور تیسری کھجور کو اپنے منہ کی طرف کھانے کے لیے بلند کر رہی تھی کہ اُس کی دونوں بیٹیوں نے اُس سے وہ کھجور بھی طلب کر لی۔ چنانچہ اس نے اسے دو حصوں میں تقسیم کیا اور آدھی آدھی کھجور ہر ایک کو دے دی اور یوں اُس نے خود کچھ بھی نہ کھایا۔ مجھے اُس کا یہ طرز عمل بہت پسند آیا۔ اس لیے میں نے یہ بات رسول اکرم ﷺ کے سامنے ذکر کی۔ تو آنحضور ﷺ نے فرمایا: ((إِنَّ اللَّهَ قَدْ أَوْحَىٰ لَهَا بِهَا الْجَنَّةَ أَوْ أَعْتَقَهَا بِهَا مِنَ النَّارِ))

”بے شک اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے اس کی وجہ سے جنت کو واجب کر دیا ہے۔“ یا آپ نے فرمایا: ”اسی بناء پر اللہ تعالیٰ نے اسے جہنم سے آزاد کر دیا ہے۔“^②

③ مسلمان بھائی کی عزت کا دفاع کرنا

اگر کسی کے سامنے اس کے مسلمان بھائی کو نشانہ بنایا جائے تو اس کا فرض ہے کہ وہ اپنے بھائی کا دفاع کرے اور نشانہ بنانے والے کو اس سے منع کرے۔ مسلمان بھائی کی عزت کا غائبانہ دفاع اتنا بڑا عمل ہے کہ اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ دفاع کرنے والے کو جہنم سے آزاد کر دیتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((مَنْ ذَبَّ عَنِ عِرْضِ أَخِيهِ بِالْغَيْبَةِ كَانَ حَقًّا عَلَى اللَّهِ أَنْ يُعْتِقَهُ مِنَ النَّارِ))

”جو شخص اپنے بھائی کی عزت کا غائبانہ دفاع کرے تو اللہ پر اس کا یہ حق ہے کہ اسے جہنم سے آزاد کر دے۔“^③

لہذا جب کسی کے سامنے کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کا کوئی عیب بیان کرے یا اس پر طعن و اندازی یا الزام تراشی کرے تو اسے اپنے بھائی کا دفاع کرتے ہوئے طعن و اندازی یا الزام تراشی کرنے والے کا منہ بند کرنا اور اس کی حوصلہ شکنی کرنی چاہیے۔ نہ یہ کہ وہ اس سے متاثر ہو کر اس کے خلاف مزید پروپیگنڈا کرنا یا اس کے عیبوں کو اچھا لانا شروع کر دے۔ اس طرح کا طرز عمل یقیناً افسوسناک ہے اور قابل مذمت بھی۔

① صحیح البخاری، الزکاة باب اتقوا النار ولو بشق تمرة: 1418، واللفظ له، مسلم، البر والصلة باب فضل الإحسان

إلى البنات: 2629، ② صحیح مسلم: 2630، ③ صحیح الجامع للآلبانی: 6240.

﴿13﴾ مسلمان کو آزاد کرانا ﴿۱۳﴾

اگر کوئی مسلمان کسی کافر کی قید میں ہو یا اسے ناجائز طور پر پابند سلاسل کر دیا گیا ہو تو اسے قید سے آزادی دلانا اتنا عظیم عمل ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے آزادی دلانے والے کو جہنم سے آزاد کر دیتا ہے۔

فرمان نبوی ہے: «أَيُّمَا امْرَأَةٍ مُّسْلِمَةٍ أُعْتِقَ أَمْرُؤُا مُّسْلِمًا كَانَ فِكَاهُ مِنَ النَّارِ، يُجْزَى كُلُّ عَضْوٍ مِنْهُ عَضْوًا مِنْهُ، وَأَيُّمَا امْرَأَةٍ مُّسْلِمَةٍ أُعْتِقَ امْرَأَتَيْنِ مُّسْلِمَتَيْنِ كَانَتْمَا فِكَاهَهُ مِنَ النَّارِ، يُجْزَى كُلُّ عَضْوٍ مِنْهُمَا عَضْوًا مِنْهُ، وَأَيُّمَا امْرَأَةٍ مُّسْلِمَةٍ أُعْتِقَتْ امْرَأَةٌ مُّسْلِمَةٌ كَانَتْ فِكَاهُ مِنَ النَّارِ، يُجْزَى كُلُّ عَضْوٍ مِنْهَا عَضْوًا مِنْهَا»

”جو مسلمان کسی مسلمان کو آزاد کرے تو وہی جہنم سے اس کی خلاصی کا سبب بن جائے گا۔ اس کا ہر عضو اس کے ہر عضو کو آزاد کر دے گا۔ اور جو شخص دو مسلمان عورتوں کو آزاد کرے تو وہ دونوں جہنم سے اس کو آزادی دلا دیں گی، ان دونوں کا ہر عضو اس کے ہر عضو کی آزادی کا سبب بنے گا۔ اور جو مسلمان عورت کسی مسلمان عورت کو آزاد کرے تو وہ جہنم سے اس کی آزادی کا سبب بنے گی اور اس کا ہر عضو اس کے ہر عضو کو آزاد کر دے گا۔“^①

﴿14﴾ حسن اخلاق کا مظاہرہ کرنا ﴿۱۴﴾

’حسن اخلاق‘ بھی جہنم سے آزادی حاصل کرنے کے اسباب میں سے ایک اہم سبب ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: «مَنْ كَانَ هَيِّئًا لِّبَنَاتِنَا قَرِينًا حَرَّمَهُ اللَّهُ عَلَى النَّارِ»

”جو شخص آسان، نرم دل اور (مسلمانوں سے) قریب ہو اس کو اللہ تعالیٰ نے جہنم پر حرام کر دیا ہے۔“^②

یعنی وہ ملنسار ہو، اپنے مسلمان بھائیوں میں گھل مل جاتا ہو، نرم دل اور متواضع مزاج ہو تو اس پر اللہ تعالیٰ نے جہنم کو حرام کر دیا ہے۔

حسن اخلاق کا مظاہرہ مسلمان کو جنت میں لے جانے والا اور بد اخلاق کا مظاہرہ اسے جہنم میں لے جانے والا عمل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض سلف صالحین ساری ساری رات صرف حسن اخلاق کی دعا ہی کیا کرتے تھے۔ جیسا کہ ام الدرداء رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک رات ابو الدرداء رضی اللہ عنہ تہجد کی نماز میں روتے ہوئے بار بار یہ دعا کر رہے تھے:

«اللَّهُمَّ أَحْسَنْتَ خَلْقِي فَخَسِّنْ خُلُقِي»

”اے اللہ! تو نے مجھے بہت اچھا بنایا تو میرے اخلاق کو بھی اچھا کر دے۔“

① جامع الترمذی: 1547، وصحیحہ الالبانی، ② صحیح الترغیب والترہیب للالبانی: 1745.

وہ مسلسل یہ دعا کرتے رہے یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ میں نے ان پوچھا: ابو الدرداء! آپ نے ساری رات ایک ہی دعا کی ہے، اس کی کوئی خاص وجہ؟ تو انہوں نے کہا: «يَا أُمُّ الدُّرْدَاءِ! إِنَّ الْعَبْدَ الْمُسْلِمَ يُحَسِّنُ خُلُقَهُ حَتَّى يُدْخِلَهُ حُسْنُ خُلُقِهِ الْجَنَّةَ، وَيُسَيِّئُ خُلُقَهُ حَتَّى يُدْخِلَهُ سُوءُ خُلُقِهِ النَّارَ»

”ام الدرداء! بے شک ایک مسلمان بندہ اپنے اخلاق کو اچھا کرتا ہے یہاں تک کہ اس کا اچھا اخلاق اسے جنت میں داخل کر دیتا ہے۔ اور وہ اپنے اخلاق کو برا کرتا ہے یہاں تک کہ اس کا برا اخلاق اسے جہنم میں پہنچا دیتا ہے۔“^(۱)

اور رسول اکرم ﷺ نے حسن اخلاق کی اہمیت اور اس کی قدر و منزلت کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

«مَا مِنْ شَيْءٍ يُوضَعُ فِي الْمِيزَانِ أَثْقَلَ مِنْ حُسْنِ الْخُلُقِ، وَإِنَّ صَاحِبَ حُسْنِ الْخُلُقِ لَيَبْلُغُ بِهِ ذِرْزَاةَ صَاحِبِ الصَّوْمِ وَالصَّلَاةِ»

”ترازو میں رکھی جانے والی سب سے زیادہ وزنی چیز اچھے اخلاق کے سوا کچھ نہیں۔ اور اچھے اخلاق والا انسان اُس شخص کے درجہ کو پہنچ جاتا ہے جو صوم و صلاۃ کا پابند ہو۔“^(۲)

لہذا ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنے اخلاق کو اچھا بنائے اور بد اخلاقی سے پرہیز کرے تاکہ وہ جہنم سے آزادی حاصل کر سکے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو جہنم سے آزاد کر کے جنت الفردوس میں داخل فرمائے۔

دوسرا خطبہ

محترم حضرات! جہنم سے آزادی حاصل کرنے کے متعدد اسباب کا تذکرہ آپ نے پہلے خطبہ جمعہ میں سنا۔ اب اس کا آخری سبب پیش خدمت ہے۔

﴿صَاحِبِ﴾ و شام کے اذکار میں سے ایک خاص ذکر جس کے بارے میں رسول اکرم ﷺ نے خاص طور پر تاکید کی کہ اگر اسے چار مرتبہ پڑھا جائے تو اللہ تعالیٰ پڑھنے والے کو جہنم سے آزاد کر دے گا

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ”جو شخص صبح کے وقت یہ دعا ایک مرتبہ پڑھے:

«اللَّهُمَّ إِنِّي أَصْنَعُكَ أَشْهَدُكَ وَأَشْهَدُ خَمَلَةً غَرَضَكَ وَمَلَأْتُكَ ، وَجَمِيعَ خَلْقِكَ أَنْتَ اللَّهُ ، لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ وَخَدَّكَ لَا شَرِيكَ لَكَ . وَأَنْتَ مُخَفَّدًا عَبْدُكَ وَرَسُولُكَ»

”اے اللہ! میں نے صبح کر لی، میں تجھے گواہ بناتا ہوں اور تیرے عرش کو اٹھانے والے فرشتوں کو اور تیرے (دیگر) فرشتوں کو اور تیری پوری مخلوق کو گواہ بناتا ہوں کہ صرف تو ہی سچا معبود ہے اور تیرے سوا اور کوئی معبود

(۱) صحیح البخاری فی الأدب المفرد: باب حسن الخلق إذا فقهوا، (۲) جامع الترمذی: ۲۰۰۳، وصححه الألبانی۔

نہیں۔ تو اکیلا ہے، تیرا کوئی شریک نہیں۔ اور محمد ﷺ تیرے بندے اور رسول ہیں۔“
تو اللہ تعالیٰ اس کا چوتھا حصہ جہنم سے آزاد کر دے گا۔ اور اگر وہ یہ دعا چار مرتبہ پڑھے تو اسے مکمل طور پر جہنم سے آزاد کر دے گا۔^(۱)

لہذا یہ دعا صبح و شام پڑھنی چاہیے۔ تاہم شام کے وقت «أصْبَحْتَ» کی بجائے «أَمْسَيْتَ» پڑھنا ہوگا۔
محترم حضرات! یہ تھے وہ اسباب جنہیں اختیار کیا جائے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے جہنم سے آزادی نصیب فرمائے گا۔ لہذا تمام مسلمانوں کو یہ اسباب اختیار کرنے چاہئیں۔ ہر شخص خود بھی یہ اسباب اختیار کرے اور اپنے اہل و عیال کو بھی انہیں اختیار کرنے کی ترغیب دے۔ کیونکہ

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُلْ أَنْفُسَكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلَائِكَةٌ غِلَظٌ شِدَادٌ لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ﴾

”اے ایمان والو! تم اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان ہیں اور پتھر۔ جس پر سخت دل، مضبوط فرشتے مقرر ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ جو حکم دیتا ہے وہ اس کی نافرمانی نہیں کرتے بلکہ جو حکم دیا جائے بجالاتے ہیں۔“^(۲)

جہنم سے نجات حاصل کرنے کا سبب چاہے چھوٹا سا کیوں نہ ہو اسے حقیر نہیں سمجھنا چاہیے اور نہ ہی اس کا موقع ضائع کرنا چاہیے، بلکہ اسے بلا تاخیر اختیار کرتے ہوئے جہنم سے بچاؤ کا سامان مہیا کرنا چاہیے۔

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے آتش جہنم کو یاد کیا اور اس سے ڈرتے ہوئے آپ ﷺ نے اپنا چہرہ پیچھے ہٹایا۔ پھر آپ نے فرمایا: ”جہنم سے بچو۔“

اس کے بعد آپ ﷺ نے اسے دوبارہ یاد کیا اور اپنا چہرہ پیچھے ہٹایا یہاں تک کہ ہم نے یہ گمان کیا کہ جیسے آپ اسے دیکھ رہے ہوں۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

«اتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ ثَمَرَةٍ . فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فِيكَلِمَةٍ طَيِّبَةٍ»

”تم جہنم سے بچو اگرچہ کھجور کا آدھا حصہ صدقہ کر کے ہی۔ اور جس شخص کو یہ بھی نہ ملے تو وہ ایک اچھا کلمہ کہہ کر ہی اپنے آپ کو جہنم سے بچالے۔“^(۳)

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں، ہمارے والدین، ہمارے اہل و عیال اور تمام مسلمانوں کو جہنم سے محفوظ رکھے اور ہم سب کو جنت الفردوس میں داخل فرمائے۔

(۱) سنن أبي داود وحسنه ابن باز في تحفة الأختیار. (۲) التحريم 6: 66. (۳) صحيح البخاري: 6563، وصحيح مسلم: 1016

امن وامان کی اہمیت اور اس کے اسباب

اہم عناصر خطبہ

- ① معاشرہ میں امن وامان کی اہمیت
- ② مومن کا قتل بہت بڑا گناہ ہے
- ③ فساد بپا کرنے والے شخص کی سزا
- ④ امن وامان کیسے قائم ہوگا؟

پہلا خطبہ

برادران اسلام! امن وامان بہت بڑی نعمت ہے۔ اگر معاشرہ پر امن ہو تو

- اس میں بسنے والے لوگ اطمینان بخش زندگی بسر کرتے ہیں۔
- چھوٹے بڑے، مرد و عورتیں، مالدار اور فقراء سب خوشحال رہتے ہیں۔
- کسی کو کوئی خوف و ہراس نہیں ہوتا اور معاشرے کا ہر فرد اپنی جان، اپنے مال اور اپنے اہل و عیال کے بارے میں سبے فکر ہو جاتا ہے اور ہر شخص اپنے فرائض بخیر و خوبی سرانجام دیتا ہے۔
- اس کے برعکس اگر معاشرے میں امن وامان نہ ہو،
- نہ جائیں محفوظ ہوں اور نہ مال و دولت کو تحفظ حاصل ہو،
- جہاں عزتوں کو پامال کیا جاتا ہو اور جہاں دن و ہاڑے کے اندھیرے میں اسلحہ کی ٹوک پر گھروں، گزر گاہوں اور بازاروں میں ڈاکہ زنی کے واقعات عام ہوں،
- جہاں ہر شخص اپنے اور اپنے اہل و عیال کی سلامتی کے بارے میں فکر مند رہتا ہو تو وہاں جینا حرام ہو جاتا ہے۔ ڈر اور خوف کی وجہ سے رات کا سون برباد ہو جاتا ہے۔

’بد امنی‘ اس قدر خوفناک چیز ہے کہ اس کے نتیجے میں کچھ بھی محفوظ نہیں رہتا۔ نہ جان محفوظ اور نہ مال و دولت محفوظ اور نہ عزت و ناموس محفوظ۔ جب سالہا سال کی محنت رائیگاں چلی جائے، جب خون پسینے کی کمائی چند منٹوں میں لٹ جائے، جب عزت جس کے تحفظ کے لیے انسان اپنی جان تک کو قربان کرنے پر تیار ہو جاتا ہے وہ (نعوذ باللہ) تار تار

ہو جائے تو اس لوٹ مار کا نشانہ بننے والے افراد یہ تمنا کرتے ہیں کہ کاش زمین کا سینہ پھٹ جائے اور وہ اس میں زندہ دفن ہو جائیں۔

جو معاشرہ بد امنی کا شکار ہوتا ہے اور اس میں انتشار، فساد اور لا قانونیت عام ہوتی ہے اس میں لوگ اپنے فرائض سے عہدہ برآ نہیں ہو پاتے بلکہ حقوق و فرائض کی ادائیگی میں واضح طور پر خلل نظر آتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے اہل و عیال کو بے آب و گیاہ وادی (مکہ مکرمہ) میں چھوڑ کر جانے لگے تو انھوں نے اس جگہ کے باسیوں کے لیے سب سے پہلے امن وامان کی دعا کی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَذَا بَلَدًا آمِنًا وَارْزُقْ أَهْلَكَ مِنَ الثَّمَرَاتِ مَنْ أَمِنَ مِنْهُمْ يَأْتِيهِمُ الْيُومُ الْآخِرُ﴾

”اور جب ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی کہ ”اے میرے رب! اس جگہ کو امن کا شہر بنا دے اور اس کے رہنے والوں میں سے جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لائیں انھیں پھل عطا فرما۔“^[۱]

چونکہ ’غذائی اشیاء کی فراوانی‘ اور ’امن وامان‘ یہ دونوں کسی بھی معاشرہ کی کامیابی کے لیے ضروری عناصر ہیں اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے یہ دونوں چیزیں طلب کیں۔ اور سب سے پہلے انھوں نے اللہ تعالیٰ سے مکہ مکرمہ کو پر امن شہر بنانے کی دعا کی، اس کے بعد اہل مکہ کے لیے پھلوں کی دعا کی۔ اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ معاشرہ کی فلاح و بہبود کے لیے جہاں اشیاء خورد و نوش کی فراوانی کی اہمیت ہے وہاں امن وامان کی اہمیت بھی اس سے کم نہیں ہے، بلکہ اس کی اہمیت زیادہ ہے تبھی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پہلے اس کی دعا کی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اسی دعا کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے مکہ مکرمہ کو پر امن مقام بنا دیا۔ اور امن بھی اس قدر زیادہ کہ اس میں شکار تک کو حرام کر دیا گیا، بلکہ شکار کو بھگانے سے بھی منع کر دیا گیا۔ درختوں کو کاٹنے اور گری ہوئی چیز کو اٹھانے سے بھی روک دیا گیا! اور اللہ تعالیٰ نے اس کے امن کو برقرار رکھنے کے لیے اس میں ظلم و زیادتی کا ارادہ کرنے پر بھی دردناک عذاب کی وعید سنائی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَنْ يُؤْذِ فِيهِ بِالْحِمَامِ يُظْلَمْ تُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ آلِيمٍ ۝﴾

”اور جو کوئی ازراہ ظلم مسجد حرام میں کجروی اختیار کرنے کا ارادہ کرے گا اسے ہم دردناک عذاب چکھائیں گے۔“^[۲]

یہ تھی مکہ مکرمہ میں امن وامان کی حالت، جبکہ مکہ کے ارد گرد رہنے والے لوگ بد امنی کا شکار تھے، ان میں قتل و

غارت کا بازار گرم تھا، لوگوں کے مال لوٹ لیے جاتے تھے اور ان کی عزتوں کو پامال کیا جاتا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے کفار مکہ کو اپنا یہ احسان یاد دلاتے اور دعوت فکر دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا مَّا أُمِنَّا وَيُحْتَفَفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ۚ أَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُونَ وَبِنِعْمَةِ اللَّهِ يَكْفُرُونَ ۝﴾

”کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے حرم کو پر امن بنایا جبکہ ان کے ارد گرد کے لوگ اچک لیے جاتے ہیں! کیا پھر بھی یہ لوگ باطل کو مانتے اور اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں؟“^①

یعنی جب اللہ تعالیٰ نے انھیں نعمت امن سے نوازا ہے تو انھیں چاہیے تو یہ تھا کہ وہ محض اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے، اسی کے سامنے عاجزی و انکساری کا اظہار کرتے اور اس کے سوا کسی کی پوجا نہ کرتے۔ لیکن انھوں نے ناشکری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کی عبادت میں غیروں کو شریک ٹھہرایا اور باطل پر ایمان لائے! اور ان کی ضد اور ہٹ دھرمی کا عالم یہ تھا کہ جب رسول اکرم ﷺ نے انھیں دین اسلام میں داخل ہونے کی دعوت دی تو انھوں نے جواب دیا:

﴿وَقَالُوا إِن نَّتَّبِعِ الْهُدَىٰ مَعَكَ نُنْخَلَفُ مِنْ أَرْضِنَا﴾

”اور انھوں نے کہا: اگر ہم تمھارے ساتھ ہدایت کی تابعداری کریں تو ہم تو اپنے ملک سے اچک لیے جائیں گے۔“^② یعنی اگر انھوں نے اسلام قبول کر لیا تو وہ تو بد امنی کا شکار ہو جائیں گے!

ان کی اس حجت کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿أَوَلَمْ نُسْكِنْ لَهُمْ حَرَمًا مَّا أُمِنَّا يُجِبَىٰ إِلَيْهِ تُسْرَتٌ كُلُّ شَيْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝﴾

”کیا ہم نے پر امن حرم کو ان کے لیے جائے قیام نہیں بنایا جہاں ہماری طرف سے رزق کے ہر طرح کے پھل کھچے چلے آتے ہیں؟ لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے۔“^③

یعنی اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنا بہت بڑا احسان یاد دلایا کہ دیکھو اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے تمہیں پر امن حرم اور مقدس مقام پر بسنے کی توفیق دی اور ہر قسم کے پھل بھی عطا کیے، تو کیا تم پھر بھی اسلام قبول نہیں کرتے اور اس کی طرف سے مبعوث کیے گئے رسول ﷺ پر ایمان نہیں لاتے؟

اس سے یہ ثابت ہوا کہ امن وامان اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے جس کا اس نے ہر قسم کے پھلوں کے ساتھ خاص طور پر تذکرہ فرمایا اور انھی دو نعمتوں کے ساتھ کفار کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ بن دو نعمتیں ایک اور انداز میں ذکر فرماتا ہے اور کفار قریش کو خانہ کعبہ کے رب کی

عبادت کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

﴿فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هَذَا الْبَيْتِ ۚ الَّذِي أَطْعَمَهُمْ مِنْ جُوعٍ وَآمَنَهُمْ مِنْ خَوْفٍ ۝﴾

”پس وہ اس گھر (خانہ کعبہ) کے رب کی ہی عبادت کریں جس نے انھیں بھوک میں کھلایا اور خوف سے امن دیا۔“^①

جبکہ نبی کریم ﷺ نے بھی انھی دو نعمتوں کے ساتھ ایک تیسری نعمت ’صحت و تندرستی‘ کا ذکر فرما کر یہ ارشاد فرمایا کہ جس کے پاس یہ تینوں نعمتیں موجود ہوں تو وہ دنیا کا سب سے کامیاب انسان ہے۔
رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«مَنْ أَصْبَحَ مِنْكُمْ مُعَافٍ فِي جَسَدِهِ . آمِنًا فِي سِرِّهِ . عِنْدَهُ قُوَّةٌ يَوْمُهُ . فَكَأَنَّمَا حِيزَتْ لَهُ الدُّنْيَا»

”جو شخص اس حالت میں صبح کرے کہ وہ تندرست ہو، اپنے آپ میں پر امن ہو اور اس کے پاس ایک دن کی خوراک موجود ہو تو گویا اس کے لیے پوری دنیا کو جمع کر دیا گیا۔“^②

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ وہ ہمیں امن وامان نصیب فرمائے اور ہمیں اور ہمارے اہل و عیال اور تمام مسلمانوں کو ہر شر سے محفوظ رکھے۔

برادران اسلام! اس وقت عالم اسلام کے متعدد ممالک میں قتل و غارت گری کا بازار گرم ہے۔ آئے دن بم دھماکوں اور خود کش حملوں کے افسوسناک واقعات رونما ہو رہے ہیں۔ ان دھماکوں کے نتیجے میں بے گناہ لوگ مارے جاتے ہیں۔ جائیدادیں تباہ و برباد ہو جاتی ہیں۔ سرکاری و غیر سرکاری مملوکہ اشیاء کو شدید نقصان پہنچتا ہے۔ حتیٰ کہ اب تو اللہ تعالیٰ کے گھر (مساجد) بھی محفوظ نہیں رہے، ان میں بھی دھماکے کیے جاتے ہیں اور ان لوگوں کو نشانہ بنایا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے سامنے سر بسجود ہوتے ہیں۔ تو کیا بے گناہ لوگوں کو قتل کرنا جائز ہے؟ ہرگز نہیں، ایک مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کرنا بہت بڑا گناہ ہے چہ جائیکہ متعدد مسلمانوں کو ایک ہی وقت میں قتل کر دیا جائے!

مسلمان کا خون مکہ مکرمہ کی طرح حرمت والا ہے!

جی ہاں، رسول اللہ ﷺ نے خون مسلم کو بھی بالکل اسی طرح حرمت والا قرار دیا جیسا کہ مکہ مکرمہ حرمت والا شہر، ذو الحجہ حرمت والا مہینہ اور یوم عرفہ حرمت والا دن ہے۔ یعنی اسے ناحق طور پر بہانا حرام فرما دیا۔

① قریش 106: 3، 4، ② جامع الترمذی: 2346، سنن ابن ماجہ: 4141، وخسبہ الالبانی.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اکرم ﷺ عرفات میں پہنچے اور لوگوں کو خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

((إِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ حَرَامٌ عَلَيْكُمْ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا فِي شَهْرِكُمْ هَذَا فِي بَلَدِكُمْ هَذَا))

”بے شک تمہارے خون اور تمہارے مال حرمت والے ہیں، جس طرح تمہارا یہ دن تمہارے اس مہینے میں اور تمہارے اس شہر میں حرمت والا ہے.....“^①

اس عظیم الشان خطبہ میں رسول اللہ ﷺ نے خونِ مسلم کی طرح مالِ مسلم کو بھی حرمت والا قرار دیا۔ لہذا کسی مسلمان کے مال یا اس کی جائیداد کو ہم، جہاکوں کے ذریعے تباہ کرنا بھی اسی طرح حرام ہے جیسا کہ اسے قتل کرنا حرام ہے۔ اسی طرح حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (قربانی کے روز منیٰ میں) ارشاد فرمایا:

((..... ثُمَّ قَالَ : أَيُّ شَهْرٍ هَذَا؟ قُلْنَا : اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ . فَسَكَتَ حَتَّى ظَنَنَّا أَنَّهُ سَيُسَمِّيهِ بِغَيْرِ اسْمِهِ . قَالَ : أَلَيْسَ ذَا الْحَجَّةِ؟ قُلْنَا : بَلَى . قَالَ : فَأَيُّ بَلَدٍ هَذَا؟ قُلْنَا : اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ . فَسَكَتَ حَتَّى ظَنَنَّا أَنَّهُ سَيُسَمِّيهِ بِغَيْرِ اسْمِهِ . قَالَ : فَأَيُّ يَوْمٍ هَذَا؟ قُلْنَا : اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ . فَسَكَتَ حَتَّى ظَنَنَّا أَنَّهُ سَيُسَمِّيهِ بِغَيْرِ اسْمِهِ . قَالَ : أَلَيْسَ يَوْمُ النَّحْرِ؟ قُلْنَا : بَلَى يَا رَسُولَ اللَّهِ . قَالَ : فَإِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ وَأَعْرَاضَكُمْ حَرَامٌ عَلَيْكُمْ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا فِي بَلَدِكُمْ هَذَا فِي شَهْرِكُمْ هَذَا . وَتَسْتَلْقُونَ رِزْقَكُمْ فَيَسْأَلُكُمْ عَنْ أَعْمَالِكُمْ . فَلَا تَرْجِعُنَّ بَعْدِي كَفَارًا (أَوْ ضَلَالًا) يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ))

”..... پھر آپ ﷺ نے پوچھا: یہ کونسا مہینہ ہے؟ ہم نے کہا: اللہ اور اس کا رسول (ﷺ) زیادہ جانتے ہیں۔ تو آپ ﷺ خاموش رہے یہاں تک کہ ہم نے یہ گمان کیا کہ شاید آپ ﷺ اس مہینے کا کوئی اور نام ذکر فرمائیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا یہ ذوالحجہ نہیں؟ ہم نے کہا: کیوں نہیں! پھر آپ ﷺ نے پوچھا: یہ کونسا شہر ہے؟ ہم نے کہا: اللہ اور اس کا رسول (ﷺ) زیادہ جانتے ہیں۔ تو آپ ﷺ خاموش رہے یہاں تک کہ ہم نے یہ گمان کیا کہ شاید آپ ﷺ اس شہر کا کوئی اور نام ذکر فرمائیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا یہ البلدہ (مشہور شہر مکہ) نہیں؟ ہم نے کہا: کیوں نہیں! پھر آپ ﷺ نے پوچھا: یہ کونسا دن ہے؟ ہم نے کہا: اللہ اور اس کا رسول (ﷺ) زیادہ جانتے ہیں۔ تو آپ ﷺ خاموش رہے یہاں تک کہ ہم نے یہ گمان کیا کہ شاید آپ ﷺ اس دن کا کوئی اور نام ذکر فرمائیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا یہ یوم النحر (قربانی کا دن) نہیں؟ ہم نے کہا: کیوں نہیں اسے اللہ کے رسول! پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ”بے شک تمہارے خون، تمہارے مال

اور تمھاری عزتیں حرمت والی ہیں، جس طرح تمھارا یہ دن تمھارے اس مہینے میں اور تمھارے اس شہر میں حرمت والا ہے۔ اور تم عنقریب اپنے رب سے ملنے والے ہو، پھر وہ تم سے تمھارے اعمال کے بارے میں سوال کرے گا۔ خبردار! تم میرے بعد کافر (یا گمراہ) نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگ جاؤ۔“^①

یوں نبی کریم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر صحابہ کرام کے جم غفیر میں ایک مسلمان کے خون، مال اور اس کی عزت کی حرمت کو بیان فرمایا۔ پھر آپ ﷺ نے خبردار کیا کہ اگر تم ایک دوسرے کی گردنیں اڑاؤ گے تو تم کفر تک پہنچ جاؤ گے یا راہ راست سے بھٹک جاؤ گے۔ لہذا ہر مسلمان پر فرض ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائیوں کی جانوں، عزتوں اور ان کے مالوں کو اپنی طرف سے ظلم و زیادتی کا نشانہ بنانے سے پرہیز کرے اور ان کے تقدس کا خیال رکھتے ہوئے انھیں تحفظ فراہم کرے۔

قتل ناحق پوری انسانیت کے قتل کے مترادف ہے

اللہ تعالیٰ نے ایک انسان کے قتل کو پوری انسانیت کا قتل قرار دیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا﴾

”جس شخص نے کسی دوسرے کو جان کے بدلہ کے علاوہ یا زمین میں فساد پھا کرنے کی غرض سے قتل کیا تو اس نے گویا سب لوگوں کو مار ڈالا۔ اور جس نے کسی کو (قتل ناحق سے) بچا لیا تو وہ گویا سب لوگوں کی زندگی کا موجب ہوا۔“^②

ایک مومن کے قتل پر پانچ وعیدیں

جو شخص کسی مسلمان کو قتل کرتا ہے اس کو پانچ سخت وعیدیں سنائی گئی ہیں۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَحَزَّ أُولُوْهُ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعْنَةُ وَاَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيْمًا﴾

”اور جو کوئی کسی مومن کو قصد قتل کر ڈالے اس کی سزا جہنم ہے، جس میں وہ ہمیشہ رہے گا، اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہے، اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے اور اس نے اس کے لیے بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔“^③

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرنے والے شخص کو پانچ وعیدیں سنائی ہیں۔ ایک یہ کہ اس کی سزا جہنم ہے۔ دوسری یہ کہ وہ اس میں ہمیشہ رہے گا۔ تیسری یہ کہ اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہوتا ہے۔ چوتھی یہ

① صحیح البخاری: 4406، وصحیح مسلم: 1679. ② المائدہ: 32:5. ③ النساء: 93:4.

کہ وہ اللہ تعالیٰ کی لعنت (پھینکار) کا مستحق ہے۔ اور پانچویں یہ کہ اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اس شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جس نے ایک مومن کو جان بوجھ کر قتل کیا، پھر اس نے توبہ کر لی، ایمان لے آیا اور عمل صالح کر کے ہدایت کے راستے پر گامزن ہو گیا۔ تو انھوں نے کہا: وہ ہلاک ہو جائے! اس کے لیے ہدایت کیسے ممکن ہے جبکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا تھا کہ آپ نے فرمایا:

«يَجِيئُ الْقَاتِلُ وَالْمَقْتُولُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مُتَعَلِّقَ بِرَأْسِ صَاحِبِهِ . يَقُولُ : رَبِّ ! سَلْ هَذَا لِمَ قَتَلْتَنِي»

”قیامت کے روز قاتل و مقتول دونوں آئیں گے، مقتول اپنے قاتل کے سر کے ساتھ چمٹا ہوگا اور کہے گا:

اے میرے رب! اس سے پوچھئے کہ اس نے مجھے کیوں قتل کیا تھا؟“

پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پر وہ آیت ﴿وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَدِّيًا فَجَزَاءُؤُهُ جَهَنَّمُ﴾ نازل فرمائی اور اسے منسوخ نہیں کیا۔^①

کلمہ گو مسلمان کو قتل کرنا حلال نہیں

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«لَا يَجِلُّ دَمُ امْرِئٍ مُّسْلِمٍ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَتَى رَسُولُ اللَّهِ إِلَّا بِإِخْدَى ثَلَاثٍ: الثَّيِّبِ الزَّانِي . وَالنَّفْسُ بِالنَّفْسِ . وَالتَّارِكُ لِدِينِهِ الْمَفَارِقُ لِلْجَمَاعَةِ»

”کسی مسلمان کا جو اس بات کی گواہی دیتا ہو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود (برحق) نہیں اور میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں، خون حلال نہیں۔ ہاں تین میں سے ایک شخص کو قتل کیا جاسکتا ہے اور وہ ہیں: شادی شدہ زانی، قاتل اور دین کو چھوڑنے اور جماعت سے الگ ہونے والا۔“^②

پوری دنیا کا خاتمہ کرنا اتنا بڑا جرم نہیں جتنا ایک مومن کا خون بہانا بڑا جرم ہے

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَوْ قَالَ الدُّنْيَا أَهْوَنُ عَلَى اللَّهِ مِنْ قَتْلِ مُؤْمِنٍ بِغَيْرِ حَقٍّ»

”دنیا کا خاتمہ کسی مومن کے ناجائز قتل سے اللہ تعالیٰ پر زیادہ ہلکا ہے۔“^③

① سنن ابن ماجہ: 2621، وصححه الألبانی، ② متفق علیہ، ③ سنن ابن ماجہ: 2619، وجامع الترمذی عن عبد اللہ بن عمرو: 1395، وصححه الألبانی.

ایک مومن کے قتل میں اگر ساری دنیا کے لوگ شریک ہوں تو اللہ تعالیٰ سب کو جہنم رسید کر دے

حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ دونوں کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَوْ أَنَّ أَهْلَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ اشْتَرَكُوا فِي دِمِّ مُؤْمِنٍ لَأَكْتَبْتُمْ اللَّهُ فِي النَّاسِ»

”اگر آسمان اور زمین والے (تمام کے تمام) ایک مومن کے خون میں شریک ہوں تو اللہ تعالیٰ ان سب کو جہنم میں ڈال دے۔“^①

روزِ قیامت سب سے پہلے خون کا حساب لیا جائے گا

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: «أَوَّلُ مَا يُقْضَى بَيْنَ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِي الدِّمَاءِ»

”قیامت کے دن لوگوں میں سب سے پہلے خونوں کا فیصلہ کیا جائے گا۔“^②

اس لیے ہر مسلمان پر فرض ہے کہ وہ اپنا دامن مسلمان کے خون سے محفوظ رکھے اور کسی کو ناجائز قتل نہ کرے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«مَنْ لَقِيَ اللَّهَ لَا يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا ، ثُمَّ يَتَنَذَّرُ بِدَمٍ حَرَامٍ ، دَخَلَ الْجَنَّةَ»

”جو شخص اللہ تعالیٰ سے اس حالت میں ملے گا کہ وہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناتا تھا اور اس نے حرمت والا خون نہیں بہایا تھا تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔“^③

برادران اسلام!

جب مومن کا خون اس قدر حرمت والا ہے کہ اس کی حرمت ہمبر مکہ کی حرمت کی طرح ہے، جب ایک مومن کو ناحق قتل کرنا دین اسلام میں جائز نہیں بلکہ یہ اتنا بڑا گناہ ہے کہ اس پر ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہنے کی وعید سنائی گئی ہے تو پھر یہ کیونکر جائز ہو سکتا ہے کہ بم دھماکوں کے ذریعے یا گھات لگا کر اندھا دھند فائرنگ کے ذریعے بے گناہ لوگوں کو قتل کر دیا جائے! معصوم جانوں کو ظلم و بربریت کا نشانہ بنایا جائے! قتل و غارت گری کے واقعات کے ذریعے مسلمانوں میں خوف و ہراس پھیلا یا جائے، یا مسلم معاشرے میں ظلم و زیادتی کا بازار گرم کر کے اس میں بد امنی پھیلانی جائے!

فساد پھیلانے والے کی سزا

حضرات محترم! جو شخص بھی معاشرے کے امن وامان کو خراب کرنے پر تھلا ہوا ہو، ڈاکہ زنی اور قتل و غارت گری

① جامع الترمذی: 1398، وصححه الالبانی، ② متفق علیہ، ③ سنن ابن ماجہ: 2618، وصححه الالبانی.

کے ذریعے بد امنی پھیلا رہا ہو شریعت میں اس کی سزا قتل ہے کیونکہ جو شخص اپنے مسلمان بھائیوں کے خون کا پیاسا ہو، لوٹ مار کرتا ہو، اس سے نہ لوگوں کی جانیں محفوظ ہوں اور نہ ان کے مال محفوظ ہوں تو ایسے شخص کو زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں۔ حاکم وقت یا اس کے نائب پر فرض ہے کہ وہ امن وامان کے قیام اور رعایا کی جانوں، عزتوں اور ان کے مالوں کے تحفظ کے لیے اس کی گردن اڑا دے۔ یہی سزا ہے زمین میں فساد پھا کرنے والے کی۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُقَتَّلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِنْ خِلَافٍ أَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ ذَلِكَ لَهُمْ جِزَاؤُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ٥٠﴾

”جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے اور زمین میں فساد پھا کرنے کی کوشش کرتے ہیں ان کی سزا یہی ہو سکتی ہے کہ انہیں اذیت دے کر قتل کیا جائے، یا سولی پر لٹکایا جائے، یا ان کے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ دیے جائیں، یا انہیں جلا وطن کر دیا جائے۔ ان کے لیے یہ ذلت دنیا میں ہے اور آخرت میں انہیں بہت بڑا عذاب ہوگا۔“^[۱]

برادران اسلام! بعض لوگ جو ہم دھماکے اور خودکش حملے کرتے ہیں وہ ان کارروائیوں کے جواز کے لیے ایک دلیل یہ دیتے ہیں کہ دیکھیں حکومت بھی تو دہشت گردی کو ختم کرنے کے نام پر بے گناہ لوگوں کو مار رہی ہے تو ہم اس کے جواب میں کیوں خاموش رہیں اور ہم ایسی کارروائیاں کیوں نہ کریں؟ ہم ان سے یہ پوچھتے ہیں کہ حکومت یا فوج کی اس طرح کی کارروائیوں کے جواب میں خودکش حملوں یا بم دھماکوں کے ذریعے عام لوگوں کو نشانہ بنانا کونسی عقلمندی ہے؟ اور بے گناہ لوگوں کو جان سے مار دینا کونسا انصاف ہے؟ اُن بیچاروں کو کس جرم کی پاداش میں مارا جاتا ہے جن کا حکومت یا فوج سے کوئی تعلق نہیں ہوتا؟ أفلا تعقلون؟

پھر آپ ذرا غور کریں کہ یہ لوگ جو اس طرح کی کارروائیاں کر کے بد امنی پھیلاتے اور فساد پھا کرتے ہیں کیا ان کی انہی کارروائیوں کی وجہ سے آج دشمنان اسلام امت مسلمہ کو ”دہشت گرد“ نہیں قرار دے رہے اور کیا وہ انہی کی وجہ سے اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ نہیں کر رہے؟ تو اسلام اور امت مسلمہ کی بدنامی کا سبب کون بن رہا ہے؟ اور وہ لوگ جو اپنی نسبت دین کی طرف کرتے ہیں اور جن کا تعلق منبر و محراب سے ہوتا ہے جب وہ ان کارروائیوں کا اعتراف کرتے ہیں تو کیا ان کی وجہ سے منبر و محراب کی بدنامی نہیں ہو رہی؟ کیا وہ اپنے ان اعمال کے ذریعے اعدائے اسلام اور ان کے پروردہ حکمرانوں کو مساجد، مدارس اور اسلامی مراکز کے خلاف زبان درازی کرنے اور ان کے خلاف

کارروائی کرنے کا موقعہ نہیں مہیا کر رہے؟

ہم ان لوگوں سے اپیل کرتے ہیں کہ بخدا ذرا سوچیں اور تمھاری وجہ سے امت مسلمہ جو نقصان اٹھا رہی ہے اس کا صحیح اندازہ کر کے اپنی ان کاروائیوں سے باز آ جائیں۔ اور اسلامی معاشرہ کو بد امنی، دہشت گردی اور قتل و غارت گری کی بجائے امن و سلامتی کا گہوارہ بنائیں اور مسلمانانِ عالم کو خوف و ہراس کی بجائے اطمینان سے زندگی بسر کرنے کا موقعہ دیں۔ اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو حق بات کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے اور ہم سب کو نئے نئے فتنوں سے محفوظ رکھے۔ آمین

دوسرا خطبہ

برادرانِ اسلام! آج امت مسلمہ مضطرب ہے اور حالات بے قابو ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ تو وہ کون سے اسباب ہیں کہ جنہیں اختیار کیا جائے تو اس امت میں امن وامان قائم ہو سکتا ہے؟ آئیے قرآن و حدیث سے ان اسباب کو ڈھونڈنے کی کوشش کرتے ہیں۔

امن وامان کیسے قائم ہوگا؟

پہلا سبب: 'امن' ایمان کے بغیر ممکن نہیں

جی ہاں، ایمان سب سے بڑا سبب ہے امن وامان کے حصول کے لیے، بلکہ ایمان کے بغیر حقیقی امن و سکون حاصل ہی نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فَمَنْ أَمِنَ وَأَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾^① ”پھر جو شخص ایمان لے آیا اور اصلاح کر لی تو ایسے لوگوں پر نہ خوف ہوگا اور نہ وہ شزدہ ہوں گے۔“^①

اگر تمام مسلمان سچے مومن بن جائیں، ایمان کے تقاضوں کو پورا کریں اور مومنوں کی حقیقی صفات جو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیان کی ہیں یا جنہیں رسول اکرم ﷺ نے اپنی احادیث میں بیان فرمایا ہے، کو اختیار کر لیں تو یقیناً انہیں امن وامان نصیب ہو سکتا ہے اور ان کے معاشرے میں بد امنی، انتشار اور لاقانونیت کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔ مومنوں کی صفات میں سے پانچ صفات ایسی ہیں کہ جس مومن میں وہ پانچوں موجود ہوں تو وہ سچا مومن ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَّتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُ اللَّهِ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ۝ الَّذِينَ يُعِينَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ۝ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا ۖ لَهُمْ دَرَجَاتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ۝﴾

”سچے مومن تو وہ ہیں کہ جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل کانپ اٹھتے ہیں۔ اور جب انھیں اللہ کی آیات سنائی جائیں تو ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے۔ اور وہ اپنے رب پر ہی بھروسہ کرتے ہیں۔ (اور) وہ نماز قائم کرتے ہیں اور ہم نے جو مال و دولت انھیں دے رکھا ہے اس میں سے وہ خرچ کرتے ہیں۔ یہی سچے مومن ہیں جن کے لیے ان کے رب کے ہاں درجات ہیں، بخشش ہے اور عزت کی روزی ہے۔“^①

لہذا ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ ان پانچوں صفات کو اختیار کرے تاکہ وہ سچے مومنوں کی صف میں شامل ہو سکے۔ اور جب مسلمان سچے مومنوں کی صفات اختیار کریں گے تو ان کا معاشرہ یقیناً طور پر امن و امان کا گہوارہ بن جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ان سے وعدہ ہے کہ

﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ صُوبِي لَهُمْ مَأْبٍ﴾

”جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے، ان کے لیے خوشحالی بھی ہے اور عمدہ ٹھکانا بھی۔“^②

’خوشحالی‘ بغیر امن و امان کے نہیں ہو سکتی۔ اور یہ مسلمانوں کو تبھی نصیب ہو سکتی ہے جب ان میں سچا ایمان ہوگا اور وہ عمل صالح کریں گے۔

ایمان اور امن لازم و ملزوم ہیں۔ سچا ایمان ہوگا تو امن بھی ہوگا، اگر ایمان میں کوئی خلل ہوگا تو امن بھی نہیں ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ جب کسی اسلامی مینے کا چاند نظر آتا تو رسول اکرم ﷺ یہ دعا فرماتے تھے:

«اللَّهُ أَكْبَرُ، اللَّهُمَّ أَهْلُهُ عَلَيْنَا بِالْأَمْنِ وَالْإِيمَانِ وَالسَّلَامَةِ وَالْإِسْلَامِ زَيْنًا وَزِينَتُكَ اللَّهُ»

”اللہ سب سے بڑا ہے۔ اے اللہ! تو ہمیں یہ چاند امن و ایمان اور سلامتی اور اسلام کے ساتھ دکھا۔ ہمارا اور (اے چاند!) تیرا رب اللہ ہی ہے۔“^③

اور حقیقی مومن تو ہوتا ہی وہ ہے جس سے لوگوں کے خون اور ان کے مال محفوظ ہوں۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: «الْمُؤْمِنُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَتَيْدِهِ، وَالْمُؤْمِنُ مَنْ أَمِنَهُ النَّاسُ عَلَى دِمَائِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ»

”مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور اس کے ہاتھ سے دیگر مسلمان سلامت رہیں۔ اور مومن وہ ہے جس سے لوگوں کے خون اور ان کے مال محفوظ ہوں۔“^④

لہذا اگر کسی مسلمان کی زبان اور اس کے ہاتھ سے اس کے مسلمان بھائی سلامت نہ ہوں، وہ اپنی زبان سے انھیں نشانہ بناتا ہو اور اپنے ہاتھوں سے انھیں تکلیف پہنچاتا ہو تو وہ سچا مسلمان نہیں۔ اسی طرح اگر کسی مومن سے لوگوں کے

① الانفال: 2-4، ② الرعد: 29، ③ السلسلة الصحيحة: 1816، ④ جامع الترمذی: 2627، وصححه الألبانی.

خون اور ان کے مال محفوظ نہ ہوں تو وہ یقیناً سچا مومن نہیں۔ اسے اپنے ایمان کا جائزہ لینا ہوگا۔

دوسرا سبب: اکیلے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا اور شرک سے مکمل طور پر بچنا۔

ایمان اور عمل صالح کی بنیاد اکیلے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا ہے۔ چنانچہ جب تمام مسلمان بحیثیت مجموعی اکیلے اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے، ان میں سچا ایمان ہوگا اور وہ نیک عمل کرنے والے ہونگے تو اللہ تعالیٰ کا ان سے وعدہ ہے کہ وہ انھیں ضرور بالضرور امن وامان نصیب فرمائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ وَ لِيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا ۚ يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا ۚ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ۝﴾

”اور تم میں سے جو مومن ہیں اور نیک عمل کرتے ہیں ان سے اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ وہ انھیں زمین میں ضرور بالضرور خلافت دے گا جیسے ان سے پہلے لوگوں کو عطا کی تھی۔ اور ان کے دین کو ضرور مضبوط کرے گا جسے اس نے ان کے لیے پسند کیا۔ اور ان کے خوف کو یقیناً امن میں تبدیل کر دے گا۔ وہ میری ہی عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گے۔ اور جو شخص اس کے بعد کفر کرے تو ایسے ہی لوگ فاسق ہیں۔“⁽¹⁾

یہ آیت کریمہ ان حالات میں نازل ہوئی کہ جب معاشی تنگ دستی تھی، مدینہ منورہ سے باہر خوف و ہراس کی کیفیت طاری تھی اور کوئی تجارتی قافلہ ڈاکوؤں سے محفوظ نہ تھا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا کرتے ہوئے مسلمانوں کو خلافت دی تو دین راسخ ہو گیا اور خوف و ہراس امن میں تبدیل ہو گیا۔ امن وامان کا عالم یہ تھا کہ رسول اکرم ﷺ کی پیشین گوئی کے عین مطابق جو آپ ﷺ نے عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کو کی تھی کہ «فَإِنْ طَالَتْ بِكَ حَيَاتُهُ لَنَرِيَنَّكَ الظَّالِمِينَ تَرْتَجِلُ مِنَ الْجَبَرَةِ حَتَّى تَطُوفَ بِالْكَعْبَةِ ۚ لَا تَخَافُ أَحَدًا إِلَّا اللَّهَ»

”اگر تمہاری زندگی لمبی ہوئی تو تم ضرور بالضرور دیکھو گے کہ ایک عورت اکیلی (الحیرۃ) سے سفر کر کے آئے گی یہاں تک کہ وہ خانہ کعبہ کا طواف کرے گی اور اسے سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کا خوف نہیں ہوگا۔“ (یعنی راستے پر امن ہو جائیں گے۔) اس کے عین مطابق عدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ ایک عورت (الحیرۃ) سے اکیلی سفر

کر کے آئی یہاں تک کہ اس نے خانہ کعبہ کا طواف کیا اور اسے سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کا ڈر اور خوف نہ تھا۔^(۱)
اس آیت کریمہ کے الفاظ ﴿يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا﴾ نہایت قابل غور ہیں۔ اور ان کا مطلب یہ ہے کہ امن وامان کا قیام تب تک نہیں جب تک مسلمان اکیلے اللہ تعالیٰ کی عبادت نہ کریں اور جب تک شرک سے پرہیز نہ کریں۔ اور اگر وہ شرک کا ارتکاب کریں گے تو ان سے امن وامان کی نعمت کو یقینی طور پر چھین لیا جائے گا۔ اور آج امت مسلمہ کا جو حال ہے وہ اسی چیز کا ثبوت پیش کر رہا ہے۔

بلکہ اللہ تعالیٰ نے ایک اور آیت میں واضح طور پر فرمایا ہے کہ جو مومن اپنے ایمان کے ساتھ شرک کی ملاوت نہیں کریں گے انھی مومنوں کو امن نصیب ہوگا۔

ارشاد باری ہے: ﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ أُولَٰئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ وَهُمْ مُنْتَصُونَ﴾^(۲)
”جو لوگ ایمان لائے، پھر اپنے ایمان کو ظلم (شرک) سے آلودہ نہیں کیا انھی کے لیے امن و سلامتی ہے اور یہی لوگ راہِ راست پر ہیں۔“^(۳)

تیسرا سبب: دعا کرنا

دعا ہر خیر کی چابی ہے۔ لہذا مسلمانوں کو دیگر ضروریات کی طرح امن وامان کے حصول کے لیے بھی اللہ تعالیٰ سے بار بار دعا کرنی چاہیے۔ ہر مسلمان کو اپنی سلامتی، اپنے اہل و عیال کی سلامتی اور عام مسلمانوں کی سلامتی کے لیے نہایت اخلاص کے ساتھ بارگاہِ الہی میں دست دعا پھیلاتا چاہیے۔ کیونکہ وہی سلامتی دینے والا ہے، اس کے سوا کوئی نہیں۔ رسول اکرم ﷺ ہر فرض نماز کے بعد یہ دعا فرمایا کرتے تھے:

«اللَّهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ»

”اے اللہ! تو سلامتی والا ہے اور تجھ ہی سے سلامتی ہے۔ تو بابرکت ہے اے بزرگی اور عزت والے۔“^(۴)

اسی طرح رسول اکرم ﷺ یہ دعا بھی صبح و شام کیا کرتے تھے:

«اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ . اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِي دِينِي وَدُنْيَايَ وَأَهْلِي وَمَالِي . اللَّهُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِي وَأَمِنْ رُوعَاتِي . اللَّهُمَّ احْفَظْنِي مِنْ بَيْنِ يَدَيْ وَمِنْ خَلْفِي وَعَنْ يَمِينِي وَعَنْ شِمَالِي . وَمِنْ فَوْقِي ، وَأَعُوذُ بِعَظَمَتِكَ أَنْ أُغْتَالَ مِنْ تَحْتِي»

① صحیح البخاری: 3595. ② الانعام: 82. ③ صحیح مسلم۔

”اے اللہ! میں تجھ سے دنیا و آخرت میں معافی اور عافیت کا سوال کرتا ہوں۔ اے اللہ! میں تجھ سے اپنے دین، اپنی دنیا، اپنے اہل و عیال اور مال و دولت میں معافی اور عافیت کا سوال کرتا ہوں۔ اے اللہ! میرے پیہوں پر پردہ ڈال دے اور مجھے ڈر اور خوف میں امن عطا کر۔ اے اللہ! تو میری حفاظت فرما میرے سامنے سے، میرے پیچھے سے، میری دائیں طرف سے، میری بائیں طرف سے اور میرے اوپر سے۔ اور میں تیری عظمت کی پناہ میں آتا ہوں اس بات سے کہ اچانک اپنے نیچے سے ہلاک کیا جاؤں۔“^(۱)

چوتھا سبب: اخوت و بھائی چارے کو فروغ دینا

رسول اللہ ﷺ نے مسلمان کو مسلمان کا بھائی قرار دیا ہے۔ لہذا اسے اپنے بھائی کا ہمدرد اور خیر خواہ ہونا چاہیے۔ اسے چاہیے کہ وہ اس کے خون کا محافظ ہو، اس کے مال اور اس کی عزت کا محافظ ہو۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: «الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ، لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يَخْذُلُهُ وَلَا يَحْقِرُهُ، التَّقْوَى مَهْنًا، وَنُشِيرٌ إِلَى صَدْرِهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، يَحْسَبُ امْرِئٌ مِنَ الشَّرِّ أَنْ يَحْقِرَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ، كُلُّ الْمُسْلِمٍ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ: دَمُهُ وَقَالُهُ وَعِزُّهُ»

”مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے۔ وہ نہ اس پر ظلم کرتا ہے، نہ اسے رسوا کرتا ہے اور نہ اسے حقیر سمجھتا ہے۔ اور آپ ﷺ نے اپنے سینے کی طرف تین بار اشارہ کر کے فرمایا کہ تقویٰ یہاں ہے۔ پھر فرمایا: آدمی کی برائی کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے۔ اور ہر مسلمان کا خون، مال اور اس کی عزت دوسرے مسلمان پر حرام ہے۔“^(۲)

مسلمان اپنے بھائی کے لیے ہر وہ چیز پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے اور ہر اس چیز کو اس کے لیے ناپسند کرے جسے اپنے لیے ناپسند کرتا ہے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: «لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ» ”تم میں سے کوئی شخص (کامل) ایمان والا نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ وہ اپنے بھائی کے لیے بھی وہی چیز پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔“^(۳)

پانچواں سبب: نیکی کا حکم دینا اور برائی سے منع کرنا

امر بالمعروف و نہی عن المنکر (نیکی کا حکم دینا اور برائی سے منع کرنا) دین اسلام کے فرائض میں سے ایک اہم فریضہ

^(۱) سنن ابی داؤد، و سنن ابن ماجہ، ^(۲) صحیح مسلم: 2564، ^(۳) صحیح البخاری: 13، و صحیح مسلم: 45.

ہے۔ اگر اسلامی معاشرے میں اس فریضہ کو مکمل ادا کیا جائے، مختلف وسائل و ذرائع کو استعمال کرتے ہوئے اچھے کاموں کی ترغیب دی جائے اور برے کاموں سے روکا جائے، اللہ کے حکم کے مطابق مسلمانوں میں سے ایک جماعت (اتھارٹی) یہ فریضہ سرانجام دے، اس کے علاوہ ہر شخص اپنے اپنے دائرہ کار میں اس ذمہ داری کو نبھائے تو کوئی وجہ نہیں کہ معاشرے میں برداشت، جھل اور امن و سلامتی کو فروغ نہ ملے۔

یہ فریضہ اگر ہم جہت ادا کیا جائے، مثلاً گھر میں والدین، مساجد و مدارس میں خطباء و واعظین، سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں ٹیچرز حضرات، مختلف محکموں میں افسران اعلیٰ اور ذمہ داران وغیرہ جب بیک وقت اس ذمہ داری کا احساس کریں، اچھے کاموں کی ترغیب کے ساتھ ساتھ اچھے کام کرنے والوں کی حوصلہ افزائی بھی کریں اور برے کاموں سے روکنے کے ساتھ ساتھ جرائم پیشہ لوگوں کی حوصلہ شکنی بھی کریں تو یقینی طور پر معاشرے میں انقلاب برپا ہو سکتا ہے اور امن وامان کے فروغ میں اچھی خاصی مدد مل سکتی ہے۔

چھٹا سبب: ایذا پہنچانے سے بچنا ﴿۱﴾

کسی مسلمان کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ اپنے کسی بھائی یا بہن کو ہلکی سی اذیت پہنچائے چہ جائیکہ وہ اسے قتل کرے یا اس پر ظلم و زیادتی کرے۔ اگر معاشرے کا ہر فرد یہ فیصلہ کر لے کہ اس نے ایذا رسانی سے بچنا ہے اور کسی شخص کو کوئی تکلیف نہیں پہنچانی تو اس سے معاشرہ یقیناً امن کا گہوارہ بن سکتا ہے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: «خَيْرُكُمْ مَنْ يُزْجِي خَيْرَهُ وَيُؤْمِنُ شَرَّهُ . وَشَرُّكُمْ مَنْ لَا يُزْجِي خَيْرَهُ وَلَا يُؤْمِنُ شَرَّهُ»

”تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جس سے خیر کی امید رکھی جائے اور اس کے شر سے لوگوں کو امن ہو۔ اور تم میں

سے بدترین شخص وہ ہے جس سے نہ تو خیر کی امید رکھی جائے اور نہ ہی اس کے شر سے لوگ محفوظ ہوں۔“ ﴿۲﴾

اسی طرح رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: «ارْضَمْنُوا لِي سِتًّا مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَضْمَنْ لَكُمْ الْجَنَّةَ : اَصْدَقُوا إِذَا حَدَّثْتُمْ ، وَأَوْفُوا إِذَا وَعَدْتُمْ ، وَأَدُّوا إِذَا أَوْثَمَنْتُمْ . وَاحْفَظُوا فُرُوجَكُمْ ، وَغَضُّوا أَنْصَارَكُمْ . وَكُفُّوا أَيْدِيَكُمْ»

”تم مجھے اپنی طرف سے چھ باتوں کی ضمانت دے دو میں تمہیں جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔ جب بات کرو تو

سچ بولو، وعدہ کرو تو اسے پورا کرو، تمہیں امانت سونپی جائے تو اسے ادا کرو، اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرو،

نظریں جھکائے رکھو اور اپنے ہاتھوں کو روک رکھو۔“ ﴿۳﴾

﴿۱﴾ جامع الترمذی: 2263، وصحیحہ الالبانی، ﴿۲﴾ احمد وابن حبان وحسنہ الارناؤط،

ساتواں سبب: حدود اللہ کو نافذ کرنا ﴿۵﴾

امن وامان کے قیام کے لیے پہلے چھ اسباب کا تعلق ہر مسلمان سے ہے جبکہ ساتواں سبب حکمرانوں کے ساتھ خاص ہے اور وہ ہے مجرموں پر اللہ تعالیٰ کی حدود (سزاؤں) کو نافذ کرنا۔ حدود اللہ کے نفاذ سے جہاں مجرم کو اس کے ظلم کی سزا ملتی ہے اور آئندہ کے لیے اسے اس جرم سے باز رکھنا مقصود ہوتا ہے وہاں اس سے ان لوگوں کو سخت تنبیہ ہو جاتی ہے جو ان جیسے جرائم کا ارادہ کر چکے ہوتے ہیں یا منصوبہ بندی کر رہے ہوتے ہیں۔ اور اس طرح لوگوں کو امن نصیب ہوتا ہے۔ ان کی جانوں، ان کے مالوں اور ان کی عزتوں کو تحفظ ملتا ہے۔

• اگر قاتل کو قصاصاً قتل کر دیا جائے تو یقیناً لوگ قتل کرنے کا ارادہ ترک کر دیں گے اور بے گناہ لوگوں کے خون ناجائز طور پر بہنے سے بچ جائیں گے۔

• اگر چور اور ڈاکو کے ہاتھ کاٹ دیے جائیں تو یقیناً لوگوں کے مال محفوظ ہو جائیں گے۔

• اگر زانی مرد اور زانیہ عورت کو لوگوں کے سامنے کوڑے مارے جائیں اور شادی شدہ زانی یا زانیہ کو رجم کیا جائے تو اس سے لوگوں کی عزتوں کو یقیناً تحفظ ملے گا۔

• اگر شراب نوشی یا کسی بھی نشہ آور چیز کے استعمال پر شرعی سزا نافذ کی جائے تو معاشرہ بہت سارے جرائم سے بچ سکتا ہے۔

اسی طرح باقی اسلامی سزائیں ہیں جو مجرموں کی حوصلہ شکنی کرتی ہیں اور دوسرے لوگوں کے لیے باعث عبرت بنتی ہیں اور معاشرے میں امن و سلامتی کی ضمانت دیتی ہیں۔ لہذا حکمرانوں کو اپنی اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونا چاہیے اور انھیں اپنی رعایا کے امن وامان کو یقینی بنانا چاہیے۔

آج کا خطبہ ہم اس دعا کے ساتھ ختم کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو امن وامان نصیب کرے اور ہر ایک کی حفاظت فرمائے۔ آمین۔



اہم عناصر خطبہ

- ① خودکشی کرنا بہت بڑا گناہ ہے
- ② کیا خودکشی کرنے والا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنمی ہے؟
- ③ خودکشی کرنے والے شخص کی نماز جنازہ
- ④ خودکشی آخر کیوں؟
- ⑤ پریشانیوں کا ازالہ کیسے ممکن ہے؟
- ⑥ خودکشی کے نتیجے میں بے گناہ لوگوں کا قتل!!!
- ⑦ اپنے آپ کو ہلاک کرنے کی کچھ اور صورتیں

پہلا خطبہ

محترم حضرات!

اس دنیا میں آزمائش ہر انسان پر آتی ہے، مسلمان پر بھی آتی ہے اور کافر پر بھی۔ اللہ کے فرمانبردار بندوں پر بھی اور نافرمان بندوں پر بھی۔ مردوں پر بھی اور عورتوں پر بھی۔ بڑوں پر بھی اور چھوٹوں پر بھی۔ اور آزمائش مختلف طریقوں سے آتی ہے۔ بعض آزمائشوں کا تعلق انسان کے جسم سے ہوتا ہے، اللہ نہ کرے کوئی ایسی بیماری آ جاتی ہے کہ زندگی بھر اس کا پیچھا نہیں چھوڑتی جس کی وجہ سے وہ بہت پریشان رہتا ہے۔ بعض آزمائشوں کا تعلق انسان کے اہل خانہ سے ہوتا ہے، بیوی بد اخلاق، بد زبان ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ بہت پریشان رہتا ہے۔ اور بعض اوقات اس کی پریشانی کی وجہ اس کی اولاد ہوتی ہے۔ اولاد اپنے والدین کی نافرمان ہوتی ہے یا اللہ تعالیٰ کی نافرمان ہوتی ہے، بے نماز ہوتی ہے، یا بڑے بڑے گناہوں میں مبتلا ہوتی ہے۔ جس کی بناء پر اس کے والدین نہایت پریشان رہتے ہیں۔ اور بعض آزمائشوں کا تعلق مالی حالات سے ہوتا ہے۔ روزگار یا ذریعہ تنخواہ ایسا نہیں ہوتا کہ جس کے ساتھ گھریلو اخراجات پورے ہو سکیں۔ وہ ہر وقت پریشان و سرگرداں رہتا ہے، خرچے ہیں کہ جان نہیں چھوڑتے، جتنا کماتا ہے اس سے پوری نہیں پڑتی۔ اسی طرح خاندانی معاملات بھی پریشان کئے رکھتے ہیں۔ الغرض یہ کہ کسی نہ کسی طرح سے، کوئی نہ کوئی آزمائش آئی ہی رہتی ہے۔

لیکن کامیاب ہے وہ انسان جو ان پریشانیوں اور آزمائشوں کو برداشت کر جاتا ہے اور مکمل طور پر صبر و تحمل کا مظاہرہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر راضی ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں مختلف آزمائشوں کا ذکر کرنے کے بعد ارشاد فرماتا ہے: ﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالشَّرَاطِ ۚ وَبَشِيرِ الضُّعْفِ ۚ إِنَّ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ۝ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝﴾

”اور آپ (اے محمد ﷺ!) صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دیجئے جنہیں جب کوئی مصیبت لاحق ہوتی ہے تو وہ کہتے ہیں: ہم یقیناً اللہ ہی کے ہیں اور ہمیں اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ ایسے ہی لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی نوازشیں اور رحمت ہوتی ہے۔ اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔“^(۱)

جو شخص آزمائشوں و پریشانیوں میں گھرا رہتا ہو اور اس کے ساتھ ساتھ اللہ کی تقدیر پر بھی راضی رہتا ہو، آزمائشوں کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے پر آمادہ نہ ہو بلکہ ہمیشہ اللہ کا شکر ادا کرتا رہے، صبر و تحمل کا مظاہرہ کرتا رہے، اپنی زبان پر کبھی حرف شکایت نہ لائے..... تو ایسا شخص یقینی طور پر کامیاب ہے اور اسی کے لیے خوشخبری ہے کہ دنیا میں ٹھیک ہے تم نے مصیبتیں جھیلیں، پریشانیاں برداشت کیں، اللہ کی تقدیر پر راضی رہا، خاتمہ ایمان پر ہو گیا تو اب مرنے کے بعد جو راحیں تمہیں ملیں گی، جو سکون نصیب ہوگا، جو اللہ کی رحمتیں ہوں گی ان کا اندازہ بھی نہیں کیا جاسکتا۔

مگر بعض لوگ پریشانیوں، مصیبتوں اور آزمائشوں میں زندگی سے مایوس ہو جاتے ہیں اور آخر کار اپنے لیے ایک مشکل فیصلہ کر لیتے ہیں۔ وہ یہ سوچتے ہیں کہ اب دنیا میں ان کے زندہ رہنے کا کوئی فائدہ نہیں، اس لیے وہ اپنے آپ کو مار ڈالتے ہیں اور خود اپنے ہی ہاتھوں اپنی زندگی کا خاتمہ کر دیتے ہیں! یہ فیصلہ ان کے لیے تباہی و بربادی کا سبب بن جاتا ہے۔ دنیا میں تو وہ اپنی زندگی کا خاتمہ کر ہی لیتے ہیں لیکن آخرت میں اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے جو عذاب تیار کیا ہے اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

یہ ان آزمائشوں اور مصیبتوں کا خوفناک پہلو ہے جس کو ”خودکشی“ کہتے ہیں۔

خودکشی کرنا بہت بڑا گناہ ہے

اللہ تعالیٰ نے خودکشی کو حرام قرار دیا ہے۔ اس کا فرمان ہے: ﴿وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ۝ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَٰلِكَ عُدُوًّا وَغُلَبًا فَسَوْفَ نُصْلِيهِ نَارًا ۚ وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ۝﴾

”اور تم اپنے آپ کو قتل نہ کرو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ تم پر بہت مہربان ہے۔ اور جو شخص ازراہ ظلم و زیادتی ایسا کرے

گاتا تو اسے ہم جہنم میں جھونک دیں گے اور یہ کام اللہ تعالیٰ کے لیے بہت آسان ہے۔“^(۱)
یعنی یہ اللہ تعالیٰ کے لیے مشکل نہیں کہ جو شخص اس کی طرف سے آئی ہوئی آزمائشوں کو برداشت نہ کرے، مصیبتوں پر صبر نہ کرے اور پھر اپنی زندگی سے مایوس ہو کر اپنے آپ کو مار ڈالے تو وہ اسے جہنم میں ڈال دے۔ یہ اس کے لیے نہایت آسان کام ہے۔ جو آدمی اس طرح کا قدم اٹھاتا ہے وہ گویا اللہ کی رحمت سے مایوس ہو چکا ہوتا ہے اور اس کی رحمت سے مایوس کون ہوتا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿إِنَّ يَأْتِيَنَّكَ مِنْ رَوْحِ اللَّهِ إِلَاقُومُ الْكَفُورُونَ﴾^(۲)
”اللہ کی رحمت سے مایوس تو کافر ہی ہوتے ہیں۔“^(۳)

دوسری آیت میں فرمایا: ﴿وَمَنْ يَفْقَهُ مِنْ ذِكْرِهِ إِلَّا الضَّالُّونَ﴾^(۴)
”اور اپنے رب کی رحمت سے تو صرف گمراہ لوگ ہی مایوس ہوتے ہیں۔“^(۵)
ان دونوں آیتوں سے معلوم ہوا کہ رحمت باری تعالیٰ سے مایوس وہی ہو سکتا ہے جو کافر اور گمراہ ہو۔ مسلمان کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ وہ اس کی رحمت سے مایوس ہو۔ لہذا جو شخص مایوس ہو کر اپنے ہی ہاتھوں اپنی زندگی کا خاتمہ کر دے تو اسی کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ اسے جہنم میں جھونک دے گا۔ والعیاذ باللہ اور رسول اکرم ﷺ نے یہ اصول مقرر کر دیا ہے کہ
«لَا ضَرَرَ وَلَا فَضْرَ» ”نہ اپنے آپ کو نقصان پہنچے اور نہ کسی اور کو۔“^(۶)
لہذا ایسے جتنے بھی کام ہیں کہ جن سے انسان کو نقصان پہنچ سکتا ہو یا جو اس کی بربادی کا سبب بن سکتے ہوں وہ سب حرام ہیں۔

شریعت اسلامیہ میں خودکشی کرنا کتنا بڑا جرم ہے اس کا اندازہ آپ اس حدیث سے کر سکتے ہیں:
حضرت جندب بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:
”تم سے پہلی امت میں ایک شخص تھا جسے ایک زخم لگا تو وہ اسے برداشت نہ کر سکا، چنانچہ اس نے چھری اٹھائی اور اپنا ہاتھ کاٹ ڈالا۔ اس سے اس کا خون بہنے لگا حتیٰ کہ وہ مر گیا۔
اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں فرمایا:

«بِأَذْنِ غِنْدَبِ بْنِ غِنْدَبٍ، حَرَّمْتُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ»

”میرے بندے نے اپنی جان کے بارے میں جلد بازی کی (تکلیف کو برداشت نہ کیا اور خود ہی اپنے آپ کو مار ڈالا) اس پر میں نے جنت کو حرام کر دیا ہے۔“

① النساء: 29-30، ② یوسف: 87، ③ الحجر: 56، ④ سنن ابن ماجہ: 2340، و صحیحہ الألبانی، ⑤ صحیح البخاری: 1364، 3463.

ایک اور حدیث میں خودکشی کو اتنا بڑا گناہ قرار دیا گیا ہے کہ ایک شخص اللہ کی راہ میں جہاد کر رہا تھا، کافروں کے خلاف سینہ تان کر لڑ رہا تھا، دشمنوں کی گردنیں تہ تیغ کر رہا تھا، اسی دوران زخموں کی تاب نہ لا کر اس نے اپنے آپ کو مار ڈالا تو اس کے بارے میں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ وہ جہنم میں چلا گیا ہے!

حضرت سہل بن سعد الساعدي رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور مشرکین کا (کسی جنگ میں) آمنہ سامنا ہوا اور دونوں فوجوں میں شدید لڑائی ہوئی۔ پھر رسول اللہ ﷺ اپنی قیامگاہ کی طرف لوٹ آئے اور دوسرے لوگ اپنے ٹھکانوں کی طرف چلے گئے۔ آپ ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہم میں ایک شخص ایسا تھا کہ اس کے سامنے مشرکین میں سے جو بھی آتا وہ اس پر حملہ آور ہوتا اور اپنی تلوار سے اس کا کام تمام کر دیتا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کی بہادری دیکھی تو اس کے متعلق کہا: جس طرح آج اس شخص نے شجاعت و بہادری کے کارنامے دکھائے ہیں اس طرح ہم میں سے کسی نے بھی نہیں دکھائے!

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «أَمَّا إِنَّهُ مِنْ أَهْلِ النَّارِ» ”خبردار! وہ جہنمی ہے۔“

تو لوگوں میں سے ایک شخص کہنے لگا: آج میں اس کے ساتھ ہی رہوں گا (تاکہ دیکھ سکوں کہ یہ جہنمی کیوں ہے) یہ کہہ کر وہ اس کے ساتھ نکل گیا۔ وہ جہاں رکتا یہ بھی رک جاتا۔ اور وہ جہاں تیز چلتا یہ بھی تیز چلنے لگتا۔ آخر کار وہ شخص شدید زخمی ہو گیا۔ چنانچہ وہ صبر نہ کر سکا اور اس نے اپنی موت کے لیے جلد بازی کرتے ہوئے تلوار کا قبضہ زمین پر ٹکایا اور تلوار کی نوک اپنے دونوں پستانوں کے درمیان رکھ کر اپنے بدن کا پورا بوجھ اس پر ڈال دیا اور یوں اس نے اپنے آپ کو ہلاک کر دیا۔ اس کا یہ انجام دیکھتے ہی تعاقب کرنے والے اصحاب رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا: «أَشْهَدُ أَنَّكَ رَسُولُ اللَّهِ» میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ یقیناً اللہ کے رسول ہیں۔

آپ ﷺ نے پوچھا: بات کیا ہے؟ اس نے کہا: آپ نے جب یہ فرمایا تھا کہ فلاں آدمی جہنمی ہے تو لوگوں پر یہ بات بڑی گراں گزری تھی۔ اس پر میں نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ آج میں اس کا تعاقب کروں گا اور تمہیں بتاؤں گا کہ اس کا انجام کیا ہوتا ہے۔ چنانچہ میں اس کے پیچھے نکل گیا یہاں تک کہ جب وہ شدید زخمی ہوا تو اس نے موت کے لیے جلد بازی کی۔ تلوار کا قبضہ زمین پر ٹکایا اور اس کی نوک اپنے سینے پر رکھ کر اپنے جسم کا پورا وزن اس پر ڈال دیا۔ اور یوں وہ خودکشی کر کے ہلاک ہو گیا۔ تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ الرَّجُلَ لَيُغْمَلُ عَمَلُ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَيَمَّا يَبْدُو لِلنَّاسِ وَهُوَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ، وَإِنَّ الرَّجُلَ

لَيُغْمَلُ عَمَلُ أَهْلِ النَّارِ فَيَمَّا يَبْدُو لِلنَّاسِ وَهُوَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ»

”بے شک ایک آدمی بظاہر اہل جنت والا عمل کرتا ہے حالانکہ وہ اہل جہنم میں سے ہوتا ہے۔ اور ایک آدمی

بظاہر اہل جہنم والا عمل کرتا ہے اور درحقیقت وہ اہل جنت میں سے ہوتا ہے۔^(۱)

یہ شخص جو اللہ کی راہ میں لڑ رہا تھا، بہادری اور شجاعت کے کارنامے دکھا رہا تھا، کافروں کی گردنیں کاٹ رہا تھا، اس کا خاتمہ جہنم والے عمل پر ہوا، اس لیے آپ ﷺ نے اسے جہنمی قرار دیا۔

جو لوگ دنیاوی مصیبتوں اور آزمائشوں سے تنگ آجاتے ہیں ان کی سوچ یہ ہوتی ہے کہ بس اپنے آپ کو مار دو، ہر قسم کی پریشانیوں سے نجات مل جائے گی! یہ سوچ نہایت خطرناک ہے، کیوں؟ اس لیے کہ انھیں یہ نہیں معلوم کہ یہ قدم اٹھانے کے بعد وہ کتنی بڑی مصیبت میں گرفتار ہو جائیں گے؟ اللہ تعالیٰ انھیں کتنے بڑے عذاب میں مبتلا کر دے گا؟ قبر میں کیا ہوگا اور قیامت کے روز ان سے کیا سلوک کیا جائے گا؟

رسول اکرم ﷺ کی ایک اور حدیث ملاحظہ کیجئے:

آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«مَنْ تَرَدَّى مِنْ جَبَلٍ فَقَتَلَ نَفْسَهُ فَهُوَ فِي نَارِ جَهَنَّمَ يَتَرَدَّى فِيهِ خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيهَا أَبَدًا»
 ”جو شخص کسی پہاڑ سے خود گر کر اپنے آپ کو مار ڈالے تو وہ جہنم کی آگ میں ہے اور برابر اپنے آپ کو اس میں نیچے کو گرا رہا ہے۔ وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔“

«وَمَنْ نَحَشَى سُمًّا فَقَتَلَ نَفْسَهُ فَسُمُّهُ فِي يَدِهِ يَنْخَسَاهُ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيهَا أَبَدًا»
 ”اور جو آدمی زہر پی کر اپنے آپ کو مار ڈالے (جیسا کہ آج کل ایسے واقعات بہت زیادہ رونما ہو رہے ہیں) تو وہ اپنی زہر اپنے ہاتھ میں لیے جہنم میں چلا جاتا ہے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس میں رہے گا۔“
 «وَمَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِخَبِيذَةٍ فَخَبِيذَتُهُ فِي يَدِهِ يَجَأُ بِهَا فِي بَطْنِهِ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيهَا أَبَدًا»

”اور جو بندہ اپنے آپ کو لوہے کی کسی چیز کے ساتھ مار ڈالے تو وہ جہنم کی آگ میں اسی چیز کو ہاتھ میں لیے اسے اپنے پیٹ میں چھوتا رہے گا اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس میں رہے گا۔“^(۲)

وہ شخص جو خودکشی کرنا چاہتا ہو اسے اس سے پہلے ہزار بار سوچنا چاہیے کہ کیا وہ اس طرح کا اقدام کر کے واقعتاً مشکلات سے نجات پا جائے گا؟ یا دنیاوی مشکلات سے کہیں بڑے عذاب میں مبتلا ہو جائے گا؟ اور جو لوگ اپنا گلا گھونٹ کر مر جاتے ہیں یا خود کو گولی مار کر خودکشی کر لیتے ہیں ان کا یہ جرم کس قدر سنگین ہے! اس کا اندازہ نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد سے کیا جاسکتا ہے:

① صحیح البخاری: 2898، صحیح مسلم: 112، ② صحیح البخاری: 5778.

((الَّذِي يَخْبِقُ نَفْسَهُ يَخْبِقُهَا فِي النَّارِ ، وَالَّذِي يَطْعَنُهَا يَطْعَنُهَا فِي النَّارِ))

”جو شخص اپنا گلا گھونٹتا ہے وہ جہنم کی آگ میں بھی اسے گھونٹے گا۔ اور جو آدمی اپنے آپ کو (کسی چیز کے ساتھ) نشانہ بناتا ہے وہ جہنم کی آگ میں بھی اسے (اسی چیز کے ساتھ) نشانہ بنائے گا۔“^(۱)

وہ جہنم میں اپنا گلا بار بار گھونٹے گا، اپنے آپ کو اسی اسلحے یا آلے کے ساتھ بار بار نشانہ بنائے گا جس کے ساتھ اس نے دنیا میں اپنے آپ کو نشانہ بنا کر مار ڈالا تھا، لیکن وہاں موت نہیں آئے گی۔ دنیا میں تو اس نے اپنی زندگی کا خاتمہ کر لیا تھا لیکن جہنم میں وہ اس طرح نہیں کر سکے گا۔ موت اسے چاروں طرف سے گھیرے گی ضرور، لیکن آئے گی نہیں! ایک اور حدیث میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

((مَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِشَيْءٍ فِي الدُّنْيَا عُذِّبَ بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ))

”جو آدمی دنیا میں اپنے آپ کو کسی چیز کے ساتھ مار دے تو اسے قیامت کے روز اسی چیز کے ساتھ عذاب دیا جائے گا۔“^(۲)

عزیزان گرامی! ان تمام احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ خودکشی چاہے کسی بھی طرح سے کی جائے حرام ہے۔ اور اپنے آپ کو مارنا بہت بڑا گناہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اور رسول اکرم ﷺ نے احادیث مبارکہ میں اس کی حرمت کو بالکل واضح فرما دیا ہے۔ لہذا کسی بھی انسان کو اس طرح کے اقدام کے بارے میں سوچنا بھی نہیں چاہیے چہ جائیکہ وہ عملی طور پر اس کے لیے منصوبہ بندی کرے اور مناسب موقع کی تلاش میں رہے!

کیا خودکشی کرنے والا شخص ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنمی ہے؟

جو شخص خودکشی کا مرتکب ہو کیا وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہے گا خواہ وہ موحد مسلمان کیوں نہ ہو؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ جو احادیث ذکر کی گئی ہیں ان سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ خودکشی کرنے والے آدمی پر اللہ تعالیٰ نے جنت کو حرام کر دیا ہے اور وہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہے گا۔ تاہم ان احادیث کے بالمقابل کچھ احادیث ایسی بھی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ موحد مومن (اکیلے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والا اور اس کے ساتھ کسی کو شریک بنانے سے اجتناب کرنے والا) جو کبیرہ گناہوں کا مرتکب ہو اور بغیر توبہ کرنے کے مر جائے تو قیامت کے روز وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تابع ہوگا۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہے گا تو اسے توحید کی بدولت معاف فرما دے گا اور جنت میں بھیج دے گا۔ اور اگر وہ چاہے گا تو اسے جہنم میں اس کے کبیرہ گناہوں کی سزا دے کر (نہر الحیاء) زندگی والی نہر میں پھینک دے گا جس میں اس کا جسم نئے سرے سے اُگے گا اور پھر اسے جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔ اس طرح کی احادیث

(۱) صحیح البخاری: 1365، (۲) متفق علیہ۔

کے پیش نظر یہ کہا جاسکتا ہے کہ خودکشی کا مرتکب اگر موصد ہو گا تو وہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں نہیں رہے گا بلکہ اسے اللہ تعالیٰ (اگر چاہے گا تو) اس کے جرم کی سزا دے کر جنت میں داخل کر دے گا۔ خودکشی کے متعلق احادیث مبارکہ میں جو سخت الفاظ وارد ہوئے ہیں ان سے مقصود اس جرم کی سنگینی کو بیان کرنا اور اقدام خودکشی کی شدید حوصلہ شکنی کرنا ہے۔ واللہ اعلم

خودکشی کرنے والے شخص کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی یا نہیں؟

خودکشی کرنے والے انسان کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی یا اس کے بغیر ہی اسے دفن کر دیا جائے گا؟ یہ مسئلہ بڑا اہم ہے اور اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی نماز جنازہ تو پڑھنی چاہیے لیکن جس جگہ پر کسی شخص نے خودکشی کا ارتکاب کیا ہو وہاں کے اہل علم و فضل اور اس علاقے کے معتبر لوگوں کو اس میں شریک نہیں ہونا چاہیے۔ صرف عام لوگوں کو ہی اس کی نماز جنازہ میں شرکت کرنی چاہیے۔ تاکہ اس کے سنگین جرم کی حوصلہ شکنی ہو اور لوگوں کو یہ پتہ چل جائے کہ خودکشی کرنا بہت بڑا گناہ ہے جس کی وجہ سے خودکشی کرنے والے شخص کی نماز جنازہ میں علاقے کے اہل علم و فضل نے شرکت نہیں کی۔

اس کی دلیل حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث ہے جس میں وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کے پاس ایک میت کو لایا گیا جس نے اپنے ہی تیروں کے ساتھ اپنے آپ کو مار ڈالا تھا۔ تو رسول اکرم ﷺ نے اس کی نماز جنازہ نہ پڑھائی۔^①

نبی کریم ﷺ نے خود تو اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھائی تاہم اس کی نماز جنازہ سے کسی کو روکا بھی نہیں۔ یہ اس بات کی دلیل ہے جو ابھی ہم نے ذکر کی ہے۔

خودکشی آخر کیوں؟

جو دلائل ہم نے ذکر کئے ہیں ان سے ثابت ہوتا ہے کہ خودکشی کرنا حرام اور بہت بڑا گناہ ہے۔ لہذا دنیاوی مصیبتوں اور آزمائشوں سے دل برداشتہ نہیں ہونا چاہیے، بلکہ ان پر صبر و تحمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے انھیں جھیلنا چاہیے اور انھیں اپنے گناہوں کا کفارہ سمجھنا چاہیے۔

انسان جن پریشانیوں میں مبتلا ہوتا ہے ان میں سے بعض کا تعلق ماضی کے ساتھ ہوتا ہے، بعض کا تعلق حال کے ساتھ اور بعض کا تعلق مستقبل کی فکر سے ہوتا ہے۔

اگر ان کا تعلق ماضی کے ساتھ ہو، مثلاً گزرے ہوئے زمانے میں کسی نے اس پر ظلم کیا ہو، یا کسی بڑی مصیبت

سے دو چار ہوا ہو اور وہ اس کے غم میں اس قدر نڈھال ہو جائے کہ اپنی زندگی سے ہی مایوس ہو جائے، ماضی کی مشکلات اور آزمائشوں کے بارے میں سوچ سوچ کر وہ ہر وقت غمزدہ رہتا ہو اور آخر کار وہ یہ فیصلہ کر لے کہ اب اس کے زندہ رہنے کا کوئی فائدہ نہیں تو یہ عقلمندی نہیں ہے۔ ماضی میں جو کچھ ہوا، آپ جن پریشانیوں سے دوچار ہوئے، جو بھی ہوا اسے بھول جائیے اور پرانی باتوں کو اپنے ذہن میں مت جگہ دیجئے۔

جہاں تک حال کا تعلق ہے تو اگر کوئی انسان کسی آزمائش یا تکلیف میں مبتلا ہو تو اسے اس کو برداشت کرنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ سے اس کے ازالے کی دعا بار بار کرنی چاہیے کیونکہ اللہ کے سوا کوئی نہیں جو اس کی پریشانیوں کو ختم کر سکے۔ اللہ کے سوا کوئی نہیں جو اس پر آئی ہوئی مشکلات کو نال سکے۔ اللہ ہی ہے جو مجبور و لاچار کی فریاد رسی کرتا ہے اور اسے آزمائشوں سے نجات دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿اَمَّا نُنَبِّئُكَ بِالْمُظْطَرِّ اِذَا دَعَاوُكَ يَكْشِفُ السُّوْءَ وَيَجْعَلُكَ خُفَاءَ الْاَرْضِ - اِنَّ اِلٰهَ فَتْحِ الْاَلْبَابِ﴾^(۱) ”بھلا کون ہے جو لاچار کی فریاد رسی کرتا ہے جب وہ اسے پکارتا ہے اور اس کی تکلیف کو دور کر دیتا ہے؟ اور کون تمہیں زمین کا جانشین بناتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟“^(۱)

اور جہاں تک مستقبل کا تعلق ہے تو آنے والی زندگی کے بارے میں انسان خواہ مخواہ پریشان ہو جاتا ہے اور سوچوں میں ڈوب جاتا ہے کہ پتہ نہیں کل کیا ہوگا! میرے بچے کن حالات کا سامنا کریں گے! میرے کاروبار کا کیا ہوگا! وغیرہ اور حقیقت یہ ہے کہ آنے والے زمانے کے ایک لمحہ کا بھی انسان کو پتہ نہیں کہ اس میں کیا ہوگا، اس لیے اسے اللہ تعالیٰ پر مکمل بھروسہ کرنا چاہیے اور اس پر حسن ظن رکھتے ہوئے اسے اس سے خیر کی امید رکھنی چاہیے۔ کیونکہ تمام امور اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں اور وہی مدبر اور مسبب الاسباب ہے۔ موجودہ پریشانیوں کی بناء پر مستقبل کے بارے میں بدشگونی لینے کی بجائے اللہ تعالیٰ سے موجودہ پریشانیوں کے ازالے کا سوال کرے اور مستقبل میں خیر و بھلائی کی دعا بھی کرے اور امید بھی رکھے۔ یوں وہ پریشانیوں سے نجات حاصل کر سکتا ہے اور یقینی طور پر اس کا یہ طرز عمل اسے اقدام خودکشی سے باز رکھنے میں بہت حد تک معاون و مددگار ثابت ہو سکتا ہے۔

پریشانیوں کا ازالہ کیسے ممکن ہے؟

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ خودکشی تو ٹھہری حرام، لیکن پریشانیوں اور آزمائشوں کا علاج کیا ہے؟ اور ان کا ازالہ کیسے ہو سکتا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ

(۱) جو شخص آزمائشوں اور مصیبتوں میں گھرا ہوا ہو اسے اللہ رب العزت کی تقدیر پر رضامندی کا اظہار کرنا چاہیے جو کہ

ایمان کے ارکان میں سے ایک رکن ہے اور اس کے بغیر ایمان مکمل نہیں ہو سکتا۔ جب تک آپ اچھی اور بری تقدیر پر سچا ایمان نہیں لائیں گے اس وقت تک آپ سچے مومن نہیں بن سکتے۔ لہذا آپ تقدیر باری تعالیٰ پر رضا مندی ظاہر کرتے ہوئے یہی کہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو میری قسمت میرے لکھا تھا وہی ہوتا تھا، سودہ ہو گیا جو اس نے مقدر کیا تھا، اب میں اس پر راضی ہوں اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کی توحید پر سچا ایمان ہو۔ آپ کا ایمان توحید باری تعالیٰ پر جس قدر پختہ ہوگا اسی قدر آپ میں آزمائشوں اور مصیبتوں کو برداشت کرنے کی ہمت اور اس کا حوصلہ زیادہ ہوگا۔ اور جس قدر یہ ایمان کمزور ہوگا اسی قدر آپ پست حوصلہ ہونگے اور مصائب و مشکلات کو برداشت کرنے کی ہمت کم ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ جب ہم خودکشی کرنے والوں کے متعلق عالمی اداروں کے اعداد و شمار دیکھتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت دنیا میں ہر چالیس سیکنڈ کے بعد خودکشی کا واقعہ رونما ہو رہا ہے! اور سال بھر میں تقریباً دس لاکھ لوگ خودکشی کر کے مر جاتے ہیں! یہ اعداد و شمار نہایت خطرناک ہیں۔ کیونکہ اتنے لوگ تو سالہا سال کی جنگ میں بھی نہیں مرتے۔ اور حیران کن بات یہ ہے کہ اتنے زیادہ لوگوں میں اکثر و بیشتر وہ ہیں جو غیر مسلم ہیں اور کافر ملکوں میں رہائش پذیر ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کا اللہ تعالیٰ پر ایمان جس قدر مضبوط ہو وہ اتنا ہی مصیبتوں اور آزمائشوں کو برداشت کر جاتا ہے۔

۳۔ ایک سچا مسلمان جب کسی آزمائش سے دو چار ہوتا یا کسی پریشانی میں مبتلا ہوتا ہے تو وہ اسے اپنے گناہوں کا کفارہ سمجھتا ہے کیونکہ اسے پتہ ہے کہ میرے اوپر آنے والی ہر مصیبت میرے گناہوں کا ہی نتیجہ ہے۔ جب اس کے سوچنے کا انداز یہ ہوتا ہے تو وہ ہر مصیبت کو برداشت کر جاتا ہے۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((مَا يُصِيبُ الْمُسْلِمَ مِنْ نَصَبٍ وَلَا وَصَبٍ ، وَلَا هَمٍّ وَلَا حُزْنٍ ، وَلَا أَذًى وَلَا غَمٍّ ، حَتَّى الشَّوْكَهُ الَّتِي يُشَاكُّهَا ، إِلَّا كَفَّرَ اللَّهُ بِهَا مِنْ خَطَايَاهُ))

”مسلمان کو جب تھکاوٹ یا بیماری لاحق ہوتی ہے، یا وہ حزن و ملال اور تکلیف سے دو چار ہوتا ہے حتیٰ کہ اگر ایک کانٹا بھی چبھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلے اس کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔“^①

۴۔ پریشانیوں سے نجات حاصل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کے سامنے دست دعا پھیلائیں۔ خاص طور پر ان دعاؤں کا اہتمام کیا کریں:

①۔ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کو آپ ﷺ نے پریشانی کے وقت یہ دعا پڑھنے کی تلقین کی: ((اللَّهُ رَبِّي لَا أُشْرِكُ

① متفق علیہ۔

یہ سُنِیَا» ”اللہ ہی میرا رب ہے، میں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بناتا۔“^(۱)

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پریشانی کے وقت یہ دعا پڑھتے تھے:

((لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ الْعَظِيمُ الْخَلِيمُ . لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ . لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَرَبُّ الْأَرْضِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ))

”اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، وہ عظمت والا اور بردبار ہے، اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، وہ عرش عظیم کا رب ہے، اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، وہ آسمانوں کا رب اور زمین کا رب اور عرش عظیم کا رب ہے۔“^(۲)

(۳) حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ نے پریشانی کے وقت یہ دعا پڑھنے کی تلقین کی:

((لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ الْخَلِيمُ الْكَرِيمُ . مُبِحَاتُ اللَّهِ وَتَبَارَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ . وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ))

”اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، وہ بردبار اور کریم ہے۔ اللہ پاک ہے اور بابرکت ہے وہ اللہ جو عرش عظیم کا رب ہے۔ اور تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔“^(۳)

(۴) حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”پریشان حال کو یہ دعا پڑھنی چاہیے:

((اَللّٰهُمَّ رَحْمَتَكَ اَرْجُوْ فَلَا تَكْلِفْنِيْ اِلٰی نَفْسِيْ طَرْفَةَ عَيْنٍ . وَاصْلِحْ لِيْ شَأْنِيْ كُلَّهُ))

”اے اللہ! میں تیری رحمت کا امیدوار ہوں۔ لہذا تو مجھے ہل بھر کے لیے بھی میرے نفس کے حوالے نہ کر اور میرا ہر کام میرے لیے ٹھیک کر دے۔“^(۴)

(۵) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پریشانی کے وقت یہ دعا پڑھتے تھے:

((يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِيْثُ))

”اے زندہ، اے قیوم! میں تیری رحمت کے ساتھ مدد کا طلبگار ہوں۔“^(۵)

(۶) دعائے یونس علیہ السلام: ﴿ اِنَّكَ اِلٰهٌ اِلَّا اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴾

”تیرے سوا کوئی معبود برحق نہیں، تو پاک ہے۔ بے شک میں ہی ظلم کرنے والوں میں سے تھا۔“^(۶)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّهُ لَمْ يَدْخُجْ مَا مُسْلِمٌ فِیْ شَيْءٍ قَطُّ اِلَّا اِجْتَابَ اللّٰهُ لَهُ))

① سنن ابی داود: 1525. ② متفق علیہ. ③ مسند احمد. ④ سنن ابی داود: 5090. ⑤ جامع الترمذی: 3524.

⑥ یونس: 87:21.

”جو مسلمان ان کلمات کے ساتھ کوئی بھی دعا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے یقیناً قبول کرتا ہے۔“^①

⑤ ابتلاء اور آزمائش ہر انسان کا مقدر ہے۔ اللہ رب العزت متعدد قسمیں کھا کر فرماتے ہیں کہ ﴿لَا أُقْسِمُ بِهَذَا

الْبَلَدِ ۚ وَأَنْتَ حَلٌّ بِهَذَا الْبَلَدِ ۚ وَالْوَإِلَهُ مَا وَلَدَكَ ۚ لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي كَبَدٍ ۝﴾

”میں اس شہر (مکہ) کی قسم کھاتا ہوں۔ اور آپ اس شہر میں مقیم ہیں۔ اور والد (آدم) اور اس کی اولاد کی قسم

! ہم نے انسان کو سختی جھیلنے رہنے والا پیدا کیا ہے۔“

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ إِنَّكَ كَادِحٌ إِلَىٰ رَبِّكَ كَدًّا فَلْيَقْبِذْهُ ۝﴾

”اے انسان! تو تکلیف برداشت کر کے کشاں کشاں اپنے رب کی طرف جا رہا ہے۔“^②

ان دونوں آیتوں کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کر کے اس کے مقدر میں لکھ دیا ہے کہ وہ مشکلات و مصائب سے دو چار ہوگا، ساری زندگی وہ اپنے مسائل کو حل کرنے میں لگا رہے گا، آخر کار اس پر موت آجائے گی اور اگر اس کا خاتمہ ایمان و عمل وصال پر ہوگا تو وہ دنیا کی آزمائشوں سے نجات پا جائے گا۔ گویا دنیا تو مصائب کا گھر ہے۔ لہذا مشکلات میں پھنسے ہوئے انسان کو ان پر صبر و تحمل کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

((إِنَّ عِظَمَ الْجَزَاءِ مَعَ عِظَمِ الْبَلَاءِ ، وَإِنَّ اللَّهَ إِذَا أَحَبَّ قَوْمًا ابْتَلَاهُمْ . فَمَنْ رَضِيَ فَلَهُ

الرِّضَا وَمَنْ سَخَطَ فَلَهُ السَّخَطُ))

”بڑا بدلہ بڑی آزمائش پر ملتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جب کسی قوم سے محبت کرتا ہے تو اسے آزمائشوں سے دو چار کر دیتا

ہے۔ لہذا جو راضی ہو جائے اس کے لیے اللہ کی رضا ہے اور جو ناراض ہو اس کے لیے اللہ کی ناراضگی ہے۔“^③

اللہ تعالیٰ ہم سب کو تمام آزمائشوں سے محفوظ رکھے۔

دوسرا خطبہ

خودکشی کے نتیجے میں بے گناہ لوگوں کا قتل !!!

برادران اسلام! ایک خودکشی وہ ہے جس کا ابھی تذکرہ ہوا ہے اور دوسری وہ ہے جس کے نتیجے میں نہ صرف خودکشی کرنے والا ہلاک ہوتا ہے بلکہ وہ اپنے ساتھ دوسروں کی ہلاکت کا بھی سبب بنتا ہے! یہ اس پہلے جرم سے کہیں زیادہ بڑا اور سنگین جرم ہے۔ یہ فساد فی الارض ہے جس میں بے گناہ لوگوں کو نشانہ بنایا جاتا ہے۔ کوئی بندہ اپنے جسم پر

① الحاکم۔ ② الانشقاق 84: ۱۔ ③ جامع الترمذی: 2396، مسنن ابن ماجہ: 4031، وصحیحہ الالبانی۔

بارودی بیلٹ باندھ کر لوگوں میں گھس جائے اور دھماکہ کر کے اپنے آپ کو بھی مار دے اور دیگر کئی لوگوں کو بھی مار ڈالے، یہ اس قدر سنگین گناہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جان بوجھ کر کسی ایک مومن کو قتل کرنے پر پانچ وعیدیں سنائی ہیں۔ باری تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِدًا فَقَدْ حَزَّ أَثْمًا وَهُوَ جَهَنَّمُ خُلِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَأَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا﴾

”اور جو کوئی کسی مومن کو قصداً قتل کر ڈالے اس کی مزا جہنم ہے (یہ پہلی وعید)، اس میں وہ ہمیشہ رہے گا (یہ دوسری وعید)، اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہے (یہ تیسری وعید)، اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے (یہ چوتھی وعید) اور اس نے اس کے لیے بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے (یہ پانچویں وعید)“^①

بہر حال خودکشی جیسی بھی ہو، اس کے نتیجے میں صرف خودکشی کرنے والا ہی مرے یا وہ اپنے ساتھ کئی اور لوگوں کو بھی مار ڈالے، دونوں طرح حرام ہے۔ اس لیے اس کا تصور بھی نہیں کرنا چاہیے۔

اپنے آپ کو ہلاک کرنے کی کچھ اور صورتیں!

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ﴾

”اور اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالو۔“^②

اپنے آپ کو ہلاک کرنے کی ایک صورت تو یہ ہے کہ کوئی شخص اپنا گلا حنوث کر مر جائے، یا تیز دھار آلے کے ساتھ اپنا گلا کاٹ دے، یا زہریلی ادویات استعمال کر کے یا خود کار اسلحے سے اپنے آپ کو نشانہ بنا کر چند لمحات میں ہی اپنی زندگی کا خاتمہ کر دے۔

اور دوسری صورت یہ ہے کہ وہ فوری طور پر چند لمحات میں ہی اپنا خاتمہ نہ کرے بلکہ ایسی چیزیں استعمال کرے کہ جو رفتہ رفتہ اسے موت کی گھاٹی میں اتار دیں! مثلاً نشہ آور چیزوں کا استعمال اور سگریٹ نوشی کرنا۔ سگریٹ ایسی نامراد چیز ہے کہ اس کی وجہ سے سگریٹ نوشی کرنے والا کینسر جیسے مہلک مرض میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ عالمی اعداد و شمار کے مطابق اس خطرناک مرض کا سب سے بڑا سبب سگریٹ نوشی کرنا ہے۔ سگریٹ نوشی کرنے والا شخص اپنے آپ کو اندر سے جلاتا ہے اور اس کے دھوئیں کے ساتھ اپنے آپ کو ہلاک کرتا ہے۔

اس کی ایک اور صورت یہ ہے کہ کوئی شخص مالی پریشانیوں کی بناء پر اپنے جسم کا کوئی اہم عضو بیچ دے، جبکہ اسے معلوم ہے کہ اس کے اعضاء اللہ رب العزت نے اس کے جسم میں فٹ کئے ہیں، اور ہر عضو کو اس کی صحیح جگہ پر فٹ کیا گیا ہے اور ہر ایک کا کام بھی متعین ہے، اگر کسی عضو کو اس کی اصل جگہ سے ہٹا دیا جائے یا اسے جسم سے الگ کر دیا

جائے تو سارے جسم کا نظام بگڑ جاتا ہے۔ جسم کے کسی عضو کو پہنچنا دراصل اپنے آپ کو رفتہ رفتہ موت کے منہ میں دھکیلنا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ایسا کوئی بھی کام جس کا نتیجہ اسی وقت ہلاکت کی صورت میں نظر آئے یا رفتہ رفتہ اسے ہلاکت کی طرف لے جائے، چند دنوں بعد یا چند مہینوں بعد یا چند سالوں بعد، تو ایسے تمام کے تمام کام شریعت کی نظر میں حرام ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ تمام مسلمانوں کو دین پر استقامت دے اور غیر مسلموں کو دین حق کو قبول کرنے اور ہمیں ان تک یہ دین پہنچانے کی توفیق دے۔ آمین

رزق حلال ہی آخر کیوں؟

اہم عناصر خطبہ

- (1) رزق دینے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے
- (2) تمام خزانوں کی چابیاں صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں
- (3) رزق کے حصول کے لیے جدوجہد اور محنت کرنے کا حکم
- (4) رزق حلال ہی آخر کیوں؟
- (5) حرام کمائی ایک سنگین جرم
- (6) حرام کمائی کی مختلف صورتیں
- (7) حرام خوری کے اسباب

پہلا خطبہ

معزز سامعین! آج کے خطبہ جمعہ کا موضوع ہے ”رزق حلال ہی آخر کیوں؟“ اس موضوع پر بات کرنے سے پہلے کچھ اہم نکات کا بیان کرنا ضروری ہے۔ سب سے پہلا نکتہ یہ ہے کہ ہمیں بحیثیت مسلمان اس بات پر یقین ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہی ”رزاق“ یعنی رزق دینے والا ہے۔ اس کے علاوہ کسی کے پاس اس کا اختیار نہیں کہ وہ کسی کو رزق دے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿مَّا أُرِيدُوا مِنْ رِزْقٍ وَمَا أُرِيدُ أَنْ يُطْعِمُونِ ۚ إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ ۝﴾ ”میں ان سے رزق نہیں چاہتا اور نہ ہی یہ چاہتا ہوں کہ وہ مجھے کھلائیں۔ اللہ تعالیٰ تو خود ہی رزاق ہے۔ بڑی قوت والا اور زبردست ہے۔“⁽¹⁾

نیز اس کا فرمان ہے: ﴿وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا﴾ ”زمین میں چلنے والا کوئی جاندار ایسا نہیں جس کا رزق اللہ کے ذمے نہ ہو۔“⁽²⁾ رزق کے فیصلے آسمان سے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ ۖ مَا تُوعَدُونَ ۝﴾ ”آسمان میں تمہارا رزق ہے اور وہ بھی جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے۔“⁽³⁾

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُعِيدُكُمْ ثُمَّ يُخَيِّمُكُمْ ۚ هَلْ مِنْ شُرَكَائِكُمْ مِمَّنْ يَفْعَلُ مِنْ ذَلِكُمْ مِنْ شَيْءٍ ۚ سُبْحَنَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ ۝﴾

”اللہ ہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا، پھر تمہیں رزق دیا، پھر تمہیں مارے گا اور پھر تمہیں زندہ کرے گا۔ تو کیا تمہارے شرکاء میں سے کوئی ایک شریک ایسا ہے جو ان کاموں میں سے کوئی کام کرتا ہو؟ وہ پاک ہے اور ان کے شرک سے بلند و بالا ہے۔“^①

ان تمام آیات کریمہ سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہی رزاق ہے اور رزق دینے کے تمام اختیارات اسی کے پاس ہیں۔ دوسرا نکتہ یہ ہے کہ تمام خزانوں کی چابیاں صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُهُ وَمَا نُنْزِلُ إِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُومٍ ۝﴾

”کوئی بھی ایسی چیز نہیں جس کے خزانے ہمارے پاس نہ ہوں۔ اور اسے ہم ایک معلوم مقدار کے مطابق ہی نازل کرتے ہیں۔“^②

لہذا رزق صرف اللہ تعالیٰ ہی سے طلب کرنا چاہیے اور اس کا سوال اس کے سوا کسی سے نہیں کرنا چاہیے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا تھا: ﴿إِنَّمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَوْثَانًا وَتَخْلُقُونَ إِفْكًا ۚ إِنَّ الَّذِينَ تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَا يَبْلُغُونَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوا عِنْدَ اللَّهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوهُ وَاشْكُرُوا لَهُ ۚ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۝﴾

”اور جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو وہ تمہیں رزق دینے کا اختیار نہیں رکھتے۔ لہذا تم اللہ ہی سے رزق مانگو، اسی کی عبادت کرو اور اس کا شکر ادا کرو۔ تم اسی کی طرف ہی لوٹائے جاؤ گے۔“^③

جن کو لوگ اللہ تعالیٰ کے علاوہ پکارتے ہیں ان کے نام انھوں نے چاہے جو بھی رکھ چھوڑے ہوں مثلاً داتا، غریب نواز، دستگیر وغیرہ تو ان کے اختیار میں کچھ بھی نہیں ہے۔ لہذا اللہ کو چھوڑ کر کسی سے رزق نہیں مانگنا چاہیے۔

رزق کے حصول کے لیے جدوجہد اور محنت کرنے کا حکم

اللہ تعالیٰ نے دن کو کمانے کے لیے اور رات کو آرام کرنے کے لیے بنایا۔ اس کا فرمان ہے:

﴿وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ لِبَاسًا ۚ وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ۝﴾

”اور ہم نے رات کو پردہ پوش بنایا اور دن کو معاش کا وقت بنایا۔“^④

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

① الروم 40:30، ② الحجر 21:15، ③ العنکبوت 17:29، ④ النبأ 11:78-12.

﴿وَمِنْ رَحْمَتِهِ جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴾^①
 ”اور اس کی رحمت ہے کہ اس نے تمہارے لیے رات اور دن کو بنایا تاکہ تم (رات میں) سکون حاصل کرو اور (دن میں) اس کا رزق تلاش کرو۔ اور شاید تم شکر گزار بن جاؤ۔“^①

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انسان کو حصولِ رزق کے لیے جدوجہد اور محنت کرنے کا حکم دیا ہے۔
 اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ ذُلُولًا فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا وَكُلُوا مِنْ رِزْقِهِ وَلَا يَبِغِ النَّشُورُ﴾^②
 ”وہی تو ہے جس نے زمین کو تمہارے تابع کر رکھا ہے۔ لہذا تم اس کے اطراف میں چلو پھرو اور اللہ کا رزق کھاؤ۔ اور اسی کی طرف تمہیں زندہ ہو کر جانا ہے۔“^②
 اسی طرح اس کا فرمان ہے:

﴿فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾^③
 ”پھر جب نماز ادا ہو چکے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کے رزق کو تلاش کرو۔ اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کیا کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔“^③

ان دونوں آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ جس زمین کو اس نے تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے تم اس میں چلو پھرو اور اللہ تعالیٰ کے رزق کو تلاش کرو۔ اس سے معلوم ہوا کہ رزق کی تلاش کے لیے انسان کو گھر سے باہر نکلنا چاہیے اور اس کے حصول کے لیے جدوجہد اور محنت کرنی چاہیے۔ اور اپنے ہاتھوں سے کما کر وہ خود بھی کھائے اور اپنے زیر کفالت افراد کو بھی کھلائے۔

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

﴿مَا أَكَلَ أَحَدٌ طَعَامًا قَطُّ خَيْرًا مِمَّنْ أَنْ يَأْكُلَ مِنْ عَمَلٍ يَدِهِ . وَإِنَّ نَبِيَّ اللَّهِ دَاوُدَ كَانَ يَأْكُلُ مِنْ عَمَلٍ يَدِهِ﴾

”کسی شخص نے کبھی اس کھانے سے بہتر کوئی کھانا نہیں کھایا جو وہ اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھاتا ہو۔ اور اللہ کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام (باوجود بادشاہ ہونے کے) اپنے ہاتھ کی کمائی سے ہی کھایا کرتے تھے۔“^④
 اسی طرح رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

① القصص 73:28. ② الملك 15:67. ③ الجمعة 10:62. ④ صحيح البخاري: البيوع باب كسب الرجل وعمله

«إِنَّ أَطْيَبَ مَا أَكَلْتُمْ مِمَّنْ كَسَبْتُمْ»

”تمہارے کھانے کو سب سے اچھی چیز وہ ہے جسے تم خود کماد۔“^(۱)

اسی طرح رسول اکرم ﷺ نے خود محنت کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

«لَا يَخْتَلِبُ أَحَدُكُمْ خِزْمَةً عَلَى ظَهْرِهِ خَيْرٌ مِّنْ أَنْ يَسْأَلَ أَحَدًا فَيُعْطِيَهُ أَوْ يَمْنَعَهُ»

”تم میں سے کوئی شخص اپنی پیٹھ پر نکلڑیوں کا گٹھا اٹھالائے تو یہ اس کے لیے بہتر ہے اس سے کہ وہ کسی سے مانگے تو وہ اسے کچھ دے یا نہ دے۔“^(۲)

رزق حلال ہی آخر کیوں؟

کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے کمائی کے لیے جدوجہد اور محنت کرنے کا حکم دیا ہے تو پھر انسان آزاد ہے۔ جو چاہے کمائے اور جیسے چاہے رزق حاصل کرے!

مگر ایسا سوچنا درست نہیں کیونکہ انسان آزاد نہیں بلکہ وہ اس بات کا پابند ہے کہ حلال کمائے اور جائز طریقوں سے رزق کے حصول کے لیے محنت کرے۔ حرام کمانا اور حصول رزق کے لیے ناجائز وسائل اختیار کرنا قطعاً درست نہیں ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ تمام لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ۝﴾

”اے لوگو! تم زمین میں سے صرف وہ چیزیں کھاؤ جو حلال اور پاک ہوں۔ اور شیطان کے نقش قدم پہ نہ چلو کیونکہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔“^(۳)

اور خاص طور پر مومنوں کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَاشْكُرُوا لِلَّهِ إِنَّ كُنتُم لَآيَٰهٖ تَعْبُدُونَ ۝﴾

”اے ایمان والو! اگر تم اللہ ہی کی عبادت کرنے والے ہو تو ہم نے تمہیں جو پاکیزہ چیزیں دی ہیں انہی میں سے کھاؤ اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے رہو۔“^(۴)

ان دونوں آیات اور ان جیسی دیگر آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ ہم صرف وہی چیزیں کھا پی سکتے ہیں جو ہمارے لیے حلال اور پاکیزہ ہوں۔ اور حلال چیزیں وہی ہو سکتی ہیں جنہیں ہم نے جائز وسائل سے کمایا ہو۔ ناجائز وسائل کے ذریعے کمائی ہوئی چیزیں حلال نہیں بلکہ حرام ہوتی ہیں۔ اسی طرح ناپاک چیزیں بھی حرام ہی ہوتی ہیں۔ وہ حلال نہیں ہو

(۱) جامع الترمذی: 1385، سنن ابن ماجہ: 2290، وصححه الالبانی، (۲) صحيح البخاري: البيوع باب كسب الرجل وعمله بيده: 2047، (۳) البقرة: 168، (۴) البقرة: 172.

سکتیں۔ لہذا صرف اور صرف پاکیزہ چیزوں کے حصول کے لیے ہی جدوجہد کرنی چاہیے اور وہ بھی جائز وسیلوں کے ساتھ۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ آخر رزق حلال ہی کیوں؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اسی کا علم دیا ہے اس لیے ہماری پوری جدوجہد رزق حلال کے لیے ہی ہونی چاہیے۔ دوسرا اس لیے کہ رسول اکرم ﷺ نے پیشین گوئی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا:

«لَيَأْتِيَنَّ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يُبَالَى الْمَرْءُ بِمَا أَخَذَ الْمَالُ . أَمْنَ حَلَالًا . أَمْ بَيْنَ حَرَامٍ»

”لوگوں پر ایک زمانہ آئے گا کہ جب آدمی کو کوئی پروا نہ ہوگی کہ اس نے مال کیسے حاصل کیا، حلال طریقے سے یا حرام طریقے سے!“⁽¹⁾

اور ہم سمجھتے ہیں کہ جس زمانے کی رسول اکرم ﷺ نے پیشین گوئی کی تھی اب وہی زمانہ ہے کہ جس میں بہت سارے لوگوں کو مطلقاً اس کی پروا نہیں کہ مال کہاں سے اور کیسے آ رہا ہے؟ حلال و حرام کی تمیز کیے بغیر بس یہی خواہش ہے کہ مال زیادہ سے زیادہ جمع ہو۔ جہاں سے ہو اور جیسے ہو۔ لہذا یہ انتہائی ضروری ہے کہ لوگوں کو اس سلسلے میں متنبہ کیا جائے۔

تیسرا اس لیے کہ قیامت کے روز ہر انسان سے مال کے متعلق دو سوالات ہونے والے ہیں۔ مال کہاں سے کمایا تھا اور اسے کہاں خرچ کیا تھا؟

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

«لَا تَزُولُ قَدَمَا ابْنِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ عِبْدٍ رَزَقَهُ حَتَّى يُسْأَلَ عَنْ خَمْسٍ عَنْ عُمْرِهِ فِيمَا أَفْنَاهُ .

وَعَنْ شَبَابِهِ فِيمَا أَبْلَاهُ . وَ مَالِهِ مِنْ أَيْنَ اكْتَسَبَهُ وَفِيمَا أَنْفَقَهُ . وَ هَذَا عَمِلٌ فِيمَا عَلِمَ»

”قیامت کے دن پانچ چیزوں کے بارے میں سوالات سے پہلے کسی بندے کے قدم اپنے رب کے پاس سے ہل نہیں سکیں گے: عمر کے بارے میں کہ اس نے اسے کس چیز میں گزارا؟ جوانی کے بارے میں کہ اس نے اسے کس چیز میں گنوا یا؟ مال کے بارے میں کہ اس نے اسے کہاں سے کمایا اور کہاں پر خرچ کیا؟ اور علم کے بارے میں کہ اس نے اس پر کتنا عمل کیا؟“⁽²⁾

چوتھا اس لیے کہ حرام کمانے والے انسان کی دعائیں ہی قبول نہیں کی جاتیں۔

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: «يَا أَيُّهَا النَّاسُ، إِنَّ اللَّهَ طَيِّبٌ وَلَا يَقْبَلُ إِلَّا طَيِّبًا»

”اے لوگو! اللہ تعالیٰ پاک ہے اور صرف پاک چیز کو قبول کرتا ہے۔“⁽³⁾

(1) صحیح البخاری: 2059، 2083، (2) جامع الترمذی: 2416، وصححه الألبانی، (3) صحیح مسلم: 1014.

پھر آپ نے ایک ایسے شخص کا ذکر فرمایا جو لمبا سفر کر کے پراگندہ اور غبار آلود حالت میں آسمان کی طرف ہاتھوں کو بلند کر کے دعا کرتا ہے: اے میرے رب، اے میرے رب! حالانکہ اس کا کھانا، اس کا پینا اور اس کا لباس حرام کمائی سے ہوتا ہے اور اس کے جسم کی پرورش حرام رزق سے ہوئی ہوتی ہے تو ایسے شخص کی دعا کیسے قبول ہو سکتی ہے!“

حرام کمائی ایک سنگین جرم

حرام طریقوں سے مال کمانا بہت بڑا گناہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا ہے۔
اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ﴾

”اے ایمان والو! اپنے آپس کے مال ناجائز طریقے سے مت کھاؤ، ہاں تمہاری آپس کی رضامندی سے خرید و فروخت ہو (تو ٹھیک ہے)۔“^(۱)

اسی طرح اس کا فرمان ہے: ﴿وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْنُوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِإِثْمٍ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾

”اور ایک دوسرے کا مال ناحق طریقے سے نہ کھایا کرو۔ اور نہ ہی حاکموں کو رشوت دے کر کسی کا کچھ مال ظلم و ستم سے اپنا کر لیا کرو حالانکہ تم جانتے ہو۔“^(۲)

ان دونوں آیات میں «بالباطل» یعنی ناجائز طریقے سے مال کھانے سے منع کیا گیا ہے۔ اور اس میں ہر ناجائز اور ناحق طریقہ شامل ہے مثلاً چوری کرنا، کسی کا مال غصب کرنا، خرید و فروخت میں دھوکہ اور فریب کرنا، ڈاکہ زنی کرنا، سودی لین دین کرنا، امانت میں خیانت کرنا، جوئے بازی کرنا اور حرام چیزوں کی تجارت کرنا وغیرہ۔

اور دوسری آیت میں خاص طور پر حاکموں کو رشوت دے کر کسی کا مال ناجائز طور پر کھانے سے منع کیا گیا ہے جبکہ اس دور میں یہ چیز عام ہے۔ چنانچہ تھانوں میں پولیس و رشوت دے کر جھوٹے کیس درج کروا لیے جاتے ہیں اور بے گناہ لوگوں کو پریشان کیا جاتا بلکہ ان پر ظلم کیا جاتا ہے۔ اور گواہوں، وکیلوں اور ججوں کو رشوت دے کر فیصلہ اپنے حق میں کروا لیا جاتا ہے۔ یہ سب کچھ کسی شریف آدمی کا مال بھینانے یا اس کی جائیداد پر ناجائز قبضہ کرنے کے لیے ہی کیا جاتا ہے۔ فإلّا الله المشتكى ولا حول ولا قوة إلا بالله۔

حرام کمائی کی مختلف صورتیں

① چوری کرنا

کسی کے مال کی چوری کرنا حرام ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے چور کے لیے بہت سخت سزا مقرر فرمائی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا جِزَاءً بِمَا كَسَبَا لَكَالًا مِّنَ اللَّهِ ۚ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ٥٠﴾

”اور چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت کے ہاتھ کاٹ دیا کرو۔ یہ بدلہ ہے اس کا جو انھوں نے کیا۔ اور عذاب ہے اللہ کی طرف سے۔ اور اللہ تعالیٰ سب پر غالب اور حکمت والا ہے۔“^①

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ جو ہاتھ ناجائز طور پر کسی کے مال کی طرف بڑھتا اور اس پر قبضہ جما لیتا ہے اس ہاتھ کو باقی رہنے کا کوئی حق حاصل نہیں۔ اسے اس آدمی کے جسم سے کاٹ کر الگ کرنا ضروری ہے جو اس قسم کی جسارت کرتا اور دوسروں کے مال کی حرمت کو پامال کرتا ہے۔

بعض لوگ مسافروں کی جیبیں کاٹ لیتے ہیں۔ یا خفیہ طور پر ہاتھ کی صفائی کے ساتھ ان کی جیبوں سے نقدی رقم نکال لیتے ہیں۔ یا کوئی نشہ آور چیز کھلا پلا کر ان کی تمام قیمتی اشیاء اپنے قبضے میں لے لیتے ہیں۔ یہ سب چوری ہی کی شکلیں ہیں۔

بعض لوگ دوسروں کی معمولی قسم کی چیزوں کو بلا اجازت اپنے قبضے میں لے لیتے ہیں اور اسے چوری تصور نہیں کرتے۔ حالانکہ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

«لَعَنَ اللَّهُ السَّارِقَ، يَسْرِقُ الْبَيْضَةَ فَتُقَطَّعُ يَدُهُ، وَيَسْرِقُ الْخَنَازِيرَ فَتُقَطَّعُ يَدُهُ»

”چور پر اللہ کی لعنت ہو جو ایک انڈے کی چوری کرتا ہے تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے۔ اور ایک رسی کی چوری کرتا ہے تو اپنا (دوسرا) ہاتھ بھی کٹوا بیٹھتا ہے۔“^②

② ڈاکہ زنی

بعض لوگ دن دھاڑے دیواریں پھلانگ کر گھروں میں داخل ہو جاتے ہیں۔ اور اسلمہ کی نوک پر گھردالوں کو لوٹ لیتے ہیں۔ اور بعض لوگ مسافروں اور راہگیروں کو لوٹ لیتے ہیں۔ اسی کو ڈاکہ زنی کہتے ہیں۔ اور جو ڈاکو اس طرح

① المائدة: 38، ② صحيح البخاري: 6783، صحيح مسلم: 1687.

لوٹ مار کرتے اور لوگوں کی جانوں اور ان کے مالوں کی حرمت کو پامال کرتے ہیں ان کی سزا یہ ہے کہ انھیں قتل کر دیا جائے۔ کیونکہ وہ لوگوں کے جان و مال کے لیے خطرہ بنتے ہیں تو خود انھی کو قتل کرنا ضروری ہو جاتا ہے تاکہ ان کے شر سے لوگ محفوظ رہ سکیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُقَتَّلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِنْ خِلَافٍ أَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ ذَلِكَ لَهُمْ جُزْءُ مَا كَانُوا فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ٥٦﴾

”جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے اور زمین میں فساد پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں ان کی سزا یہی ہو سکتی ہے کہ انھیں اذیت دے کر قتل کیا جائے، یا سولی پر لٹکایا جائے، یا ان کے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ دیے جائیں، یا انھیں جلا وطن کر دیا جائے۔ ان کے لیے یہ ذلت دنیا میں ہے اور آخرت میں انھیں بہت بڑا عذاب ہوگا۔“

③ جوا کھیلنا

بعض لوگ جوا کھیل کر پیسے کماتے ہیں۔ مثلاً کسی کلب وغیرہ میں بیٹھ کر تاش یا کوئی اور گیم کھیلتے ہیں اور اس پر جوا لگاتے ہیں۔ یا راتوں رات کروڑ پتی بننے کی خواہش لیے کسی بڑی لائری میں حصہ لیتے ہیں اور زندگی بھر کی پونجی اس میں جھونک دیتے ہیں۔ پھر لائری ان میں سے کسی ایک کے نام نکلتی ہے اور باقی سب لوگ منہ تکتے رہ جاتے ہیں۔ تو اس طرح آمدنی کے جتنے ذرائع ہیں وہ سب حرام ہیں۔ جوے کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ٥٧﴾

”اے ایمان والو! بات یہی ہے کہ شراب اور جوا اور وہ پتھر جن پر بتوں کے نام سے جانور ذبح کیے جاتے ہیں اور فال نکالنے کے تیر (یہ سب) ناپاک ہیں اور شیطان کے کام ہیں۔ لہذا تم ان سے بچو تاکہ کامیابی حاصل کر سکو۔“

»المیسر« سے مراد ہر وہ کام ہے جس میں مختلف لوگ ایک جیسی رقم لگا کر شریک ہوں۔ لیکن بعد میں بعض کو ملے اور بعض کو نہ ملے۔ یا بعض کو کم ملے اور بعض کو زیادہ۔

مثلاً انعامی بانڈز، سیونگ مریٹیلیٹ، ریفل ٹکٹ اور خریدی ہوئی اشیاء میں سے انعامی کوپن نکالنا وغیرہ۔ اسی طرح

اس میں انشورنس کی مختلف صورتیں بھی شامل ہیں۔ اس کے علاوہ کئی لوگ پیسوں کے عوض کچھ نمبر خرید لیتے ہیں، پھر ان میں قرضہ اندازی ہوتی ہے اور بعض نمبروں کے لیے انعامات نکالے جاتے ہیں۔ تو یہ بھی جوا ہے۔

4 سودی لین دین

سودی لین دین کے ذریعے کمانا بھی حرام ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو مخاطب کر کے سودی لین دین کو قطعی طور پر چھوڑ دینے کا حکم دیا اور فرمایا کہ اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو یہ اللہ اور اس کے رسول کے خلاف اعلان جنگ کے مترادف ہوگا۔

فرمایا: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۚ فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ ۚ وَإِن تُبْتِغُوا فَلََكُمْ رُدُّهُنَّ أَمْوَالِكُمْ ۖ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ ۝﴾

”اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اگر تم سچے مومن ہو تو جو سود باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو۔ پھر اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے جنگ کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ ہاں اگر توبہ کر لو تو تمہارا اصل مال تمہارا ہی ہے۔ نہ تم ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے۔“^(۱)

سامعین کرام! اگر آپ میں سے کوئی شخص سودی لین دین کرنے میں ملوث ہے تو وہ فوراً اس سے سچی توبہ کرے اور اسے چھوڑ دے۔ نہ آپ خود کسی شخص سے اور نہ ہی کسی بینک سے سود پر قرضہ لیں۔ نہ اپنی ضروریات کے لیے اور نہ ہی تجارتی مقاصد کے لیے۔ اور نہ ہی کسی کو سود پر قرضہ دیں۔ اور نہ ہی کسی بینک میں فکس منافع پر رقم جمع کرائیں کیونکہ یہ بھی سودی کی ایک شکل ہے۔

جاہلیت کے دور میں جب ایک مالدار شخص کسی غریب کو قرضہ دیتا تو سود کے ساتھ دیتا۔ پھر جب وہ مقررہ مدت میں قرضہ واپس نہ کرتا تو قرض خواہ سود کی مقدار میں اضافہ کرتے ہوئے مدت بڑھا دیتا۔ پھر کرتے کرتے سود اصل قرضہ سے زیادہ ہو جاتا۔ یہ بدترین ظلم تھا جسے اسلام نے قطعی طور پر حرام کر دیا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝﴾

”اے ایمان والو! تم بڑھا چڑھا کر سود نہ کھاؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تاکہ تم کامیاب ہو سکو۔“^(۲)

سود کتنا بڑا گناہ ہے! اس کا اندازہ آپ رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد سے کر سکتے ہیں:

((الرِّبَا سَبْعُونَ حَوْثًا ، أَيْسَرُهُمَا أَنْ تَنْكِحَ الرَّجُلَ أُمَّهُ))

اور دوسری روایت میں ہے: الرِّبَا اِثْنَانِ وَسَبْعُونَ بَابًا اَذْنَاهَا مِثْلُ اِثْنَانِ الرَّجُلِ اُمَةٌ...

اور حضرت عبد اللہ بن خطاطہ الراہبؒ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

﴿وَدَرَّمَهُمْ بِنَارٍ يَأْكُلُهُ الرَّجَنُ وَهُوَ يَعْلَمُ أَشَدُّ عَذَابًا لِّلَّذِينَ هُمْ عَنْ آيَاتِ اللَّهِ هُمْ سَمَّوَةٌ وَثَلَاثِينَ زُنْيَةً﴾

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ: «لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَكْلَ الرِّبَا . وَمُؤْكَلَهُ . وَكَاتِبَهُ . وَشَاهِدِيهِ . وَقَالَ : هُمْ سَوَاءٌ»

یعنی رسول اللہ ﷺ نے لعنت بھیجی سود کھانے والے پر، سود کھلانے والے پر، اس کے لکھنے والے پر، اس کے گواہوں پر۔ اور آپ ﷺ نے فرمایا: یہ سب گناہ میں برابر ہیں۔^(۹)

محترم سامعین !

اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہو کہ سود سے مال بڑھتا اور اس میں اضافہ ہوتا ہے تو یہ اس کی غلط فہمی ہے۔ کیونکہ اللہ رب العزت کا فرمان ہے: ﴿وَمَا آتَيْتُم مِّن زَبَاٍ لِّزَبَاٍ فِيْ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَزِيْزُوْا فِيْ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَزِيْزُوْا فِيْ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَزِيْزُوْا فِيْ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَزِيْزُوْا فِيْ اَمْوَالِ النَّاسِ﴾ (سورہ بقرہ: ۲۷۵)۔

”اور تم لوگ جو سود دیتے ہو، کہ لوگوں کے اموال میں اضافہ ہو جائے تو وہ اللہ کے نزدیک نہیں بڑھتا۔ اور تم

لوگ جو زکاۃ دیتے ہو اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے تو ایسے ہی لوگ اسے کئی گنا بڑھانے والے ہیں۔“^③

بلکہ اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر فرمایا کہ وہ سودی معیشت کو برباد کر دیتا ہے: ﴿يَمْحَقُ اللَّهُ الْرِبَا وَزِيَادَتِي الصَّدَقَاتِ﴾^(۳) "اللہ سود کو مٹاتا اور صدقوں کو بڑھاتا ہے۔"

ان دونوں آیات سے ثابت ہوا کہ سود سے مال میں اضافہ نہیں ہوتا بلکہ کمی واقع ہوتی ہے۔ ہاں جو چیز مال میں بڑھوتری کا سبب بنتی ہے وہ سے صدقہ و زکاۃ۔

اور جو لوگ سودی لین دین کر کے ہمیشہ اپنا روپیہ پیسہ بڑھانے کے چکر میں رہتے ہیں انھیں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد اپنے سامنے رکھنا چاہیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

① سنن ابن ماجه: 2247، وصححه الألباني. ② الطبراني عن البراء: 5، صحيح الجامع للألباني: 3537. ③ سلسلة الأحاديث الصحيحة: 1033. ④ صحيح مسلم: 1598. ⑤ الروم 39:30. ⑥ البقرة 276.

((مَا أَخَذَ أَكْثَرُ مِنَ الرِّبَا إِلَّا كَانَ عَاقِبَتُهُ أَمْرًا إِلَى قُنَا))

”کوئی شخص چاہے کتنا سود لے لے اس کا انجام آخر کار قلت اور خسارہ ہی ہوگا۔“^(۱)

اللہ تعالیٰ نے سودی لین دین کرنے والے شخص کو سخت ترین وعید سنائی ہے۔ اس کا فرمان ہے:

﴿الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا يَقْوَمُونَ إِلَّا كَمَا يَقْوَمُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ النَّسِيسِ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا فَمَنْ جَاءَهُ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّهِ فَانْتَهَى فَلَهُ مَا سَلَفَ وَأَمْرُهُ إِلَى اللَّهِ وَمَنْ عَادَ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾

”جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ ایسے ہی کھڑے ہوں گے جیسے ایک شخص کو شیطان نے چپو کر خبطی بنا دیا ہو۔ یہ اس لیے کہ وہ یہ کہا کرتے تھے کہ تجارت بھی تو سود ہی کی طرح ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال اور سود کو حرام کر دیا ہے۔ لہذا جس شخص کے پاس اس کے رب کی طرف سے نصیحت آگئی اور وہ (سودی لین دین سے) باز آگیا تو اس کے لیے ہے جو گزر گیا۔ اور اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔ اور جو شخص دوبارہ (سود کی طرف) لوٹا تو ایسے لوگ جہنمی ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔“^(۲)

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ سود خوری کرنے والا شخص قیامت کے روز پاگل اور دیوانہ کھڑا کیا جائے گا۔ اور اگر کوئی سود خور قرآن وحدیث کے ذریعے سود کی حرمت معلوم کرنے کے بعد بھی سودی لین دین کو جاری رکھے تو وہ جہنم میں داخل ہوگا۔

۵۔ جھوٹی قسم اٹھا کر کسی کے مال پر قبضہ کرنا

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: «مَنْ خَلَفَ عَلَى يَمِينٍ فَاخْرَجَ لِنَفْسِهِ مِمَّا كَانَ عَلَيْهِ مِنْ مَالِ امْرِئٍ مُسْلِمٍ لَقِيَ اللَّهَ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانٌ»

”جو آدمی جھوٹی قسم اٹھائے تاکہ اس کے ذریعے کسی مسلمان کے مال پر قبضہ کر لے تو وہ اللہ تعالیٰ کو اس حال میں ملے گا کہ وہ اس پر ناراض ہوگا۔“^(۳)

۶۔ مپ تول میں کمی کرنا

بعض لوگ مپ تول میں کمی کر کے پیسہ کماتے ہیں اور یہ حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَيْلٌ لِلْبَاطِلِينَ ۝ الَّذِينَ إِذَا أَكْمَلُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ ۝ وَإِذَا كَالُوا لَهُمْ أَوْ وَزَنُوا لَهُمْ يُخْسِرُونَ ۝﴾

(۱) سنن ابن ماجہ: 2279۔ وصححه الألبانی۔ (۲) البقرة: 275۔ (۳) متفق علیہ۔

”بلاکت و بربادی ہے ماپ تول میں کرنے والوں کے لیے۔ جو جب لوگوں سے ماپ کر لیتے ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں اور جب انھیں ماپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو کم دیتے ہیں۔“^(۱)

یعنی دو ہر ا معیار اپنا رکھا ہے کہ جب لیتے ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں اور جب کوئی چیز دیتے ہیں تو ماپ تول میں فندی مارتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے تباہی و بربادی ہے! والعیاذ باللہ
رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«وَلَمْ يَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ إِلَّا أَخَذُوا بِالسَّبْيِ وَشَدَّةِ الْمِثْنَةِ وَجَوْرِ السُّلْطَانِ عَلَيْهِمُ»
”جو قوم ماپ تول میں کمی کرتی ہے اسے قحط سالی، مہنگائی اور بادشاہ کے ظلم میں جکڑ لیا جاتا ہے۔“^(۲)

۷ کاروبار میں دھوکہ کرنا

بعض لوگ اپنے کاروبار میں دھوکہ، فراڈ اور ملاوٹ وغیرہ کر کے پیسہ کماتے ہیں اور یہ حرام ہے۔
ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ کا گدڑ غلہ کے ایک ڈھیر سے ہوا۔ آپ ﷺ نے اس کے اندر ہاتھ ڈالا تو آپ کی اگلیوں کو نمی سی محسوس ہوئی۔ آپ ﷺ نے پوچھا! غلہ بیچنے والے! یہ کیا ہے؟ اس نے کہا: اللہ کے رسول! اسے بارش نے تر کر دیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

« أَفَلَا جَعَلْتَهُ فَوْقَ الطَّعَامِ كَيْ يَرَاهُ النَّاسُ! سِنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنِّي »

”اے تم نے اوپر کیوں نہ رکھا تاکہ لوگ اسے دیکھ لیتے! جو شخص دھوکہ کرے اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔“^(۳)
اس سے معلوم ہوا کہ کاروبار میں دھوکہ، فراڈ اور ملاوٹ کرنا حرام ہے۔

۸ رشوت لینا

بعض لوگ کسی کا کوئی کام کر کے یا کروا کے اس کے بدلے میں رشوت لیتے ہیں۔ اور اب تو نوبت یہاں تک جا پہنچی ہے کہ اس میں بالکل ہی شرم محسوس نہیں کی جاتی۔ بلکہ پوری بے شرمی کے ساتھ اس کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ پہلے مک مک ہوتا ہے اور پھر اس کام کے لیے کوئی پیش رفت ہوتی ہے۔ رشوت ایک ایسا ناسور بن چکا ہے کہ چھوٹے سے چھوٹا کام بھی بغیر رشوت کے نہیں ہوتا۔ اس لعنت کی وجہ سے حق والوں کو ان کے حقوق سے محروم کر دیا جاتا ہے اور جو اس کے مستحق نہیں ہوتے انھیں نوازدیا جاتا ہے۔

جبکہ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: «لَعَنَ اللَّهُ الرَّاشِيَّ وَالْمُرْتَشِيَّ وَالرَّائِسَ بَيْنَهُمَا»

(۱) اللطیفین 83: 1-3. (۲) سنن ابن ماجہ: 4019. وصحیحہ الالبانی. (۳) صحیح مسلم: 102.

”اللہ تعالیٰ کی لعنت ہوتی ہے رشوت دینے والے پر، لینے والے پر اور اس پر بھی جو ان دونوں کے درمیان معاملہ طے کرواتا ہے۔“^(۱)

ہاں اگر کسی صاحب حق کو اس کا حق رشوت دیے بغیر نہ مل رہا ہو تو اپنا حق لینے یا اپنے اوپر ظلم ہونے سے بچنے کے لیے وہ رشوت دے سکتا ہے۔ اس صورت میں دینے والے کو گناہ نہیں ہوگا بلکہ لینے والے اور معاملہ طے کرانے والے کو ہی ہوگا۔^(۲)

﴿۹﴾ حرام اشیاء کا کاروبار کرنا

اشیائے محرمہ کا کاروبار کرنا حرام ہے۔ اور جو شخص شریعت میں حرام کردہ چیزوں کے ساتھ تجارت اور کاروبار کرتا ہو اس کی اس کاروبار کے ذریعے ہونے والے آمدنی بھی حرام ہی ہوگی۔

مثلاً سگریٹ، تمباکو، شراب اور تمام نشہ آور اشیاء کا کاروبار حرام ہے۔ اسی طرح موسیقی اور گانوں پر مشتمل کیسٹوں یا سی ڈیز کا کاروبار۔ اسی طرح فلمی کیسٹوں اور سی ڈیز کا لین دین کرنا۔ اسی طرح حرام جانوروں کی خرید و فروخت بھی حرام ہے اور ان کے ذریعے ہونے والی آمدنی بھی۔ اس کے علاوہ کسی ناجائز کام کے ذریعے کمانا بھی ناجائز ہے۔ مثلاً بدکاری، کہانت اور داڑھی مونڈ کر کمائی کرنا درست نہیں ہے۔

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے کی قیمت، زانیہ کی آمدنی اور نجوی کی کمائی سے منع فرمایا۔^(۳)

اور جب حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ کیا کتے اور بچے کی قیمت وصول کرنا جائز ہے؟ تو انھوں نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔^(۴)

ہاں البتہ شکاری کتا اس سے مستثنیٰ ہے۔^(۵)

﴿۱۰﴾ یتیموں کا مال کھانا

بعض لوگ یتیموں کے سرپرست ہوتے ہیں۔ اور یتیموں کو جو مال ان کے والد کی وراثت سے ملتا ہے، یا حکومت وقت یا کسی فلاحی تنظیم کی طرف سے ان کا ماہانہ وظیفہ مقرر کیا جاتا ہے یا کوئی مالدار آدمی ان کے اخراجات کے لیے پیسے دیتا ہے تو ان کے سرپرست ان کا مال ناجائز طور پر خود ہزپ کر لیتے ہیں۔ یہ بہت بڑا ظلم ہے اور اپنے پیٹ

(۱) سنن ابی داؤد: 3580 وأحمد: 22452 واللفظ له. (۲) عون للعبود: 359/9. (۳) صحیح البخاری: 2237، صحیح مسلم: 1567. (۴) صحیح مسلم: 1569. (۵) جامع الترمذی: 1281. قال الالبانی: حسن.

میں جہنم کی آگ بھرنے کے مترادف ہے۔ والعیاذ باللہ

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا ۖ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا ۝﴾

”وہ لوگ جو ظلم کرتے ہوئے یتیموں کا مال ہڑپ کر جاتے ہیں وہ درحقیقت اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں

اور وہ عنقریب جہنم کی آگ میں داخل ہوں گے۔“^①

اور نبی کریم ﷺ نے اس فعل کو ان سات گناہوں میں شمار کیا ہے جو انسان کے لیے نہایت ہی مہلک ہیں۔

❦ خیانت کرنا

بعض لوگ اُس مال میں خیانت کر کے پیسہ کماتے ہیں جو ان کے پاس بطور امانت رکھا ہوتا ہے۔ اور یہ بہت بڑا گناہ ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَمَنْ يَخْلُ يَأْتِ بِمَا غَنَىٰ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۖ ثُمَّ تُوَفَّىٰ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۝﴾

”اور جو شخص خیانت کرتا ہے وہ قیامت کے روز خیانت کردہ چیز سمیت حاضر ہوگا۔ پھر ہر شخص کو اس کی کمائی کا

پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔“^②

اور رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: « أَيْمَانُ زُجْلٍ اسْتَغْمَلْنَا عَلَىٰ عَمَلٍ فَكُنْتُمْ مَغْبُطًا فَمَا قُوْفُهُ كَانَ

غُلُولًا يَأْتِي بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ »

”جس آدمی کو ہم کوئی ذمہ داری سونپیں، پھر وہ ہم سے ایک سوئی یا اس سے بڑی چیز کو چھپالے تو یہ خیانت

ہوگی اور وہ اس چیز سمیت قیامت کے روز حاضر ہوگا۔“^③

ویسے بھی خیانت کرنا منافق کی نشانی ہے۔ یہ ایک سچے مومن کو زب نہیں دیتا کہ وہ امانت میں خیانت کرے۔

یاد رہے کہ خیانت صرف مال میں ہی نہیں بلکہ اس میں کچھ اور چیزیں بھی شامل ہیں۔ مثلاً زوجین کا ایک دوسرے کے

رازوں کو ظاہر کرنا۔ یا کسی بھی شخص کے رازوں سے پردہ اٹھانا۔ اپنے آفس یا کمپنی کی اشیاء کو بغیر اجازت کے ذاتی مقاصد

کے لیے استعمال کرنا۔ اپنے منصب سے ناجائز فائدہ اٹھانا۔ یہ سب خیانت ہی کی صورتیں ہیں جن سے بچنا ضروری ہے۔

❦ قرض لے کر واپس نہ لوٹانا

بعض لوگ قرض لے کر اسے یا تو بالکل ہی واپس نہیں لوٹاتے یا پھر بغیر کسی عذر کے ٹال مٹول کرتے اور قرض

① النساء: 10، ② آل عمران: 161، ③ صحیح مسلم: 187.

خواہوں کو خواہ مخواہ پریشان کرتے رہتے ہیں۔ بلکہ کئی لوگ تو قرض لیتے ہی اس نیت سے ہیں کہ وہ اسے واپس نہیں لوٹائیں گے اور ہڑپ کر جائیں گے۔ تو یہ بھی حرام کمائی کے ذرائع میں سے ایک ذریعہ ہے۔
رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

« أَيْمًا زَجَلْ يَدَيْنِ ذَيْنَا وَهُوَ مُجْمَعٌ أَنْ لَا يُؤْفِقِنَهُ إِثَاءً ، لَقِيَ اللَّهَ سَارِقًا ،

”جو شخص اس عزم کے ساتھ قرض لے کہ وہ اسے واپس نہیں لوٹائے گا تو وہ اللہ تعالیٰ سے اس حالت میں ملے گا کہ وہ چور ہوگا۔“⁽¹⁾

اسی طرح آپ ﷺ کا ارشاد ہے: « مَنْ أَخَذَ أَمْوَالَ النَّاسِ يُرِيدُ آدَاءَ مَا آذَى اللَّهَ عَنْهُ ، وَمَنْ أَخَذَ يُرِيدُ إِثْلَافَهَا أَثْلَفَهُ اللَّهُ »

”جو شخص لوگوں سے اس ارادے کے ساتھ مال لے کہ وہ انھیں واپس ادا کر دے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف سے اسے ادا کر دے گا۔ اور جو آدمی ان کے مالوں کو اس ارادے کے ساتھ لے کہ وہ انھیں ہڑپ کر لے گا تو اللہ تعالیٰ اس (کے مال) کو برباد کر دے گا۔“⁽²⁾

یعنی اگر وہ ادا کرنے کی نیت سے قرض لے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے آسانی کر دے گا اور وہ قرض واپس کرنے کے قابل ہو جائے گا۔ اور اگر وہ قرض کی ادائیگی سے پہلے فوت ہو جائے گا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کے قرض خواہوں کو اپنی طرف سے راضی کرے گا۔ اور اگر کوئی شخص شروع سے ہی بدنیت ہو اور اس کا ارادہ ہی یہ ہو کہ وہ قرض لے کر ہڑپ کر لے گا تو اللہ تعالیٰ اموال کو برباد کر کے اسے آخرت میں سزا دے گا۔

قرض کا معاملہ اتنا سنگین ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

« وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ أَنَّ رَجُلًا قَتَلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ أُخِجَ ، ثُمَّ قَتِلَ ثُمَّ أُخِجَ ، ثُمَّ قَتِلَ وَعَلَيْهِ ذَنْبٌ مَا دَخَلَ الْجَنَّةَ حَتَّى يُقْضَى عَنْهُ ذَنْبُهُ »

”اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر ایک آدمی اللہ کے راستے میں شہید ہو جائے، پھر اسے زندہ کیا جائے اور وہ دوبارہ شہید ہو جائے۔ پھر اسے زندہ کیا جائے اور وہ سہ بارہ شہید ہو جائے۔ اور اس پر قرض ہو تو وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا یہاں تک کہ اس کا قرضہ اس کی طرف سے ادا کر دیا جائے۔“⁽³⁾
اور حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی کی میت کو لایا گیا تاکہ آپ ﷺ اس کی نماز جنازہ پڑھائیں۔

(1) سنن ابن ماجہ: 2410، قال الألبانی: حسن صحیح، (2) صحیح البخاری: 2387، (3) النسائي: 4684، وحسنه الألبانی.

تو آپ ﷺ نے فرمایا: «لَعَلَّ عَلَى صَاحِبِكُمْ ذِنْبًا؟» «شاید تمہارے اس ساتھی پر قرض ہے؟» تو لوگوں نے کہا: جی ہاں۔ تو آپ ﷺ پیچھے ہٹ گئے اور فرمایا: «صَلُّوا عَلَى صَاحِبِكُمْ» «تم خود ہی اس کی نماز جنازہ پڑھ لو۔» اس پر ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اس کا قرض میرے ذمہ ہے، میں اس کی طرف سے ادا کر دوں گا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: تمہیں یہ وعدہ پورا کرنا ہوگا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی۔ اور اس پر صرف اٹھارہ یا انیس درہم قرض تھا۔^(۱)

یہ اور اس طرح کی دیگر کئی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قرض کا معاملہ انتہائی سنگین ہے۔ ایک ایسا آدمی جو اللہ کے راستے میں تین بار شہید ہو جائے اور اس پر قرض بھی ہو تو وہ جنت میں داخل نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی طرف سے اس کا قرض ادا نہ کر دیا جائے! تو عام آدمی کا کیا حال ہوگا! لہذا قرض دار کو چاہیے کہ وہ پہلے تو جب قرض لے لے تو ادا کرنے کی نیت سے لے۔ دوسرا یہ کہ پہلی فرصت میں اسے واپس لوٹائے کیونکہ موت کا کسی کو کچھ پتہ نہیں کہ کس لمحہ آجائے اور کہاں آجائے اور کس حالت میں آجائے! بلکہ قرض کی واپسی کے لیے مقروض کو ہمیشہ فکر مند رہنا چاہیے۔ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«لَوْ أَنَّ لِي مِثْلُ أُحُدٍ ذَهَبًا مَا يَسْتُرُنِي أَنْ لَا يَمُرَّ عَلَيَّ ثَلَاثٌ وَعِشْرُونَ مِنْهُ شَيْئًا . إِلَّا شَيْئًا أَزْصُدُّهُ لِدَيْنٍ»

”اگر میرے پاس احد پہاڑ کے برابر سونا ہو تو مجھے یہ اچھا نہیں لگے گا کہ تین روز گزر جائیں اور اس دوران اس کا کچھ حصہ میرے پاس باقی رہ جائے۔ ہاں میں اس میں سے صرف اتنا سونا رکھ سکتا ہوں جس سے میں کسی کا قرض ادا کر سکوں۔“^(۲)

سامعین کرام! یہ تھے حرام کمائی کے بعض اہم اسباب و مسائل جنہیں ہم نے قرآن و حدیث کی روشنی میں بیان کیا ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ وہ ہمیں بس رزق حلال ہی نصیب فرمائے اور حرام سے محفوظ رکھے۔

دوسرا خطبہ

اللہ تعالیٰ نے ہمیں حلال کھانے کا حکم دیا ہے۔ اور ہمارا دین ہمیں حرام کمائی سے منع کرتا ہے۔ لیکن آج ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سارے لوگوں کا منہ نظر صرف مال کا حصول ہے، خواہ حلال اور جائز طریقوں سے حاصل ہو یا حرام اور ناجائز طریقوں سے حاصل ہو۔ آج حلال و حرام کی تمیز بہت کم رہ گئی ہے۔ اس کے کئی اسباب ہیں:

پہلا سبب: خوفِ الہی نہیں رہا! جی ہاں، اللہ تعالیٰ کا خوف اور اس کے عذاب کا ڈر بہت کم لوگوں میں رہ گیا ہے۔

(۱) سنن النسائي: 1960، ابن ماجه: 2407، صحيحه الالباني، (۲) صحيح البخاري: 2389.

زیادہ تر لوگ اللہ تعالیٰ سے بے خوف نظر آتے ہیں۔ ورنہ اگر اللہ تعالیٰ کا خوف ہوتا تو حرام کمائی کے جتنے طریقے ہم نے ذکر کیے ہیں ان میں سے کوئی بھی نہ ہوتا۔

● اگر اللہ تعالیٰ کا خوف ہوتا تو ماپ تول میں کمی نہ ہوتی!

● اگر اللہ تعالیٰ کا خوف ہوتا تو سود کی حرمت معلوم ہونے کے باوجود سودی لین دین کو جاری نہ رکھا جاتا!

● اگر اللہ تعالیٰ کا خوف ہوتا تو لین دین کے معاملات میں دھوکہ، فراڈ اور ملاوٹ وغیرہ نہ ہوتی!

● اگر اللہ تعالیٰ کا خوف ہوتا تو پوری بے شرمی کے ساتھ ہر معاملے میں رشوت نہ لی جاتی!

● اگر اللہ تعالیٰ کا خوف ہوتا تو خیانت نہ کی جاتی!

● اگر اللہ تعالیٰ کا خوف ہوتا تو چوری، ڈاکہ زنی اور جوئے بازی کو ترک کر دیا جاتا!

● اگر اللہ تعالیٰ کا خوف ہوتا تو خرید و فروخت کے معاملات میں جھوٹی قسمیں نہ کھائی جاتیں!

● اگر اللہ تعالیٰ کا خوف ہوتا تو حرام اشیاء کا کاروبار نہ کیا جاتا!

● اگر اللہ تعالیٰ کا خوف ہوتا تو قیموں کا مال نہ کھایا جاتا!

لیکن کیا کہیے کہ آج مسلمانوں کے دلوں سے خوفِ باری تعالیٰ جاتا رہا۔ جس کے نتیجے میں حرام خوری کو آج سرے

سے عیب ہی نہیں سمجھا جاتا۔ بلکہ دھڑلے کے ساتھ کہا جاتا ہے کہ دنیا کر رہی ہے تو ہم کیوں نہ کریں!

ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلمان اپنے دلوں میں اللہ تعالیٰ کا خوف پیدا کریں۔ اور حرام ذرائع آمدنی کو کلی طور

پر چھوڑ دیں۔

دوسرا سبب: راتوں رات مالدار بننے کی خواہش!

حرام کمائی کے مختلف وسائل اس لیے اختیار کیے جاتے ہیں کہ بہت سارے لوگ راتوں رات مالدار بننا چاہتے ہیں

اور حصولِ رزق میں تاخیر کو برداشت نہیں کرتے۔ حالانکہ رزق کی تقسیم اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ

لِيَكُونُوا لِبَعْضِهِمْ بَعْضًا سَخِرَ لَكَ﴾

”ہم نے ہی ان کی روزی کو دنیاوی زندگی میں ان کے درمیان تقسیم کر دیا ہے اور ہم نے ہی ان میں سے بعض

کو بعض پر کئی درجے فوقیت دی ہے تاکہ یہ ایک دوسرے سے خدمت لے سکیں۔“^(۱)

رزق کے فیصلے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں۔ وہ جسے چاہے زیادہ دے اور جسے چاہے کم دے۔ اللہ تعالیٰ کا

فرمان ہے: ﴿اللَّهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَيَقْدِرُ لَهُ ۖ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝﴾^①
 لہذا اگر کسی انسان کو رزق محدود و مقدار میں مل رہا ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر راضی ہو جائے اور قناعت اختیار کرے۔ یہ نہیں کہ وہ ناجائز طریقوں سے حصول رزق کے لیے ہاتھ پاؤں مارنا شروع کر دے۔^②

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ

«إِنَّ جَبْرِيلَ أُلْقِيَ فِي رَوْعِي أَنْ أَخَذَا مِنْكُمْ لِنِ يَخْرُجَ مِنَ الدُّنْيَا حَتَّى يَسْتَكْمِلَ رِزْقَهُ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَجْمِلُوا فِي الطَّلَبِ ، فَإِنْ اسْتَبْطَأَ أَحَدٌ مِنْكُمْ رِزْقَهُ فَلَا يَطْلُبْهُ بِمَغْصِبَةِ اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُنَالُ فَضْلُهُ بِمَغْصِبَتِهِ»

”بے شک جبریل علیہ السلام نے میرے دل میں یہ بات ڈال دی ہے کہ تم میں سے کوئی شخص اس دنیا سے نہیں جائے گا جب تک وہ اپنا رزق مکمل طور پر حاصل نہ کر لے۔ لہذا تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور رزق کی طلب میں خوبصورتی پیدا کرو۔ (یعنی صرف حلال طریقوں سے اسے طلب کرو۔) اگر تم میں سے کوئی شخص یہ محسوس کرے کہ اس کے رزق میں تاخیر ہو رہی ہے تو وہ اسے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے ذریعے طلب نہ کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فضل اس کی نافرمانی کر کے حاصل نہیں کیا جاسکتا۔“^③

اسی حدیث کی ایک اور روایت کے آخر میں یہ الفاظ ہیں: «خَذُوا مَا خَلَّ وَذَعُوا مَا حَرَّمَ» ”تم وہ چیز لو جو حلال ہو اور اس کو چھوڑ دو جو حرام ہو۔“^④

تیسرا سبب: حرام خوری کی سنگینی اور خطرناکی سے ناواقفیت

بہت سارے لوگ جو حرام کمائی کے مختلف ذرائع اختیار کرتے ہیں وہ اس سے ناواقف ہوتے ہیں کہ یہ کس قدر خطرناک اور سنگین جرم ہے۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: «إِنَّهُ لَا يَزْنُو لَحْمٍ ثَبَتَ مِنْ سُخْبِ إِلَّا كَانَتْ النَّارُ أُولَى بِهِ»^⑤
 ”وہ گوشت جس کی پرورش حرام غذا سے ہو وہ جہنم کی آگ کے زیادہ لائق ہے۔“^⑥

سلف صالحین اس سلسلے میں کس قدر محتاط ہوتے تھے اس کا اندازہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے کیا جاسکتا ہے جن کے بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ان کا ایک غلام ایک دن کھانے کی کوئی چیز لے کر آیا تو انھوں نے اس میں سے کچھ کھا لیا۔ پھر غلام نے کہا: کیا آپ کو معلوم ہے کہ جو کچھ آپ نے کھایا ہے یہ کہاں سے آیا

① العنکبوت 29: 62. ② السلسلة الصحيحة للألبانی: 2607. ③ سنن ابن ماجہ: 2144. صحیحہ الألبانی. ④ جامع الترمذی: 614. وقال الألبانی: صحیح.

ہے؟ انھوں نے پوچھا: کہاں سے آیا ہے؟ اس نے کہا: میں نے جاہلیت کے دور میں ایک آدمی کے لیے کہانت کی تھی۔ میں کہانت جانتا تو نہ تھا البتہ میں اسے دھوکہ دینے میں کامیاب ہو گیا۔ آج اس سے ملاقات ہوئی تو اس نے یہی کھانا مجھے دیا جس سے آپ نے بھی کھایا ہے! چنانچہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنا ہاتھ اپنے منہ میں داخل کیا اور کوشش کر کے جو کچھ ان کے پیٹ میں تھا اسے قے کر ڈالا۔ پھر انھوں نے کہا: اگر یہ میری جان لیے بغیر باہر نہ نکلتا تو میں پھر بھی اس کی پروا نہ کرتا۔ اے اللہ! جو کچھ میری رگوں اور انتڑیوں میں رہ گیا ہے اس سے میں بیزاری کا اظہار کرتا ہوں۔^①

ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اسی طرح محتاط ہو جیسا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم محتاط تھے۔

چوتھا سبب: طمع اور لالچ

جی ہاں، طمع اور لالچ انسان کو اندھا کر دیتی ہے۔ پھر وہ کچھ نہیں دیکھتا کہ حلال کما رہا ہے یا حرام! حالانکہ یہ لالچ کتنی بری بلا ہے اس کا اندازہ اس حدیث سے کیا جاسکتا ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

« مَا ذُنُوبَانِ جَانِعَانِ أَوْسَلَا فِي غَنَمٍ بِأَفْسَدَ لَهْمًا مِنْ جِرْصِ الْمَرْءِ عَلَى الْمَالِ وَالشَّرَفِ لِبَيْتِهِ »

”ایسے دو بھوکے بھیڑیے جنھیں بکریوں میں چھوڑ دیا جائے وہ ان میں اتنی خرابی نہیں کرتے جتنی خرابی مال اور

جاہ و منصب پر بندے کی لالچ کی وجہ سے اس کے دین میں ہوتی ہے۔“^②

مطلب یہ ہے کہ اگر دو بھوکے بھیڑیوں کو بکریوں کے ریوز میں چھوڑ دیا جائے کہ وہ جو چاہیں اور جیسے چاہیں کریں تو وہ اس ریوز میں جتنی تباہی و بربادی پھیلائیں گے وہ اُس تباہی و بربادی سے زیادہ نہیں ہوتی جو کسی انسان کے دین میں اس وقت واقع ہوتی ہے جب وہ مال اور جاہ و منصب کی لالچ میں مبتلا ہوتا ہے۔ یعنی اس بندے کی دینی تباہی زیادہ ہوتی ہے اُس پہلی تباہی سے۔ واللہ المستعان

اللہ تعالیٰ ہمیں ایسی لالچ سے محفوظ رکھے۔ اور ہمیں رزق حلال پر قناعت نصیب کرے۔

① صحیح البخاری: 3554، ② جامع الترمذی: 2376، قال الألبانی: صحیح۔

اپنے دین کو پچھانے

اہم عناصر خطبہ

- ① شیطان کی انسان سے اعلانیہ دشمنی اور جنگ
- ② شیطان کے متعلق بعض اہم حقائق
- ③ شیطان کی چالیں
- ④ شیطان کی اعلانیہ جنگ کا مقابلہ کیسے؟
- ⑤ شیطان کیا چاہتا ہے؟
- ⑥ شیطان کے شر سے بچنے کی تدبیریں

پہلا خطبہ

محترم حضرات!

کسی انسان سے یہ بات ڈھکی چھپی نہیں کہ شیطان انسان کا ازلی دشمن ہے۔ شیطان خود تو ہماری آنکھوں سے اوجھل ہے لیکن اس کی دشمنی اعلانیہ ہے۔ یعنی اس نے اللہ تعالیٰ کی قسم اٹھا کر کھلم کھلا اعلان کر رکھا ہے کہ میں بنو آدم کو ضرور گمراہ کروں گا۔

چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے اسے حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم دیا اور اس نے تکبر کرتے ہوئے انکار کر دیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اسے ہمیشہ کے لیے اپنی رحمت سے دور کر دیا اور اسے ملعون قرار دیتے ہوئے جنت سے نکال دیا۔ تب اس نے کہا تھا: ﴿قَالَ ارْجِعْكَ هَذَا الَّذِي كُتِّمْتُ عَلَىٰ لَيْلٍ أَخَذْتَنِي إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَاحُتَنِيكَ ذُرِّيَّتَكَ إِلَّا قَلِيلًا﴾

”اس نے کہا: بھلا دیکھ جس کو تو نے مجھ پر فوقیت دی ہے اگر تو مجھے قیامت تک مہلت دے تو میں چند لوگوں کے سوا اس کی تمام تر اولاد کو لگام ڈالے رکھوں گا۔“^①

اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَإِنَّ جَهَنَّمَ جَزَاءُكُمْ جَزَاءً مَوْفُورًا﴾

① الإسراء 62:17

”اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جا، اولادِ آدم میں سے جو بھی تمہارے پیچھے لگے گا تو تم سب کے لیے جہنم ہی پورا پورا بدلہ ہے۔“^(۱)

ان دونوں آیات کریمہ سے ثابت ہوا کہ شیطان کی انسان سے دشمنی ازلی اور اعلانیہ ہے۔ اور یہ بھی کہ بنو آدم میں سے جو بھی اس کی پیروی کرے گا وہ اس کے ساتھ جہنم میں جائے گا۔ والعیاذ باللہ اور انسان سے شیطان کی دشمنی دائمی بھی ہے۔ یعنی جب تک سورج اور چاند کا وجود رہے گا بنی نوع انسان سے اس کی دشمنی جاری رہے گی۔

خود شیطان نے قیامت تک کے لیے مہلت طلب کی جو اللہ تعالیٰ نے اسے دے دی۔
اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿قَالَ رَبِّ فَأَنْظِرْنِي إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ ۝ قَالَ فَإِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِينَ ۝ إِلَى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُومِ ۝﴾

”وہ کہنے لگا: اے میرے رب! پھر مجھے اس دن تک مہلت دے دے جب لوگ اٹھائے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تجھے مہلت دی جاتی ہے اس دن تک جس کا وقت (ہمیں) معلوم ہے۔“^(۲)

عجیب بات یہ ہے کہ شیطان نے انسان سے اس اعلانیہ جنگ کی اجازت اللہ تعالیٰ سے مانگی تو اس نے اسے اجازت دے دی۔ ظاہر ہے کہ اس میں کوئی نہ کوئی حکمت تھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اس جنگ کا مقابلہ کرنے کے لیے تین امور کا حکم دیا:

(۱) شیطان کو انسان کا دشمن قرار دے کر انسانوں کو یہ حکم دیا کہ وہ بھی اسے اپنا دشمن ہی تصور کریں۔
اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوهُ عَدُوًّا ۚ إِنَّمَا يَدْعُوا حِزْبَهُ لِيَكُونُوا مِنَ أَصْحَابِ السَّعِيرِ ۝﴾

”شیطان یقیناً تمہارا دشمن ہے لہذا تم بھی اسے دشمن ہی سمجھو۔ وہ اپنے پیروکاروں کو صرف اس لیے بلاتا ہے کہ وہ جہنمی بن جائیں۔“^(۳)

اللہ تعالیٰ کے اس واضح ترین حکم کے باوجود آج انسانوں نے شیطان کو اپنا دوست بنا رکھا ہے۔ چنانچہ ہر وہ کام کرتے ہیں جس سے اللہ تعالیٰ نے انھیں منع کیا ہے اور ہر وہ کام نہیں کرتے جس کا اللہ تعالیٰ نے انھیں حکم دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿أَفَتَتَّخِذُونَهُ وَذُرِّيَّتَهُ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِي ۚ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ بِئْسَ لِلظَّالِمِينَ بَدَلًا ۝﴾

”کیا تم مجھے چھوڑ کر اسے اور اس کی اولاد کو اپنا دوست بناتے ہو حالانکہ وہ تمہارا دشمن ہے؟ ظالموں کے لیے

برابر ہے۔“ ①

② اللہ تعالیٰ نے شیطان سے براہ راست ڈرایا اور اس کے نقش قدم پہ چلنے سے منع فرمایا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿يَبْنِيْ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَا اَخْرَجَ اٰبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ﴾

”اے بنو آدم! ایسا نہ ہو کہ شیطان تمہیں فتنہ میں مبتلا کر دے جیسا کہ اس نے تمہارے ماں باپ کو جنت

سے نکلوایا۔“ ③

اسی طرح اس نے فرمایا:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۚ وَ مَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهٗ يَأْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ﴾

”اے ایمان والو! تم شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو۔ اور جو شخص شیطان کے نقش قدم پر چلے گا تو وہ بے حیائی

اور برے کاموں کا حکم دے گا۔“ ④

⑤ اللہ تعالیٰ نے نہ صرف شیطان سے ڈرایا بلکہ اس کے شر اور فتنے سے بچنے کے لیے مختلف تدابیر سے بھی آگاہ کیا

تاکہ انسان شیطان کی اس اعلانیہ جنگ میں مسلح ہو کر اس کا مقابلہ کر سکے۔ ان تدابیر کا تذکرہ ہم خطبہ کے آخر میں

کریں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

شیطان کے حلق بعض اہم حقائق

① شیطان انسان کا چچھا نہیں چھوڑتا: نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((إِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِي مِنْ ابْنِ آدَمَ فَجَرِي الدَّمِ))

”بیشک شیطان انسان میں خون کی طرح گردش کرتا ہے۔“ ②

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ شیطان کی انسان سے دشمنی نہایت شدید ہے اور وہ اس کے لیے بہت بڑا فتنہ ہے۔

اتنا بڑا فتنہ کہ انسان کو پتہ بھی نہیں چلتا اور وہ اپنا کام کر جاتا اور اسے گمراہ کر ڈالتا ہے۔

② شیطان ہمارا ایسا دشمن ہے جسے ہم نہیں دیکھ سکتے لیکن وہ ہمیں دیکھ سکتا ہے۔ اور یہ نہایت خطرناک بات ہے کیونکہ

دشمن اگر سامنے ہو تو اس سے انسان بچنے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن اگر وہ چھپا ہوا اور بہت شاطر اور مکار ہو تو اس سے

بچنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ اَلَا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَ اِنَّهٗ يَؤْتِكُمْ هُوَ وَ قَبِيْلَهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَوَدُّهُمْ﴾

① الکہف: 50، ② الأعراف: 27، ③ النور: 24، ④ صحيح البخاري: 6750، صحيح مسلم: 2174۔

(۳) شیطان اکیلا نہیں بلکہ جن وانس میں سے اس کا ایک بہت بڑا لشکر ہے جو اس کی مدد کے لیے ہمہ وقت تیار رہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَكَذَلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيْطَانِ الْإِنْسِ وَالْجِنِّ يُوحِي بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُورًا﴾

”اور اسی طرح ہم نے شیطان صفت انسانوں اور جنوں کو ہر نبی کا دشمن بنایا جو دھوکہ دینے کی غرض سے کچھ خوش آئند باتیں ایک دوسرے کو بھاتے رہتے ہیں۔“^(۳)

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَإِنَّ الشَّيْطَانَ لِيُؤْخَذَ إِلَىٰ أُولَٰئِكَ لِيُجَادَىٰ﴾ ۝

”بلاشبہ شیطان تو اپنے دوستوں کے دلوں میں (شکوہ و شبہات) افکار کرتے رہتے ہیں تاکہ وہ تم سے جھگڑتے رہیں۔“^(۳)

ان دونوں آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ شیطان کے اعدا و مددگار بہت زیادہ ہیں۔ وہ ان سے بہت سارے کام لیتا ہے۔ انسان کو گمراہ کرنے کے مختلف طریقے آزماتا اور انھیں اللہ تعالیٰ سے دور کرتا ہے۔ اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”ابلیس اپنا عرش پانی پر رکھتا ہے، پھر اپنی فوجیں ادھر ادھر بھیج دیتا ہے اور ان میں سے سب سے زیادہ معزز اس کے لیے وہ ہوتا ہے جو سب سے بڑا فتنہ بپا کرتا ہے۔ چنانچہ ایک شیطان آتا ہے اور آکر اسے بتاتا ہے کہ میں نے فلاں فلاں کام کیا ہے۔ تو ابلیس اسے کہتا ہے: تم نے کچھ بھی نہیں کیا۔ پھر ایک اور آتا ہے اور کہتا ہے:

» مَا تَرَكْتُهُ حَتَّىٰ فَارَقْتُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ امْرَأَتِهِ « ” میں نے آج فلاں آدمی کو اس وقت تک نہیں چھوڑا جب تک اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان جدائی نہیں ڈال دی۔“

تو ایلیس اسے اپنے قریب کر لیتا ہے (اور ایک روایت کے مطابق اسے اپنے گے سے لگا لیتا ہے) اور پھر اسے مخاطب ہو کر کہتا ہے: تم بہت اچھے ہو۔“^(۵)

۴) شیطان ہر وقت ہر انسان کے ساتھ ہوتا ہے اور اس کو گمراہ کرنے یا اللہ کی عبادت سے دور کرنے کے لیے گھات لگا کر بیٹھا رہتا ہے۔ اور جیسے ہی اسے موقع ملتا ہے تو وہ اسے اپنے ٹکنبے میں پھنسا لیتا ہے۔ اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

﴿قَالَ فِيمَا آغْوَيْتَنِي لَأَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيمَ ۝ ثُمَّ لَآتِيَنَّهُمْ مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ

① الأعراف 7: 27، ② الأنعام 6: 112، ③ الأنعام 6: 121، ④ صحيح مسلم: 2813.

وَعَنْ أَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَائِلِهِمْ - وَلَا تَجِدُ أَكْثَرَهُمْ شَاكِرِينَ ﴿١٧﴾

”کہنے لگا: تو نے مجھے گمراہی میں مبتلا کیا ہے لہذا اب میں بھی تیری صراطِ مستقیم پر (ان کو گمراہ کرنے کے لیے) بیٹھوں گا۔ پھر ان کے آگے سے، ان کے پیچھے سے اور ان کے دائیں بائیں سے (غرض ہر طرف سے) انھیں گھیر لوں گا۔ اور تو ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہ پائے گا۔“^(۱)

مفسر قرآن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ”آگے“ سے مراد آخرت کے بارے میں شک ڈالنا ہے۔ ”پیچھے“ سے مراد انھیں دنیا پہ فریفتہ کرنا ہے۔ ”دائیں“ سے مراد دین کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کرنا ہے اور ”بائیں“ سے مراد گناہوں کی ترغیب دلانا ہے۔ یا اس سے مراد یہ ہے کہ میں کسی طرح بھی انھیں اکیلا نہیں چھوڑوں گا بلکہ ورغلاتا ہی رہوں گا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَمَنْ يُفْسِدْ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمَنِ نَقِيضٌ لَهُ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهُ قَرِينٌ ﴿٢٠﴾﴾^(۲) اور جو شخص رحمن کے ذکر سے آنکھیں بند کرتا ہے ہم اس پر شیطان کو مسلط کر دیتے ہیں جو اس کا ساتھی بن جاتا ہے۔“^(۳)

اس آیت کریمہ سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل رہنے والے انسان پر شیطان مسلط کر دیا جاتا ہے اور وہ اس کا ساتھی بن جاتا ہے۔ لہذا اس کے تسلط سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ انسان ہر وقت اللہ تعالیٰ کو یاد رکھے۔ اور رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

((مَا مِنْكُمْ مَّنْ أَحَدٍ إِلَّا وَفَدَ وَكَلَّ بِهِ قَرِينُهُ مِنَ الْجِنِّ وَقَرِينُهُ مِنَ الْمَلَائِكَةِ)) قَالُوا : وَإِيَّاكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ ! قَالَ : ((وَإِيَّايَ وَلَكِنَّ اللَّهَ أَعَانَنِي عَلَيْهِ فَأَمْسَلَمَ فَلَا يَأْمُرُنِي إِلَّا بِخَيْرٍ))

”ایک ساتھی جنوں میں سے اور ایک ساتھی فرشتوں میں سے تم میں سے ہر شخص کے ساتھ لگا دیا گیا ہے۔“ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: آپ کے ساتھ بھی؟ تو آپ نے فرمایا: ”ہاں میرے ساتھ بھی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے میری مدد کی ہے اور میرا ساتھی مسلمان ہو چکا ہے۔ چنانچہ وہ مجھے خیر کا ہی حکم دیتا ہے۔“^(۴)

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک رات رسول اکرم ﷺ ان کے پاس سے اٹھ کر چلے گئے تو مجھے ان پر غیرت آئی۔ جب آپ ﷺ واپس تشریف لائے تو آپ نے وہ دیکھ لیا جو میں کر رہی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ عائشہ! کیا تمہیں غیرت آگئی ہے؟ تو میں نے کہا: مجھ جیسی عورت کو آپ جیسی شخصیت پر کیوں نہ غیرت آئے! آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تمہارے پاس تمہارا شیطان آگیا؟ میں نے کہا: یا رسول اللہ! کیا میرے ساتھ

① الأعراف 7: 16-17، ② الزخرف 43: 63، ③ صحیح مسلم: 2814

بھی شیطان ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں ہے۔ میں نے پوچھا: کیا ہر انسان کے ساتھ شیطان ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں ہر ایک کے ساتھ ہوتا ہے۔ میں نے کہا: آپ کے ساتھ بھی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں میرے ساتھ بھی ہے لیکن میرے رب نے اس پر میری مدد کی ہے یہاں تک کہ وہ مسلمان ہو چکا ہے۔^①

[۵] قیامت کے روز شیطان کسی کی فریادری نہیں کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَقَالَ الشَّيْطَانُ لَمَّا قُضِيَ الْأَمْرُ إِنَّ اللَّهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُكُمْ فَأَخْلَفْتُكُمْ وَمَا كَانَ لِي عَلَيْكُمْ مِنْ سُلْطَانٍ إِلَّا أَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِي فَلَا تَلُمُونِي وَلَوْلَا أَنْفُسُكُمْ مَا آتَا بِصُورِكُمْ وَمَا أَنْتُمْ بِبُصُرِي إِلَى كَفَرْتُمْ بِمَا أَشْرَكْتُمُونِ مِنْ قَبْلُ إِنَّ الظَّالِمِينَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝﴾

”اور جب تمام امور کا فیصلہ چکا دیا جائے گا تو شیطان کہے گا: اللہ نے تم سے جو وعدہ کیا تھا سچا تھا اور میں نے تم سے جو وعدہ کیا تھا اس کی میں نے خلاف ورزی کی۔ اور میرا تم پر کچھ زور نہ تھا سوائے اس کے کہ میں نے تمہیں (اپنی طرف) بلایا تو تم نے میری بات مان لی۔ لہذا مجھے ملامت نہ کرو بلکہ اپنے آپ کو کرو۔ میں تمہاری فریاد کر سکتا ہوں اور نہ تم میری کر سکتے ہو۔ اس سے پہلے جو تم مجھے اللہ کا شریک بناتے رہے ہو میں اس کا انکار کرتا ہوں۔ بلاشبہ ظالموں کے لیے المناک عذاب ہے۔“^②

اس طرح شیطان قیامت کے روز بری الذمہ ہو جائے گا اور انسان کی فریادری سے بالکل انکار کر دے گا۔ لہذا اسے دوست بنانے اور اس کے احکامات کی بجا آوری کی بجائے اسے دشمن تصور کرتے ہوئے اس کی خلاف ورزی کرنی چاہیے۔

[۶] شیطان کی نافرمانی رحمن کی فرمانبرداری ہے کیونکہ ہر وہ عبادت جو اللہ تعالیٰ کے ہاں محبوب ہوتی ہے وہ شیطان کے ہاں مبغوض (ناپسندیدہ) ہوتی ہے۔ اسی لیے شیطان انسان کو اس سے دور رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ اگر آپ اس کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کریں گے تو آپ یقیناً کامیاب ہو جائیں گے۔ اور اگر معاملہ اس کے برعکس ہوگا تو آپ یقیناً ناکامی سے دو چار ہوں گے۔

اور رحمن کی ہر نافرمانی شیطان کو بڑی محبوب ہوتی ہے۔ اسی لیے وہ گناہوں کو انسان کے سامنے مزین کر کے پیش کرتا رہتا ہے۔ نہ صرف مزین کر کے پیش کرتا بلکہ ان تک پہنچنے والے راستے بھی آسان سے آسان تر بنا دیتا ہے۔ اگر آپ اس کی چالوں پر متنبہ نہیں ہوتے اور اس کے جال میں پھنس جاتے ہیں تو یقیناً آپ خسارہ پانے والوں میں شامل ہو جائیں گے۔ اور اگر آپ اس کی نافرمانی کرتے اور اللہ کے دین پر قائم رہتے ہیں تو یقیناً آپ کامیابی سے ہمکنار

ہونے والے خوش نصیبوں میں شامل ہو جائیں گے۔

شیطان کیا چاہتا ہے؟

شیطان کا سب سے بڑا ہدف یہ ہے کہ جس طرح وہ خود پہنچی ہے اسی طرح انسان کو بھی جہنمی بنا دے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿إِنَّمَا يَدْعُوا حِزْبَهُ لِيَكُونُوا مِنْ أَصْحَابِ السَّعِيرِ ۝﴾

”وہ (شیطان) اپنے پیروکاروں کو صرف اس لیے بلاتا ہے کہ وہ جہنمی بن جائیں۔“^(۱)

شیطان کو یہ پتہ ہے کہ انسانوں کو جہنم میں پہنچانے کے لیے ضروری ہے کہ انھیں اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل کرنے سے دور رکھا جائے اور انھیں اُس کی نافرمانیاں کرنے پر آمادہ کیا جائے۔ چنانچہ وہ اس کے لیے ہمہ وقت کوشاں رہتا اور اپنے اس ہدف کے حصول کے لیے مختلف چالیں چلتا اور انسان کو جہنم تک پہنچانے کے متعدد وسائل اختیار کرتا ہے۔ لہذا آئیے اس کی چالوں کا تذکرہ کرتے ہیں۔

شیطان کی چالیں

① بندوں کو کفر و شرک میں مبتلا کرنا: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿كَمَثَلِ الشَّيْطَانِ إِذْ قَالَ لِلنَّاسِ اكْفُرُوا فَلَمَّا كَفَرُوا قَالَ إِنِّي بَرِيءٌ مِّنْكُمْ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ رَبَّ الْعَالَمِينَ ۝﴾

”ان (منافقوں) کی مثال شیطان جیسی ہے جو انسان سے کہتا ہے: کفر کر۔ پھر جب وہ کفر کرتا ہے تو کہتا ہے کہ میں تجھ سے بری الذمہ ہوں۔ میں تو اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں۔“^(۲)

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿إِنْ يَدْعُونَ مِن دُونِهِ إِلَّا إِنشَاءً ۚ وَإِنْ يَدْعُونَ إِلَّا شَيْطَانًا مَّرِيدًا ۝ لَّعَنَهُ

اللَّهُ ۖ وَقَالَ لَا تَعْبُدْنَ مِنْ عِبَادِي نَصِيبًا مَّفْرُوضًا ۝﴾

”یہ مشرکین اللہ کو چھوڑ کر دیویوں کو پکارتے ہیں، حقیقت میں وہ سرکش شیطان کو پکار رہے ہوتے ہیں۔ جس پر اللہ نے لعنت کی ہے اور اس (شیطان) نے کہا کہ میں تیرے بندوں میں سے ایک مقرر شدہ حصہ لے کر رہوں گا۔“^(۳)

’شیطان‘ نے ہی بنو آدم کے سامنے شرک کو خوبصورت بنا کر پیش کیا اور انھیں ورغلا کر اپنے ناپاک ارادوں کی تکمیل میں کامیاب ہو گیا۔ اس کا آغاز حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے زمانے سے ہوا، جب انھوں نے ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر نامی بتوں کی پوجا شروع کی۔ یہ دراصل ان کی قوم کے بعض صلحاء کے نام تھے۔

جب وہ فوت ہو گئے تو شیطان نے ان کے دلوں میں ہوسہ ڈالا کہ وہ جن مجلسوں میں بیٹھا کرتے تھے وہاں تم بت

گاڑھ دو اور ان کے نام وہی رکھو جو ان صلحاء کے تھے۔ انھوں نے ایسا ہی کیا لیکن ان کی پوجا نہ کی گئی۔ پھر جب وہ لوگ مر گئے اور بت گاڑھنے کی اصل وجہ کا بعد میں آنے والی نسل کو پتہ نہ رہا تو ان کی پوجا شروع کر دی گئی۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے جو کہ صحیح بخاری میں موجود ہے^(۱)

اور ابن جریر رحمہ اللہ نے محمد بن قیس رحمہ اللہ کا یہ قول روایت کیا ہے کہ وہ (ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر) بنو آدم کے کچھ نیک لوگ تھے اور ان کے پیروکار بھی موجود تھے جو ان کی اقتداء کرتے تھے، پھر جب وہ فوت ہو گئے تو ان کے پیروکار آپس میں کہنے لگے: ہم کیوں نہ ان کی تصویریں بنالیں تاکہ انھیں دیکھ کر ہمارے دلوں میں عبادت کا شوق پیدا ہو۔ چنانچہ انھوں نے ان کی تصویریں بنالیں، پھر جب یہ لوگ مر گئے اور دوسرے لوگ آگئے تو ابلیس چپکے سے ان کے پاس گیا اور کہنے لگا: وہ (تمہارے آباؤ اجداد) تو ان (تصویروں) کی پوجا کیا کرتے تھے اور انھی کی وجہ سے ان پر بارش نازل ہوتی تھی، سو انھوں نے ان کی پوجا شروع کر دی۔^(۲)

اس طرح شیطان کے ورغلانے پر ہی بنو آدم میں شرک کا آغاز ہوا۔

آج بھی شیطان نے لوگوں کو مختلف شرکیہ کاموں میں لگا رکھا ہے۔ مثلاً قبروں پر چڑھاوے چڑھانا، مزاروں پر نذر و نیاز پیش کرنا، غیر اللہ کے سامنے جھکنا، فوت شدگان سے امیدیں وابستہ کرنا یا ان کا خوف کھانا، انھیں حاجت روا اور مشکل کشا تصور کرنا وغیرہ۔ شیطان ان لوگوں کو سبز باغ دکھاتا ہے کہ یہ بزرگان دین جن کے نام کی تم نذر و نیاز دیتے ہو اور جن کی قبروں پر تم دیگیں پکاتے اور لنگر تقسیم کرتے ہو یہ قیامت کے روز تمہارے کام آئیں گے اور تمہیں اللہ کے عذاب سے چھڑائیں گے وغیرہ۔ تو یہ بہت بڑا شیطانی فتنہ ہے جس سے انسانوں کو متنبہ رہنا چاہیے۔

[۲] گناہوں اور برائیوں کو مزین کر کے پیش کرنا اور ان کی طرف دعوت دینا: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿قَالَ رَبِّ إِنِّي لَا أَتَّبِعُكَ لَا أَتَّبِعُكَ لَئِنْ لَمْ يَنْقُصْ إِلَيَّ مِنْ نِعْمَتِكَ فِي الْآرِضِ وَلَا أَتَّبِعُكَ أَتَّبِعُكَ﴾

”اس نے کہا: اے میرے رب! چونکہ تو نے مجھے ورغلا یا ہے تو میں بھی دنیا میں لوگوں کو (ان کے گناہ) خوش نما کر کے دکھاؤں گا اور ان سب کو ورغلا کے چھوڑ دوں گا۔“^(۳)

چنانچہ اس نے اس کا آغاز خود حضرت آدم علیہ السلام سے ہی کیا۔ وہ آدم علیہ السلام اور ان کی بیوی کے پیچھے لگا رہا جنہیں جنت میں بسانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایک درخت کے قریب جانے سے روک دیا تھا۔ وہ دوسرے پیدا کر کے اور ورغلا اور بہکا کر مختلف طریقوں سے کوششیں کرتا رہا یہاں تک کہ انھیں جنت سے نکلوانے میں کامیاب ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطَانُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وُورِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوَاتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهَاكُمَا

رَبِّكُمَا عَنْ هَذِهِ الشَّجَرَةِ إِلَّا أَنْ تَكُونَا مَلَكَتَيْنِ أَوْ تَكُونَا مِنَ الْخَالِدِينَ ۝ وَقَاسَاهُمَا إِنْ لَكُمَا لَيْسَ النَّصِيحِينَ ۝
فَدَلَّاهُمَا بِغُرُورٍ ﴿١﴾

”چنانچہ شیطان نے ان دونوں کو درغلا یا تا کہ ان کی شرمگاہیں جو ایک دوسرے سے چھپائی گئی تھیں انھیں ان کے سامنے کھول دے۔ اور اس نے کہا: تمہیں تمہارے رب نے اس درخت سے صرف اس لیے روکا کہ کہیں تم فرشتے نہ بن جاؤ یا تم ہمیشہ یہاں رہنے والے نہ بن جاؤ۔ پھر ان کے سامنے قسم کھائی کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔ چنانچہ انھیں دھوکے سے مائل کر لیا۔“^(۱)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے شیطان کے طریقہ واردات کے بارے میں آگاہ کیا ہے کہ وہ مسلسل آدم علیہ السلام اور ان کی زوجہ کو درغلا تا رہا۔ بلکہ اپنی طرف سے دلیل یہ گھڑ لی کہ اصل میں اللہ تعالیٰ نے انھیں اس درخت کے قریب جانے سے اس لیے منع کیا ہے کہ وہ فرشتے نہ بن جائیں۔ یا کہیں وہ ہمیشہ جنت میں رہنے والے نہ بن جائیں۔ گویا کہ شیطان نے انھیں سبز باغ دکھائے کہ اگر وہ اس درخت کے قریب چلے گئے تو وہ یا تو فرشتے بن جائیں گے یا پھر ہمیشہ جنت کی نعمتوں سے لطف اندوز ہونے والے بن جائیں گے۔ پھر اس نے ان دونوں کو یقین دلانے کے لیے قسم بھی کھائی اور اپنے آپ کو ان دونوں کا خیر خواہ ظاہر کیا۔ بلکہ اس نے ان کے دل میں وسوسہ ڈالتے ہوئے یہ بھی کہا کہ ﴿يَا آدَمُ هَلْ أَذُنُكَ عَلَى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكُ لَكَ يَبْلَى ۝﴾ ”اے آدم! میں تمہیں ابدی زندگی اور لازوال سلطنت کا درخت نہ بتاؤں؟“^(۲)

اس طرح آدم علیہ السلام اور ان کی بیوی دھوکے میں آ گئے اور انھوں نے وہ کام کر ڈالا جس سے انھیں اللہ تعالیٰ نے منع کیا تھا۔

پھر اس نے ابن آدم کو اپنے بھائی کے قتل پر بھی آمادہ کر لیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ قصہ سورۃ المائدہ میں ذکر کیا ہے۔ لیکن یہ بھی اس کے لیے کافی نہ تھا۔ اس لیے اس نے ان کے سامنے شرک جیسا مہلک گناہ مزین کر کے پیش کیا اور انھیں اس میں مبتلا کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

جبکہ نبی کریم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر ارشاد فرمایا تھا:

«أَلَا إِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْ أَبْسَ أَنْ يُعْبَدَ فِي بَلَدِكُمْ هَذَا أَبَدًا وَلَكِنْ سَتَكُونُ لَهُ طَاعَةٌ فِي بَعْضِ مَا تَخْفِضُونَ مِنْ أَعْمَالِكُمْ فَيَرْضَى بِهَا»

”خبردار! شیطان یقیناً اس سے مایوس ہو چکا ہے کہ تمہارے اس ملک میں اس کی پوجا کی جائے گی۔ لیکن

ہاں، تمہارے بعض اُن اعمال میں اُس کی اطاعت ضرور کی جائے گی جنہیں تم حقیر سمجھو گے اور وہ اسی پر راضی ہو جائے گا۔“^①

نبی کریم ﷺ کی یہ پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہو چکی ہے۔ چنانچہ آج بہت سارے ایسے لوگ موجود ہیں جو شرک میں تو مبتلا نہیں لیکن اس کے علاوہ دیگر کئی گناہوں میں مبتلا ہیں جنہیں وہ انتہائی حقیر سمجھتے ہیں۔ بلکہ ان میں سے کئی لوگ تو انہیں سرے سے گناہ ہی تصور نہیں کرتے۔ مثلاً نمازوں میں سستی کرنا، زکاۃ ادا نہ کرنا، موسیقی اور گانے وغیرہ سننا، مختلف ناموں کے ساتھ سودی معاملات میں ملوث ہونا، جوا کھیلنا، شراب نوشی اور دیگر منشیات کا استعمال کرنا، رشوت لینا اور دینا، کاروبار میں دھوکہ اور فراڈ کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا وغیرہ۔ یہ اور ان جیسے دیگر کئی گناہ جو آج ہمارے معاشرے میں بکثرت پائے جاتے ہیں، انہیں لوگوں نے حقیر سمجھ لیا ہے اور وہ ان کا ارتکاب پوری دیدہ دلیری اور جسارت کے ساتھ کرتے ہیں حالانکہ شرعی لحاظ سے یہ بہت بڑے گناہ ہیں۔

③ شراب اور جوئے کے ذریعے لوگوں کے مابین عداوت پیدا کرنا اور انہیں اللہ کے دین سے روکنا اللہ رب العزت فرماتے ہیں:

﴿إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْغَيْبِ وَالْمَنِيِّ وَيَصَدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ فَهَلْ أَنْتُمْ مُنتَهُوْنَ ۝﴾

”بلاشبہ شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے تمہارے درمیان دشمنی اور بغض ڈال دے اور اللہ کے ذکر اور نماز سے روک دے۔ تو کیا تم باز آتے ہو؟“^②

④ بندے کی عبادت کو خراب کرنا: جی ہاں، شیطان بندے کی عبادت کو جہاں تک اس سے ہو سکے خراب کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ چنانچہ عبادت کے آغاز سے ہی وہ اس کے دل میں وسوسہ اور دہم ڈال دیتا ہے۔ پھر اسے پتہ ہی نہیں رہتا کہ اس نے کتنی عبادت کی ہے اور ابھی کتنی کرنی ہے۔

حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! شیطان میرے، میری نماز اور میری قراءت کے درمیان حائل ہو گیا ہے اور مجھے اس میں شک و شبہ میں مبتلا کر دیتا ہے۔ تو رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: « ذَاكَ شَيْطَانٌ يُفَالِلُ خَيْرٌ ، فَإِذَا احْتَسَبْتَهُ فَتَعَوَّذْ بِاللَّهِ مِنْهُ وَانْظُرْ عَلَى نِسَارِكَ ثَلَاثًا »

”وہ شیطان ہے جسے ’خزب‘ کہا جاتا ہے۔ لہذا جب تم اسے محسوس کرو تو اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرو

① جامع الترمذی: 2159، سنن ابن ماجہ: 3055، صحیحہ الالبانی، ② المائدہ: 4: 19.

اور تین مرتبہ اپنے بائیں تھوک دو۔^(۱)

حضرت عثمان بن ابی العاصؓ کہتے ہیں کہ میں نے اسی طرح کیا تو اللہ تعالیٰ نے وہ چیز ختم کر دی۔ اور حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

« إِذَا نُودِيَ بِالصَّلَاةِ ذَبَرَ الشَّيْطَانُ وَلَهُ ضُرَاطٌ . حَتَّى لَا يَسْمَعَ الْإِذَاانَ . فَإِذَا قُضِيَ الْإِذَاانُ أَقْبَلَ . فَإِذَا ثُوبَ بِنَا ذَبَرَ . فَإِذَا قُضِيَ الثُّنُوبُ أَقْبَلَ حَتَّى يُخْطَرَبَيْنِ الْمَرْءُ وَنَفْسِهِ . يَقُولُ : أَذْكَرُ كَذَا وَكَذَا مَا لَمْ يَكُنْ يَذْكُرُ حَتَّى يَنْظُرَ الرَّجُلُ إِنْ يُدْرِي كَمْ صَلَّى »

”جب اذان ہوتی ہے تو شیطان پیٹھ پھیر کر بھاگ لھتا ہے حتیٰ کہ اس کی ہوا بھی خارج ہوتی ہے۔ اور وہ اتنا دور چلا جاتا ہے کہ اذان کی آواز اس کے کانوں میں نہیں پڑتی۔ پھر اذان ختم ہونے کے بعد وہ واپس لوٹ آتا ہے۔ پھر جب اقامت ہوتی ہے تو ایک بار پھر بھاگ جاتا ہے۔ جب اقامت ختم ہو جاتی ہے تو دوبارہ لوٹ آتا ہے۔ اور بندے کے دل میں وسوسے ڈال کر اسے کہتا ہے: فلاں چیز یاد کرو، فلاں کام یاد کرو۔ وہ وہ کام یاد کراتا ہے جو اسے (نماز سے پہلے) یاد نہیں ہوتے۔ اور اس کی حالت یہ ہو جاتی ہے کہ اسے یہ بھی پتہ نہیں رہتا کہ اس نے کتنی نماز پڑھی ہے۔“^(۲)

جبکہ حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک مرتبہ نماز پڑھی۔ اس کے بعد فرمایا:

« إِنَّ الشَّيْطَانَ عَرَضَ لِي فَشَدَّ عَلَيَّ يَفْطَعُ الصَّلَاةَ عَلَيَّ فَأَمْكَنْتَنِي اللَّهُ مِنْهُ »

”بے شک شیطان میرے درپے ہوا، پھر اس نے پوری کوشش کی کہ میری نماز میں خلل ڈالے، لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے اس پر قابو پانے کی توفیق دی۔“^(۳)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ شیطان اگر امام الانبیاء حضرت محمد ﷺ کی نماز میں خلل ڈالنے کی کوشش کر سکتا ہے تو وہ آپ ﷺ کے کسی بھی امتی کو اپنا شکار بنا سکتا ہے۔ والعیاذ باللہ

اور حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ انھوں نے رسول اکرم ﷺ سے نماز میں کسی آدمی کے التفات (ادھر ادھر دیکھنے) کے بارے میں سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

« هُوَ اخْتِلَاسٌ يُخْتَلِسُهُ الشَّيْطَانُ مِنْ صَلَاةِ أَحِبِّكُمْ »

”وہ جب ادھر ادھر دیکھتا ہے تو عین اسی وقت شیطان اُس پر جھپٹا مارتا اور اس کی نماز میں سے کچھ حصہ اس سے چھین لیتا ہے۔“^(۴)

① صحیح مسلم: 2203. ② صحیح البخاری: 1231. ③ صحیح البخاری: 3284. ④ صحیح البخاری: 3291.

(۵) تمناؤں اور آرزوؤں میں مگن رکھنا اور اللہ کی خلقت میں تبدیلی کرنے پر السانا

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَقَالَ لَا تُغْنِيَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نِصِيبًا مَّفْرُوضًا ۝ وَلَا يَسْلُبُهُمْ وَلَا يُمْسِكُهُمْ وَلَا مَرْتَبَهُمْ فَلْيُبَيِّنَنَّ خَلْقَ اللَّهِ ۝ وَمَنْ يَتَّخِذِ الشَّيْطَانَ وَلِيًّا مِّنْ دُونِ اللَّهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِينًا ۝ يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيهِمْ ۝ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطَانُ إِلَّا غُرُورًا ۝ وَلِلَّهِ مَا فِي سَمَائِهِمْ جَهَنَّمُ وَلَا يُجِدُونَ عَنْهَا مَخْرِصًا ۝﴾

”اور اس (شیطان) نے اللہ سے کہا تھا: میں تیرے بندوں میں سے ایک مقررہ حصہ لے کر رہوں گا۔ اور میں انہیں گمراہ کر کے چھوڑ دوں گا۔ انہیں آرزوئیں دلاؤں گا اور انہیں حکم دوں گا کہ وہ چوپایوں کے کان پھاڑ لیں۔ اور انہیں یہ بھی حکم دوں گا کہ وہ اللہ کی پیدا کردہ صورت میں تبدیلی کر لیں۔ اور جس شخص نے اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو اپنا سرپرست بنالیا اس نے واضح نقصان اٹھایا۔ شیطان ان سے وعدے کرتا اور امیدیں دلاتا ہے۔ اور جو وعدے بھی کرتا ہے وہ فریب کے سوا کچھ نہیں ہوتے۔ ایسے لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہے اور جس سے نجات کی وہ کوئی صورت نہ پائیں گے۔“

ان آیات مبارکہ سے معلوم ہوا کہ شیطان آرزوئیں دلاتا اور تمناؤں میں مگن رکھتا ہے۔ چنانچہ انسان لمبے لمبے پروگرام بناتا ہے۔ پھر انہیں عملی جامہ پہنانے کے لیے دن رات محنت کرتا ہے۔ تمناؤں اور آرزوؤں کی تکمیل کے لیے ہر وقت سرگرداں رہتا ہے۔ اور یوں اللہ کے دین سے غافل ہو جاتا ہے۔

اسی طرح ان آیات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خلقت میں تبدیلی کرنا شیطانی چالوں میں سے ایک چال ہے۔ لہذا جو مرد حضرات اپنی واڑھیاں منڈواتے ہیں انہیں سوچنا چاہیے کہ وہ واڑھیاں منڈوا کر رحمان جو کہ ان کا خالق و مالک ہے اس کو راضی کر رہے ہیں یا شیطان جو ان کا دشمن ہے اس کو خوش کر رہے ہیں!

اسی طرح وہ خواتین جو اپنے چہروں کے بال زائل کراتی ہیں یا خوبصورتی کے لیے دانتوں میں کشادگی کراتی ہیں وہ بھی اللہ کی خلقت کو تبدیل کر کے یقیناً شیطان کو راضی کرتی ہیں اور اس کی چالوں کا شکار ہو جاتی ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما نے فرمایا: «لَعَنَ اللَّهُ الْوَائِضَاتِ وَالْمُؤْتَشِمَاتِ وَالنَّاصِبَاتِ وَالْمُتَنَبِّصَاتِ، وَالْمُتَفَافِجَاتِ لِلْحُسْنِ، الْمُتَغَيِّرَاتِ خَلْقَ اللَّهِ»

”اللہ تعالیٰ نے گودنے والی اور گدوانے والی، چہرے کے بال اکھاڑنے والی اور کھڑوانے والی اور خوبصورتی کے لیے دانتوں کو جدا کرنے والی عورتوں پر لعنت کی ہے جو اس کی خلقت کو تبدیل کرتی ہیں۔“^(۳)

① النساء: 118-121. ② صحیح البخاری: 4886، صحیح مسلم: 2125.

اور جب بنو اسد کی ایک خاتون (جس کا نام ام یعقوب تھا) نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ کیسے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان عورتوں پر لعنت کی ہے؟ تو انھوں نے کہا: میں ان عورتوں پر کیوں نہ لعنت بھیجوں جن پر رسول اکرم ﷺ نے لعنت بھیجی!

(6) مسلمانوں کے باہمی تعلقات کو خراب کرنا

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَقُلْ لِّعِبَادِي يَقُولُوا الَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ۚ إِنَّ الشَّيْطَانَ يَنْزِعُ بَيْنَهُمْ ۚ إِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلْإِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِينًا﴾

”اور میرے بندوں سے کہہ دو کہ (لوگوں سے) ایسی باتیں کہا کریں جو بہت پسندیدہ ہوں کیونکہ شیطان (بری باتوں سے) اُن میں فساد ڈلوا دیتا ہے۔ کچھ شک نہیں کہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔“⁽¹⁾

(7) اللہ تعالیٰ کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کرنا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«يَأْتِي الشَّيْطَانُ أَحَدَكُمْ فَيَقُولُ: مَنْ خَلَقَ كَذَا؟ مَنْ خَلَقَ كَذَا؟ حَتَّى يَقُولَ: مَنْ خَلَقَ رَبَّكَ؟ فَإِذَا بَلَغَهُ فَلْيَسْتَعِذْ بِاللَّهِ وَلْيَنْتَهَ»

”تم میں سے کسی شخص کے پاس شیطان آتا ہے اور وہ کہتا ہے: اس چیز کو کس نے پیدا کیا؟ اُس چیز کو کس نے پیدا کیا؟ یہاں تک کہ وہ پوچھتا ہے: تیرے رب کو کس نے پیدا کیا؟ لہذا جب وہ یہاں تک جا پہنچے تو اُسے چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرے اور ایسا سوچنے سے باز آ جائے۔“⁽²⁾

(8) رات کا سایہ پڑنے پر شیطان زمین پر پھیل جاتے ہیں اور نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد کرائی ہے:

”جب رات کا سایہ پڑے تو اپنے بچوں کو (باہر نکلنے سے) روکا کرو کیونکہ عین اسی وقت شیطان پھیل جاتے ہیں۔

پھر جب رات کی ایک ساعت گزر جائے تو انھیں چھوڑ دیا کرو۔ اور تم بسم اللہ پڑھ کر اپنا دروازہ بند کیا کرو، بسم اللہ پڑھ کر اپنا چراغ بجھایا کرو، بسم اللہ پڑھ کر اپنے مشکیزے کو باندھ دیا کرو۔ اور بسم اللہ پڑھ کر اپنے برتن کو ڈھانپ دیا کرو اگرچہ اس کی چوڑائی میں کسی لکڑی کو ہی رکھ دو۔“⁽³⁾

(9) ڈراؤنے خواب دکھا کر پریشان کرنا

جو شخص سونے سے پہلے کے اذکار وغیرہ نہیں پڑھتا اور ایسے ہی سو جاتا ہے تو بسا اوقات شیطان اسے ڈراؤنے

خواب دکھا کر پریشان کرتا ہے۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

«الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ مِنَ اللَّهِ، وَالْخُلُمُ مِنَ الشَّيْطَانِ، فَإِذَا خَلُمَ أَحَدُكُمْ خَلْمًا يَخَافُهُ فَلْيَنْصُقْ عَنْ يَسَارِهِ وَلْيَتَعَوَّذْ بِاللَّهِ مِنْ شَرِّهَا فَإِنَّهَا لَنْ تَضُرَّهُ»

”اچھا خواب اللہ کی طرف سے اور نا پسندیدہ خواب شیطان کی طرف سے ہوتا ہے۔ لہذا تم میں سے کوئی شخص جب ایسا نا پسندیدہ خواب دیکھے جس سے وہ خوف محسوس کرتا ہو تو وہ اپنی بائیں طرف ہلکا سا تھوک دے۔ اور اس کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرے۔ وہ یقیناً اس کے لیے نقصان دہ نہیں ہوگا۔“^(۱)

(۱۰) پیدائش کے وقت بچے کے پہلو میں انگلیاں چھبونا

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

«كُلُّ بَنِي آدَمَ يَطْعَنُ الشَّيْطَانَ فِي جَنْبِهِ بِإِصْبَعِهِ حِينَ يُولَدُ، غَيْرَ عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ذَهَبَ يَطْعَنُ فَطْعَنَ فِي الْجَنَابِ»

”ہر انسان کی پیدائش کے وقت شیطان اس کے پہلو میں اپنی دو انگلیوں کو چھبوتا ہے۔ سوائے عیسیٰ بن مریم کے جنہیں وہ انگلیاں چھبونے کے لیے گیا تھا لیکن اس نے جناب (مریم) کو ہی چھبوا دیا۔“^(۲)

(۱۱) غصہ دلانا اور ایک دوسرے سے لڑانا

حضرت سلیمان بن مردیوث بیان کرتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ دو آدمیوں میں لڑائی ہو گئی۔ ان دونوں نے ایک دوسرے کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ ان میں سے ایک کا چہرہ لال سرخ ہو گیا اور اس کی رگیں پھول گئیں۔ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«إِنِّي لَأَعْلَمُ كَلِمَةً لَوْ قَالَهَا ذَهَبَ عَنْهُ مَا يَجِدُ، لَوْ قَالَ: أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ ذَهَبَ عَنْهُ مَا يَجِدُ»

”میں ایک کلمہ جانتا ہوں، اگر یہ وہ کلمہ کہہ دے تو اس کا غصہ جاتا رہے گا۔ اگر یہ «أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ» میں شیطان سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں“ کہہ دے تو اس کا غصہ ختم ہو جائے گا۔“^(۳)

(۱۲) موسیقی وغیرہ میں مگن کرنا

شیطان انسان کو اللہ تعالیٰ کے دین سے دور رکھنے اور اسے اس کے ذکر سے غافل کرنے کے لیے اس کو اپنی سرچلی

(۱) صحیح البخاری: 3292، (۲) صحیح البخاری: 3292، (۳) صحیح البخاری: 3282.

آوازوں میں لگن کر دیتا اور اُن گانوں کا دلدادہ بنا دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو جنت سے نکالتے ہوئے فرمایا تھا:

﴿وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَفْزَعَتْ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَأَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخِيلِكَ وَرَجِّلِكَ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ وَعَدُهُمْ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطَانُ إِلَّا غُرُورًا ۝﴾

”اور ان میں سے جس پر تیرا زور چلے اپنی آواز کے ساتھ اسے بہکا لے۔ اور ان پر اپنے سوار و پیادہ لشکر کو دوڑا لے۔ اور ان کے مالوں اور اولاد میں شریک ہو لے اور ان سے وعدے کر لے۔ اور شیطان ان سے جو وعدے کرتا ہے وہ سراسر دھوکہ ہے۔“^①

اس آیت کریمہ میں ﴿بِصَوْتِكَ﴾ ”اپنی آواز“ سے مراد گانا اور موسیقی کی آواز ہے جس کے ساتھ شیطان انسانوں کو بہکاتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے شیطان کو اپنے سوار و پیادہ لشکر کے ساتھ انسان پر حملہ آور ہونے کا کہا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جس قدر تجھ سے ہو سکے اس پر اپنا تسلط اور اقتدار جما لے۔ اور مال میں شرکت سے مراد یہ ہے کہ انسانوں کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں اموال خرچ کرنے کی طرف مائل کر۔ اور اولاد میں شرکت سے مراد یہ ہے کہ انھیں اولاد کے ناجائز نام مثلاً عبد الحارث، عبد القیس وغیرہ رکھنے کا حکم دے یا انھیں زنا کاری کی ترغیب دے۔ اور ان سے وعدے کرنے کا مطلب یہ ہے کہ انھیں خوب سبز باغ دکھا اور جھوٹی آرزوؤں اور ناجائز تمناؤں کے چکر میں ڈال دے کہ یہ ان سے نکل ہی نہ سکیں۔ اور آج کے دور میں شیطان یہی کچھ کر رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں شیطان مردود کے شر سے محفوظ رکھے۔

دوسرا خطبہ

محترم حضرات! شیطان کس کس طرح سے انسان کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتا ہے! اس کا ذکر آپ نے پہلے خطبہ میں سنا۔ آئیے اب یہ بھی جان لیجیے کہ شیطان کے شر سے بچنے کی تدبیریں کیا ہیں۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے ان تدابیر کے بارے میں آگاہ کر دیا ہے۔ اگر ہم ان تدبیروں کو اختیار کریں تو اللہ کے حکم سے شیطان کے شر سے بچ سکتے ہیں۔

تاہم سب سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ شیطان کی چال کمزور ہوتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَانِ كَانَ ضَعِيفًا ۝﴾

”یقیناً شیطان کی چال کمزور ہوتی ہے۔“^②

① الإسراء: 17، 64، ② النساء: 67.

خاص طور پر جب مومن کا ایمان مضبوط ہو اور اللہ تعالیٰ سے اس کا تعلق پہنچے ہو تو اس کے سامنے شیطان کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اور جس قدر مومن کا ایمان مضبوط ہوگا اسی قدر وہ شیطان سے محفوظ ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّهُ لَيْسَ لَهُ سُلْطَانٌ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ۚ إِنَّمَا سُلْطَانُ عَلَى الَّذِينَ يَتَوَلَّوْنَهُ وَالَّذِينَ هُمْ بِهِ مُشْرِكُونَ ۝﴾

”اُس (شیطان) کا ان لوگوں پر کوئی بس نہیں چلتا جو ایمان لائے اور وہ اپنے رب پر ہی توکل کرتے ہیں۔ اس کا بس تو صرف ان لوگوں پر چلتا ہے جو اسے اپنا دوست اور سرپرست بناتے ہیں اور وہی لوگ اللہ کے ساتھ شرک بھی کرتے ہیں۔“^(۱)

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: ﴿إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ ۚ وَكَفَىٰ بِرَبِّكَ بُكْرًا ۝﴾

”بلاشبہ میرے بندوں پر قطعاً تیرا بس نہیں چلے گا اور آپ کے رب کا کارساز ہونا کافی ہے۔“^(۲)

ان آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ کمزور ایمان والے لوگ ہی شیطان کے وسوسوں میں آجاتے اور اس کے شکنجے میں پھنس جاتے ہیں۔ جبکہ مضبوط ایمان والوں پر اس کا کوئی بس نہیں چلتا۔

رسول اکرم ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرمایا تھا:

« وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ مَا لَقَيْتَ الشَّيْطَانَ فَحَطَّ سَالِكًا فَجَأًا إِلَّا سَلَكَ فَجْجًا غَيْرَ فَجْجِكَ »

”اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! شیطان تجھے جس راستے پر چلتے ہوئے دیکھتا ہے تو وہ اُس راستے کو چھوڑ کر کسی اور راستے پر چلا جاتا ہے۔“^(۳)

آئیے اب شیطان کے شر سے بچنے کی چند اہم تدابیر کا تذکرہ کرتے ہیں۔

شیطان کے شر سے بچنے کی تدابیر

(۱) شیطان کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرنا

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَإِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ ۚ إِنَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۚ إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ خَلِيفٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوا فَإِذَا هُمْ مُبْصِرُونَ ۝﴾

”اور اگر آپ کو کوئی وسوسہ شیطان کی طرف سے آنے لگے تو اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگ لیا کیجئے۔ یقیناً وہ خوب

(۱) النحل: 100-99: 16، الإسراء: 65: 17، (۲) صحیح البخاری: 3294،

مٹے والے سب سے زیادہ پائے جانے والے یہ تھے۔ وہ ان کو اللہ تعالیٰ سے دُور کرنے میں انھیں دس شیطانوں کی طرف سے کوڑ مارا۔ اور ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دُور رہنے لگتے ہیں، پھر وہ چوتھ بصریت والے بن جاتے ہیں۔

ان آیات کی روشنی میں اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ سزا دی ہے کہ ان شیطانوں کی طرف سے کوئی وسوسہ آئے گا تو وہ اللہ تعالیٰ سے پہلے سب کچھ دیکھ لے گا۔ ان کو اللہ تعالیٰ سے دُور رہنے کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ممتحنوں کی ایک صفات فرمائی ہے کہ سب ان کو شیطانوں کی طرف سے امتحان دیتے ہیں تو وہ فوراً اللہ تعالیٰ کی باتیں ہیں جس سے ان کی آنکھیں مل رہی ہیں۔ ان کے فتنوں سے بچ جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہو

اللہ سب صفت کے شیطانوں کے دو نصف قرار دیا ہے۔ ان میں شکر اللہ والوں (الْمُحْسِنِينَ) وسوسے والے (الْمُفْسِدِينَ) ہیں۔ ان کے جانے والے ان کی نفس میں حسرت ہے۔ ان کو اللہ تعالیٰ سے دُور رہنے کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ممتحنوں کی ایک صفات فرمائی ہے کہ سب ان کو شیطانوں کی طرف سے امتحان دیتے ہیں تو وہ فوراً اللہ تعالیٰ کی باتیں ہیں جس سے ان کی آنکھیں مل رہی ہیں۔ ان کے فتنوں سے بچ جاتے ہیں۔

وہ اللہ سے رشتہ شمری رہنا کا بیان ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ سے دُور رہنے کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ممتحنوں کی ایک صفات فرمائی ہے کہ سب ان کو شیطانوں کی طرف سے امتحان دیتے ہیں تو وہ فوراً اللہ تعالیٰ کی باتیں ہیں جس سے ان کی آنکھیں مل رہی ہیں۔ ان کے فتنوں سے بچ جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے شیطانوں کو پانچ باتوں کا حکم دیا ہے۔ وہ خود بھی ان پر عمل کریں اور بنو اسرائیل کو بھی ان پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ انھوں نے ان کو ان کی باتیں میں منع ہونے کو کہا جس سے مسجد لوگوں سے بھرتی اور جو لوگ مسجد سے باہر گئے وہ انھوں پر چڑھ گئے۔ پھر حضرت یحییٰ علیہ السلام نے اپنا خطاب یوں شروع فرمایا:

اللہ نے مجھے اس پر سب کو پانچ باتوں پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے۔

پھر فرمایا: (اللہ تعالیٰ نے ان کو پانچ باتوں کا حکم دیا ہے۔ وہ خود بھی ان پر عمل کریں اور بنو اسرائیل کو بھی ان پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ انھوں نے ان کو ان کی باتیں میں منع ہونے کو کہا جس سے مسجد لوگوں سے بھرتی اور جو لوگ مسجد سے باہر گئے وہ انھوں پر چڑھ گئے۔ پھر حضرت یحییٰ علیہ السلام نے اپنا خطاب یوں شروع فرمایا:)

اللہ تعالیٰ نے ان کو پانچ باتوں کا حکم دیا ہے۔ وہ خود بھی ان پر عمل کریں اور بنو اسرائیل کو بھی ان پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ انھوں نے ان کو ان کی باتیں میں منع ہونے کو کہا جس سے مسجد لوگوں سے بھرتی اور جو لوگ مسجد سے باہر گئے وہ انھوں پر چڑھ گئے۔ پھر حضرت یحییٰ علیہ السلام نے اپنا خطاب یوں شروع فرمایا:)

والاخر ف (2001-2004) مہینہ احمد سنن ابی داؤد ابن ماجہ، مصنف عبدالرزاق، ابویعلیٰ، الحاکم وغیرہ۔
وصحیحہ الامام فی صحیحہ الامام مع (4: 17)۔

نیز اس کی تائید نبی کریم ﷺ کی ایک اور حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں آپ نے ارشاد فرمایا:

«يَعْقُدُ الشَّيْطَانُ عَلَى قَافِيَةِ رَأْسِ أَحْبَبِكُمْ إِذَا هُوَ نَامَ ثَلَاثَ عُقَدٍ. يَضْرِبُ عَلَى مَكَانِ كُلِّ عُقْدَةٍ : عَلَيْكَ لَيْلٌ طَوِيلٌ فَارْقُدْ. فَإِنْ اسْتَيْقَظَ فَذَكَرَ اللَّهَ انْخَلَتْ عُقْدَةٌ. فَإِنْ تَوَضَّأَ انْخَلَتْ عُقْدَةٌ. فَإِنْ صَلَّى انْخَلَتْ عُقْدَةٌ. فَأَمْسَحَ بِشَيْطَانِ طَلَبِ النَّفْسِ. وَإِلَّا أَصْبَحَ خَبِيثَ النَّفْسِ كَسَلَانٍ»

”تم میں سے کوئی شخص جب سو جاتا ہے تو شیطان اس کی گدی پر تین گرہیں لگا دیتا ہے اور ہر گرہ کی جگہ پر مارے ہوئے کہتا ہے۔ لمبی رات ہے، مزے سے سوئے رہو۔ پھر اگر وہ بیدار ہو جائے اور اللہ کا ذکر کرے تو ایک گرہ کھل جاتی ہے۔ اور اگر اٹھ کر وضو کرے تو دوسری گرہ بھی کھل جاتی ہے۔ اور اگر نماز بھی پڑھے تو تمام گرہیں کھل جاتی ہیں پھر وہ اس حال میں صبح کرتا ہے کہ وہ ہشاش بشاش اور خوش مزاج ہوتا ہے، ورنہ بد مزاج اور ست ہوتا ہے۔“^①

اسی طرح حدیث نبوی میں ہے کہ

«إِذَا دَخَلَ الرَّجُلُ بَيْتَهُ فَذَكَرَ اللَّهَ عِنْدَ دُخُولِهِ وَعِنْدَ طَعَامِهِ قَالَ الشَّيْطَانُ : لَا مَبِيتَ لَكُمْ وَلَا عَشَاءَ . وَإِذَا دَخَلَ فَلَمْ يَذْكُرِ اللَّهَ عِنْدَ دُخُولِهِ قَالَ الشَّيْطَانُ : أَدْرَكْتُمُ الْمَبِيتَ . وَإِذَا لَمْ يَذْكُرِ اللَّهَ عِنْدَ طَعَامِهِ قَالَ : أَدْرَكْتُمُ الْعَشَاءَ»

”جب آدمی اپنے گھر میں داخل ہو اور داخل ہوتے وقت اللہ کا ذکر کرے اور کھانا کھاتے وقت بھی اللہ کا ذکر کرے تو شیطان (اپنے ساتھی شیطانوں کو) کہتا ہے: تمہارے لیے رات گزارنے کی کوئی جگہ نہیں اور نہ ہی کھانا ہے۔ اور جب وہ داخل ہوتے وقت اللہ کا ذکر نہ کرے تو شیطان کہتا ہے: تمہیں رات گزارنے کی جگہ مل گئی۔ اور جب وہ کھانا کھاتے وقت اللہ کا ذکر نہ کرے تو وہ کہتا ہے: تمہیں رات گزارنے کی جگہ بھی مل گئی اور کھانا بھی مل گیا۔“^②

① صحیح بخاری میں سورۃ البقرۃ کی تلاوت کرنا

نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«لَا تَجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ مَقَابِرَ وَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَنْفِرُ مِنَ الْبَيْتِ الَّذِي تَقْرَأُ فِيهِ سُورَةَ الْبَقَرَةِ»

”تم اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ (اور ان میں قرآن پڑھا کرو) کیونکہ جس گھر میں سورۃ البقرۃ پڑھی جاتی

ہے اس سے شیطان بھاگ جاتا ہے۔^(۱)

۴) باجماعت نماز کی پابندی

جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کی پابندی سے انسان شیطان سے محفوظ ہو جاتا ہے اور اس سلسلے میں سستی برتنے سے شیطان اس پر غالب آ جاتا ہے۔

رسول اکرم اکا فرمان ہے:

«مَا مِنْ ثَلَاثَةٍ فِي قَرْيَةٍ وَلَا بَدْوٍ لَا تُقَامُ فِيهِمُ الصَّلَاةُ إِلَّا قَبِ اسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ فَعَلَبَتْ بِالْجَمَاعَةِ فَإِنَّمَا يَأْكُلُ لَذْنُ الْقَاصِيَةِ»

”کسی بستی میں جب تین آدمی ہوں اور وہ باجماعت نماز ادا نہ کریں تو شیطان ان پر غالب آ جاتا ہے۔ لہذا تم

جماعت کے ساتھ نماز پڑھا کر، کیونکہ بھیڑ یا اسی بکری کو شکار کرتا ہے جو ریوڑ سے الگ ہو جاتی ہے۔“^(۲)

۵) قیام اللیل: جو شخص شیطان کے شر سے بچنے کے لیے قدمہ بند ہونا چاہے اسے قیام اللیل ضرور کرنا چاہیے، کیونکہ اس میں کوتاہی کر کے انسان خود بخود اپنے اوپر شیطان کو مسلط کر لیتا ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس اُس شخص کا ذکر کیا گیا جو صبح ہونے تک سویا

رہے اور قیام لیل کے لیے بیدار نہ ہو۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: «ذَلِكَ رَجُلٌ بَالَ الشَّيْطَانُ فِي أُذُنِهِ»

”یہ وہ شخص ہے جس کے کانوں میں شیطان پیشاب کر جاتا ہے۔“^(۳)

۶) جمائی لیتے وقت اپنا منہ بند رکھنا

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«التَّشَاؤُبُ مِنَ الشَّيْطَانِ . فَإِذَا تَفَاءَبَ أَحَدُكُمْ فَلْيَزِدْهُ مَا اسْتَطَاعَ . فَإِنْ أَحَدَكُمْ إِذَا قَالَ :

هَـا . ضَجَّكَ الشَّيْطَانُ»

”جمائی شیطان کی طرف سے ہوتی ہے۔ لہذا تم میں سے کوئی شخص جب جمائی لے تو اسے حسب استطاعت

روکے۔ کیونکہ کوئی شخص جب (جمائی لیتے ہوئے) ’ہا‘ کہے تو شیطان ہنس پڑتا ہے۔“^(۴)

۷) مختلف مواقع پر دعاؤں کا اہتمام کرنا۔ مثلاً

۱) گھر سے نکلتے ہوئے یہ دعا پڑھنا:

«بِسْمِ اللَّهِ . تَوَكَّلْتُ عَلَى اللَّهِ . لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ»

① صحیح مسلم: 780۔ ② سنن أبي داود: 547، سنن النسائي: 847 وحسنه الألباني. ③ صحیح البخاری: 1144،

3270، صحیح مسلم: 774۔ ④ صحیح البخاری: 3289.

کیونکہ یہ دعا پڑھنے سے ایک صحیح حدیث کے مطابق اللہ تعالیٰ کی طرف سے دعا پڑھنے والے کو یہ خوشخبری ملتی ہے:

« هُدِيتْ وَكُفِّيتْ وَوُقِيَتْ » « وَتَنَحَّى عَنْهُ الشَّيْطَانُ »

”تجھے سیدھا راستہ دکھا دیا گیا ہے، یہ دعا تجھے کافی ہے اور تجھے بچا لیا گیا ہے۔ اور شیطان اس سے دور ہو جاتا ہے۔ اور ایک شیطان دوسرے شیطان سے کہتا ہے: ”تو اس آدمی پر ایسے نلبہ حاصل کر سکتا ہے جسے ہدایت دے دی گئی ہے، جس کی حفاظت کر دی گئی ہے اور جسے بچا لیا گیا ہے۔“^①

(2) مسجد میں داخل ہوتے وقت یہ دعا پڑھنا:

(اعُوْذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ وَبِوَجْهِهِ الْكَرِيْمِ وَبِسُلْطَانِهِ لِقُدَيْمٍ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ)

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ جب مسجد میں داخل ہوتے تو یہ دعا پڑھتے تھے اور فرماتے تھے: ”جو آدمی یہ دعا پڑھ لے شیطان اس کے متعلق کہتا ہے: ”یہ آج کے دن مجھ سے محفوظ ہو گیا۔“^②

(3) نماز فجر کے بعد یہ دعا (100 مرتبہ) پڑھنا:

«لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ»

حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”جو شخص بھی یہ دعا صبح کے وقت سو مرتبہ پڑھ لے، اسے دس غلام آزاد کرنے کا ثواب ملتا ہے، اس کے لیے سو نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں، اس سے سو برائیاں مٹا دی جاتی ہیں اور شام ہونے تک وہ شیطان سے محفوظ رہتا ہے۔“^③

(4) سونے سے پہلے آیۃ الکرسی کا پڑھنا:

صحیح حدیث میں ہے کہ ایک شیطان نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہا تھا:

« إِذَا أَوَيْتَ إِلَى فِرَاشِكَ فَاقْرَأْ آيَةَ الْكُرْسِيِّ . لَنْ يَزَالَ مِنْ اللَّهِ حَافِظٌ وَلَا يَفْرُتَكَ شَيْطَانٌ حَتَّى تُصْبِحَ »

”جب تم اپنے بستر پر جاؤ تو آیۃ الکرسی پڑھ لیا کرو، صبح ہونے تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک فرشتہ حفاظت کرتا رہے گا اور شیطان تمہارے قریب نہیں آئے گا۔“^④

یہ بات جب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم ﷺ کو بتائی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

① سنن ابی داود: 5095، جامع الترمذی: 3426، حسن صحیح۔ وصححه الألبانی. ② سنن ابی داود: 466 وصححه الألبانی. ③ صحیح البخاری: 3293، 6403 و صحیح مسلم: 2691. ④ صحیح البخاری: 2311.

«أَمَّا إِنَّهُ قَدْ صَدَقَكَ وَهُوَ كَذُوبٌ» "اس نے سچ کہا ہے، حالانکہ وہ جھوٹا ہے۔"

۵. بوقتِ جماع دعا پڑھنا

رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

"تم میں سے کوئی شخص جب اپنی بیوی سے جماع کرنا چاہے تو یہ دعا پڑھے:

«بِسْمِ اللَّهِ اللَّهُمَّ جَنِّدْ الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا» "اللہ کے نام کے ساتھ، اے اللہ!

ہمیں شیطان سے بچا اور جو چیز تو ہمیں عطا فرمائے اسے بھی شیطان سے بچا۔"

اگر اس جماع کے بعد انھیں بچ دیا گیا تو شیطان اُسے نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔" ①

۶. صبح و شام کے اذکار پڑھنا

جو شخص صبح و شام کے مسنون اذکار ہمیشہ پابندی سے پڑھتا رہے وہ باذن اللہ شیطان کے شر سے محفوظ رہے گا۔ اور شیطان اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ انہی اذکار میں سے معوذتین (سورۃ الفلق اور سورۃ الناس) کو تین تین مرتبہ پڑھنا بھی شامل ہے۔ اسی طرح ان میں سے ایک یہ بھی ہے:

«اللَّهُمَّ غَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَاطِرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبِّ كُلِّ شَيْءٍ وَمَوْلِيَّكَ . أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ . أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ نَفْسِي وَمِنْ شَرِّ الشَّيْطَانِ وَشَرِّكَ . وَأَنْ أَقْتَرِفَ عَلَى نَفْسِي سُوءًا أَوْ أُجْرَدَ إِلَى مُسْلِمٍ

یہ اور اس طرح کے دیگر اذکار (جن کا ذکر ہم اپنے ایک اور خطبہ بعنوان 'ذکر اللہ کے فوائد و ثمرات' میں کر چکے ہیں) اگر ان پر مداومت کی جائے تو اللہ تعالیٰ ان اذکار کی برکت سے انسان کو شیطان کے فتنے سے بچا لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو اس کے فتنے سے محفوظ رکھے اور اپنے دین پر استقامت نصیب فرمائے۔

نفاق اور منافق کی نشانیاں

اہم عناصر خطبہ

- (۱) نفاق کسے کہتے ہیں؟
- (۲) نفاق کی اقسام
- (۳) نفاق کا ڈر اور خوف
- (۴) خطرناک ٹولہ!
- (۵) منافق کی نشانیاں
- (۶) منافق کا انجام

پہلا خطبہ

محترم حضرات! آج کے خطبہ جمعہ میں ہم ایک خطرناک گروہ کے متعلق گفتگو کریں گے (إن شاء اللہ) یہ وہ گروہ ہے کہ جو مسلمانوں کے لیے یہود و نصاریٰ سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ اور وہ ہے منافقین کا گروہ۔ اس گروہ کے متعلق کچھ ذکر کرنے سے قبل ہم آپ کو یہ بتاتے چلیں کہ نفاق کسے کہتے ہیں اور اس کی کتنی قسمیں ہیں؟

’نفاق‘ عربی زبان میں نَافِقٌ کا مصدر ہے۔ کہا جاتا ہے: نَافِقٌ يُنَافِقُ بِنَافِقَةٍ وَمُنَافِقَةٍ۔ جس کا معنی ہے چھپانا اور حقیقت پر پردہ ڈالنا۔ اور منافق کو ’منافق‘ اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ اپنی حقیقت پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتا ہے۔

اور ’نفاق‘ نَافِقَاء سے ماخوذ ہے جو ’یربوع‘ یعنی ایک قسم کے جنگلی چوہے کے بل سے نکلنے کے راستے کو کہتے ہیں، کیونکہ بل میں داخل ہونے کے لیے اس کا راستہ الگ ہوتا ہے اور خطرے کے وقت اس سے نکلنے کا راستہ دوسرا ہوتا ہے۔ اور وہ نکلنے کے راستے پر پردہ ڈالے رکھتا ہے جس کا باہر سے کسی کو پتہ نہیں چلتا۔ جب اسے بل کے ایک سوراخ سے تلاش کیا جاتا ہے تو وہ دوسرے خفیہ سوراخ سے بھاگ نکلتا ہے۔ اسے ’نفاق‘ اس لیے کہا گیا ہے کہ منافق اسلام میں ایک راستے سے داخل ہوتا ہے اور دوسرے راستے سے نکل جاتا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ’نفاق‘ نَفَق سے مشتق ہے جس کا معنی ہے سرنگ، یا وہ سوراخ جس میں چھپنے والا چھپ جاتا ہے۔^۱

اور شرعی اصطلاح میں ’نفاق‘ کا معنی ہے: اسلام کو ظاہر کرنا اور کفر کو دل میں چھپانا۔ یا خیر کو ظاہر کرنا اور شر کو چھپانا۔

اور چونکہ منافق اسلام کو ظاہر کرتا اور کفر کو دل میں چھپاتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا:

﴿إِنَّ الْمُنَافِقِينَ هُمُ الْفَاسِقُونَ﴾ ﴿١﴾ ”بے شک منافق ہی فاسق لوگ ہیں۔“^①

فاسقوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو دائرہ شریعت سے خارج ہیں۔

اور نفاق کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم: اعتقادی نفاق، جس کو نفاق اکبر بھی کہتے ہیں۔ اس میں ایک منافق اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتا ہے لیکن اپنے اند کفر چھپائے رکھتا ہے۔ اس قسم کے نفاق سے آدمی مکمل طور پر دین سے خارج ہو جاتا ہے اور جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں پہنچ جاتا ہے۔ واعیاذ باللہ۔ اس طرح کے منافق ہر زمانے میں رہے ہیں، خاص طور پر اس وقت جب اسلام کی شان و شوکت بڑھ جاتی ہے اور یہ لوگ اس کا کھل کر مقابلہ نہیں کر سکتے تو یہ اسلام میں داخل ہونے کا ڈھونگ رچاتے ہیں تاکہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کریں۔ پھر یہ مسلمانوں کے ساتھ زندگی بسر کرتے ہوئے اپنی جان، عصمت اور اپنے مال کی حفاظت کرتے ہیں۔ اور در پردہ اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں۔

اعتقادی نفاق کی کچھ اور صورتیں بھی ہیں مثلاً:

① رسول اللہ ﷺ کو جھٹلانا۔ یا آپ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کے بعض حصے کو جھٹلانا۔

② رسول اللہ ﷺ سے دلی دشمنی رکھنا۔ یا آپ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کے بعض حصے سے بغض رکھنا۔

③ امت مسلمہ کے زوال پر خوش ہونا۔ یا اس کے برعکس جب دین اسلام کو دیگر ادیان پر غلبہ حاصل ہو اور مسلمان کافروں پر فتح حاصل کریں تو اس پر رنج و الم میں مبتلا ہونا۔

دوسری قسم: عملی نفاق، جس کو نفاق اصغر بھی کہتے ہیں۔ اس سے مراد ہے: دل میں ایمان باقی رکھنا لیکن اس کے ساتھ ساتھ منافقوں کے اعمال میں سے کسی عمل کا ارتکاب کرنا یا ان کی صفات میں سے کسی صفت کو اختیار کرنا۔ مثلاً بات بات میں جھوٹ بولنا، وعدہ خلافی کرنا، امانت میں خیانت کرنا وغیرہ۔ اس نفاق سے انسان دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا۔ اُس میں کچھ اچھی اور کچھ بری خصلتیں ہوتی ہیں، کچھ ایمانی خصلتیں ہوتی ہیں اور کچھ کفر اور نفاق کی عادتیں ہوتی ہیں۔ اور وہ اپنے اچھے اور برے عمل کے اعتبار سے ثواب یا عقاب کا مستحق ہوتا ہے۔

نفاق اکبر اور نفاق اصغر کے درمیان فرق

نفاق اکبر سے انسان دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے، جبکہ نفاق اصغر سے وہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا۔

(۲) نفاق اکبر ایک سچے مومن سے صادر نہیں ہو سکتا، جب کہ نفاق اصغر کا مومن سے صادر ہونا ممکن ہے۔

(۳) نفاق اکبر کا مرتکب اگر اسی حالت میں مر جائے تو وہ ہمیشہ کے لیے جہنمی ہے۔ جبکہ نفاق اصغر کا مرتکب اگر بغیر توبہ کے مر جائے تو قیامت کے روز اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ جیسے چاہے گا فیصلہ فرمائے گا۔ ہو سکتا ہے کہ اسے عقیدہ توحید کی بناء پر اپنے فضل و کرم سے معاف کر کے جنت میں داخل کر دے۔ اور ہو سکتا ہے کہ اسے پہلے جہنم میں داخل کر کے اس کو اس کے گناہوں کی سزا دے؛ پھر اسے جنت میں داخل کرے۔

عزیز بھائیو!

’نفاق‘ نہایت ہی خطرناک مرض ہے۔ جو لوگ اس مرض میں مبتلا ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے مرض میں اور اضافہ کر دیتا ہے۔ اس کا فرمان ہے:

﴿فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللَّهُ مَرَضًا وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۖ لِّمَا كَانُوا يَكْذِبُونَ ۝﴾

”ان کے دلوں میں نفاق کی بیماری ہے تو اللہ نے ان کی بیماری کو اور بڑھا دیا اور جو وہ جھوٹ بک رہے ہیں اس کے عوض ان کو قیامت کے دن دردناک عذاب ملے گا۔“^(۱)

یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نفاق سے بہت زیادہ ڈرتے رہتے تھے۔ ابن ابی ملیکہ کہتے ہیں:

«أَذْرَكْتُ ثَلَاثِينَ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ يَخَافُ النِّفَاقَ عَلَى نَفْسِهِ»

”میں نے تیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پایا جن میں سے ہر ایک کو اپنے اوپر نفاق کا خوف تھا۔“^(۲)

اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جناب حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ سے پوچھا کرتے تھے کہ کیا رسول اکرم ﷺ نے میرا نام منافقوں میں لیا تھا؟

یہ کون ہیں؟ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ! جو جس راستے پر چلتے تھے تو شیطان بھی اس راستے کو چھوڑ کر دوسرے راستے پر چلا جاتا تھا اور جنہیں نبی کریم ﷺ نے خصوصی طور پر دعا کر کے اللہ تعالیٰ سے طلب کیا تھا اور جنہیں آپ ﷺ نے نام لے کر جنت کی بشارت سنائی تھی، وہ اس بات سے ڈرتے تھے کہ کہیں آپ ﷺ نے ان کا نام منافقوں میں تو نہیں لیا تھا۔ اگر ان صحابہ کرام کو اپنے اوپر نفاق کا اس قدر خوف تھا تو ہمیں تو اور زیادہ ڈرنا چاہیے کہ کہیں ہمارے اندر منافقت تو نہیں ہے!

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں منافقوں کا پردہ فاش کیا ہے، انکے بھیدوں کو طشت از بام کیا ہے اور اپنے بندوں کو

① البقرة: 10، ② صحيح البخاري، كتاب الايمان باب خوف اللّٰو من أن يحبط عمله وهو لا يشعر.

ان کے متعلق آگاہ کر دیا ہے تاکہ وہ نفاق اور منافقوں سے بچے رہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ایک مکمل سورت ان کے متعلق نازل کر دی جس کا نام ہے سورۃ المنافقون۔ اسی سورت میں اللہ تعالیٰ نے منافقوں کو مبہتوں کا اصل دشمن قرار دیا اور فرمایا:

﴿هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرهُمْ﴾

”یہی دشمن ہیں، ان سے ہوشیار رہئے۔“^(۱)

اس کے علاوہ اس نے سورۃ بقرہ کے شروع میں لوگوں کے تین گروہ یعنی مومنین، کفار اور منافقین کا تذکرہ کیا ہے۔ مومنوں کا تذکرہ چار آیتوں میں اور کافروں کا دو آیتوں میں کیا۔ جبکہ منافقوں کا تذکرہ پورے ایک رکوع میں کیا جس میں تیرہ آیات ہیں۔ بھلے لوگو! ذرا سوچو اللہ تعالیٰ نے ایسا کیوں کیا؟

اس نے ایسا اس لیے کیا کہ منافقوں کی تعداد بہت زیادہ تھی اور لوگوں میں ان کے نفاق کے پھیلنے کا شدید اندیشہ تھا اور وہ اسلام اور مسلمانوں کے لیے ایک عظیم فتنہ ثابت ہو سکتے تھے۔ اس لیے اس نے ان کے متعلق تفصیل سے آگاہ کر دیا۔

اور اگر ہم تاریخ اسلام کا مطالعہ کریں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ان منافقوں کی دسیہ کاریوں کی وجہ سے مسلمانوں کو بڑے بڑے مصائب جھیلنا پڑے، ان کی سازشوں کی وجہ سے مسلمانوں کو متعدد مرتبہ شدید نقصان سے دوچار ہونا پڑا۔ کیونکہ یہ لوگ اسلام کے سخت ترین دشمن ہونے کے باوجود مسلمان کہلائے جاتے تھے اور اسلام کے مددگار و حامی سمجھے جاتے تھے لیکن انھوں نے اسلام اور مسلمانوں سے اپنی دشمنی اور بغض کی بناء پر مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقع بھی ضائع نہیں کیا۔ یہ لوگ ہر دور میں اپنی چالوں اور سازشوں کے ذریعے میں عالم اسلام میں فتنے پھا کرتے رہے ہیں۔ اور اب بھی کر رہے ہیں۔ کفی اللہ المسلمین شرهم اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ان کے شر سے محفوظ رکھے۔

❦ منافق کی نشانیاں

سامعین کرام! ویسے تو منافق کی نشانیاں بہت زیادہ ہیں، لیکن ہم یہاں چند اہم نشانیاں ذکر کرتے ہیں۔

❦ جھوٹ بولنا

منافقوں کی بہت بڑی نشانی یہ ہے کہ وہ ہمیشہ جھوٹ بولتے ہیں اور ان کی زبان پر سچ کم ہی آتا ہے۔ ان کے جھوٹا ہونے کی شہادت خود اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں متعدد مرتبہ دی ہے۔

❦ المنافقون 4:63

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ قَالُوا نَشْهَدُ إِنَّكَ لَرَسُولُ اللَّهِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِنَّكَ لَرَسُولُهُ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَكَاذِبُونَ﴾

”جب آپ کے پاس منافق آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ یقیناً آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اور اللہ جانتا ہے کہ آپ اس کے رسول ہیں۔ اور اللہ یہ گواہی دیتا ہے کہ منافق سراسر جھوٹے ہیں۔“^(۱)

اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ جَمِيعًا فَيُحْلِفُونَ لَهُ كَمَا يَحْلِفُونَ لَكُمْ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ ۚ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْكَاذِبُونَ﴾

”جس دن اللہ ان سب (منافقوں) کو اٹھائے گا تو اس کے سامنے بھی ایسے ہی قسمیں کھائیں گے جیسے تمہارے سامنے کھاتے ہیں اور یہ سمجھیں گے کہ ان کا کام بن جائے گا۔ خبردار! یہی جھوٹے لوگ ہیں۔“^(۲)

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِينَ﴾

”اور لوگوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لائے، حالانکہ وہ مومن نہیں ہیں۔“^(۳)

﴿۲﴾ مکروفریب کرنا اور دھوکہ دینا

منافقوں کی ایک نشانی یہ ہے کہ وہ مکروفریب اور دھوکہ بازی کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ وہ اللہ تعالیٰ کو بھی دھوکہ دینے کی کوشش کرتے ہیں، حالانکہ وہ ایسا کر نہیں کر سکتے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يُخَدِّعُونَ اللَّهَ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَمَا يَخْدَعُونَ إِلَّا أَنفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ﴾ ﴿فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللَّهُ مَرَضًا وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ ﴿بِمَا كَانُوا يَكْذِبُونَ﴾

”یہ لوگ اللہ کو اور ایمان والوں کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں۔ حالانکہ (یہ لوگ) اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں اور سمجھ نہیں رہے ہیں۔ ان کے دلوں میں نفاق کی بیماری ہے تو اللہ نے ان کی بیماری کو اور بڑھا دیا۔ اور جھوٹے ایمان کا اظہار کرنے کی وجہ سے ان کو قیامت کے دن دردناک عذاب ملے گا۔“^(۴)

﴿۳﴾ بزعم اصلاح زمین میں فساد پھیلانا

منافقوں کی ایک اور بہت بڑی نشانی یہ ہے کہ وہ معاشرے میں ’اصلاح‘ کا دعویٰ کرتے ہوئے فساد پھلاتے ہیں۔

﴿۱﴾ المنافقون 1:63، ﴿۲﴾ المجادلة 18:58، ﴿۳﴾ البقرة 2:8، ﴿۴﴾ البقرة 2:10-9.

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ قَالُوا إِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُونَ ۚ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُونَ وَلَكِنْ لَا يَشْعُرُونَ﴾^①

”اور جب انھیں کہا جائے کہ زمین میں فساد پانہ کرو تو کہتے ہیں کہ ہم ہی تو اصلاح کرنے والے ہیں! خوب سن لو! حقیقت میں یہی لوگ مفسد ہیں مگر وہ (یہ بات) سمجھتے نہیں۔“^①

ان آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے زمانے کے منافقوں کے بارے میں بتایا ہے کہ وہ زمین میں فساد پنا کرتے تھے اور جب انھیں اس سے منع کیا جاتا تھا تو وہ کہتے تھے کہ ہم ہی تو ہیں اصلاح کرنے والے! نہایت افسوس ہے کہ اس طرح کے منافق آج بھی موجود ہیں جو ’اصلاح‘ کا دعویٰ کرتے ہوئے زمین میں فساد پھیلا رہے ہیں۔ مثلاً جعلی پیر، نجومی، عامل اور جادوگر! جو سادہ لوح عوام کو دونوں ہاتھوں سے لوٹ رہے ہیں اور معاشرے میں اس قدر فساد پنا کر رہے ہیں کہ اللہ کی پناہ! ان لوگوں کا دعویٰ یہ ہوتا ہے کہ ہم ہر مشکل دور کرتے ہیں، ہر مسئلے کا حل بتاتے ہیں اور ہر پریشانی کا علاج کرتے ہیں وغیرہ!!! جبکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ معاشرے میں مسلمانوں کی مشکلات اور ان کی پریشانیوں میں اور اضافہ کرتے ہیں۔ ان کے مسائل کو اور زیادہ الجھاتے ہیں۔ چنانچہ انھی لوگوں کی وجہ سے:

- کئی گھرا جڑ گئے!
- کئی خاندان برباد ہو گئے!
- کئی لوگوں کی عزتیں لٹ گئیں!
- کئی پاکباز خواتین ان کی نفسانی خواہشات کی بھیشت چڑھ گئیں!
- اور کئی کھاتے پیتے لوگ دیوالیہ ہو گئے!

حقیقت یہ ہے کہ یہ اس دور کے بہت بڑے منافق ہیں جنہوں نے زمین میں فساد پنا کر رکھا ہے۔ ان لوگوں کے ’ریپ‘ کے واقعات اکثر ویسٹر میڈیا میں آتے رہتے ہیں، لیکن پھر بھی لوگ ان کے پاس جانے سے باز نہیں آتے، حالانکہ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ

«مَنْ أَتَى عَرَاظًا فَسَأَلَهُ عَنْ شَيْءٍ لَمْ تُقْبَلْ لَهُ صَلَاةُ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً»

”جو شخص کسی عریضہ کے پاس جائے، پھر اس سے کسی چیز کے بارے میں سوال کرے تو اس کی چالیس راتوں کی نمازیں قبول نہیں کی جاتیں۔“^②

«مَنْ أَتَى عَرَأْفًا أَوْ كَاهِنًا فَصَدَّقَهُ بِمَا يَقُولُ فَقَدْ كَفَرَ بِمَا أُنْزِلَ عَلَى مُحَمَّدٍ ﷺ»

”جو شخص کسی کا ہن (علم غیب کا دعویٰ کرنے والے کسی عامل) کے پاس جائے، پھر اس کی باتوں کی تصدیق کرے تو اس نے محمد ﷺ پر اتارے گئے دین الہی سے کفر کیا۔“^①

4 صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو برا بھلا کہنا

منافقوں کی ایک اور بہت بڑی نشانی یہ ہے کہ وہ ان شخصیات کو برا بھلا کہتے ہیں کہ جن کے ذریعے اللہ کا دین پوری دنیا تک پہنچا۔ جن کے ذریعے ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ کی شریعت آپ کی امت تک پہنچی۔ جن کے ذریعے آپ ﷺ کی ایک سنت اور آپ ﷺ کا ایک ایک ارشاد محفوظ ہوا۔ یہ منافق ان حضرات کو گالی گلوچ کرتے ہیں کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے رسول جناب محمد ﷺ کا ساتھ دینے کے لیے منتخب فرمایا، جن سے اللہ تعالیٰ نے راضی ہونے کا اعلان کیا اور جن سے ہمیشہ رہنے والی جنتوں کا وعدہ کیا.....

اللہ تعالیٰ منافقوں کی یہ نشانی ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے: ﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ امْكُتُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ قَالُوا اتُّوْمِنُ كَمَا آمَنَ السُّفَهَاءُ ۗ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَاءُ وَلَكِنْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٦٠﴾﴾

”اور جب انھیں کہا جائے کہ ایمان لاؤ جیسے اور لوگ ایمان لائے ہیں تو کہتے ہیں: کیا ہم ایمان لائیں جیسے احمق لوگ ایمان لائے ہیں! خبردار! حقیقت میں یہی لوگ احمق ہیں مگر وہ (یہ بات) جانتے نہیں۔“^⑤

اس آیت کریمہ میں (الناس) سے مراد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں جو اس آیت کے نزول کے وقت ایمان لا چکے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے منافقوں کے بارے میں ذکر کیا ہے کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو برا بھلا کہتے ہیں! اور ساتھ ہی آگاہ کیا ہے کہ جو لوگ ان حضرات کو برا بھلا کہتے ہیں، درحقیقت وہی احمق اور بے وقوف ہیں۔

بڑے ہی افسوس اور دکھ کی بات ہے کہ انھی منافقوں کے طرز عمل کو اختیار کرتے ہوئے اس دور میں بھی بعض وہ لوگ جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں، ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گالی گلوچ کرتے اور انھیں برا بھلا کہتے ہیں۔ بالکل اسی طرح جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں منافق ان پر جھٹتیں لگاتے تھے آج بھی ان لوگ ان شاگردان رسول ﷺ پر

① صحيح الجامع للألباني: 5939، ② البقرة: 13.

تہمتیں لگاتے ہیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر منافقوں نے ہی بہتان باندھا تھا اور آج بھی جیسے منافق لوگ اس پاکباز خاتون، مومنوں کی ماں صدیقہ، طاہرہ رضی اللہ عنہا پر تہرا بازی کرتے ہیں۔ حالانکہ قرآن مجید میں ان کی براءت کا اعلان ہو چکا، لیکن پھر بھی ان لوگوں کا بہتان بازی سے باز نہ آتا یقیناً قرآن مجید کو جھٹلانے کے مترادف ہے۔

﴿غدری کرنا﴾

منافقوں کی ایک اور نشانی یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے عہد کرنے کے بعد غدری کرتے ہیں اور اپنے عہد کو توڑ دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَیْنِ اٰتٰنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰوِحِّیْنَ ۝ فَلَمَّا اٰتٰهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ یَخْلُوْا بِهٖ وَ تَوَلَّوْا وَ هُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝ فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِیْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰی یَوْمٍ یَّلْقَوْنَہٗ بِمَا اَخْلَقُوْا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَ بِمَا کَانُوْا یَکْذِبُوْنَ ۝﴾

”اور ان میں سے کچھ ایسے ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اگر اللہ ہمیں اپنی مہربانی سے (مال و دولت) عطا کرے گا تو ہم ضرور صدقہ کریں گے اور نیک بندے بن جائیں گے۔ پھر جب اللہ نے اپنی مہربانی سے انہیں مال عطا کر دیا تو بغل کرنے لگے اور کمال بے اعتنائی سے (اپنے عہد سے) پھر گئے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں اس دن تک کے لیے نفاق ڈال دیا جس دن وہ اس سے ملیں گے کیونکہ انہوں نے اللہ سے جو وعدہ کیا تھا اس کی خلاف ورزی کی اور اس لیے کہ وہ جھوٹ بولا کرتے تھے۔“^①

﴿کفار اور یہود سے دوستانہ تعلقات قائم کر کے مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرنا﴾

منافقوں کی ایک بڑی نشانی یہ ہے کہ وہ یہود و نصاریٰ اور دیگر کفار سے دوستانہ تعلقات قائم کر کے مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿بَشِّرِ الْمُنَافِقِیْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِیْسًا ۝ الَّذِیْنَ یَتَّخِذُوْنَ الْکٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ ۚ اَیْمَتُّوْنَ عِنْدَہُمْ الْعِزَّةَ ۚ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِیْعًا ۝﴾

”منافقوں کو خوشخبری دے دیجئے کہ ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا، جو مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے ہیں۔ کیا یہ لوگ کافروں کے ہاں عزت چاہتے ہیں؟ حالانکہ عزت تو ساری اللہ ہی کے لیے ہے۔“^②

اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَیْہُمْ ۙ مَا هُمْ مِنْکُمْ وَلَا مِنْہُمْ وَ یَخْلِفُوْنَ عَلٰی الْکَذِبِ وَ هُمْ یَعْلَمُوْنَ﴾

”کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے ایسے لوگوں سے دوستی لگائی جن پر اللہ کا غضب ہوا۔ نہ تو وہ تم میں سے اور نہ ہی ان میں سے ہیں۔ اور وہ جان بوجھ کر جھوٹ پر قسم کھاتے ہیں۔“^(۱)

اللہ کا غضب کن لوگوں پر ہوا؟ یہود پر۔ تو منافق لوگ یہود مدینہ سے دوستانہ تعلقات رکھتے تھے اور انہی کے ساتھ اظہار ہمدردی بھی کرتے تھے، لیکن عملی طور ان کی حالت یہ ہو گئی کہ ﴿مَا هُمْ مِنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ﴾ یعنی دھوبی کا کتان گھر کا نہ کھاٹ کا۔“

منافقوں کے اس طرز عمل پر اللہ تعالیٰ انہیں شدید اور رسوا کن عذاب کی وعید سناتے ہوئے فرماتا ہے:

﴿أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا إِنَّهُمْ سَاءَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ اتَّخَذُوا آيَاتِنَاهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ فَلَهُمْ عَذَابٌ مُهِينٌ ۝﴾

”اللہ نے ان کے لیے شدید عذاب تیار کیا ہے۔ بلاشبہ جو یہ کر رہے ہیں بہت برا ہے۔ انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے۔ وہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں۔ لہذا ان کے لیے رسوا کن عذاب ہوگا۔“^(۲)

اللہ تعالیٰ مزید فرماتا ہے: ﴿كَانَ تَغْنِي عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝﴾

”اللہ کے ہاں نہ ان کے مال کچھ کام آئیں گے اور نہ اولاد۔ یہی لوگ اہل جہنم ہیں جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔“^(۳)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو شیطان کی پارٹی قرار دیتے ہوئے فرماتا ہے:

﴿إِسْتَعِذْ بِاللَّهِ فَإِنَّهُمْ فِتْنَةٌ يُفْتَنُ الَّذِينَ اسْتَعَاذُوا بِاللَّهِ ۚ وَلِلَّهِ جُزْءُ الشَّيْطَانِ ۚ أَلَا إِنَّ جُزْءَ الشَّيْطَانِ هُمُ الْخَاسِرُونَ ۝﴾

”شیطان ان پر مسلط ہو گیا ہے جس نے انہیں اللہ کا ذکر بھلا دیا ہے۔ یہی لوگ شیطان کی پارٹی ہیں۔ سن لو! شیطان کی پارٹی کے لوگ ہی خسارہ اٹھانے والے ہیں۔“^(۴)

اس سے ثابت ہوا کہ یہودیوں سے دوستانہ تعلقات رکھنے والے منافق لوگ ’شیطانی ٹولہ‘ ہیں۔ لیکن اسے کیا کہئے کہ آج بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، مگر اس کے ساتھ ساتھ وہ یہود و نصاریٰ کو اپنا دوست بناتے ہیں۔ جبکہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو اس سے منع کرتے ہوئے فرماتا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ ۚ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ فَاِنَّهُ مِنْهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۝﴾

”اے ایمان والو! تم یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ۔ یہ تو آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ تم میں سے جو بھی ان میں سے کسی سے دوستی کرے گا تو وہ یقیناً انھی میں سے ہوگا۔ بے شک اللہ ظالموں کی قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔“^(۱)

یہ منافق یہود و نصاریٰ کو نہ صرف دوست بناتے ہیں بلکہ ان کے ’مفادات‘ کے لیے دوڑ دھوپ بھی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر ہم ایسا نہ کریں تو وہ ہم پر حملہ کر دیں گے اور ہمیں تباہ و برباد کر دیں گے! ان منافقوں کی یہ حجت بالکل وہی حجت ہے جو رسول اکرم ﷺ کے دور کے منافق پیش کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے بارے میں فرماتا ہے:

﴿فَتَوَى الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ يُسَارِعُونَ فِيهِمْ يَقُولُونَ نَخْشَى أَنْ تُصِيبَنَا دَآئِرَةٌ﴾

”آپ دیکھیں گے کہ جن لوگوں کے دلوں میں روگ ہے وہ انھی (یہود و نصاریٰ) میں دوڑ دھوپ کرتے پھرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ہم ڈرتے ہیں کہ کہیں کسی مصیبت میں نہ پڑ جائیں۔“^(۲)

یہ جو ایک دوسرے کے دوست ہیں، منافقین اور یہود! اللہ تعالیٰ ان دونوں گروہوں کو ایک ساتھ ذکر کر کے انھیں یوں وعید سناتا ہے:

﴿لَئِنْ لَمْ يَنْتَهِ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ وَالْمُرْجِفُونَ فِي الْمَدِينَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُونَكَ فِيهَا إِلَّا قَلِيلًا﴾

”اگر منافق لوگ اور وہ جن کے دلوں میں مرض ہے اور جو مدینہ میں دہشت انگیز افواہیں پھیلاتے ہیں، اپنی شرارتوں سے باز نہ آئے تو ہم آپ کو ان کے خلاف اٹھا کھڑا کریں گے، پھر وہ تھوڑی ہی مدت آپ کے پڑوس میں رہ سکیں گے۔ ان پر اللہ کی پھٹکار برے گی۔ یہ جہاں کہیں بھی ہوں گے پکڑ لیے جائیں گے اور بری طرح قتل کیے جائیں گے۔“^(۳)

ان آیات میں ﴿وَالْمُرْجِفُونَ فِي الْمَدِينَةِ﴾ سے مراد بنو قریظہ ہیں جو مدینہ منورہ میں بے بنیاد خبریں پھیلا کر اہل مدینہ کو پریشان کرنے کی مذموم کوشش کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں اور ان جیسے منافقوں کو کہ جن کی ریشہ دوانیوں سے مسلمانان مدینہ تنگ آچکے تھے، شدید دھمکی دی کہ اگر یہ سب ایذا رسانی سے باز نہیں آتے تو اے نبی ﷺ! ہم آپ کو ان کے خلاف اٹھا کھڑا ہونے کا حکم دیں گے۔ پھر ان پر اللہ کی پھٹکار پڑے گی اور یہ جہاں کہیں ملیں گے انھیں پکڑ کر بری طرح سے قتل کر دیا جائے گا۔

7] اللہ کے قوانین کو نافذ نہ کرنا اور خود ساختہ قوانین پر عمل کرنا

منافقوں کی ایک نشانی یہ ہے کہ وہ اللہ رب العزت کی شریعت اور اس کے مقرر کردہ قوانین کے مطابق نہ خود فیصلے کرتے ہیں اور نہ ہی دوسروں کو ایسا کرنے دیتے ہیں۔ بلکہ ان کی ہر ممکن یہ کوشش ہوتی ہے کہ وہ شرعی قوانین سے انحراف کر کے خود ساختہ قوانین کو نافذ کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔ اور ایسے لوگ اس دور میں بھی بکثرت موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے ہی منافقوں کے متعلق ارشاد فرماتا ہے:

﴿الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُوا بِمَا نُزِّلَ إِلَيْكَ وَمَا أَتَيْنَا مِنْ قَبْلِكَ يُزِيدُونَكَ أَنْ يَتَخَكَّمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوا أَنْ يَكْفُرُوا بِهِ وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُضِلَّهُمْ ضَلَالًا بَعِيدًا ۚ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَإِلَىٰ الرَّسُولِ رَأَيْتَ الْمُنَافِقِينَ يَصُدُّونَ عَنْكَ صُدُودًا ۝﴾

”یا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو دعویٰ کرتے ہیں کہ جو کچھ آپ کی طرف اتارا گیا وہ اس پر ایمان لائے ہیں اور اس پر بھی جو آپ سے پہلے اتارا گیا، مگر یہ چاہتے ہیں کہ اپنا مقدمہ ’طاغوت‘ کے پاس لے جائیں حالانکہ انھیں حکم دیا گیا تھا کہ ’طاغوت‘ کے فیصلے تسلیم نہ کریں۔ اور شیطان یہ چاہتا ہے کہ انھیں گمراہ کر کے بہت دور تک لے جائے۔ اور جب انھیں کہا جاتا ہے کہ اس چیز کی طرف آؤ جو اللہ نے نازل کی ہے اور رسول کی طرف آؤ تو آپ منافقوں کو دیکھیں گے کہ وہ آپ کے پاس آنے سے گریز کرتے ہیں۔“⁽¹⁾

8] نماز کی طرف آنے میں سستی کرنا اور ریا کاری کرنا

منافقوں کی ایک نشانی یہ ہے کہ وہ نمازوں میں سستی کرتے ہیں۔ اور جب نماز پڑھتے ہیں تو صرف لوگوں کو دکھانے کی خاطر نماز پڑھتے ہیں۔ اور اس میں اللہ کا ذکر بہت کم کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان کی یہ نشانی یوں بیان فرماتا ہے: ﴿إِنَّ الْمُنَافِقِينَ يُخَدِّعُونَ اللَّهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۖ وَإِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوا كُسَالَىٰ يُزَآءُونَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُونَ اللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا ۝﴾

”یہ منافق اللہ سے دھوکہ بازی کرتے ہیں، جبکہ اللہ ہی انھیں دھوکے کا (بدلہ دینے والا) ہے۔ اور جب وہ نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو بڑی کابلی کی حالت میں کھڑے ہوتے ہیں، صرف لوگوں کو دکھانے کے لیے (نماز ادا کرتے ہیں) اور اللہ کو کم ہی یاد کرتے ہیں۔“⁽²⁾

اسی طرح اس کا فرمان ہے: ﴿وَلَا يَأْتُونَ الصَّلَاةَ إِلَّا وَهُمْ كُسَالَىٰ ۝﴾⁽³⁾

”اور نماز کو نہایت سستی کی حالت میں ہی آتے ہیں۔“

① النساء: 60-61. ② النساء: 142. ③ التوبة: 54.

منافقوں پر خاص طور پر دو نمازیں انتہائی بھاری ہوتی ہیں۔ نمازِ عشاء اور نمازِ فجر۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«إِنَّ أَثْقَلَ صَلَاةٍ عَلَى الْمُنَافِقِينَ صَلَاةُ الْعِشَاءِ وَصَلَاةُ الْفَجْرِ ، وَلَوْ يَعْلَمُونَ مَا فِيهِمَا لَأَتَوْهُمَا وَلَوْ خَبَرُوا»

”بے شک منافقوں پر سب سے بھاری نماز، نمازِ عشاء اور نمازِ فجر ہے۔ اور اگر انھیں معلوم ہو جاتا کہ ان دونوں میں کتنا اجر ہے تو وہ گھٹنوں کے بل چل کر بھی یہ نمازیں ادا کرنے کے لیے ضرور حاضر ہوتے.....“^(۱) اسی طرح وہ شخص جو عصر کی نماز کو اتنا لایت کر دے کہ سورج غروب ہونے کے قریب ہو جائے تو اسے بھی رسول اکرم ﷺ نے منافق کہا ہے۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: «تِلْكَ صَلَاةُ الْمُنَافِقِ يَخْلُسُ يَرْقُبُ الشَّمْسَ حَتَّى إِذَا كَانَتْ بَيْنَ قَرْنَيْ الشَّيْطَانِ قَامَ فَتَقَرَّهَا أَرْتَعَا لَا يَذْكُرُ اللَّهَ فِيهَا إِلَّا قَلِيلًا»

”وہ منافق کی نماز ہے کہ وہ سورج کی تاک لگائے بیٹھا رہے، یہاں تک کہ جب سورج شیطان کے دو سینگوں کے درمیان پہنچ جائے (یعنی غروب ہونے کے قریب ہو) تو کھڑا ہو جائے، پھر عصر کی چار ٹھونگیں جلدی جلدی مار لے اور ان میں اللہ کا ذکر کم ہی کرے۔“^(۲)

۹ مسجد میں نماز باجماعت ادا کرنے سے پیچھے رہنا

منافقوں کی ایک اور بڑی نشانی یہ ہے کہ وہ باجماعت نماز ادا کرنے کے لیے مساجد میں حاضر نہیں ہوتے اور اکثر و بیشتر اس سے پیچھے رہتے ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

«وَلَقَدْ رَأَيْنَا وَمَا يَتَخَلَّفُ عَنْهَا إِلَّا مُنَافِقٌ مَّغْلُومٌ النِّفَاقِ ، وَلَقَدْ كَانَ الرَّجُلُ يُؤْتِي بِهِ يُهَادِي بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ حَتَّى يُقَامَ فِي الصَّفِّ»

”اور ہم (نبی کریم ﷺ کے عہد میں) دیکھتے تھے کہ باجماعت نماز سے صرف وہ منافق پیچھے رہتا تھا جس کا نفاق سب کو معلوم ہوتا۔ اور ایک شخص کو مسجد میں باجماعت نماز کے لیے اس حالت میں لایا جاتا تھا کہ اس نے دو آدمیوں کے درمیان ان کے کندھوں کا سہارا لیا ہوا ہوتا، یہاں تک کہ اسے صف میں لاکھڑا کیا جاتا۔“^(۳)

① صحیح البخاری: 644، و صحیح مسلم: 651، ② صحیح المسلم: 622، ③ رواہ مسلم: 654.

﴿۱۵﴾ برائی کا حکم دینا اور نیکی سے منع کرنا

اہل ایمان کی ایک صفت یہ ہے کہ وہ نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے منع کرتے ہیں۔ جبکہ منافق اس کے برعکس نیکی سے منع کرتے ہیں اور برائی کا حکم دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی یہ صفت یوں بیان کرتا ہے:

﴿الْمُنَافِقُونَ وَالْمُنَافِقَاتُ بَعْضُهُمْ مِنْ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوفِ وَيَقْبِضُونَ أَيْدِيَهُمْ نَسُوا اللَّهَ فَنَسِيَهُمْ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ هُمُ الْفَاسِقُونَ﴾

”منافق مرد ہوں یا عورتیں، ایک ہی تھیلی کے چنے بٹے ہیں، برے کام کا حکم دیتے ہیں اور بھلے کام سے روکتے ہیں۔ اور اپنے ہاتھ (صدقہ وغیرہ سے) بھینچ لیتے ہیں۔ اور اللہ کو بھول گئے تو اس نے بھی انہیں بھلا دیا۔ یہ منافق دراصل ہیں ہی نافرمان۔“^(۱)

اس آیت سے منافقوں کی ایک نشانی یہ بھی ثابت ہوتی ہے کہ وہ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے سے گریز کرتے ہیں اور بخل اور کنجوسی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ ایک اور آیت میں اللہ تعالیٰ ان کے متعلق فرماتا ہے:

﴿وَلَا يُنفِقُونَ إِلَّا وَهُمْ كِرْهُونَ﴾

”اور خرچ کرتے ہیں تو مجبوراً ہی کرتے ہیں۔“^(۲)

﴿۱۶﴾ مسلمانوں کے درمیان فرقہ واریت پیدا کرنا اور اختلافات کو ہوا دینا

منافقوں کی ایک نشانی یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کا اتفاق و اتحاد قطعاً پسند نہیں کرتے اور ان کی ہمیشہ یہ کوشش ہوتی ہے کہ وہ مسلمانوں کے مابین اختلافات اور نزاعی امور کو ہوا دے کر انہیں فرقوں میں تقسیم کریں۔ خاص طور پر مساجد کے ذریعے ان میں تفرقہ ڈالیں۔ منافقین مدینہ منورہ کی اس صفت کو اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا ہے:

﴿وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَكُفْرًا وَتَفْرِيقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ وَإِرْصَادًا لِمَنْ حَادَّبَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ مِنْ قَبْلُ وَلَيَحْلِقُنَّ إِنَّ آرِدْنَا إِلَّا الْغُسْفَىٰ ۖ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ﴾

”کچھ اور ہیں جنہوں نے مسجد بنائی اس غرض سے کہ وہ (دعوت حق کو) نقصان پہنچائیں، کفر پھیلان، مومنوں میں تفرقہ ڈالیں اور یہ ان لوگوں کے لیے کمین گاہ بنے جو اس سے قبل اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے برسرِ پیکار رہے ہیں۔ اور وہ قسمیں کھاتے ہیں کہ ہمارا ارادہ بھلائی کے سوا کچھ نہیں۔ اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ یقیناً جھوٹے ہیں۔“^(۳)

یہ آیت کریمہ ان منافقوں کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی خاطر ایک مسجد بنائی، ان کا پروگرام یہ تھا کہ وہ اس مسجد کو اپنے اڈے اور کمین گاہ کے طور پر استعمال کریں گے۔ اس کے علاوہ وہ اس کے ذریعے مسلمانوں میں تفرقہ بھی ڈالیں گے۔ انہوں نے رسول اکرم ﷺ کو دعوت دی کہ آپ تشریف لائیں اور اس میں دو رکعت نماز ادا کریں۔ آپ ﷺ اس وقت تبوک کو روانہ ہو رہے تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے کہا کہ میں واپسی پر یہاں نماز پڑھوں گا۔ پھر جب آپ ﷺ واپس لوٹ رہے تھے تو وحی کے ذریعے آپ ﷺ کو اس مسجد کی حقیقت سے آگاہ کر دیا گیا۔ اس لیے آپ ﷺ نے اس میں نماز ادا نہ کی بلکہ اسے گرانے کا حکم دے دیا۔

نہایت افسوس کی بات ہے کہ اس دور میں بھی بہت سارے لوگ مساجد کو مسلمانوں کے اتفاق و اتحاد کا ذریعہ بنانے کی بجائے انہیں فرقہ واریت کا ذریعہ بناتے ہیں۔ مسجد کے منبر و محراب کو اپنے ان نظریات کی نشر و اشاعت کا ذریعہ بناتے ہیں کہ جو قرآن و حدیث کے سراسر خلاف ہیں۔ اسی سے فرقے بنتے ہیں اور مسلمان گروہی تعصب میں مبتلا ہوتے ہیں۔

﴿حقائق کو مسخ کرنا اور افواہیں پھیلانا﴾

منافقوں کی ایک نشانی یہ ہے کہ وہ اصل حقائق کو مسخ کر کے جھوٹا پروپیگنڈہ کرتے اور بے بنیاد افواہیں پھیلاتے ہیں جس سے ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ مسلمان پریشان ہوں اور انہیں چین و سکون نصیب نہ ہو۔ اس کی سب سے بڑی دلیل واقعہ اُفک ہے جس کے ذریعے منافقوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے خلاف زہر افشانی کی اور ان پر بدکاری کا بہتان باندھا۔

حالانکہ واقعہ صرف اتنا تھا کہ غزوہ بنی مصطلق سے واپسی پر مدینہ منورہ کے قریب جب لشکر نے پڑاؤ کرنے کے بعد کوچ کیا تو اس وقت عائشہ رضی اللہ عنہا قضائے حاجت کے لیے گئی ہوئی تھیں۔ چونکہ آپ دہلی پتی تھیں اس لیے جب ان کا ہودج اٹھایا گیا تو اٹھانے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو محسوس نہ ہوا کہ آپ اس میں نہیں ہیں۔ ہودج اٹھا کر اونٹ پہ رکھ دیا گیا، لشکر روانہ ہو گیا اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پیچھے رہ گئیں۔ آپ جب اپنی جگہ پر واپس لوٹیں تو لشکر کو وہاں نہ پا کر اسی جگہ پر بیٹھ گئیں تاکہ تلاش کرنے والا شخص تلاش کرتے کرتے جب وہاں پر آئے تو وہ انہیں پالے۔ انتظار کرتے کرتے آپ کی آنکھ لگ گئی۔ صفوان بن محطل سلمی رضی اللہ عنہ کی دیوٹی تھی کہ وہ لشکر کے پیچھے رہیں تاکہ کسی کی کوئی چیز گرے تو وہ اسے اٹھالیں یا کوئی راستہ بھول جائے تو وہ اس کی راہنمائی کر دیں۔ جب موصوف کا وہاں سے گزر ہوا تو چونکہ انہوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو پردے کا حکم نازل ہونے سے قبل دیکھا ہوا تھا اس لیے انہوں نے آپ کو پہچان لیا اور فوراً کہا: انا لله وانا اليه راجعون یہ سن کر عائشہ رضی اللہ عنہا بیدار ہو گئیں اور فوراً چہرے کا پردہ کر لیا۔ صفوان رضی اللہ عنہ نے اپنی سواری کو

ان کے قریب بٹھایا اور اپنا چہرہ دوسری طرف موڑ لیا تاکہ عائشہؓ جھٹکا اس پر سوار ہو جائیں۔ وہ سوار ہوئیں اور پھر صفوانؓ سواری کی تکمیل پکڑ کر لشکر کے پیچھے روانہ ہو گئے۔ جب منافقوں نے یہ منظر دیکھا کہ عائشہؓ جھٹکا صفوانؓ کے ساتھ اکیلی آرہی ہیں تو فوراً ان پر بہتان باندھ دیا۔ پھر ان کے بارے میں بدکلامی شروع کر دی اور مدینہ منورہ میں یہ جھوٹی خبر پھیلا دی کہ صفوانؓ نے عائشہؓ سے (نعوذ باللہ) برائی کی ہے۔ منافقوں نے اس بہتان کا اتنا پروپیگنڈا کیا کہ کئی مسلمان بھی اس میں بہک گئے۔ اس واقعہ کے نتیجے میں رسول اکرم ﷺ بہت زیادہ پریشان ہوئے۔ خود عائشہؓ بیمار ہو گئیں اور آپ کے والدین بھی شدید پریشانی میں مبتلا ہوئے۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے سیدہ عائشہؓ کی براءت کے متعلق آیات نازل کر دیں جن میں اللہ نے اس واقعہ کو بہتان عظیم اور منافقوں کو جھوٹا قرار دیا۔

﴿۱۳﴾ اللہ کی راہ میں آنے والی آزمائشوں کو برداشت نہ کرنا اور دین سے پھر جانا

منافقوں کی ایک اور نشانی یہ ہے کہ اگر انھیں خیر ملتی رہے تو مطمئن رہتے ہیں اور اگر کوئی آزمائش آجائے تو اس پر صبر کا مظاہرہ نہیں کرتے بلکہ اللہ کی عبادت کو ترک کر کے کفر کی طرف واپس پلٹ جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن يَعْجُزُ اللَّهُ عَلَى حَرْفٍ ۚ فَإِنْ أَصَابَهُ خَيْرٌ اطْمَأَنَّ بِهِ ۚ وَإِنْ أَصَابَتْهُ فِتْنَةٌ انْقَلَبَ عَلَىٰ وَجْهِهِ ۚ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِينُ ۝﴾

”اور بعض لوگ اللہ کی عبادت کنارے پر رہ کر کرتے ہیں۔ اگر انھیں دنیاوی بھلائی ملتی ہے تو اطمینان کی سانس لیتے ہیں اور اگر کوئی آزمائش انھیں آتی ہے تو (کفر کی طرف) پلٹ جاتے ہیں۔ اپنی دنیا اور آخرت دونوں گنوا دیتے ہیں۔ یہی واضح نقصان ہے۔“^(۱۳)

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ فَإِذَا أُوذِيَ فِي اللَّهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللَّهِ ۚ وَلَئِنْ جَاءَ نَصْرٌ مِّن رَّبِّكَ لَيَقُولُنَّ إِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ ۚ أَوَلَيْسَ اللَّهُ بِأَعْلَمَ بِمَا فِي صُدُورِ الْعَالَمِينَ ۝ وَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنَافِقِينَ ۝﴾

”اور لوگوں میں سے کوئی ایسا ہے جو یہ کہتا ہے کہ ہم اللہ پر ایمان لائے مگر جب اللہ کی راہ میں تکلیف پہنچتی ہے تو لوگوں کی اس تکلیف کو یوں سمجھتا ہے جیسے اللہ کا عذاب ہو۔ اور اگر آپ کے رب کی طرف سے نصرت آجائے تو ضرور کہے گا کہ ہم (دل سے) تو تمھارے ساتھ ہی تھے۔ کیا دنیا جہان کے لوگوں کے دلوں کا حال

اللہ کو بخوبی معلوم نہیں! اور اللہ تعالیٰ ضرور یہ جان کر رہے گا کہ ایمان والے کون ہیں اور منافق کون؟^(۱)

﴿۱۴﴾ مسلمانوں پر کوئی مصیبت آئے تو خوش ہوتے ہیں

منافقوں کی ایک نشانی یہ ہے کہ اگر مسلمانوں کو کوئی اچھائی نصیب ہو تو انھیں بہت برا لگتا ہے اور اگر ان پر کوئی مصیبت آجائے تو بہت خوش ہوتے ہیں۔ جنگ جبوک سے پیچھے رہنے والے منافقوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿إِنْ تُصِيبَكَ حَسَنَةٌ فَسُوءُهُمْ ۖ وَإِنْ تُصِيبَكَ مُصِيبَةٌ يَقُولُوا قَدْ أَخَذْنَا أَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَيَتَوَلَّوْا وَهُمْ قَرِحُونَ﴾

”اگر آپ کو کوئی بھلائی ملے تو انھیں بری لگتی ہے اور اگر کوئی مصیبت آپزے تو کہتے ہیں: ہم نے تو اپنا معاملہ ہی درست رکھا تھا۔ پھر وہ خوش خوش واپس چلے جاتے ہیں۔“^(۲)

﴿۱۵﴾ مسلمانوں کو خوفزدہ کرنا اور ان کی صفوں میں دراڑیں ڈالنا

منافقوں کی ایک نشانی یہ ہے کہ وہ جنگی حالات میں بزدلی کا مظاہرہ کرتے ہیں، خود بھی خوفزدہ ہو جاتے ہیں اور مسلمانوں کو بھی خوفزدہ کر کے ان کی صفوں میں دراڑیں ڈالنے کی مذموم کوشش کرتے ہیں۔ اس کی سب سے بڑی دلیل جنگ خندق کا واقعہ ہے کہ جب کفار اپنے تمام گروہوں کے ساتھ مل کر مدینہ منورہ پر حملہ آور ہوئے تھے، انھوں نے ہر جانب سے اہل مدینہ پر چڑھائی کی تھی اور خود مدینہ کے بعض یہودی قبائل بھی مسلمانوں سے بد عہدی کرتے ہوئے کفار کا ساتھ دے رہے تھے! ان سنگین حالات میں مومنوں کی شدید آزمائش ہوئی اور انھیں جھنجھوڑ کر رکھ دیا گیا۔ مومنوں کی اس حالت کو اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا ہے:

﴿إِذْ جَاءُوكُم مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنكُمْ ۖ وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ بِأَنَّهُ الظُّفُورُ ۚ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ وَتُلُوزُوا أَزْوَاجًا شَدِيدًا﴾

”جب وہ تمہارے اوپر سے اور نیچے سے تم پر چڑھ آئے تھے اور جب آنکھیں پھر گئی تھیں اور کلیجے منہ کو آنے لگے تھے اور تم اللہ کے متعلق طرح طرح کے گمان کرنے لگے تھے۔ اس موقع پر مومنوں کی آزمائش کی گئی اور وہ بری طرح ہلا دیے گئے۔“^(۳)

ایسے میں منافق بول اٹھے اور مسلمانوں کو خوفزدہ کرتے ہوئے ان کی صفوں میں دراڑیں ڈالنے لگے۔ اللہ تعالیٰ ان کے متعلق فرماتا ہے: ﴿وَإِذْ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ إِلَّا غُرُورًا﴾

﴿العنکبوت ۱۱-۱۰: ۲۹﴾ ﴿التوبة ۵۰: ۹﴾ ﴿الأحزاب ۱۱-۱۰: ۳۳﴾

”جبکہ منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں روگ تھا یہ کہہ رہے تھے کہ اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے جو وعدہ کیا تھا، بس دھوکہ ہی تھا۔“^(۱)

اس کے بعد فرمایا:

﴿وَإِذْ قَالَتْ طَائِفَةٌ مِّنْهُمْ يَا أَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوا ۖ وَيَسْتَأْذِنُ فَرِيقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُولُونَ إِنَّ بُيُوتَنَا عَوْرَةٌ ۚ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۖ إِن يُرِيدُونَ إِلَّا فِرَارًا ۚ﴾

”اور جب ان کا ایک گروہ کہنے لگا: یثرب والو! (آج) تمہارے ٹھہرنے کا کوئی موقع نہیں، لہذا واپس آ جاؤ۔ اور ان کا ایک گروہ نبی سے (واپس جانے کی) اجازت مانگ رہا تھا اور کہتا تھا کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں۔ حالانکہ ان کے گھر غیر محفوظ نہیں تھے، وہ صرف جنگ سے فرار چاہتے تھے۔“^(۲)

﴿۱۸﴾ وفاداریاں تبدیل کرنا

منافقوں کی ایک اور نشانی یہ ہے کہ وہ اپنے دنیاوی مفادات کی خاطر وفاداریاں بہت جلد تبدیل کر لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ نشانی یوں بیان کی ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ جَامِعُ الْمُنَافِقِينَ وَالْكَافِرِينَ فِي جَهَنَّمَ جَمِيعًا ۖ الَّذِينَ يَتَرَبَّصُونَ بِكُمْ فَإِن كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللَّهِ قَالُوا أَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۚ وَإِن كَانَ لِلْكَافِرِينَ نَصِيبٌ قَالُوا أَلَمْ نَسْتَحِذْكُمْ عَلَيْهِمْ وَنَتَنَعَّلْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ﴾

”اللہ تعالیٰ تمام منافقوں اور کافروں کو جہنم میں جمع کرنے والا ہے۔ یہ لوگ آپ کے بارے میں ہر وقت منتظر رہتے ہیں، اگر اللہ کی مہربانی سے تمہیں فتح نصیب ہو تو کہتے ہیں: کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے؟ اور اگر کافروں کا پلہ بھاری رہے تو انہیں کہتے ہیں: کیا ہم تم پر قابو پانے کی قدرت نہ رکھتے تھے؟ اور ہم نے تمہیں مومنوں سے بچا نہیں لیا؟“^(۳)

نہایت افسوس ہے کہ آج بھی ایسے منافق بہت زیادہ پائے جاتے ہیں، خاص طور پر سیاسی پارٹیوں میں، کہ جو ہوا کا رخ دیکھتے ہی فوراً اپنی پارٹی کو چھوڑ دیتے ہیں اور اس پارٹی میں شامل ہو جاتے ہیں جس کو اقتدار ملنے والا ہو یا مل چکا ہو۔ ایسے لوگوں کو صرف اپنا مفاد عزیز ہوتا ہے۔ یہ ملک و قوم کے خیر خواہ نہیں ہوتے۔

17 چرب لسانی

منافقوں کی ایک اور نشانی یہ ہے کہ وہ بہت ہی میٹھی میٹھی باتیں اور انتہائی لچھے دار گفتگو کرتے ہیں، لیکن ان کے دلوں میں وہ نہیں ہوتا جو ان کی زبانوں پر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سورۃ المنافقون کے شروع میں فرماتا ہے:

﴿وَإِذَا رَأَوْهُمْ تَبَٰعِبُكَ أَجْسَامُهُمْ ۖ وَإِنْ يَقُولُوا تَسْمِعُ يَقُولَهُمْ ۚ كَآلَهُمْ خَشَبٌ مُّسْتَدَدٌ ۖ﴾

”اگر آپ انھیں دیکھیں تو ان کے جسم آپ کو بھلے لگیں اور اگر وہ بات کریں تو آپ ان کی بات سنتے ہی رہ جائیں۔ گویا وہ دیواروں کے ساتھ لگی ہوئی لکڑیاں ہیں۔“^(۱)

اسی طرح مدینہ منورہ کے ارد گرد بسنے والے بعض منافقوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿سَيَقُولُ لَكَ الْمُخَلَّفُونَ مِنَ الْأَعْرَابِ شَغَلَتْنَا أَمْوَالُنَا وَأَهْلُونَا فَاسْتَغْفِرْ لَنَا ۚ يَقُولُونَ بِآلِسَيْنَاهُمْ مَآ لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ ۖ﴾

”دیہاتیوں میں سے جو لوگ (فتح مکہ سے) پیچھے رہ گئے تھے وہ اب آپ سے کہیں گے کہ ہمارے اموال اور گھر والوں نے ہمیں مشغول رکھا تھا، لہذا ہمارے لیے بخشش کی دعا کیجئے۔ یہ اپنی زبانوں سے وہ بات کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہوتی۔“^(۲)

سامعین کرام! ہم نے منافقوں کی متعدد نشانیاں قرآن وحدیث کی روشنی میں ذکر کی ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ اگر ہمارے اندر بھی یہ نشانیاں پائی جاتی ہوں تو ہم اپنی اصلاح کریں اور ان سے بچنے کی کوشش کریں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق دے۔

دوسرا خطبہ

معزز سامعین! پہلے خطبہ جمعہ میں ہم نے منافقوں کی زیادہ تر نشانیاں قرآن مجید سے ذکر کی ہیں۔ آئیے اب وہ نشانیاں بھی معلوم کر لیں جنہیں رسول اکرم ﷺ نے خاص طور پر منافقوں کی علامات قرار دیا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ : إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ ، وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ ، وَإِذَا اتَّعَمَّنَ خَانَ»

”منافق کی نشانیاں تین ہیں: وہ جب بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے، جب وعدہ کرتا ہے تو اس کی خلاف ورزی کرتا ہے اور جب اسے امانت سونپی جاتی ہے تو اس میں خیانت کرتا ہے۔“^(۳)

③ للنفاقون 4:63، ③ الفتح 48:11، ③ صحيح البخاري: 33.

اور دوسری روایت میں ارشاد فرمایا:

«أَرْبَعٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا . وَمَنْ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِمَّنْ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِنْ الْبِفَاقِ حَتَّى يَدْعَهَا : إِذَا انْتَمَيْنِ خَانَ . وَإِذَا حَدَّثَ كَذَبَ . وَإِذَا عَاهَدَ غَدَرَ . وَإِذَا خَاصَمَ فَجَرَ»

”چار خصلتیں جس میں پائی جاتی ہوں وہ پکا منافق ہوتا ہے۔ اور جس میں ان میں سے ایک خصلت پائی جاتی ہو اس میں منافقت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہوتی ہے یہاں تک کہ وہ اسے چھوڑ دے۔ پہلی یہ کہ اسے جب امانت سونپی جائے تو وہ اس میں خیانت کرے۔ دوسری یہ کہ وہ جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔ تیسری یہ کہ وہ جب عہد کرے تو اسے توڑ دے اور چوتھی یہ کہ وہ جب جھگڑا کرے تو گالی گلوچ پر اتر آئے۔“^①

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان مذموم عادات سے بچنے کی توفیق دے۔
عزیز بھائیو! آخر میں یہ بھی جان لیجیے کہ منافق کا انجام کیا ہوگا؟

منافقوں کا انجام

اللہ تعالیٰ منافقوں کے بارے میں فرماتا ہے:

﴿وَمِمَّنْ حَاكُمُ مِنَ الْأَعْرَابِ مُنَافِقُونَ ۖ وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ مَرَدُّوا عَلَى النَّفَاقِ ۚ لَا تَعْلَمُهُمْ ۖ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ۚ سَنُعَذِّبُهُمْ مُؤَلَّفِينَ ثُمَّ يُرَدُّونَ إِلَىٰ عَذَابٍ عَظِيمٍ ۝﴾

”اور تمہارے ارد گرد بسنے والے دیہاتیوں میں کچھ منافق موجود ہیں اور کچھ خود مدینہ میں بھی موجود ہیں جو اپنے نفاق پر اڑے ہوئے ہیں؛ انہیں تم نہیں جانتے، ہم انہیں جانتے ہیں۔ جلد ہی ہم انہیں دو مرتبہ سزا دیں گے۔ پھر وہ بڑے عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے۔“^②

’بڑے عذاب‘ سے مراد کیا ہے؟ وہ اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا ہے:

﴿إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّارِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَكُنْ تُجِدَ كَهُمْ قِصَصًا ۝﴾

”بے شک منافقین جہنم کی سب سے نچلی کھائی میں ہوں گے۔“^③

اسی طرح اللہ تعالیٰ منافقوں کے برے انجام کے متعلق ارشاد فرماتا ہے:

① صحیح البخاری: 34، ② التوبة: 101، ③ النساء: 145.

﴿وَعَدَ اللَّهُ الْمُنَافِقِينَ وَالْمُنَافِقَاتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا هِيَ حَسْبُهُمْ ۚ وَلَعْنَهُمُ اللَّهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيمٌ ۝﴾

”اللہ نے منافق مردوں، منافق عورتوں اور کافروں سے جہنم کی آگ کا وعدہ کیا ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ وہ انہیں کافی ہے۔ اور ان پر اللہ کی پھٹکار ہے اور ان کے لیے دائمی عذاب ہے۔“^①

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَعَدَ اللَّهُ الْمُنَافِقِينَ وَالْمُنَافِقَاتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا هِيَ حَسْبُهُمْ ۚ وَلَعْنَهُمُ اللَّهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيمٌ ۝﴾

”اے نبی! کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو اور ان پر سختی کرو۔ ان کی پناہ گاہ جہنم ہے جو بہت برا ٹھکانا ہے۔“^②

اللہ تعالیٰ ہم سب کو جہنم سے محفوظ رکھے اور نفاق اور منافقوں کی صفات سے بچنے کی توفیق دے۔

طلاق کے اسباب اور ان کا حل

اہم عناصر خطبہ

- [1] اسلام میں نکاح کی اہمیت
2. نیک بیوی بہت بڑی نعمت
- [3] نکاح ایک پختہ عہد
- [4] طلاق کے اسباب اور ان کا حل
- [5] اسلام کا قانون طلاق

پہلا خطبہ

محترم حضرات! فطری طور پر مرد و عورت ایک دوسرے کو چاہتے ہیں۔ اور دونوں کی بعض فطری خواہشات بھی ہیں جنہیں پورا کرنے کے لیے وہ ایک دوسرے کے ضرور تمند ہوتے ہیں۔ تاہم انہیں یہ آزادی نہیں دی گئی کہ وہ جیسے چاہیں، جہاں چاہیں اور جب چاہیں اپنی خواہش کی تکمیل کر لیں۔ بلکہ اس کے لیے اسلامی شریعت میں ایک متعین طریقہ کار بتایا گیا ہے جسے نکاح کہا جاتا ہے۔ 'نکاح' کے ذریعے ان دونوں کے درمیان ایک مقدس رشتہ قائم ہو جاتا ہے۔ 'نکاح' کے ذریعے وہ ایک دوسرے کے رفیق حیات بن جاتے ہیں۔ 'نکاح' کے ذریعے ان کے مابین پاکیزہ محبت اور حقیقی الفت پر مبنی ایک عظیم رشتہ معرض وجود میں آ جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی ان کی ازدواجی زندگی کا آغاز ہوتا ہے۔ اور پھر وہ مفادات سے بالاتر ہو کر ایک دوسرے کے دکھ درد کے ساتھی بن جاتے ہیں۔ ان میں سے ایک کی خوشی دوسرے کی خوشی اور ایک کی تکلیف دوسرے کی تکلیف ہوتی ہے۔ وہ ایک دوسرے کے ہمدرد و غم گسار بن کر باہم مل کر زندگی کی گاڑی کو کھینچتے رہتے ہیں۔ مرد اپنی جدوجہد کے ذریعے پیسہ کماتا ہے، اپنی شریک حیات اور اپنے بچوں کی ضرورتوں کا کفیل ہوتا ہے۔ اور بیوی گھریلو امور کی ذمہ دار، اپنے خاوند کی خدمت گزار اور اسے سکون فراہم کرنے اور بچوں کی پرورش کرنے جیسے اہم فرائض سے عہدہ برآ ہوتی ہے۔

بیوی اپنے خاوند کے سکون کا باعث بنتی ہے اور ان دونوں کے درمیان جس طرح محبت ہوتی ہے اسے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی کے طور پر ذکر کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ

مَوَدَّةٌ وَرَحْمَةٌ

”اور اس کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے بیویاں پیدا کیں تاکہ تم ان کے پاس سکون حاصل کر سکو۔ اور اس نے تمہارے درمیان محبت اور ہمدردی قائم کر دی۔“^①

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے خاوند بیوی کے درمیان محبت اور ہمدردی قائم کر دی ہے جس کی بدولت وہ ایک دوسرے کو چاہتے ہیں، ایک دوسرے کے جذبات کا احترام کرتے ہیں، ایک دوسرے کی رائے کو اہمیت دیتے ہیں اور ہر طرح سے ایک دوسرے کا خیال رکھتے ہیں۔ اور یہ محبت و ہمدردی ایسی ہے کہ جس کی کوئی نظیر نہیں ملتی جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«لَمْ يَزَلْ لِمُتَخَاتِلَيْنِ مِثْلَ النِّكَاحِ»

”نکاح کرنے والے جوڑے کے درمیان جو محبت ہوتی ہے اس جیسی محبت کسی اور جوڑے میں نہیں دیکھی گئی۔“^②

اور جہاں تک نکاح کی اہمیت کا تعلق ہے تو اسے رسول اکرم ﷺ نے آدھا دین قرار دیا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا تَزَوَّجَ الْعَبْدُ فَقَدْ اسْتَكْمَلَ نَصْفَ الدِّينِ . فَلْيَتَّقِ اللَّهَ فِي النِّصْفِ الْبَاقِي»

”ایک بندہ جب شادی کر لیتا ہے تو وہ آدھا دین مکمل کر لیتا ہے۔ اس لیے اسے باقی نصف کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے۔“

دوسری روایت میں اس حدیث کے الفاظ یوں ہیں:

«مَنْ زَوَّجَ اللَّهُ امْرَأَةً صَالِحَةً فَقَدْ أَعَانَ عَلَى شَطْرِ دِينِهِ . فَلْيَتَّقِ اللَّهَ فِي الشَّطْرِ الْبَاقِي»

”جس آدمی کو اللہ تعالیٰ نیک بیوی دے دے تو اس نے گویا آدھے دین پر اس کی مدد کر دی۔ لہذا وہ باقی نصف دین میں اللہ تعالیٰ سے ڈرے۔“^③

اس حدیث میں ”نیک بیوی“ کا ذکر ہے کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نیک بیوی عطا کر دے تو گویا اس نے اس کے لیے آدھا دین آسان فرما دیا اور اس پر مملہ آمد کے لیے اس نے اس کی مدد کر دی۔

نیک بیوی سعادتمندی کی نشانی

نیک بیوی کا حصول یقیناً بہت بڑی نعمت ہے۔ اسی لیے رسول اکرم ﷺ نے نیک بیوی کو انسان کی سعادتمندی کی

① الروم 21:30. ② صحيح الجامع للآلبانی: 5200، السلسلة الصحيحة: 624. ③ صحيح الترغيب والترهيب للآلبانی: 1916.

دلیل قرار دیا ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«أَرْبَعٌ مِنَ السَّعَادَةِ: الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ، وَالْمَسْكَنُ الْوَاسِعُ، وَالْحِجَارُ الصَّالِحُ، وَالْمَرْكَبُ الْهَبْنِيُّ»
 ”چار چیزیں سعادتمندی سے ہیں: نیک بیوی، کشادہ گھر، نیک پڑوسی اور آرام دہ سواری۔“^(۱)

نیک بیوی بہترین خزانہ

رسول اللہ ﷺ نے دیندار اور نیک بیوی کو بہترین خزانہ قرار دیا ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِخَيْرٍ مَّا يُكْتَزُ؟ الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ. إِذَا نَظَرَ إِلَيْهَا سَرَّخَتْ. وَإِذَا غَابَ عَنْهَا خَفِظَتْ. وَإِذَا أَمَرَهَا أَطَاعَتْ»

”کیا میں تمہیں بہترین خزانے کے بارے میں نہ بتاؤں؟ وہ ہے نیک بیوی۔ جب اس کا خاوند اس کی طرف دیکھے تو وہ اسے خوش کر دے۔ اور جب وہ گھر میں موجود نہ ہو تو وہ اس کی (عزت کی) حفاظت کرے۔ اور جب وہ اسے کوئی حکم دے تو وہ فرمانبرداری کرے۔“^(۲)

نکاح ایک پختہ عہد!

’نکاح‘ کے ذریعے مرد و عورت رشتہ ازدواج میں منسلک ہوتے ہیں۔ یہ رشتہ ان دونوں کے مابین ایک پختہ عہد ہوتا ہے۔ مرد یہ عہد کرتا ہے کہ وہ اپنی ہونے والی بیوی کے نان و نفقہ کا ذمہ دار ہوگا اور اس کے تمام حقوق کی پاسداری کرے گا۔ عورت یہ عہد کرتی ہے کہ وہ اپنے خاوند کی فرمانبرداری کرے گی، اس کی خدمت کرے گی اسے سکون باہم پہنچائے گی اور اس کے گھر اور ان کے ہاں ہونے والی اولاد کی پرورش کرے گی۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَآخِذْنَ مِنْكُمْ بِنَهْيِ أَخِي غِيظًا﴾
 ”وہ تم سے پختہ عہد لے چکی ہیں۔“^(۳)

اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خاوند بیوی کے مابین ازدواجی رشتہ تبھی کامیابی کے ساتھ قائم رہ سکتا ہے کہ وہ دونوں ایک دوسرے سے کیے ہوئے عہد کا پاس کریں۔

اسی طرح کامیاب و خوشگوار ازدواجی زندگی کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ خاوند بیوی دونوں ایک دوسرے کے حقوق کا احترام کریں اور ان میں سے ہر ایک دوسرے کے حقوق کو ادا کرے۔ نہ خاوند بیوی کی حق تلفی کرے اور نہ بیوی خاوند کے حقوق مارے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

(۱) صحیح الترغیب والترہیب للابانی: 1914، (۲) سنن ابی داود: 1664، (۳) النساء: 12:4.

﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۚ وَلِلَّيَّالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ۝﴾

”اور عورتوں کے (شوہروں پر) عرف عام کے مطابق حقوق ہیں جس طرح شوہروں کے ان پر ہیں۔ اور مردوں کو عورتوں پر فوقیت حاصل ہے۔“^①

اس آیت سے معلوم ہوا کہ خاوند اور بیوی دونوں ہی کے ایک دوسرے پر حقوق ہیں جن کا ادا کرنا ضروری ہے۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے بھی خطبہ حجة الوداع میں فرمایا تھا:

«أَلَا إِنَّ لَكُمْ عَلَى نِسَائِكُمْ حَقًّا . وَلَيْسَ بَيْنَكُمْ عَلَيْكُمْ حَقًّا»

”خبردار! بے شک تمہاری بیویوں پر تمہارا حق ہے اور تم پر تمہاری بیویوں کا حق ہے۔“^②

خاوند بیوی اگر ایک دوسرے کے حقوق کی پاسداری کرتے رہیں تو یقینی طور پر ان کی ازدواجی زندگی انتہائی اچھے انداز سے گزر سکتی ہے۔

لیکن ہم اپنے معاشرے میں دیکھتے ہیں کہ بعض لوگ اس عظیم رشتہ کو باوجود اس کے عظیم فوائد کے اسے قائم رکھنے میں کامیاب نہیں ہوتے۔ اور طلاق کے واقعات ہیں کہ رفتہ رفتہ بڑھتے ہی جا رہے ہیں۔ بسا اوقات معمولی معمولی باتوں پر نوبت طلاق تک جا پہنچتی ہے۔ اور ہنستا ہنستا گھر برباد ہو جاتا ہے۔

آئیے سب سے پہلے یہ جاننے کی کوشش کریں کہ آخر طلاق کے اسباب کیا ہیں؟ اور کیوں اس طرح کے واقعات بڑھتے جا رہے ہیں؟ صرف اسباب ہی نہیں بلکہ یہ بھی معلوم کریں کہ شریعت میں ان اسباب کا حل کیا ہے اور وہ کونسے امور ہیں کہ اگر ان کا لحاظ کیا جائے تو طلاق کے بڑھتے ہوئے واقعات رک سکتے ہیں!

طلاق کے اسباب اور ان کا حل

دیئے تو طلاق کے اسباب بہت زیادہ ہیں لیکن ہم یہاں چند اہم اسباب کا تذکرہ کر کے ان کا حل بھی بتائیں گے تاکہ ایسے اسباب پیدا ہی نہ ہوں جن کے نتیجے میں زوجین کے درمیان علیحدگی ہو۔

① گناہ اور برائیاں

پہلا سبب زوجین کی بے راہ روی اور ان کا گناہوں اور برائیوں میں لت پت ہونا ہے جن کی نحوست سے ان کے مابین محبت اور الفت کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ پھر ناچاقی، نفرت اور عداوت شروع ہو جاتی ہے۔ اور آخر کار نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ خاوند اپنی بیوی کو طلاق دے دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

① البقرة: 228. ② صحيح الترغيب والترهيب للآلبانی: 1930.

﴿وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فِيمَا كَسَبَتْ آيَاتُنَا لَكُمْ وَاعْتَفُوا عَنْهَا﴾^(۱)
 ”اور تمہیں جو مصیبت آتی ہے تمہارے اپنے کرتوتوں کی وجہ سے آتی ہے۔ اور وہ بہت سے گناہوں کو تو دیے
 ہی معاف کر دیتا ہے۔“^(۱)

طلاق یقیناً ایک بہت بڑی مصیبت ہے جس کی وجہ سے پورا خاندان برباد ہو جاتا ہے۔
 حل : اس کا حل یہ ہے کہ زوجین اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں، گناہوں اور برائیوں سے پرہیز کریں۔ اور اب تک جو گناہ
 کیے ہیں ان پر اللہ تعالیٰ سے سچی معافی مانگیں۔ کیونکہ جب اللہ تعالیٰ راضی ہو گا تو زوجین بھی آپس میں ایک دوسرے
 سے راضی رہیں گے اور ان کی زندگی خوشی خوشی گزرے گی۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَإِنْ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ يُبْتَغِمْ قِتْلًا عَاصِمًا إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى وَيُؤْتِ
 كُلَّ ذِي فَضْلٍ فَضْلَهُ ۖ وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيرٍ﴾^(۲)
 ”اور یہ کہ تم اپنے رب سے مغفرت طلب کرو، پھر اس کی جناب میں توبہ کرو۔ تو وہ تمہیں ایک محدود وقت
 (موت) تک عمدہ عیش و آرام کا فائدہ نصیب کرے گا۔ اور ہر کار خیر کرنے والے کو اس کا اجر و ثواب دے
 گا۔ اور اگر تم منہ پھیر لو گے تو مجھے اندیشہ ہے کہ تمہیں بڑے دن (روز قیامت) کے عذاب کا سامنا کرنا
 پڑے گا۔“^(۲)

’عمدہ عیش و آرام‘ میں زوجین کے مابین خوشگوار تعلقات بھی شامل ہیں۔

② شکوک و شبہات اور بدگمانیاں

شکوک و شبہات اور بدگمانیوں کی بناء پر زوجین کے درمیان باہمی تعلقات میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔ اور نوبت طلاق
 تک جا پہنچتی ہے۔ اور بعض لوگ تو بے انتہاء شک و شبہ اور بدگمانی میں مبتلا رہتے ہیں۔ اور بے بنیاد اور چھوٹی چھوٹی
 باتوں پر ہی بدگمانی کر لیتے ہیں۔ اور بغیر کسی ثبوت یا دلیل کے محض سنی سنائی باتوں پر ہی یقین کر کے زوجین اپنے
 تعلقات کو بگاڑ لیتے ہیں۔ پھر اتنی بد اعتمادی پیدا ہو جاتی ہے کہ مرد طلاق دینے کا پختہ عزم کر لیتا ہے یا بیوی اپنے خاوند
 سے بار بار طلاق کا مطالبہ شروع کر دیتی ہے۔

حل : اس کا حل یہ ہے کہ خاوند بیوی ایک دوسرے پر اعتماد کریں۔ بلا وجہ بدگمانی نہ کریں۔ اور دونوں ایسی چیزوں
 سے پرہیز کریں جن کی بناء پر ان میں شکوک و شبہات پیدا ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو بہت زیادہ گمان کرنے اور تجسس سے منع کر دیا ہے۔ اس کا فرمان ہے:

”اے ایمان والو! تم زیادہ گمان کرنے سے بچو کیونکہ بعض گمان گناہ ہے۔ اور جاسوسی نہ کیا کرو۔“^①

اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

« إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ . وَلَا تَحْسَبُوا وَلَا تَحْسَبُوا ---- »

”تم بدگمانی کرنے سے بچو کیونکہ یہ سب سے جھوٹی بات ہے۔ اور تم چوری چھپے کسی کی بات نہ سنا کرو اور نہ ہی

② "ایک دوسرے کے عیب تلاش کیا کرو۔"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی (جس کا نام ضمیمہ بن قتادہ رضی اللہ عنہ ذکر کیا گیا ہے) نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! میری بیوی نے ایک کالے رنگ کا بچہ جنم دیا ہے۔ (یعنی اس نے یہ کہہ کر دراصل اپنی بیوی پر شک و شبہ اور بدگمانی کا اظہار کیا) تو آپ ﷺ نے اس سے پوچھا: کیا تمہارے اونٹ ہیں؟ اس نے کہا: جی ہاں ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ان کے رنگ کیا ہیں؟ اس نے کہا: سرخ رنگ کے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا ان میں کوئی خاکی رنگ کا بھی ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: خاکی رنگ کہاں سے آگیا؟ اس نے کہا: شاید اس کے خاندان میں کوئی اسی رنگ کا ہوگا (جس کے ساتھ اس کی مشابہت ہے)۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: شاید تمہارے اس بچے کے خاندان میں بھی کوئی اسی رنگ کا ہوگا (جس کے ساتھ اس کی مشابہت ہے)۔^③

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ خاوند کو اپنی بیوی پر خواہ مخواہ شک و شبہ نہیں کرنا چاہیے کہ جو رفتہ رفتہ یہ اعتمادی میں تبدیل ہو جائے اور اس کا نتیجہ طلاق نکلتے۔

بعض لوگ صرف سنی سنائی باتوں پر ہی اعتماد کر لیتے ہیں اور اپنے بیوی بچوں پر اس قدر بدگمانی کرتے ہیں کہ ان کی زندگی اجیرن بن جاتی ہے۔ اس سلسلے میں شرعی ضابطہ یہ ہے کہ سنی سنائی باتوں کے بارے میں تحقیق کرنی چاہیے اور بلا تحقیق کسی کی بات کو درست تسلیم نہیں کرنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا أَن تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْحَبُوا عَلَى مَا فَعَلْتُمْ

نَدِيمِینَ ○ ﴿

① الحجرات 12:49. ② صحيح البخاري: 6066، صحيح مسلم: 2563. ③ صحيح البخاري: 5305، صحيح مسلم: 1500.

”اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق کوئی خبیث لے کر آئے تو تم اس کی تحقیق کر لیا کرو۔ ایسا نہ ہو کہ تم نادانستہ کسی قوم کو نقصان پہنچا بیٹھو۔ پھر تمہیں اپنے کیے پر ندامت ہو۔“^(۱)

③ غیرت میں افراط و تفریط

مومن بڑا غیور ہوتا ہے۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((الْمُؤْمِنُ يَغَارُ وَاللَّهُ أَشَدُّ غَيْرًا))

”مومن غیرت مند ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ غیرت والا ہے۔“^(۲)

تاہم غیرت میں اعتدال ضروری ہے۔ کیونکہ اگر مرد میں غیرت بالکل نہ ہو تو اس سے اس کی بیوی (اگر وہ دیندار نہ ہو تو اس کو) آزادی مل جاتی ہے۔ پھر وہ بے پردہ ہو کر باہر گھومتی پھرتی ہے۔ غیر محرم مردوں کے ساتھ اٹھتی بیٹھتی ہے اور مختلف غیر شرعی امور میں منہمک رہتی ہے لیکن اس کے خاوند کو کچھ بھی احساس نہیں ہوتا! اور اگر غیرت حد سے زیادہ ہو تو شکوک و شبہات جنم لیتے ہیں، بے جا طور پر تجسس ہوتا ہے اور ہر بات پر بدگمانیاں ہوتی ہیں۔ اور یوں فرط غیرت میں مبتلا ہو کر مرد اپنی بیوی کو طلاق دے دیتا ہے۔

حل: اگر مرد میں بالکل ہی غیرت نہ ہو تو اسے اپنی بیوی کے لیے غیرت مند ہونا چاہیے۔ وہ اس قدر غیور ہو کہ اس کا غیر مردوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا، بے پردہ ہو کر اس کا گھومنا پھرنا اور اجنبی مردوں سے فون پر غیر ضروری بات چیت کرنا اسے ناپسند ہو۔ اور اگر بیوی بعض برائیوں میں مبتلا ہو تو اسے اس پر بھی شرعی حدود میں رہتے ہوئے تنبیہ کرنی چاہیے۔ اور اگر غیرت حد سے زیادہ ہو تو اسے اعتدال کی حد تک لانا چاہیے کیونکہ فرط غیرت کے نتائج بہت ہی خطرناک ہوتے ہیں۔

④ مردانگی کا بے جا اظہار اور بدسلوکی کا مظاہرہ

بعض حضرات کو چونکہ یہ معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مردوں کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿الْوَجَلُ قَوْمُونَ عَلَى النِّسَاءِ﴾ ”مرد عورتوں پر حاکم ہیں۔“ اور انھیں یہ بھی معلوم ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے عورتوں کو (ناقصات العقل) ”کم عقل“ قرار دیا ہے، تو وہ بے جا طور پر اپنی مردانگی اور عورت پر اپنی حکمرانی کا اظہار کرتے ہوئے ان سے بدسلوکی کرتے ہیں۔ ان کا طرز عمل اس قسم کا ہوتا ہے کہ ﴿مَا أَرْبَكُمْ إِلَّا مَا أَرَى﴾ ”بس رائے وہی ہے جو میں دے رہا ہوں۔“ یعنی اپنی بیویوں سے رائے لینا گوارا ہی نہیں کرتے یا اگر ان کی رائے سامنے آ بھی جائے تو اسے

نہایت حقیر سمجھتے ہیں اور بس اپنی رائے کو ہی واجب العمل تصور کرتے ہیں! اس کے علاوہ ان کا اپنی بیویوں سے انداز گفتگو نہایت توہین آمیز ہوتا ہے حتیٰ کہ اولاد کے سامنے بھی ان کی بے عزتی کرنے سے باز نہیں آتے!

اس انداز معاشرت سے آخر کار بیویاں تنگ آ جاتی ہیں کیونکہ گھر میں ان کی شخصیت مسلسل مجروح ہو رہی ہوتی ہے اور آخر کار وہ طلاق کا مطالبہ شروع کر دیتی ہیں۔ اور ان کے اس مطالبے کے بعد مرد یہ سمجھتے ہیں کہ اگر انھوں نے طلاق نہ دی تو ان کی مردانگی پر حرف آئے گا۔ اس لیے وہ سوچے سمجھے بغیر فوراً طلاق دے دیتے ہیں۔

حل: مرد بے شک عورتوں پر حاکم ہیں اور خواتین بے شک کم عقل ہیں لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ انھیں حقیر سمجھتے ہوئے ان سے بدسلوکی کی جائے اور گھریلو معاملات میں ان کی رائے کو نظر انداز کیا جائے۔ اس کے برعکس ان سے حسن سلوک اور اچھے انداز سے بود و باش رکھنا ضروری ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ﴾

”اور ان کے ساتھ بھلے طریقے سے زندگی بسر کرو۔“^(۱)

اور رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

«الْكَمَلُ الْمُؤْمِنِينَ إِيمَانًا أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا . وَخِيَارُهُمْ خِيَارُهُمْ لِنِسَائِهِمْ»

”مومنوں میں سب سے کامل ایمان والا شخص وہ ہے جو ان میں سب سے اچھے اخلاق کا حامل ہو۔ اور تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنی عورتوں کے حق میں بہتر ہو۔“^(۲)

مردوں کو یہ بھی جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی بیویوں کے ان پر کچھ حقوق مقرر کیے ہیں جن کا ادا کرنا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۚ وَلِلرِّجَالِ عِنْدَهُنَّ دَرَجَةٌ﴾

”اور عورتوں کے (شوہروں پر) عرف عام کے مطابق حقوق ہیں جس طرح شوہروں کے ان پر ہیں۔“^(۳)

اس کے علاوہ نبی کریم ﷺ نے بھی شوہروں کو ان کی بیویوں کے متعلق خصوصی طور پر یہ تاکید کی ہے کہ وہ نہ ان پر ظلم کریں اور نہ ان کی حق تلفی کریں بلکہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کریں۔

رسول اللہ ﷺ نے خطبہ جتہ الوداع میں فرمایا تھا: «فَاتَّقُوا اللَّهَ فِي النِّسَاءِ . فَإِنَّكُمْ أَخَذْتُمُوهُنَّ بِأَمَانِ اللَّهِ . وَأَسْتَخْلَلْتُمْ فُرُوجَهُنَّ بِكَلِمَةِ اللَّهِ»

”تم عورتوں کے معاملے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا کیونکہ تم نے انھیں اللہ کی ذمہ داری پر لیا ہے۔ اور

① النساء: 4، 19. ② جامع الترمذی: 1162. حسن صحیح، وانظر: السلسلة الصحيحة: 284. ③ البقرة: 228.

انھیں اللہ کے کلمہ کے ساتھ حلال کیا ہے۔“^(۱)

۵ خاوند کی نافرمانی

بعض بیویاں اپنے شوہروں کی نافرمان ہوتی ہیں۔ وہ ان کی کوئی پروا نہیں کرتیں۔ ہر کام میں من مانی کرتی ہیں۔ اور ان کے شوہر انھیں جس بات کا حکم دیں یا کسی کام سے منع کریں تو وہ اس کے الٹ ہی کرتی ہیں۔ اس کے علاوہ وہ اپنے خاوندوں کی شکر گزار بھی نہیں ہوتیں۔ ایسی عورتوں کا یہ طرز عمل ان کے لیے تباہ کن ہوتا ہے اور ان کے شوہر آخر کار انھیں طلاق دینے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

حل : عورتوں کو یہ بات تسلیم کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے مردوں کو ان پر حاکم بنایا ہے۔ اور جہاں اللہ تعالیٰ نے ان کے حقوق کا ذکر کیا ہے وہاں یہ بھی فرمایا ہے کہ ﴿وَالْيَتَامَىٰ عَلَيْهِمْ دَرَجَةٌ﴾^(۲) اور مردوں کو عورتوں پر فوقیت حاصل ہے۔“

لہذا عورتوں کو مردوں کی فوقیت کو ماننا چاہیے۔ اور ان کی فرمانبرداری کرنی چاہیے۔ کیونکہ جب رسول اکرم ﷺ سے سوال کیا گیا کہ عورتوں میں سے کونسی عورت سب سے افضل ہے؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«الَّتِي تَسْرُهُ إِذَا نَظَرَ . وَتُطِيعُهُ إِذَا أَمَرَ . وَلَا تُحَالِفُهُ فِي نَفْسِهَا وَمَالِهَا بِمَا يَكْرَهُ»

”وہ جو کہ اسے (خاوند کو) خوش کر دے جب وہ اسے دیکھے۔ اور اس کی فرمانبرداری کرے جب وہ اسے حکم دے۔ اور اپنے نفس اور مال میں شوہر کی خلاف ورزی بائیں طور نہ کرے کہ جو شوہر کو ناپسند ہو۔“^(۳)

اور خاوند کی نافرمانی کرنا اتنا بڑا گناہ ہے کہ اس کی وجہ سے نافرمان بیوی کی نماز تک قبول نہیں ہوتی۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«اِثْنَانِ لَا تَجَاوِزُ صَلَاتَهُمَا رُؤُوسَهُمَا : عَبْدٌ أَبَقَ مِنْ فَوَالِيهِ حَتَّى يَرْجِعَ . وَامْرَأَةٌ غَصَتْ رُؤُوسَهَا حَتَّى تَرْجِعَ»

”دو آدمیوں کی نماز ان کے سروں سے اوپر نہیں جاتی۔ ایک اپنے آقاؤں سے بھاگا ہوا غلام یہاں تک کہ وہ واپس آجائے۔ اور دوسری وہ عورت جو اپنے خاوند کی نافرمان ہو یہاں تک کہ وہ اس کی فرمانبرداری بن جائے۔“^(۴)

① صحیح مسلم: 1218. سنن النسائي، النكاح باب أي النساء خير: 3231، وصححه الألباني في صحيح سنن سنن النسائي والصحيحة: 1838. صحیح الترغیب والترہیب للآلبانی: 1948.

فرمانبرداری کے ساتھ ساتھ عورتوں کو اپنے خاوندوں کا شکر گزار بھی ہونا چاہیے۔ کیونکہ ناشکر گزار بیوی کے متعلق رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«لَا يَنْظُرُ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى إِلَى امْرَأَةٍ لَا تَشْكُرُ لِرِزْقِهَا . وَهِيَ لَا تَسْتَغْنِي عَنْهُ»

”اللہ تبارک و تعالیٰ اس عورت کی طرف دیکھتا ہی نہیں جو اپنے خاوند کی ناشکر گزار ہو حالانکہ وہ اس کے بغیر رہ نہیں سکتی۔“^(۱)

﴿۵﴾ بے انتہاء ملامت اور شدید تنقید

بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ ہمیشہ اپنی بیویوں کی ملامت کرتے رہتے ہیں، ہر کام پر انھیں شدید تنقید کا نشانہ بناتے ہیں اور ہر بات پر انھیں ڈانٹتے رہتے ہیں۔ اسی طرح بعض خواتین بھی اپنے خاوندوں سے ہمیشہ ناخوش رہتی ہیں اور ہر معاملے میں انھیں غلط تصور کرتی ہیں اور ان کی برائی بیان کرتی رہتی ہیں۔ زوجین کے مابین جب اس طرح کا طرز عمل ظاہر ہوگا تو بالآخر وہ ایک دوسرے سے ٹک آ جائیں گے اور نوبت طلاق تک جا پہنچے گی!

حل: اس کا حل یہ ہے کہ زوجین ایک دوسرے کی خوبیوں کو سامنے رکھیں۔ اچھائیوں پر ایک دوسرے کی حوصلہ افزائی کریں۔ غلطیوں پر ایک دوسرے کو درگزر کریں اور اچھے انداز سے سمجھاتے رہیں۔ ایک دوسرے کے بارے میں مثبت سوچ رکھیں اور منفی سوچ رکھنے سے بچیں۔

اور چونکہ اس طرح کا طرز عمل اکثر بیشتر مردوں کی طرف سے اختیار کیا جاتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے انھیں مخاطب کر کے ارشاد فرمایا:

﴿فَإِنْ كُوهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا ۝﴾

”اگر وہ تمہیں ناپسند ہوں تو ہو سکتا ہے کہ کوئی چیز تمہیں تو ناگوار ہو مگر اللہ تعالیٰ نے اس میں بہت بھلائی رکھ دی ہو۔“^(۲)

اور رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«لَا يَفْرُقُ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً . إِنْ كَرِهَ مِنْهَا خُلُقًا رَضِيَ مِنْهَا آخَرَ»

”کوئی مومن (اپنی) مومنہ (بیوی) سے بغض نہ رکھے۔ اگر اس کی کوئی عادت اسے ناپسند ہوگی تو کوئی عادت اسے پسند بھی تو ہوگی۔“^(۳)

① صحیح الترغیب والترہیب للآلبانی: 1944، والصحيح: 289، النساء: 19، 4، صحيح مسلم: 1469.

7 خراج کرنے میں بے اعتدالی

بعض لوگ گھریلو اخراجات میں راہ اعتدال سے بٹ جاتے ہیں اور وہ یا تو بخل اور کنجوسی کا مظاہرہ کرتے ہیں یا پھر اسراف اور فضول خرچی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ ان دونوں صورتوں میں ان کے اور ان کی بیویوں کے مابین تعلقات متوازن نہیں رہتے۔ کیونکہ وہ اگر بخل اور کنجوسی کا مظاہرہ کریں اور اپنی بیویوں کی جائز ضروریات کے لیے پیسہ خرچ کرنے سے گریز کریں اور اس کی وجہ سے ان کو اپنی ہم جنس عورتوں کے سامنے شرمندگی کا سامنا کرنا پڑے تو یہ صورت حال زیادہ دیر تک قائم نہیں رہ سکتی اور آخر کار بیویاں تنگ آ کر اپنے خاوندوں سے کہہ ہی دیتی ہیں کہ اگر آپ خرچ نہیں کر سکتے تو ہمیں ہمارے والدین کے گھر بھیج دیں۔

اور اگر وہ بے انتہاء خرچ کریں اور دوسروں پر اپنی مالی برتری ثابت کرنے کے لیے جائز و ناجائز کاموں میں بے دریغ پیسہ بہا دیں تو گھر سے برکت ختم ہو جاتی ہے۔ پھر بے برکتی کی وجہ سے پیسہ اڑتا ہی چلا جاتا ہے۔ جس کے بعد «اهل من مَزند» کی طمع اور لالچ اس قدر بڑھ جاتی ہے کہ انسان کو کچھ سمجھ نہیں آتا کہ وہ اپنے اخراجات کو کیسے کنٹرول کرے۔ اور ناشکری اور عدم قناعت کی وجہ سے گھریلو جھگڑے شروع ہو جاتے ہیں اور زوجین کے درمیان ناچاقی اور منافرت کی ابتداء ہوتی ہے اور بالآخر نوبت ان کے درمیان علیحدگی تک پہنچ جاتی ہے۔

حل: اس کا حل یہ ہے کہ خاوند جو گھریلو اخراجات کا ذمہ دار اور اپنے بیوی بچوں کا کفیل ہوتا ہے اسے تمام تر اخراجات میں راہ اعتدال کو اختیار کرنا چاہیے۔ نہ وہ کنجوسی اور بخل کا مظاہرہ کرے اور نہ ہی اسراف اور فضول خرچی کرے۔ بلکہ میانہ روی اور توسط سے کام لے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَالَّذِينَ إِذَا أَنْفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَلِكَ قَوَامًا﴾

”اور وہ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ بخل سے کام لیتے ہیں، بلکہ ان دونوں کے درمیان گزراوقات کرتے ہیں۔“^(۱)

اور رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

«كُفِيَ بِالْمَرْءِ إِثْمًا أَنْ يُضَيِّعَ مَنْ يُقْوَتْ»

”کسی انسان کو یہی گناہ کافی ہے کہ وہ اسے ضائع کر دے جس کی غذا وغیرہ کا وہ ذمہ دار ہو۔“^(۲)

① الفرقان 25:67. ② سنن ابی داود: 1694. قال الالبانی: حسن.

8 فطری ضرورت کا پورا نہ ہونا

مرد و عورت دونوں کی ایک فطری ضرورت ہے۔ اگر یہ ضرورت صحیح طور پر پوری نہ ہو تو آخر کار اس کا نتیجہ بھی طلاق ہی نکلتا ہے۔

حل : زوجین کو ایک دوسرے کی اس فطری ضرورت کا احساس کرنا چاہیے۔ اور دونوں کو یہ مشترکہ حق ادا کرنے کا ایک دوسرے کو موقع دینا چاہیے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: (إِذَا دَعَا الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ إِلَى فِرَاشِهِ فَأَبَتْ فَبَاتَ غَضَبًا عَلَىٰهَا . لَعْنَتُهَا الْمَلَائِكَةُ حَتَّىٰ تُصْبِحَ)

”جب ایک خاوند اپنے بیوی کو اپنے بستر پر بلائے اور وہ انکار کر دے، پھر وہ اس پر ناراضگی کی حالت میں رات گزار دے تو فرشتے صبح ہونے تک اس پر لعنت بھیجتے رہتے ہیں۔“^①

اسی طرح آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((إِذَا دَعَا الرَّجُلُ زَوْجَتَهُ لِحَاجَتِهِ . فَلْتَأْتِيهِ وَإِنْ كَانَتْ عَلَى الثَّنَوِيِّ))

”جب خاوند اپنی بیوی کو اپنی ضرورت کے لیے بلائے تو وہ ضرور اس کے پاس آئے اگرچہ وہ تنور پر کیوں نہ ہو۔“^②

اسی طرح حدیث پاک میں ہے کہ ((إِنَّ لِرَبِّكَ عَلَيْكَ خَفًا . وَلِنَفْسِكَ عَلَيْكَ خَفًا . وَلَا تُهْلِكَ عَلَيْكَ خَفًا . فَأَغْطِ كُلَّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ))

”تم پر تمہارے رب کا حق بھی ہے، تمہاری جان کا حق بھی ہے اور تمہاری بیوی کا حق بھی ہے۔ لہذا تم سب کے حقوق ادا کیا کرو۔“^③

9 عورت کی زبان درازی اور بدکلامی

بعض خواتین نہایت بد زبان ہوتی ہیں۔ حتیٰ کہ اپنے شوہروں کا بھی احترام نہیں کرتیں۔ ان سے بدکلامی کرتی ہیں۔ انہیں برا بھلا کہتی ہیں اور بے عزت تک کرتی ہیں! ان میں سے بعض کو جب ان کے خاوند دھمکی دیتے ہیں کہ تم باز آ جاؤ ورنہ طلاق دے دوں گا۔ تو وہ جواباً کہتی ہیں: طلاق دینی ہے تو دے دو۔ یا چیلنج کرتی ہیں کہ تم طلاق دے کر دکھاؤ! چنانچہ مردطیش میں آ جاتے ہیں اور طلاق دے دیتے ہیں۔

① صحیح البخاری، بدء الخلق باب ذکر للملائكة: 3237، صحیح مسلم، النکاح: 1736. ② جامع الترمذی، ومنن النسائي، صحیح الترغیب والترہیب للالبانی: 1946. ③ صحیح البخاری، الصوم باب من أقسم على أخيه...: 1968.

حل: کسی خاتون اسلام کے لیے جائز نہیں کہ وہ زبان درازی کرتے ہوئے بدکلامی کرے۔ خاص طور پر خاوند کا تو اسے دل کی گہرائیوں سے احترام کرنا چاہیے۔ اس پر لازم ہے کہ وہ ایسا رویہ اختیار کرنے سے پرہیز کرے جس میں اس کے خاوند کی بے عزتی ہو۔

اور جہاں تک بات بات پہ طلاق کے مطالبے کا تعلق ہے تو یہ خواتین کے لیے نہایت خطرناک ہے کیونکہ بغیر شرعی عذر کے طلاق کا مطالبہ کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«أَيُّمَا امْرَأَةٍ سَأَلَتْ زَوْجَهَا الطَّلَاقَ مِنْ غَيْرِ مَا بَاسٍ، فَخَرَّامٌ عَلَيْهَا زَانِحَةُ الْجَنَّةِ»

”جو عورت بغیر کسی معقول عذر کے اپنے خاوند سے طلاق کا مطالبہ کرے اس پر جنت کی خوشبو تک حرام ہو جاتی ہے۔“^①

⑩ زوجین کے مابین ناچاقی کو ختم کرنے کے لیے مرحلہ وار اقدامات سے صرف نظر کرنا

اگر زوجین میں ناچاقی ہو جائے تو اسے ختم کرنے کے لیے شریعت میں مرحلہ وار اقدامات تجویز کیے گئے ہیں۔ عموماً ان اقدامات سے تجاوز کیا جاتا ہے اور فوراً طلاق کا ہتھیار استعمال کیا جاتا ہے جو کہ غلط ہے۔

حل: طلاق آخری حل ہے۔ اس سے پہلے جو مرحلہ وار اقدامات ہیں پہلے ان پر عمل کرنا چاہیے۔ اگر وہ سب ناکام ہو جائیں تو آخری حل کے طور پر طلاق دی جاسکتی ہے۔

وہ مرحلہ وار اقدامات یہ ہیں:

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَالَّذِينَ تَخَافُونَ شُرُوزَهُمْ فَعِظُوهُمْ وَاجْعُرُوهُمْ فِي الْمَصَاحِجِ وَاصْبِرُوا لَهُمْ فَإِنْ أَعْطَتْكُمْ فَلَا تَتَّبِعُوا عَلَيْهِمْ سَبِيلًا﴾

”اور جن بیویوں سے تمہیں سرکشی کا اندیشہ ہو انہیں سمجھاؤ۔ (اگر نہ سمجھیں) تو خواب گاہوں میں ان سے الگ رہو۔ (پھر بھی نہ سمجھیں) تو انہیں مارو۔ پھر اگر وہ تمہاری بات قبول کر لیں تو خواہ مخواہ ان پر زیادتی کے بہانے تلاش نہ کرو۔“^②

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نافرمان یا سرکش بیوی کے متعلق تین ترتیب وار اقدامات تجویز کیے ہیں۔

● پہلا ہے اسے نصیحت اور خیر خواہی کے انداز میں سمجھانا۔

● دوسرا اقدام ہے اس کا اور اپنا بستر الگ الگ کرنا۔

● تیسرا ہے سزا دینا۔

① مسند احمد، و سنن ابی داود، و جامع الترمذی، و سنن ابن ماجہ، صحیح الجامع للکلبانی: 2706، ② النساء: 34.

اس سے ثابت ہوا کہ سزا دینا آخری حربہ ہے نہ کہ پہلا جیسا کہ آج کل بہت سارے لوگ پہلے دونوں اقدامات کو چھوڑ کر آخری حربہ سب سے پہلے استعمال کرتے ہیں۔

یہاں پر یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سزا کو اس بات سے مشروط کیا ہے کہ اس سے اسے چوٹ نہ آئے اور نہ ہی اس کی بڑی پہلی ٹوٹے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«لَا يَجْلِدُ أَحَدُكُمْ امْرَأَتَهُ جَلْدَ الْعَبْدِ ثُمَّ يُجَامِعُهَا فِي آخِرِ الْيَوْمِ»

”تم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی کو ایسے نہ مارے جیسے وہ اپنے غلام کو مارتا ہے، پھر وہ دن کے آخر میں اس سے ہم بستری بھی کرے۔“^(۱)

اگر سزا دینے کے باوجود مسئلہ حل نہ ہو تو پھر دونوں کی طرف سے ثالث مقرر کیے جائیں جو ان کے مابین مصالحت کی کوشش کریں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَأَبْعَثُوا حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِّنْ أَهْلِهَا إِن يُرِيدَا إِصْلَاحًا يُوَفِّقِ اللَّهُ بَيْنَهُمَا إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا خَبِيرًا﴾

”اور اگر تمہیں ان دونوں (میاں بیوی) کے درمیان ان بن کا خوف ہو تو ایک منصف مرد کے گھر والوں کی طرف سے اور ایک عورت کے گھر والوں کی طرف سے مقرر کرو۔ اگر یہ دونوں صلح کرنا چاہیں گے تو اللہ تعالیٰ دونوں میں ملاپ کر دے گا۔“^(۲)

لہذا ان مرحلہ وار اقدامات پر عمل کرنا چاہیے تاکہ طلاق تک نوبت ہی نہ پہنچے۔

محترم حضرات! یہ تھے طلاق کے اسباب جنہیں ہم نے تفصیل سے بیان کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ ہم نے قرآن و حدیث کی روشنی میں یہ بھی بتایا کہ ان اسباب کا حل کیا ہے۔ مقصد یہ تھا کہ ایسے اسباب نہ اختیار کیے جائیں جن کے نتیجے میں زوجین کے مابین تعلقات ناخوشگوار ہوں اور نوبت طلاق تک جا پہنچے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو حق بات کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق دے۔

دوسرا خطبہ

محترم حضرات! اگر زوجین کے مابین تعلقات خوشگوار نہ رہ سکیں اور اصلاح احوال کی تمام تر کوششیں ناکام ہو جائیں اور مرد کے سامنے سوائے طلاق دینے کے اور کوئی حل نہ رہے تو اسے طلاق کس طرح دینی چاہیے اور کن کن

① صحیح البخاری، النکاح باب ما یکرہ من ضرب النساء: 5204، صحیح مسلم، الجنة باب النار یدخلها الجبارون: 2855، ② النساء: 35/4.

احکامات کو ملحوظ خاطر رکھنا چاہیے؟ آئیے قرآن و حدیث کی روشنی میں معلوم کرتے ہیں۔

① طلاق ایک سنجیدہ معاملہ ہے

جی ہاں، طلاق دینا انتہائی سنجیدہ معاملہ ہے! اس کی وجہ سے دو خاندانوں میں بغض، نفرت، قطع رحمی اور دوری پیدا ہوتی ہے۔ وہ گھرانہ اجڑ جاتا ہے جس میں طلاق دی جاتی ہے۔ لیکن تعجب ہے ان لوگوں پر جو معمولی معمولی باتوں پر طیش میں آکر (طلاق، طلاق، طلاق) کہہ کر دو خاندانوں میں فساد پھا کر دیتے ہیں۔ اور کئی لوگ تو اپنی بیویوں کو کھلونا سمجھ کر نہایت آسانی سے طلاق کا پروانہ ان کے حوالے کر دیتے ہیں حالانکہ طلاق میں اصل چیز منع ہے۔ یعنی جب تک اس کا کوئی معقول سبب نہ ہو جس کا ازالہ کرنا ناممکن ہو اور صلح کی کوئی صورت باقی نہ رہے تو انتہائی مجبوری کی حالت میں طلاق دے سکتے ہیں ورنہ نہیں۔

اور بعض لوگ مذاق مذاق میں ہی طلاق دے دیتے ہیں۔ حالانکہ طلاق ایسا معاملہ ہے کہ جس میں مذاق کا حکم بھی سنجیدہ بات کے حکم جیسا ہے۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: «ثَلَاثٌ جَدُّهُنَّ جَدُّ وَهَزْلُهُنَّ جَدُّ: الْبَيْكَاةُ وَالطَّلَاقُ وَالرَّجْعَةُ»

”تین چیزیں ایسی ہیں کہ جن میں سنجیدگی بھی سنجیدگی ہے اور ان میں مذاق بھی ایسے ہی ہے جیسے سنجیدگی ہو اور

وہ ہیں: نکاح، طلاق اور رجوع۔“^①

لہذا جو شخص طلاق دینا چاہتا ہو تو اسے اس کے عواقب اور نتائج پر اچھی طرح غور کر لینا چاہیے۔ سوچ و فکر اور اصحاب الرائے سے مشورہ لینے کے بعد ہی وہ اس طرح کے اقدام پر آمادہ ہو۔ ورنہ بعد میں پچھتاوے اور ندامت کا سامنا بھی کر سکتا ہے۔

② حالت حیض میں طلاق دینا حرام ہے

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم ﷺ کے ہاں اس کا ذکر کیا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«مَرْءٌ فَلْيُزَاجِفْهَا، ثُمَّ لِيُطْلِقْهَا طَاهِرًا أَوْ خَامِلًا»

”اے حکم دو کہ وہ اپنی بیوی سے رجوع کر لے۔ پھر اسے طہر یا حمل کی حالت میں طلاق دے۔“^②

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حالت حیض میں طلاق دینا حرام ہے۔ لہذا جو شخص اپنی بیوی کو طلاق دینا چاہتا ہو اور وہ حیض کے ایام میں ہو تو اسے اس کے پاک ہونے کا انتظار کرنا چاہیے۔ پھر جب وہ پاک ہو جائے تو اس سے مباشرت

① سنن أبي داود: 2196، قال الألبانی: حسن، ② صحیح مسلم: 1475.

کے بغیر اس کو طلاق دے۔

﴿3﴾ جس طہر میں خاوند نے صحبت کر لی ہو اور ابھی حمل کا پتہ نہ چلا ہو اس میں بھی طلاق دینا حرام ہے ﴿3﴾

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اسی حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«مَرْءٌ فَلْيُزَاجِعْهَا ثُمَّ لِيَنْدَغِهَا حَتَّى تَطْهَرُ ، ثُمَّ تَحِيضُ حَيْضَةً أُخْرَى ، فَإِذَا طَهَّرَتْ فَلْيُطَلِّقْهَا قَبْلَ أَنْ يُجَامِعَهَا أَوْ يُفْسِكَهَا فَإِنَّهَا الْعِدَّةُ الَّتِي أَمَرَ اللَّهُ أَنْ يُطَلَّقَ لَهَا النِّسَاءُ»

”اے حکم دو کہ وہ اپنی بیوی سے رجوع کر لے۔ پھر اس کے پاک ہونے کا انتظار کرے۔ پھر جب دوبارہ حیض آئے اور وہ اس سے پاک ہو جائے تو وہ اس سے جماع کرنے سے پہلے اسے طلاق دے۔ یا اسے روک لے۔ یہی وہ عدت ہے جس کا عورتوں کو طلاق دیتے وقت لحاظ کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔“ ﴿3﴾

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ عورت جب حیض سے پاک ہو اور اس کے خاوند کا اسے طلاق دینے کا ارادہ ہو تو وہ اس سے صحبت کے بغیر اسے طلاق دے۔ اور اگر وہ اس طہر میں اس سے جماع کر چکا ہو اور ابھی حمل کا پتہ نہ چلا ہو تو اسے طلاق دینا حرام ہے۔

مذکورہ دونوں صورتوں میں طلاق دینا ’طلاق بدعی‘ کہلاتا ہے۔

﴿4﴾ طلاق رجعی دینے کے بعد بیوی کو گھر سے نکالنا حرام ہے ﴿4﴾

اگر کوئی شخص مذکورہ دونوں باتوں کا لحاظ کرتے ہوئے اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو اس کے بعد اسے اپنے گھر سے مت نکالے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعَدَّتِهِنَّ وَأَحْصُوا الْعِدَّةَ كَمَا وَاتَّقُوا اللَّهَ رَبَّكُمْ لَا تَخْرِجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَنَّ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ لَا تَدْرِي لَعَلَّ اللَّهَ يُخْذِبُ بَعْدَ ذَلِكَ أَمْرًا ۝۴﴾

”اے نبی! (مومنوں کو حکم دیں کہ) جب تم اپنی بیویوں کو طلاق دینا چاہو تو ان کی عدت (کے آغاز) میں انہیں طلاق دو۔ اور عدت کا حساب رکھو۔ اور اللہ جو کہ تمہارا رب ہے اس سے ڈرتے رہو۔ تم انہیں ان کے گھروں سے مت نکالو۔ اور نہ ہی وہ خود نکلیں۔ ہاں اگر وہ واضح طور پر بے حیائی کا ارتکاب کریں (تو انہیں نکال سکتے ہو)۔ یہ اللہ کی مقرر کردہ حدیں ہیں۔ جو شخص اللہ کی حدوں سے آگے بڑھ جائے اس نے یقیناً اپنے

اوپر ظلم کیا۔ تم نہیں جانتے شاید اس کے بعد اللہ تعالیٰ کوئی نئی بات پیدا کر دے۔^(۱)

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو عدت کے آغاز میں یعنی جب وہ حیض سے پاک ہو جائیں تو اس طہر میں جماع کرنے سے پہلے طلاق دینے اور عدت کا حساب رکھنے کا حکم دیا ہے۔ یعنی تمہیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ عدت کب سے شروع ہوئی اور کب ختم ہوگی۔ تاکہ اگر عورت عقد ثانی کرنا چاہے تو اسے پتہ ہو کہ کب اسے اس کی اجازت ہوگی اور اگر اس کا خاوند اس سے رجوع کرنا چاہے تو اسے بھی پتہ ہو کہ اسے کب تک رجوع کرنے کا حق حاصل ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان عورتوں کو جنہیں طلاق رجعی دی گئی ہو انہیں ان کے گھروں سے نکالنے سے منع فرمایا ہے اور خود انہیں بھی روک دیا ہے کہ وہ بلا وجہ خاوند کے گھر سے باہر نہ جائیں۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ اگر خاوند بیوی دونوں ایک ہی گھر میں ہوں گے تو شاید ان کے دلوں میں نرمی پیدا ہو جائے اور وہ مصالحت کرنے اور طلاق سے رجوع کرنے پر آمادہ ہو جائیں۔ ورنہ اگر خاوند اپنی بیوی کو طلاق دے کر عدت گزارنے سے پہلے ہی گھر سے نکال دے تو ان کے درمیان مصالحت کے امکانات ختم ہونے کا اندیشہ ہوگا جو درست نہیں ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿لَا تَذَرْنِي لَعَلَّ اللّٰهُ يَخْذُلْ بَعْدَ ذَلِكَ اَمْرًا﴾ یعنی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ خاوند کے دل میں بیوی کی رغبت پیدا کر دے اور وہ طلاق سے رجوع کر لے۔

﴿۵﴾ اکٹھی تین طلاقیں دینا حرام!

ایک ہی مجلس میں اکٹھی تین طلاقیں دینا حرام ہے۔ اسی لیے علماء اسے بھی 'طلاق بدی' کہتے ہیں۔ حضرت محمود بن لبید رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اکرم ﷺ کو ایک شخص کے متعلق بتایا گیا کہ اس نے اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دے دی ہیں۔ تو آپ ﷺ غصے کی حالت میں کھڑے ہو گئے اور فرمایا:

«أَيْلَعَبَ بَكْتَابِ اللّٰهِ وَأَنَا بَيْنَ أَعْظَمِكُمْ»

”کیا میری موجودگی میں ہی کتاب اللہ کو کھلونا بنایا جا رہا ہے؟“^(۲)

رسول اکرم ﷺ کی جانب سے ناراضگی کا اظہار اور اکٹھی تین طلاقیں کو کتاب اللہ کے ساتھ کھیل قرار دینا اس بات کی دلیل ہے کہ بیک وقت تین طلاقیں دینا حرام ہے۔

﴿۶﴾ طلاق دینے کا صحیح طریقہ

طلاق دینے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ خاوند بیوی کو اس طہر میں ایک بار طلاق دے جس میں اس نے اس سے جماع نہ کیا ہو۔ اس کے بعد وہ اپنی بیوی کو اپنے گھر سے نکالے بغیر عدت کا انتظار کرے۔ اگر اس دوران ان کے درمیان صلح

① الطلاق 1:65. ② سنن النسائي: 3401. صحيحه الالباني في غاية المرام: 261.

کی کوئی صورت نہیں نکلتی اور خاوند رجوع نہیں کرتا تو عدت گزارنے کے ساتھ ہی ان دونوں کے درمیان علیحدگی ہو جائے گی۔ اس طرح طلاق دینے سے فائدہ یہ ہوگا کہ عدت گزارنے کے بعد بھی اگر وہ دونوں پھر سے ازدواجی رشتہ میں منسلک ہونا چاہیں تو ہو سکتے ہیں۔ ہاں اس کے لیے انھیں نئے حق مہر کے ساتھ نیا نکاح کرانا ہوگا۔

اور اگر کوئی شخص یہ عزم کر چکا ہو کہ بیوی کو تین طلاقیں دے کر اسے بالکل ہی فارغ کرنا ہے اور وہ رجوع نہیں کرنا چاہتا تو دوسرے طہر میں بھی بیوی سے صحبت کیے بغیر دوسری طلاق دے۔ اسکے بعد بھی اسے رجوع کا حق حاصل رہے گا۔ تاہم اگر وہ رجوع نہیں کرنا چاہتا تو تیسرے طہر میں بھی بیوی کے قریب جائے بغیر تیسری طلاق دے دے۔ جس کے بعد اس کی بیوی اس سے علیحدہ ہو جائے گی۔

یہی طریقہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیان کیا ہے۔ فرمایا:

﴿الطَّلَاقُ مَثَلِثٌ ۖ فَاِمْسَاكٌ ۙ بِمَعْرُوفٍ ۙ اَوْ تَسْرِيحٌ ۚ بِاِخْسَانٍ ۝

”طلاق دو مرتبہ ہے۔ پھر یا تو اچھائی سے روکنا یا عمدگی کے ساتھ چھوڑ دینا ہے۔“^(۱)

یعنی وہ طلاق جس کے بعد خاوند کو رجوع کرنے کا حق حاصل ہے وہ دو مرتبہ ہے۔ لہذا پہلی مرتبہ اور دوسری مرتبہ طلاق دینے کے بعد خاوند رجوع کر سکتا ہے۔ یعنی عدت کے اندر وہ قولی یا عملی طور پر رجوع کرنے کا حق رکھتا ہے۔ اور عدت گزارنے کے بعد بھی وہ نیا نکاح کر کے اسے اپنے عقد میں لا سکتا ہے۔ تاہم اسے یہ یاد رکھنا چاہیے کہ جن تین طلاقوں کا اسے اختیار دیا گیا تھا وہ ان میں سے دو کا استعمال کر چکا۔ اور یہ دونوں طلاقیں واقع ہو چکیں۔ اب اس کے بعد اس کے پاس آخری طلاق کا اختیار رہ جائے گا۔

پھر تیسری مرتبہ طلاق دینے کے بعد اسے رجوع کا حق حاصل نہیں رہے گا۔

یہ جو رجوع کی گنجائش رکھی گئی ہے اس میں حکمت یہ ہے کہ اگر خاوند نے بغیر سوچے سمجھے جلد بازی میں طلاق دے دی ہو تو اسے سوچنے اور غور، فکر کرنے کا موقع مل جائے۔ ورنہ اگر پہلی طلاق کے ساتھ ہی ہمیشہ کے لیے جدائی کا حکم ہوتا تو اس سے بہت سارے گھرباہ ہو سکتے تھے۔ فرمان الہی ﴿الطَّلَاقُ مَثَلِثٌ﴾ میں اسی حکمت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

﴿۷﴾ بیک وقت دی گئی تین طلاقوں کو ایک ہی طلاق شمار کرنا۔

یہ جو ہم نے ﴿الطَّلَاقُ مَثَلِثٌ﴾ کی روشنی میں دو طلاقیں الگ الگ دینے کی حکمت بیان کی ہے یہ حکمت تبھی پوری ہو سکتی ہے جب ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک ہی طلاق شمار کیا جائے اور اس کے بعد خاوند کو رجوع کرنے

کا حق حاصل ہو۔

یہی وجہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے پورے عہد میں، پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پورے دور خلافت میں اور پھر عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کے ابتدائی دو سالوں میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے بیان کے مطابق تین طلاقوں کو ایک ہی طلاق شمار کیا جاتا تھا۔ پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ طلاق کے مسئلے میں انتہائی غیر ذمہ داری کا مظاہرہ کر رہے ہیں تو انھوں نے سزا کے طور پر تین طلاقیں نافذ کر دیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

«كَانَ الطَّلَاقُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَأَبِي بَكْرٍ وَسُنَّتَيْنِ مِنْ خِلَافَةِ عُمَرَ طَلَاقُ الثَّلَاثِ وَاحِدَةً. فَقَالَ عُمَرُ: إِنَّ النَّاسَ قَدْ اسْتَفْعَلُوا فِي أَمْرِ كَانَتْ لَهُمْ فِيهِ أُنَاءَةٌ فَلَوْ أَمْضَيْنَاهُ عَلَيْهِمْ، فَأَمْضَاهُ عَلَيْهِمْ»

”رسول اکرم ﷺ کے پورے عہد میں، پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پورے دور خلافت میں اور پھر عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کے ابتدائی دو سالوں میں (اکٹھی) تین طلاقوں کو ایک ہی طلاق شمار کیا جاتا تھا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: لوگ ایک ایسے معاملہ میں جلد بازی کرنے لگے ہیں جس میں ان کے لیے بہت موجود تھی۔ لہذا کیوں نہ ہم اسے ان پر نافذ کر دیں! پھر انھوں نے تین طلاقوں کو تین ہی نافذ کر دیا۔“⁽¹⁾

اس حدیث سے ہمیں معلوم ہو گیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اکٹھی تین طلاقوں کو تین طلاقیں شمار کرنے کا حکم کیوں جاری کیا۔ حالانکہ عہد رسالت، عہد صدیقی اور خود ان کے عہد خلافت کے ابتدائی دو سالوں میں ایسا نہیں تھا۔ یعنی جب تک لوگ طلاق دینے کے شرعی طریقے کے پابند تھے اس وقت تک حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی عہد رسالت اور عہد صدیقی میں رائج قانون کے مطابق فیصلہ کرتے ہوئے تین طلاقوں کو ایک ہی طلاق شمار کرتے رہے۔

بلکہ اگر کوئی شخص بیک وقت تین طلاقیں دیتا تھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کی پشت پر درے بھی رسید کرتے تھے۔⁽²⁾ کیونکہ یہ فعل شریعت میں انتہائی ناپسندیدہ تھا۔ لیکن جب لوگ کثرت سے ایسا کرنے لگے تو انھوں نے سزا کے طور پر تین طلاقوں کو تین شمار کرنے کا حکم جاری کر دیا تاکہ لوگ اس سے باز آجائیں اور طلاق کے معاملے میں غور و فکر اور صبر و تحمل کا مظاہرہ کریں۔ اس اقدام کی وجوہات چونکہ صحیح بہ کرام رضی اللہ عنہ کو معلوم تھیں اس لیے انھوں نے بھی اس پر خاموشی اختیار کی۔

سامعین! آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ان الفاظ پر غور فرمائیں «فَلَوْ أَمْضَيْنَاهُ عَلَيْهِمْ» کیوں نہ ہم اسے ان

پر نافذ کر دیں۔“

ان الفاظ سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ حکم جاری کرتے وقت یہ نہیں فرمایا کہ یہ حکم رسول اللہ ﷺ کا ہے بلکہ آپ رضی اللہ عنہ نے اس حکم کی نسبت اپنی طرف کی۔ لہذا یہ ان کا اپنا اجتہاد تھا جو مخصوص حالات کو پیش نظر رکھ کر لوگوں کے ایک مخصوص طرز عمل کو روکنے کے لیے کیا گیا۔

بعد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے اس فیصلے سے رجوع کر لیا تھا۔^(۱)

کیا تین طلاقیں کو تین ہی شمار کرنا اجماعی مسئلہ ہے؟

بعض حضرات بڑے شدید سے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ جب سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیک وقت دی ہوئی تین طلاقیں کو تین شمار کرنے کا حکم جاری کیا تب سے اس حکم پر اجماع چلا آ رہا ہے۔ اور اس سے سوائے الحمد للہ کسی اور نے اختلاف نہیں کیا!!

حالانکہ یہ ایک بہت بڑی عسی خیانت ہے اور جھوٹے پروپیگنڈہ کے سوا کچھ بھی نہیں کیونکہ:

(۱) عہد صدیقی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کے ابتدائی دو سالوں میں بھی تو اس بات پر اجماع تھا کہ اکٹھی تین طلاقیں کو ایک طلاق شمار کیا جائے۔ تو اس اجماع کی حیثیت کیا ہوگی؟ کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے جاری کردہ ایک تعزیری حکم سے وہ اجماع باطل قرار پائے گا، رہنا قابل عمل ہوگا؟

(۲) اس میں کوئی شک نہیں کہ تین طلاقیں کو تین شمار کرنے کا حکم ایک خلیفہ راشد نے جاری کیا (اگرچہ یہ حکم ایک تعزیری حکم تھا) لیکن انھیں ایک طلاق شمار کرنے کا قانون بھی تو ان سے افضل ایک خلیفہ راشد ہی کے دور خلافت کا قانون تھا۔ پھر خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اسی قانون کو دو سال تک درست قرار دیا۔ اسی طرح خلفائے راشدین میں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مذہب بھی تین طلاقیں کو ایک طلاق شمار کرنا تھا۔ تو بتائیے دعوائے اجماع کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے؟

(۳) حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ابن مسعود رضی اللہ عنہ، عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ اور زبیر رضی اللہ عنہ بھی تین طلاقیں کو ایک ہی طلاق شمار کرنے کے قائل تھے۔ لہذا اجماع کا دعویٰ کرنا کیسے درست مانا جائے گا!

(۴) تابعین رضی اللہ عنہم میں سے عطاء بن یشعق، طاوس بن کثیر، اور عمرو بن دینار رضی اللہ عنہم وغیرہ بھی ایک مجلس کی تین طلاقیں کو ایک ہی طلاق شمار کرتے تھے۔^(۲)

اسی علمائے امت مثلاً شیخ الاسلام ابن تیمیہ، حافظ ابن القیم، حافظ ابن حجر، امام قرطبی، امام فخر الدین الرازی، امام شوکانی وغیرہ نے اس مسئلے کو اختلافی مسئلہ قرار دیا ہے۔ تو کیونکر اسے اجماعی مسئلہ تصور کر لیا جائے!

(۱) اغاثۃ اللہفان، (۲) فتح الباری: 278/11.

6. ہندوستان میں اسلامک ریسرچ انسٹیٹیوٹ احمد آباد کے زیر اہتمام نومبر 1973ء میں ایک سیمینار منعقد ہوا جس میں چھ دیوبندی اور دو اہلحدیث علماء نے شرکت کی۔ ان میں سے سات نے اس میں ایک مجلس کی تین طلاقیں پر مقالے پیش کیے اور سوائے ایک کے باقی سب نے اس مسئلے کو عہد صحابہ رضی اللہ عنہم سے ہی اختلافی مسئلہ قرار دیا اور سب نے وہی موقف اختیار کیا جو اہلحدیثوں کا ہے۔ اس سیمینار کی پوری کارروائی اور اس میں پیش کیے جانے والے مقالوں کو بعد میں ایک کتاب بعنوان ”ایک مجلس کی تین طلاق، قرآن و سنت کی روشنی میں“ کی شکل میں شائع کر دیا گیا۔

7. مشہور بریلوی عالم پیر کرم شاہ ازہری نے ”دعوت غور و فکر“ کے عنوان سے ایک کتاب لکھی ہے جس میں انھوں نے احناف کو تقلید کے بندھن سے آزاد ہو کر قرآن و سنت کی روشنی میں غور و فکر کرنے کی دعوت دی ہے اور طلاق ثلاثہ کے مسئلہ میں موقف اہلحدیث کی پرزور حمایت اور تائید کی ہے۔

حلالہ..... ایک ملعون فعل

جب کوئی شخص اپنی بیوی کو تین طلاقیں اپنے اپنے وقت پر دے دے تو اس کے بعد رجوع کا حق ختم ہو جاتا ہے۔ اور دوبارہ ان دونوں کے رشتہ ازدواج میں منسلک ہونے کی کوئی شکل باقی نہیں رہتی۔ ہاں اس کی ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ کہ عورت اپنی مرضی سے کسی اور آدمی سے شادی کرے۔ پھر وہ اپنی مرضی سے اسے طلاق دے یا وہ فوت ہو جائے تو عدت گزارنے کے بعد یہ عورت اگر چاہے تو دوبارہ اپنے پہلے خاوند سے نکاح کر سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدِ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يَتَرَاجَعَا إِنْ ظَلَمَا أَنْ يَقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ ۚ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ۝﴾

”پھر اگر وہ (تیسری بار) اسے طلاق دے دے تو اب وہ اس کے لیے حلال نہیں جب تک کہ وہ عورت اس کے سوا کسی دوسرے سے (شرعی) نکاح نہ کرے (حلالہ کے لیے نہیں)۔ پھر اگر وہ بھی اسے (اپنی مرضی سے) طلاق دے دے تو ان دونوں کو میل جول کر لینے میں کوئی گناہ نہیں بشرطیکہ انھیں یقین ہو کہ وہ اللہ کی حدوں کو قائم رکھ سکیں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی حدیں ہیں جنہیں وہ جاننے والوں کے لیے بیان کر رہا ہے۔“^(۱)

بعض حضرات جو اکٹھی تین طلاقیں کو تین شمار کر کے خاوند کو اپنی بیوی کی طرف رجوع کے حق سے محروم کر دیتے ہیں انھوں نے اس آیت کا سہارا لے کر حلالہ جیسی لعنت کا دروازہ کھول لیا ہے! حالانکہ اس میں مطلقہ عورت کے دوسرے آدمی کے ساتھ شرعی نکاح کا ذکر ہے جو کہ اس کی شرائط اور آداب وغیرہ کا لحاظ کرتے ہوئے ہی ہونا چاہیے۔ نہ کہ

حلالہ کی نیت کے ساتھ۔ کیونکہ حلالہ ایک ملعون فعل ہے۔ وہ کام جو رسول اللہ ﷺ کی حدیث کے مطابق ملعون ہے اور اسے کرنے اور اس کا کروانے والا لعنت کا مستحق ہے اسے کس طرح جائز قرار دینے کی جسارت کی جاسکتی ہے! رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

«لَعْنَةُ اللَّهِ الْمُحْلِلَ وَالْمُحَلَّلَ لَهُ»

”اللہ کی لعنت ہو حلالہ کرنے والے پر اور اس پر جس کے لیے حلالہ کیا جائے۔“^①

جبکہ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے پوچھا: «أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِالتَّيْسِ الْمُسْتَعَارِ؟» ”کیا میں تمہیں ادھار پر لیے ہوئے سانڈھ کے بارے میں نہ بتاؤں؟“ لوگوں نے کہا: اللہ کے رسول! کیوں نہیں، ضرور بتائیے۔ تو آپ نے فرمایا:

«هُوَ الْمُحْلِلُ ، لَعْنَةُ اللَّهِ الْمُحْلِلَ وَالْمُحَلَّلَ لَهُ»

”وہ حلالہ کرنے والا ہے۔ لعنت ہو اللہ تعالیٰ کی حلالہ کرنے اور کروانے والے دونوں پر۔“^②

اسی لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

«لَا أُوتِي بِمُحْلِلٍ وَلَا بِمُحَلَّلٍ لَهُ إِلَّا زَجَفْتُهَا»

”اگر میرے پاس حلالہ کرنے اور کروانے والے کو لایا جائے تو میں ان دونوں کو رجم کروں گا۔“^③

جو لوگ اس ملعون فعل کو جائز قرار دیتے ہیں ان سے پوچھنا چاہیے کہ کیا یہ بے غیرتی نہیں کہ آپ اپنی بیٹی یا بہن کو ایک دو راتوں کے لیے کسی آدمی کے پاس بھیج دیں تاکہ وہ اس کا حلالہ کر دے! اور یہ بھی بتایا جائے کہ جو خاتون خاوند کے غصے کی بھینٹ چڑھ گئی اس کا قصور کیا ہے کہ اس کو اس طرح ذلیل کیا جائے؟ طلاق دے خاوند اور حلالہ کروائے بیوی! یہ بڑی عجیب منطق ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں پاکیزہ زندگی نصیب کرے اور خوشگوار ازدواجی زندگی گزارنے کی توفیق بخشے۔ اور ہم سب کو دنیا و آخرت کی ہر بھائی عطا کرے۔

① سنن أبي داود: 2078. صحيحه الألباني. ② سنن ابن ماجه: 1936. صحيحه الألباني. ③ الاستذكار لابن

سنگدلی اور نرم دلی: اسباب و علاج

اہم عناصر خطبہ

- [1] دل اعضاء کا بادشاہ
- [2] دل ایمان کا محل اور اللہ تعالیٰ کی نظر کا مرکز
- [3] سب سے افضل دل کونسا؟
- [4] سنگدلی کے اسباب
- [5] رقت قلب کے اسباب

پہلا خطبہ

محترم حضرات!

کہا جاتا ہے کہ دل اعضاء کا بادشاہ ہے اور باقی اعضاء اس کی فوج ہیں جو اس کی اطاعت کرتے، اس کے احکام پر عمل درآمد کرتے ہیں اور اس کی نافرمانی نہیں کرتے۔ اگر بادشاہ صالح ہو تو اس کی فوج بھی صالح ہوتی ہے۔ اور اگر بادشاہ فاسد ہو تو اس کی فوج بھی اسی کی طرح فاسد ہوتی ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کے پاس صرف اطاعت گزار دل ہی کام آئے گا۔ باری تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ ۝ إِلَّا مَنْ أَتَى اللَّهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ ۝﴾^① ”اُس دن نہ مال کام آئے گا اور نہ بیٹے۔ سوائے اس شخص کے جو اللہ کے پاس اطاعت گزار دل لے کر آئے گا۔“^①

اور رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

«أَلَا فَإِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ لَهَا سَائِرُ الْجَسَدِ . وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ . أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ»

”خبردار! جسم میں خون کا ایک لوتھڑا ایسا ہے کہ اگر وہ ٹھیک ہو جائے تو سارا جسم ٹھیک رہتا ہے اور اگر وہ بگڑ جائے تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے۔ اور وہ ہے دل۔“^(۱)

اس حدیث کے شروع میں ذکر کیا گیا ہے کہ یقینی طور پر حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے۔ اور ان دونوں کے درمیان کچھ امور مشتبہ قسم کے ہیں جن سے بہت سارے لوگ ناواقف ہوتے ہیں۔ پھر یہ بھی بتایا گیا گیا ہے کہ جو شخص ان مشتبہ امور سے بچ جاتا ہے وہ اپنے دین کو بچا لیتا ہے۔ اور جو ان میں واقع ہوتا ہے وہ حرام میں واقع ہو جاتا ہے۔ پھر دل کے بارے میں آپ ﷺ نے جو کچھ ارشاد فرمایا اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ بندے کے اعضاء سے ہونے والی حرکات کی درستگی اور اس کا حرام و مشتبہ امور سے بچنا اس کے دل کی درستگی کے مطابق ہوتا ہے۔ اگر اس کا دل صحیح سالم ہو، اس میں اللہ کی محبت ہو اور جس چیز سے وہ محبت کرتا ہے اس کی محبت کے سوا کچھ نہ ہو، اس میں اللہ کی خشیت ہو اور اس کے دل میں اس چیز میں واقع ہونے کا خدشہ ہر وقت رہتا ہو جس کو اللہ تعالیٰ ناپسند کرتا ہے تو اس کے تمام اعضاء کی حرکات درست رہتی ہیں اور اس کی وجہ سے وہ تمام حرام کاموں سے بچا رہتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ شبہات سے بھی بچنے کی کوشش کرتا ہے تاکہ وہ محرمات میں واقع نہ ہو جائے۔

اور اگر اس کا دل ہی فاسد ہو چکا ہو، اس پر نفسانی خواہشات کا اور من پسند چیزوں کی محبت کا غلبہ ہو خواہ انھیں اللہ تعالیٰ ناپسند کرتا ہو تو اس کے تمام اعضاء کی حرکات بھی فاسد ہو جاتی ہیں اور وہ گناہوں کے ارتکاب اور مشتبہ امور اور دلی خواہشات کی اتباع پر آمادہ ہو جاتا ہے۔

اسی لیے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

« لَا يَسْتَقِيمُ إِيْمَانُ عَبْدٍ حَتَّى يَسْتَقِيمَ قَلْبُهُ . وَلَا يَسْتَقِيمُ قَلْبُهُ حَتَّى يَسْتَقِيمَ لِسَانُهُ »

”کسی بندے کا ایمان مستقیم نہیں ہو سکتا جب تک اس کا دل مستقیم نہ ہو۔ اور اس کا دل مستقیم نہیں ہو سکتا جب تک اس کی زبان مستقیم نہ ہو۔“^(۲)

دل ایمان کا محل ہے

جی ہاں، دل جسمانی اعضاء میں اتنا اہم عضو ہے کہ یہ ایمان کی جائے قرار اور اس کا محل ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ حَبِيبٌ إِلَيْكُمْ ۖ إِلَٰهَ الْإِيمَانِ ۚ وَزَيَّنَّا فِي قُلُوبِكُمْ ۝۱۶۱﴾

”لیکن اللہ تعالیٰ نے ایمان کو تمہارے لیے محبوب بنا دیا ہے اور اسے تمہارے دلوں میں مزین کر دیا ہے۔“^(۳)

(۱) صحیح البخاری، کتاب الإیمان، باب فضل من استبرأ لدينه: 52 و صحیح مسلم۔ کتاب للساقاة باب أخذ الحلال وترك الشبهات: 1599. (۲) رواه أحمد في المسند 198/3 بإسناد حسن من حديث أنس بن مالك. (۳) الحجرات 49: 7.

اسی طرح باری تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا قُلْ لَمْ تُؤْمِنُوا وَلَكِنْ قُولُوا أَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ ۚ﴾

”دیہاتی لوگ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے، آپ کہتے کہ (حقیقت میں) تم ابھی ایمان نہیں لائے لیکن تم یوں کہو کہ ہم اسلام لائے اور ابھی تمہارے دلوں میں ایمان داخل نہیں ہوا۔“^①

اسی طرح منافقوں کے بارے میں ارشاد فرمایا: ﴿يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ لَا يَحْزُنكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِينَ قَالُوا آمَنَّا بِأَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوبُهُمْ ۚ﴾

”اے رسول! آپ کو وہ لوگ غمزہ نہ کریں جو کفر میں سبقت لے جا رہے ہیں، ان (منافقوں) میں سے جو زبانی طور پر یہ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے جبکہ ان کے دس ایمان نہیں لائے۔“^②

ان تمام آیات سے ثابت ہوا کہ ’دل‘ ایمان کی اصل جائے قرار ہے، اگر دل میں ایمان داخل نہ ہو تو زبانی کلامی ایمان کا دعویٰ ہرگز کافی نہیں ہے۔ اگر یہ دعویٰ کافی ہوتا تو یقیناً منافقوں کو بھی کافی ہوتا، لیکن اللہ تعالیٰ نے منافقوں کو جہنم کے سب سے نچلے گڑھے کا مستحق قرار دیا۔ والعیاذ باللہ

دل اللہ تعالیٰ کی نظر کا مرکز ہے

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«إِنَّ اللَّهَ لَا يَنْظُرُ إِلَى صُورِكُمْ وَأَمْوَالِكُمْ، وَلَكِنْ يَنْظُرُ إِلَى قُلُوبِكُمْ وَأَعْمَالِكُمْ»

”بے شک اللہ تعالیٰ تمہاری شکلوں اور تمہارے مالوں کی طرف نہیں دیکھتا، بلکہ وہ تمہارے دلوں اور تمہارے اعمال کی طرف دیکھتا ہے۔“^③

لہذا میرے بھائیو اور میری بہنو! آپ سب بھی اسی چیز کی طرف دیکھیں جس کی طرف اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے۔ اور اس چیز کی اصلاح کی کوشش کریں جو اللہ تعالیٰ کی نظر کا مرکز ہے۔

اعمال کا تفاضل دلوں کے تفاضل کے لحاظ سے ہے

جی ہاں، کئی لوگ ایک جیسا عمل کرتے ہیں، لیکن ان میں سے بعض کا عمل دوسروں کے عمل سے افضل ہوتا ہے۔ اس کی کئی مثالیں دی جاسکتی ہیں۔ مثلاً نماز ہے جو کئی لوگ پڑھتے ہیں۔ لیکن ان میں سے بعض کی نماز دوسروں کی نماز سے افضل ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

① الحجرات 49:14، ② المائدہ 5:41، ③ صحیح مسلم: 2564.

«إِنَّ الرِّجْلَ لَيَنْصَرِفُ وَمَا كُتِبَ لَهُ إِلَّا عَشْرُ صَلَاته . تُسَبِّحُهَا . تُكَبِّرُهَا . تُسَبِّحُهَا . تُسَبِّحُهَا . خُمُسُهَا . زَنْعُهَا . ثَلَاثُهَا . نَحْضُهَا »

”ایک آدمی نماز سے سلام پھیرتا ہے اور اس کے لیے اس کی نماز کا سواں حصہ لکھا جاتا ہے، نواں حصہ، آٹھواں حصہ، ساتواں حصہ، چھٹا حصہ، پانچواں حصہ، چوتھا حصہ، تیسرا حصہ، آدھا حصہ۔“^①

بھلے لوگو! ذرا سوچو اس کی وجہ کیا ہے؟ اس کی کئی وجوہات میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ نماز کا اجر و ثواب نمازی کے دل میں پائے جانے والے خشوع و خضوع کے مطابق ہوتا ہے۔ کسی کے دل میں خشوع و خضوع کم تو کسی کے دل میں زیادہ ہوتا ہے۔ تو اسی لحاظ سے اجر و ثواب میں بھی کمی بیشی ہوتی ہے۔

اسی طرح اس کی ایک اور مثال تلاوتِ قرآن مجید ہے جو کئی لوگ کرتے ہیں، مگر سب کا ثواب ایک جیسا نہیں ہوتا۔ اس کی بھی کئی وجوہات میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ کوئی شخص صرف قرآنی الفاظ کو اپنی زبان سے دہراتا ہے اور کوئی اس کے ساتھ ساتھ دل میں اس کے معانی پر غور و فکر اور اس کے مطالب میں تدبر بھی کرتا ہے۔ لہذا دونوں کے اجر و ثواب میں جو تفاضل ہے وہ دل کی حالت پر جتنی ہے کہ اس میں کتنا تدبر پایا جاتا ہے! پھر نتیجے کے لحاظ سے بھی تفاضل پایا جاتا ہے۔ یعنی تدبر اور غور و فکر کے ساتھ تلاوت کرنے والے شخص کا دل بھی متاثر ہوتا ہے جبکہ صرف الفاظ کی تلاوت کرنے والے شخص کا دل اس کی تاثیر سے عاری رہتا ہے۔

اسی طرح تمام نیک اعمال کی قبولیت اور عدم قبولیت میں اور ان کے اجر و ثواب کی کمی بیشی میں اخلاص نیت کا اہم کردار ہے جو کہ دل کا عمل ہے۔ اگر دل میں نیت خالص ہو اور محض اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنا مقصود ہو تو عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں قابل قبول ہوتا ہے اور اس کا اجر و ثواب کئی گنا بڑھ جاتا ہے۔ لیکن اگر دل میں ریاکاری اور تعریف سننے کی خواہش ہو تو اللہ تعالیٰ اس عمل کو رد کر دیتا ہے۔ اور اگر اللہ کی رضا بھی مقصود ہو اور دنیاوی مقاصد میں سے کوئی ایک مقصد بھی دل میں ہو تو اس عمل کے اجر و ثواب میں یقینی طور پر کمی واقع ہوتی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اعمال کا تفاضل دلوں میں پائے جانے والے قصد و ارادہ کی بناء پر ہوتا ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ دلوں کی اصلاح کس قدر ضروری ہے۔

لوگوں میں سب سے افضل کون ہے؟

کسی شخص کو سب سے بہتر قرار دینے کے لیے آج کل لوگوں کے ہاں جو معیار ہے وہ خالصتاً دنیاوی ہے۔ چنانچہ جس کے پاس مال و دولت کے انبار ہوں، جس کی جائیداد پھیلی ہوئی ہو، جس کا بینک بیلنس بہت زیادہ ہو، جس کے

پاس اچھی گاڑی اور اچھا بنگلہ ہو۔۔۔ اس کو سب سے بہتر گردانا جاتا ہے۔ جبکہ رسول اکرم ﷺ نے جس شخص کو سب سے بہتر قرار دیا وہ ہے جس میں دو صفات ہوں۔ پہلی یہ کہ اس کا دل صاف ہو، اس کے دل میں اللہ کا خوف ہو، اس کا دل گناہوں کی آلودگی سے، ظلم، خیانت اور حسد کے جذبات سے پاک ہو۔ اور دوسری صفت یہ ہے کہ اس کی زبان سچی ہو۔

عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا کہ: «يُيُّ النَّاسِ أَفْضَلُ؟» ”لوگوں میں سب سے افضل کون ہے؟ تو آپ ﷺ نے جواب دیا: «كُلُّ مَخْمُومٍ الْقَلْبِ . صَذُوقِ اللِّسَانِ» ”ہر وہ شخص جو مخموم القلب ہو اور زبان سے سچ بولنے والا ہو۔“

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: زبان سے سچ بولنے والا تو ہم پہچانتے ہیں، لیکن یہ ’مخموم القلب‘ کیا ہوتا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: «هُوَ الثَّقِيُّ النَّقِيُّ . لَا إِثْمَ فِيهِ . وَلَا بَغْيَ . وَلَا غِنَ وَلَا حَسَدَ» ”یہ وہ ہے جس کے دل میں اللہ کا خوف ہو، جس کا دل صاف ہو، اس میں نہ نفاق ہو اور نہ ظلم۔ اور نہ خیانت ہو اور نہ حسد۔“^(۱)

دلوں میں سب سے افضل دل کونسا ہے؟

عزیز القدر بھائیو اور بہنو! یہ تو آپ نے جان لیا کہ رسول اکرم ﷺ کے نزدیک لوگوں میں سب سے بہتر اور سب سے افضل کون ہے؟ اور اس کی افضلیت کا معیار کیا ہے؟ یقیناً اس کی افضلیت کا معیار زبان کی سچائی اور دل کی صفائی و پاکیزگی ہے۔ اب یہ بھی جان لیجئے کہ دلوں میں سب سے افضل دل کونسا ہے؟

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«إِنَّ لِلَّهِ أَمِينَةً فِي الْأَرْضِ ، وَأَمِينَةً رَتَّكُمْ قُلُوبُ عِبَادِهِ الصَّالِحِينَ . وَأَخْبِيَا إِلَيْهِ أَلَمَتُهَا وَأَرْقَتُهَا»

”بے شک اللہ تعالیٰ کے لیے زمین میں برتن ہیں۔ اور تمہارے رب کے برتن اس کے نیک بندوں کے دل ہیں۔ اور ان میں سے اسے سب سے زیادہ محبوب وہ دل ہیں جو سب سے زیادہ نرم اور سب سے زیادہ رقیق ہوں۔“^(۲)

لہذا ہم سب کو اس بات کا اہتمام کرنا چاہیے کہ ہمارے دل نرم ہوں اور ان میں رقت پیدا ہو۔ تاکہ ہمارے دل بھی اللہ کے محبوب دلوں میں شامل ہو سکیں۔ لیکن ہم دیکھتے اور محسوس کرتے ہیں کہ اکثر و بیشتر لوگوں کے دل نرم نہیں

(۱) سنن ابن ماجہ: 4216، وصححه الألبانی، (۲) الطبرانی فی المعجم الکبیر، وصححه الألبانی فی الصحیحہ: 1691۔

بلکہ سخت ہیں۔ اکثر لوگوں کے لوں میں نیک اعمال کی رغبت کم اور برے اعمال کی محبت زیادہ ہے۔ چنانچہ سنگدلی کی وجہ سے کئی لوگ بڑے بڑے گناہوں کا ارتکاب کرتے ہیں اور تسلسل کے ساتھ بار بار کرتے ہیں، لیکن انھیں ذرا برابر احساس نہیں ہوتا کہ انھیں اللہ کے سامنے پیش ہونا ہے اور ان اعمال کا حساب بھی دینا ہے۔

● لوگ دیدہ دلیری کے ساتھ اللہ رب العزت کی غیرت کو چیلنج کرتے ہوئے شرک و بدعت کا ارتکاب کرتے ہیں! قبروں، درگاہوں اور مزاروں پر سجدے کرتے ہیں، غیر اللہ کے نام پر نذرانے پیش کرتے ہیں اور فوت شدہ حضرات کو حاجت روا اور مشکل کشا تصور کرتے ہوئے انھیں پکارتے، ان سے امیدیں وابستہ کرتے اور ان سے خوف کھاتے ہیں!

● نماز جو کہ دین کا ستون ہے، اس کی ادائیگی میں مجرمانہ غفلت کرتے ہیں اور سوائے جمعہ کی نماز کے ہفتہ بھر کسی اور نماز کے قریب تک نہیں جاتے!

● بے حیائی کے کام تو اتنے عام ہو چکے ہیں کہ لگتا ہے کہ لوگوں میں ضمیر اور غیرت نام کی کوئی چیز باقی ہی نہیں رہی!

● موسیقی ہے تو ہر جگہ گونج رہی ہے!

● بے ہودہ فلمی گانے اور حیا باختہ مناظر ہیں تو اکثر لوگوں کی جیبوں میں ہر وقت موجود رہتے ہیں کہ جب چاہیں اور جہاں چاہیں دیکھ لیں اور سن لیں!

● شراب نوشی اور نشہ آور چیزوں کا استعمال بھی بری طرح پھیل چکا ہے!

● انٹرنیٹ (تفریح) کے نام پر رقص و سرور کی محفلیں منعقد ہوتی ہیں اور نوجوان لڑکے اور لڑکیاں مخلوط ماحول میں ایک دوسرے سے کھلے عام اظہار محبت کرتے ہیں!

● خیانت اور دھوکہ بازی اس قدر عام ہے کہ اسے برائی ہی نہیں سمجھا جاتا!

● رشوت خوری کو اب اپنا حق سمجھا جاتا ہے! اور کوئی بھی معاملہ اس کے بغیر پورا نہیں ہوتا۔

● جھوٹ بولنا، مالی معاملات میں فریب کرنا اور اپنے مسلمان بھائیوں کے حقوق پر ڈاکہ ڈالنا..... یہ ایسی برائیاں ہیں کہ جو اسلامی معاشرے کی بنیادوں کو کھوکھلا کر چکی ہیں!

ان تمام خطرناک گناہوں کے باوجود مسلمانوں میں ایسی اجتماعی سنگدلی ہے کہ ان برائیوں کو اب اکثر و بیشتر لوگ قبول کر چکے اور ان کے عادی بن چکے ہیں۔ بالکل اسی طرح جیسا کہ بنو اسرائیل کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ فَهِيَ كَالْإِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً وَإِنَّ مِنَ الْإِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ
الْأَنْهَارُ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشْفَقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَاءُ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ وَمَا اللَّهُ بِخَافِلٍ

عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿١﴾

”پھر تمہارے دل سخت ہو گئے اتنے سخت جیسے پتھر ہوں یا ان سے بھی سخت تر۔ کیونکہ پتھروں میں سے تو کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ان سے نہریں پھوٹ نکلتی ہیں۔ اور کچھ ایسے ہیں جو پھٹ جاتے ہیں تو ان سے پانی نکلنے لگتا ہے۔ اور کچھ ایسے ہیں جو اللہ کے ڈر سے (لرز کر) گر پڑتے ہیں۔ اور جو کچھ تم کر رہے ہو، اللہ اس سے بے خبر نہیں۔“^(۱)

یعنی بنو اسرائیل نے اتنے زیادہ معجزات دیکھے، لیکن پھر بھی ان کے دل حق کی طرف مائل نہ ہوئے، بلکہ بٹ دھری اور ضد میں اور اضافہ ہو گیا! اس کا سبب ان کے دلوں کا سخت ہونا تھا۔ اسی طرح آج کے مسلمان بھی اللہ تعالیٰ کے بے شمار احسانات کے باوجود اس کی نافرمانی پر تلے ہوئے ہیں۔ اس کا سبب یقیناً ان کے دلوں کا سخت ہونا ہے۔ تو آئیے یہ جاننے کی کوشش کریں کہ ہماری اس سنگدلی کے اسباب کیا ہیں؟ اور کیوں ہم اس قدر پتھر دل بن گئے ہیں؟

سنگدلی کے اسباب ﴿۲﴾

اس سنگدلی کے اہم اسباب یہ ہیں:

﴿۱﴾ اللہ کے ذکر سے اعراض ﴿۲﴾

ذکر اللہ سے اعراض اور اس سے غفلت کے نتیجے میں دل سخت ہو جاتا ہے۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«لَا تُكْثِرُوا الْكَلَامَ بِغَيْرِ ذِكْرِ اللَّهِ، فَإِنَّ كَثْرَةَ الْكَلَامِ بِغَيْرِ ذِكْرِ اللَّهِ فُسُوءٌ لِلْقَلْبِ»

”تم اللہ کے ذکر کے علاوہ دوسرا کلام کثرت سے نہ کیا کرو۔ کیونکہ اللہ کے ذکر کے علاوہ دوسرا کلام بکثرت کرنے سے دل سخت ہو جاتا ہے۔“^(۲)

اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«مَثَلُ الَّذِي يَذْكُرُ رَبَّهُ وَالَّذِي لَا يَذْكُرُهُ مَثَلُ الْحَيِّ وَالْمَيِّتِ»

”اس شخص کی مثال جو اپنے رب کا ذکر کرتا رہتا ہے ایسے ہے جیسے ایک زندہ شخص ہو۔ اور اس شخص کی مثال جو اس کی یاد سے غافل رہتا ہے ایسے ہے جیسے ایک مردہ شخص ہو۔“^(۳)

یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ کو یاد رکھے اس کا دل زندہ رہتا ہے اور اس میں حق بات کو قبول کرنے کی صلاحیت باقی رہتی

ہے۔ اور جو شخص اللہ کے ذکر سے غافل رہے تو اس کا دل مردہ ہو جاتا ہے اور وہ حق بات کو قبول کرنے کی صلاحیت سے عاری ہوتا ہے۔

② موت کی یاد سے غفلت

جو شخص موت سے بالکل غافل رہے اور اس کے دل میں کبھی یہ خیال پیدا نہ ہو کہ اس نے مرنا بھی ہے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونا ہے تو اس کا دل سخت ہو جاتا ہے۔

③ اللہ کے فرائض میں کوتاہی کرنا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَمَا نَفِضَهُمْ مِّثْنًا قَهْمُ لَعْنَتِهِمْ وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَاسِيَةً﴾

”پھر چونکہ انھوں نے اپنے عہد کو توڑ ڈالا لہذا ہم نے ان پر لعنت کی اور ان کے دل سخت کر دیے۔“^①

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے کہ اس نے بنو اسرائیل سے چار باتوں کا عہد لیا تھا: پہلی نماز قائم کرنا، دوسری زکاۃ ادا کرتے رہنا، تیسری اللہ کے رسولوں پر ایمان لانا اور چوتھی قرض حسنہ دینا۔ لیکن بنو اسرائیل نے معاہدے کی ان چاروں شقوں کی دھجیاں اڑا دیں۔ نماز ادا کرنے میں مجرمانہ غفلت برتی۔ زکاۃ ادا کرنے کی بجائے بغل اور کنجوسی کرنے لگے۔ رسولوں پر ایمان لانے اور ان کی مدد کرنے کی بجائے انھیں قتل تک کرنے سے باز نہ آئے۔ قرض حسنہ دینے کی بجائے سود خوری شروع کر دی۔ اس طرح جب انھوں نے اللہ سے کیے ہوئے عہد کو پاش پاش کیا تو اس نے ان پر لعنت بھیجی اور ان کے دلوں کو سخت کر دیا، جس سے ان کے دل حق بات کو قبول کرنے کی صلاحیت سے عاری ہو گئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے فرائض، یعنی نماز، زکاۃ، روزہ اور حج وغیرہ میں مجرمانہ کوتاہی سنگدلی کا ایک اہم سبب ہے۔

④ گناہوں اور برائیوں میں لگن رہنا اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب نہ کرنا

جو شخص گناہوں اور برائیوں میں لگن رہے اور اللہ تعالیٰ سے معافی طلب نہ کرے تو اس کا دل سیاہ پڑ جاتا ہے۔ اور اس کے نتیجے میں سخت ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿غُلَا بَنَ عَدَاۤءٍ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ مَا كَانُوۡا يَكْسِبُوۡنَ ۝﴾

”ہرگز یہ بات نہیں، بلکہ ان لوگوں کے دلوں پر ان کے (برے) اعمال کا زنگ لگ گیا ہے۔“

اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانیوں اور گناہوں کی وجہ سے دل پر تاریکی چھا جاتی ہے۔ اور جب کوئی شخص

① المائدہ: 13، ② المطففين: 14:83.

بکثرت گناہوں کا ارتکاب کرتا ہو اور اللہ سے معافی بھی نہ مانگتا ہو تو اس کے دل پر چھائی ہوئی تاریکی اور سیاہی نہایت گہری ہو جاتی ہے اور بڑھتے بڑھتے اس کے چہرے پر بھی نمایاں ہونے لگتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ

«إِنَّ لِلْسَّيِّئَةِ مَوَازِدًا فِي الْوَجْهِ ، وَظُلْمَةً فِي الْقَلْبِ ، وَوَهْنًا فِي الْبَدَنِ ، وَنَقْصًا فِي الرِّزْقِ ، وَنُغْضًا فِي قُلُوبِ الْخَلْقِ»

”برائی کی وجہ سے چہرے پر سیاہی آ جاتی ہے، دل پر تاریکی چھا جاتی ہے، جسم کمزور پڑ جاتا ہے، رزق میں کمی آ جاتی ہے اور لوگوں کے دلوں میں اس سے نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔“

اور ابن السبارک رحمہ اللہ نے کیا خوب کہا ہے:

رَأَيْتُ الذُّنُوبَ تُمِيتُ الْقُلُوبَ وَتُورِثُ الذُّلَّ إِذَا مَا نَهَا
وَتَرَكَ الذُّنُوبَ حَيَاةَ الْقُلُوبِ وَخَيْرَ لِنَفْسِكَ عَصِيَانَهَا

”میں نے دیکھا ہے کہ گناہ دلوں کو مردہ کر دیتے ہیں۔ اور ان میں مگن رہنا ذلت و رسوائی کا باعث بنتا ہے۔ اور گناہوں کو چھوڑنے سے دلوں کو زندگی کا نصیب ہوتی ہے۔ اور تمہارے لیے بہتر یہ ہے کہ تم اپنے نفس کی نافرمانی کرو۔“

﴿خواہشاتِ نفس کی پیروی کرنا اور حق کو قبول کرنے سے انکار کرنا﴾

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فَلَمَّا زَاغُوا أَزَاغَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ﴾

”پھر جب انھوں نے کج روی اختیار کی تو اللہ نے ان کے دل ٹیرھے کر دیے۔“

اسی طرح منافقوں کے متعلق ارشاد فرمایا: ﴿وَإِذَا مَا أُنْزِلَتْ سُورَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ هَذَا يَرِيكُمْ قَيْنَ

أَحَدٍ ثُمَّ انْصَرَفُوا صَرَفَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ﴾

”اور جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو آنکھوں میں ایک دوسرے کی طرف اشارہ کر کے پوچھتے ہیں کیا تمہیں کوئی دیکھ تو نہیں رہا؟ پھر وہاں سے واپس چلے جاتے ہیں۔ اللہ نے ان کے دلوں کو پھیر دیا ہے کیونکہ یہ لوگ ہیں ہی ایسے کہ جو کچھ بھی نہیں سمجھتے۔“

﴿دنیا کی لذتوں اور آسائشوں کے حصول کے لیے اس طرح مارے مارے پھرنا کہ آخرت بالکل یاد نہ رہے۔﴾

7 زیادہ ہنسنا اور لہو و لعب میں مشغول رہنا۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: «لَا تُكْثِرُوا الضَّخْلَ فَإِنَّ كَثْرَةَ الضَّخْلِ تُمِيتُ الْقُلُوبَ»

”تم زیادہ نہ ہسا کرو کیونکہ زیادہ ہسنے سے دل مردہ ہو جاتا ہے۔“^①

8 دنیاوی محفلوں میں بیٹھ کر ادھر ادھر کی باتیں اور فضول گفتگو کرنا۔

9 فضول اور بے ہودہ چیزوں کو دیکھنا۔

10 دین کو سمجھنے کی کوئی سنجیدہ کوشش نہ کرنا اور دین کے بنیادی مسائل سے جہالت اور ناواقفیت پر راضی اور خوش رہنا۔

یہ تمام امور سنگدلی کا سبب بنتے ہیں۔ لہذا ہمیں ان سب سے بچنا اور پرہیز کرنا چاہیے۔ ورنہ یہ بات رہے کہ جس

شخص کا دل ان جیسے اسباب کو اختیار کرنے کی بناء پر سخت ہو جائے تو اس کے لیے سوائے بربادی اور ہلاکت کے اور

کچھ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿قَوْلِيلٌ لِّلنَّفْسِیَّةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِکْرِ اللّٰهِ ۚ اُولٰٓئِکَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝۱۰﴾

”لہذا ہلاکت ہے ان لوگوں کے لیے جن کے دل اللہ کے ذکر سے سخت ہیں۔ یہی لوگ واضح گمراہی

میں ہیں۔“^②

یعنی جن کے دل اللہ کا ذکر سن کر بھی خوفزدہ نہیں ہوتے اور ان میں رقت پیدا نہیں ہوتی تو ایسے لوگوں کے لیے یقینی

طور پر ہلاکت و بربادی ہے۔

اور رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ «إِنَّ أَبْعَدَ النَّاسِ مِنَ اللّٰهِ الْقَلْبُ الْقَاسِی»

”بے شک لوگوں میں سے اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ دور وہ ہے جس کا دل سخت ہو۔“^③

یعنی جو آدمی سخت دل ہو وہ تمام لوگوں میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے دور ہوتا ہے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کا قرب

مطلوب ہو تو اپنے دل کو نرم کرنا ہوگا۔

دلوں کو نرم کرنے کے اسباب

عزیز القدر بھائیو اور لائق احترام ماؤں اور بہنو! سنگدلی کے اسباب معلوم کرنے کے بعد آئیے اب دلوں کو نرم

کرنے والے اسباب معلوم کرتے ہیں۔

1! موت کو یاد کرنا

اگر موت سے غفلت اختیار کرنا سنگدلی کا سبب ہے تو موت کو یاد کرنا دل کو نرم کرنے کا بہت بڑا سبب ہے۔

① سنن ابن ماجہ: 4193، وصححه الالبانی، ② الزمر 39: 22، ③ جامع الترمذی: 2411۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھا اور ارشاد فرمایا: «كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيبٌ أَوْ غَافِرٌ سَبِيلٍ» ”دنیا میں ایک اجنبی یا ایک مسافر کی طرح رہو۔“

اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہا کرتے تھے: «إِذَا أَمْسَيْتَ فَلَا تَنْتَظِرِ الصُّبْحَ . وَإِذَا أَصْبَحْتَ فَلَا تَنْتَظِرِ الْمَسَاءَ . وَخُذْ مِنْ صَبْحَتِكَ لِمَرَضِكَ . وَمِنْ حَيَاتِكَ لِمَوْتِكَ»

”جب شام ہو جائے تو صبح کا انتظار مت کرو اور جب صبح ہو جائے تو شام کا انتظار مت کرو۔ اور تندرستی کی حالت میں اتنا عمل کر لو کہ جو بیماری کی حالت میں بھی کافی ہو جائے۔ اور اپنی زندگی میں اس قدر نیکیاں کمالو کہ جو موت کے بعد بھی تمہارے لیے نفع بخش ہوں۔“^(۱)

مسند احمد وغیرہ میں اس حدیث کے الفاظ یوں ہیں: «كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيبٌ أَوْ غَافِرٌ سَبِيلٍ . وَخُذْ نَفْسَكَ مِنْ أَهْلِ الْقُبُورِ» ”دنیا میں ایک اجنبی یا ایک مسافر کی طرح رہو اور اپنے آپ کو قبر والوں میں شمار کرو۔“^(۲)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«أَكْثَرُوا ذِكْرَ هَٰذِهِمُ اللَّذَاتِ الْمَوْتِ»

”مذتوں کو ختم کر دینے والی چیز یعنی موت کو زیادہ سے زیادہ یاد کیا کرو۔“^(۳)

اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا کہ اچانک ایک انصاری آیا، اس نے نبی کریم ﷺ کو سلام کہا، پھر کہنے لگا: اے اللہ کے رسول! مومنوں میں سب سے افضل کون ہے؟

آپ ﷺ نے فرمایا: «أَحْسَنُهُمْ أَخْلَاقًا»، ”ان میں جو سب سے اچھے اخلاق والا ہو۔“

اس نے پھر پوچھا: مومنوں میں سب سے زیادہ عقلمند کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَكْثَرُهُمْ لِلْمَوْتِ ذِكْرًا وَأَحْسَنُهُمْ لِمَا بَعْدَهُ اسْتِعْدَادًا. أُولَٰئِكَ الْأَكْيَاسُ»

”ان میں جو سب سے زیادہ موت کو یاد کرنے والا ہو اور جو موت کے بعد آنے والے مراحل کے لیے سب سے زیادہ تیاری کرنے والا ہو وہی زیادہ عقلمند ہے۔“^(۴)

﴿۲﴾ قبرستان کی زیارت کرنا

قبرستان کی زیارت کرنے سے بھی دلوں میں رقت اور نیک اعمال کی رغبت اور برے اعمال سے نفرت پیدا ہوتی ہے۔

① صحیح البخاری: 6416، ② الصحیحۃ للالبانی: 1157، ③ صحیح الجامع للالبانی: 1211، ④ سنن ابن ماجہ: 4259، وصححه الالبانی.

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

« كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُورِ . أَلَا فَرُّوْهُنَا . فَإِنَّهَا تُرْفِقُ الْقُلُوبَ . وَتُذَمِّعُ الْعَيْنَ . وَتُذَكِّرُ الْآخِرَةَ »

”میں نے تمہیں قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا۔ خبردار! اب تم ان کی زیارت کیا کرو۔ کیونکہ یہ زیارت دل کو نرم کرتی ہے، آنکھ سے آنسو بہاتی ہے اور آخرت کی یاد دلاتی ہے۔“^①

﴿ قرآن مجید میں تدبیر کرنا ﴾

قرآن مجید دل کی اعتقادی بیماریوں مثلاً کفر، شرک اور نفاق کا علاج ہے۔ اسی طرح دل کی اخلاقی بیماریوں مثلاً حسد، بغض، کینہ اور حرص و دلاچ کے لیے بھی شفا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِمَا فِي الْقُدُورِ لَوْ هَدَىٰ وَرَحْمَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ﴾

”اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت آ چکی، یہ دلوں کے امراض کی شفا اور مومنوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔“^②

عزیز بھائیو اور بہنو! قرآن مجید دلوں کو نرم کرنے اور ان میں رقت پیدا کرنے کا سب سے بڑا سبب ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی تاثیر کے بارے میں فرماتا ہے: ﴿لَنَنْزِلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِي تَفْشَعُ مِنْهُ جُلُودُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِينُ جُلُودُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ ذَٰلِكَ هُدَىٰ اللَّهِ يَهْدِي بِهِ مَن يَشَاءُ ۚ وَمَن يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِن هَادٍ ۝۱۰﴾

”اللہ تعالیٰ نے بہترین کلام نازل کیا جو ایسی کتاب ہے کہ اس کے مضامین ملتے جلتے اور بار بار دہرائے جاتے ہیں۔ اس سے ان لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔ پھر ان کی جلد اور ان کے دل نرم ہو کر اللہ کے ذکر کی طرف راغب ہوتے ہیں۔ یہی اللہ کی ہدایت ہے، اس کے ذریعے اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور جسے اللہ گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔“^③

قرآن مجید تو اس قدر موثر ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿لَوْ أَنزَلْنَا هَٰذَا الْقُرْآنَ عَلَىٰ جَبَلٍ لَّرَأَيْنَاَهُ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللَّهِ ۝﴾

”اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو آپ دیکھتے کہ وہ اللہ کے خوف سے دبا جا رہا ہے اور پھٹا

① أخرجه الحاكم بسند حسن: أحكام الجنائز للالباني: 180. ② بونس 57:10. ③ الزمر 23:39.

پڑتا ہے۔“ ①

اگر پہاڑ قرآن کے نزول کے بعد اللہ کی خشیت کی بناء پر دب سکتا ہے تو کیا انسان کے دل میں رقت پیدا نہیں ہو سکتی؟ اور اگر پہاڑ قرآن کی وجہ سے پھٹ سکتا ہے تو کیا انسان کا دل نرم نہیں پڑ سکتا؟ یقیناً ایسا ہو سکتا ہے۔ بس اس کی شرط یہ ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت اس کے معانی میں تدبر اور غور و فکر کرتے ہوئے کی جائے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَى قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا ۝﴾

”کیا وہ قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں؟“ ②

④ اللہ کا ذکر غور و فکر کے ساتھ کرنا

ذکر اللہ دل مومن کو زندگی بخشتا ہے۔ اور ذکر اللہ سے دلوں کو حقیقی سکون ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُمْ بِذِكْرِ اللَّهِ أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ ۝﴾

”جو لوگ ایمان لاتے ہیں اور ان کے دل اللہ کے ذکر سے مطمئن ہو جاتے ہیں۔ یاد رکھو! دل اللہ کے ذکر سے ہی مطمئن ہوتے ہیں۔“ ③

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُ رَازَاتِهِمْ إِسْبَاطًا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ۝ الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ ۝ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا لَهُمْ دَرَجَاتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ۝﴾

”سچے مومن تو وہ ہیں کہ جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل کانپ اٹھتے ہیں۔ اور جب انہیں اللہ کی آیات سنائی جائیں تو ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے۔ اور وہ اپنے رب پر ہی بھروسہ کرتے ہیں۔ (اور) وہ نماز قائم کرتے ہیں اور ہم نے جو مال و دولت انہیں دے رکھا ہے اس میں سے وہ خرچ کرتے ہیں۔ یہی سچے مومن ہیں جن کے لیے ان کے رب کے ہاں درجات ہیں، بخشش ہے اور عزت کی روزی ہے۔“ ④

اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو کہ جن کے دل اللہ کے ذکر کے بعد بھی نرم نہیں پڑتے اور ان میں رقت پیدا نہیں ہوتی، انہیں تنبیہ کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے: ﴿أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ وَلَا يَكُونُوا كَالَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْأَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوبُهُمْ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ فَاسِقُونَ ۝﴾

”جو لوگ ایمان لائے ہیں کیا ان کے لیے وقت نہیں آیا کہ اللہ کے ذکر سے اور جو حق نازل ہوا ہے اس سے ان کے دل پسج جائیں؟ اور ان لوگوں کی طرف نہ ہو جائیں جنہیں اس سے پہلے کتاب دی گئی تھی، پھر ان پر

ایک طویل مدت گزر گئی تو ان کے دل سخت ہو گئے۔ اور ان میں سے اکثر فاسق ہیں۔“^①

❦ گناہ کے بعد توبہ اور استغفار کرنا

گناہوں اور نافرمانیوں کے بعد اگر توبہ اور استغفار نہ کیا جائے تو ان کی وجہ سے نافرمانی کرنے والے انسان کا دل زنگ آلود ہو جاتا ہے، حتیٰ کہ گناہ کرتے کرتے اس کا دل مکمل طور پر کالا سیاہ پڑ جاتا ہے۔ جس کے بعد وہ سخت ہو جاتا ہے۔ لہذا اسے اپنے دل کے کالا سیاہ پڑنے اور اس کے سخت ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرنی چاہیے، اور مسلسل ایسے کرتے رہنا چاہیے تاکہ اس کا دل گناہوں کی سیاہی سے دھل جائے اور اس میں رقت پیدا ہو۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ((إِنَّ الْمُؤْمِنَ إِذَا أَذِنَ أَذِنَ كَأَنَّ نَفْسَهُ سَوْدَاءٌ فِي قَلْبِهِ ، فَإِنْ تَابَ وَتَزَعَّ وَاسْتَغْفَرَ صَبَقَ قَلْبَهُ . وَإِنْ زَادَ زَادَتْ حَتَّى يَغْلُو قَلْبَهُ . فَذَلِكَ الرَّئِيسُ الَّذِي ذَكَرَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ فِي الْقُرْآنِ : ﴿كَلَّا بَلْ عَزَّازَ عَلَى قُلُوبِهِمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ﴾^②

”مومن جب گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ پڑ جاتا ہے۔ پھر اگر وہ توبہ کر لیتا ہے اور اس گناہ کو چھوڑ کر معافی مانگ لیتا ہے تو اس کا دل دھو دیا جاتا ہے۔ اور اگر وہ گناہ پر گناہ کرتا چلا جاتا ہے تو سیاہی بھی بڑھتی چلی جاتی ہے یہاں تک کہ اس کے دل پر چھا جاتی ہے۔ یہی وہ (زین) ”زنگ“ ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے قرآن میں تذکرہ کیا ہے: ﴿كَلَّا بَلْ عَزَّازَ عَلَى قُلُوبِهِمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ﴾^③

اسی طرح رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ

((إِنَّهُ لَيُبَغَىٰ عَلَى قَلْبِي ، وَإِنِّي لَأَسْتَغْفِرُ اللَّهَ فِي الْيَوْمِ مِائَةَ مَرَّةٍ))

”بے شک میرے دل کو ڈھانپ دیا جاتا ہے اور میں ایک دن میں سو مرتبہ اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتا ہوں۔“^④

میرے بھائیو اور بہنو! جب رسول اکرم ﷺ اپنے پاک دل کی حفاظت کے لیے ایک دن میں سو مرتبہ اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتے تھے، حالانکہ آپ گناہوں سے پاک تھے تو ہم جیسے لوگ جو کہ سرتا پا گناہوں میں ڈوبے ہوئے ہیں، ہمیں تو اس سے بھی زیادہ استغفار کرنا چاہیے۔ تاکہ ہمارے دل گناہوں کے زنگ سے پاک رہیں اور سخت ہونے سے بچے رہیں۔

❦ اللہ تعالیٰ پر سچا ایمان رکھنا

اللہ تعالیٰ پر سچا ایمان ہو، اس طرح کہ اس کی وحدانیت پر یقین کامل ہو، اکیلے اللہ رب العزت کو پوری کائنات

① الحدید: 16، ② جامع الترمذی: 3334، حسن صحیح، ابن ماجہ: 4244 وحسنہ الألبانی، ③ صحیح مسلم: 2702،

کا خالق و مالک، رازق اور مدبر الامور مانا جائے، اسی کو الہ (معبود برحق) تسلیم کیا جائے، تمام عبادات اسی کے لیے مختص کی جائیں اور کسی عبادت میں غیر اللہ کو اس کا شریک نہ بنایا جائے تو جس دل میں یہ پختہ ایمان ہوگا وہ نرم ہوگا، اس میں رقت اور نیک اعمال سے محبت پیدا ہوگی۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ يَهَبِ لَيْتَهُ﴾^①
 ”اور جو اللہ پر ایمان لائے تو وہ اس کے دل کو ہدایت دیتا ہے۔“^②

⑦ مسکین کو کھانا کھلانا اور یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرنا

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ کے پاس اپنی سگدلی کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «إِنْ أَرَدْتَ تَلْبِينَ قَلْبِكَ فَأَطْعِمِ الْمَسْكِينَ وَامْسُخْ رَأْسَ الْيَتِيمِ»^③
 ”اگر تم اپنے دل کو نرم کرنا چاہتے ہو تو مسکین کو کھانا کھلایا کرو اور یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا کرو۔“^④
 اسی طرح ہر کمزور اور مسکین پر ترس کھانے، جود و سخا کا مظاہرہ کرنے اور رشتہ داروں، پڑوسیوں اور عام مسلمانوں سے اچھا سلوک کرنے سے بھی دل میں رقت پیدا ہوتی ہے اور سگدلی کا خاتمہ ہوتا ہے۔

⑧ مریضوں کی عیادت کرنا

مریضوں کی عیادت کرنا بہت بڑا عمل ہے اور اس کا اجر و ثواب بہت زیادہ ہے۔ اور جو شخص اکثر مریضوں کی عیادت کرتا رہے اور ان کی حالت کو دیکھ کر اپنی صحت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے اور آئندہ کے لیے بھی اس سے عافیت و تندرستی کا سوال کرے تو یقیناً اس سے دل نرم ہوتا ہے اور نیکی کی طرف راغب ہوتا ہے۔

⑨ فرائض کو پابندی سے ادا کرنا اور نفل عبادات میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانا

ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ اللہ کے فرائض کو پابندی سے ادا کرتا رہے اور ان میں کوئی کوتاہی یا غفلت نہ کرے۔ مثلاً دن اور رات کی پانچ نمازیں ہیں، زکاۃ ہے، رمضان المبارک کے روزے ہیں اور اگر استطاعت ہو تو حج بیت اللہ ہے۔ ان فرائض کے ساتھ ساتھ نفل عبادات میں بھی وہ اگر دیگر مسلمانوں سے سبقت لے جانے کی کوشش کرے تو اس سے یقینی طور پر اس کا دل نرم ہوگا۔ اور اس میں نیک اعمال کی محبت اور برے اعمال کی کراہت پیدا ہوگی۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ

«إِنَّ لِلْخَسَنَةِ ضِيَاءً فِي الْوَجْهِ وَثَوْرًا فِي الْفَلْبِ . وَسَعَةً فِي الرِّزْقِ . وَقُوَّةً فِي الْبَدَنِ .

① التغابن: 64، ② حسنه الالبانی فی الصحیحہ: 854.

وَمَحَبَّةٌ فِي قُلُوبِ الْخَلْقِ ۝

”نیکی کی وجہ سے چہرے پر روشنی آ جاتی ہے، دل منور ہو جاتا ہے، رزق فراوانی سے ملتا ہے، جسمانی طاقت میں اضافہ ہوتا ہے اور لوگوں کے دلوں میں اس کی محبت پیدا ہو جاتی ہے۔“

﴿10﴾ حلال کھانا اور حرام اور شبہات سے بچنا

اللہ تعالیٰ نے تمام اہل ایمان کو حکم دیا ہے کہ وہ پاکیزہ اور حلال چیزیں کھائیں۔ اور اس نے اپنی کتاب میں حرام چیزوں کا تفصیل سے تذکرہ کر کے مومنوں کو ان سے بچنے کا حکم دیا ہے۔ اسی طرح اللہ کے رسول ﷺ نے بھی اپنی امت کو حرام چیزوں کو کھانے سے تنبیہ کی ہے۔ اور آپ ﷺ نے آگاہ کیا ہے کہ قیامت کے روز ہر بندے سے جو سوالات سب سے پہلے کیے جائیں گے ان میں سے ایک یہ ہوگا کہ مال کہاں سے کمایا تھا اور اسے کہاں خرچ کیا تھا۔ لہذا ہر مسلمان پر یہ لازم ہے کہ وہ حلال اور پاکیزہ چیزیں ہی کھائے۔ اور حرام سے اجتناب کرے۔ اس کے ساتھ ساتھ اُس پر یہ بھی لازم ہے کہ وہ مشتبہ امور سے بھی بچے۔ کیونکہ اگر وہ مشتبہ امور میں احتیاط نہیں کرے گا تو رسول اکرم ﷺ کے ارشاد کے مطابق حرام میں واقع ہو جائے گا۔ صرف حلال اور پاکیزہ چیزوں کو کھانے اور حرام اور مشتبہ چیزوں سے اجتناب کے نتیجے میں اس کا دل نرم ہوگا اور اس میں عمل صالح کی محبت و رغبت پیدا ہوگی اور گناہوں سے نفرت پیدا ہوگی۔

﴿11﴾ فضول مجلسوں میں شریک ہونے، زیادہ گفتگو کرنے اور زیادہ ہنسنے سے پرہیز کرنا

ہم پہلے یہ ذکر چکے ہیں کہ فضول مجلسوں میں بیٹھ کر زیادہ گفتگو کرنے اور زیادہ ہنسنے ہنسانے سے دل مردہ اور سخت ہوتا ہے۔ لہذا ایسی مجلسوں میں شریک ہونے سے اجتناب کرنا چاہیے۔ اور صرف ان مجلسوں میں بیٹھنا چاہیے جہاں فضول گفتگو کی بجائے سنجیدہ گفتگو ہو اور غیبت، جھوٹ، چغل خوری اور گالی گلوچ وغیرہ سے پرہیز کی جاتی ہو۔ اور ان میں کوئی کام خلاف شریعت نہ ہو۔ اگر ہم اپنی مجلسوں میں ان چیزوں کی پابندی کر لیں اور شرعی حدود و قیود کا لحاظ رکھیں تو یقینی طور پر ہمارے دل مردہ یا سخت ہونے سے بچ سکتے ہیں۔

﴿12﴾ خواہشاتِ نفس کی اتباع نہ کرنا

نفس کو خواہشات کا پیروکار بنانے کی بجائے اگر اسے شریعت کا پابند بنایا جائے تو اس سے بھی دلوں میں نرمی اور رقت پیدا ہو سکتی ہے اور دل تقرب الہی کا ذریعہ بننے والے اعمال کی طرف راغب ہو سکتے ہیں اور اس کی ناراضگی کا سبب بننے والے امور سے نفرت کر سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَأَقَامَنَّ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ (فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَىٰ)﴾ اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرتا رہے اور اپنے آپ کو خواہش نفس سے روکے رکھے تو جنت ہی اس کا ٹھکانا ہوگا۔^(۱)

اسی طرح فرمایا: ﴿وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا ۖ فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا ۖ قَدْ أَفْلَحَ مَن زَكَّاهَا ۖ وَقَدْ خَابَ مَن دَسَّاهَا ۖ﴾

”اور نفس کی قسم اور جس نے اسے ٹھیک بنایا۔ پھر اسے اس کی بدی اور اس کے تقویٰ کا الہام کیا۔ یقیناً وہ شخص کامیاب ہوا جس نے نفس کا تزکیہ کیا اور وہ شخص ناکام ہوا جس نے اسے گھنیا بنایا۔“^(۲)

﴿۱۳﴾ دنیا کی بے ثباتی پر یقین رکھنا اور اس سے دل نہ لگانا

مسلمان کو اس بات پر یقین کامل ہونا چاہیے کہ دنیا فانی ہے۔ اور دنیا کی زندگی سوائے دھوکے کے سامان کے اور کچھ نہیں۔ کوئی اس دنیا کو جنت سمجھتا ہے تو سمجھتا رہے، لیکن مومن کو اس کے دھوکے میں نہیں آنا چاہیے بلکہ اسے دنیا کو اپنے لیے جیل خانہ سمجھنا چاہیے۔ جنت تو وہ ہے جو قیامت کے روز اہل ایمان کو ملے گی۔ اور وہ ایسی جنت ہے کہ جس کی نعمتوں کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے، نہ کسی کان نے ان کے بارے میں کچھ سنا ہے اور نہ ہی کسی بشر کے دل میں اس کا تصور پیدا ہو سکا ہے۔ ہر مسلمان کو اس جنت کے حصول کے لیے رغبت پیدا کرنی اور اس کے لیے جدوجہد کرنی چاہیے۔ اور اس فناء ہونے والی دنیا سے نہ محبت کرنی چاہیے اور نہ ہی دل میں اسے جگہ دینی چاہیے۔ اس سے اس کا دل نرم ہوگا اور اس میں اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے والے اعمال کی رغبت و محبت پیدا ہوگی اور اللہ کو ناراض کرنے والے اعمال سے نفرت پیدا ہوگی۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: «مَنْ كَانَتْ الدُّنْيَا هَمَّهُ فَزَقَ اللَّهُ عَلَيْهِ أَمْرًا . وَجَعَلَ فَقْرُهُ بَيْنَ عَيْنَيْهِ . وَلَمْ يَأْتِهِ مِنَ الدُّنْيَا إِلَّا مَا كُتِبَ لَهُ . وَمَنْ كَانَتْ الْآخِرَةُ هَمَّهُ جَمَعَ اللَّهُ لَهُ أَمْْرًا . وَجَعَلَ غِنَاهُ فِي قَلْبِهِ . وَأَتَتْهُ الدُّنْيَا وَهِيَ رَاغِمَةٌ»

”جس شخص کی سوچ و فکر کا محور دنیا ہی ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے معاملات کو بکھیر دیتا ہے اور اس کے فقر کو اس کی آنکھوں کے سامنے کر دیتا ہے۔ اور اسے دنیا سے اتنا ہی ملتا ہے جو اس کے لیے لکھا جا چکا ہے۔ اور جس آدمی کی سوچ و فکر کا محور آخرت ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے معاملات کو سمیٹ دیتا ہے اور اس کے غنی کو اس کے دل میں رکھ دیتا ہے۔ اور دنیا نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے پاس چلی آتی ہے۔“

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں آخرت کی فکر کرنے کی توفیق دے۔ اور ہمارے دلوں کو نرم کر کے ان میں اپنی اور اپنے رسول ﷺ کی محبت اور اپنے دین کی رغبت پیدا کر دے۔

دوسرا خطبہ

عزیز القدر بھائیو اور بہنو! دل کے لیے عربی زبان میں (قلب) کا لفظ بولا جاتا ہے، جس کے بارے میں شاعر کہتا ہے:

مَا سَجَى الْقَلْبُ إِلَّا مِنْ ثَقْلِهِ فَاخْذِرْ عَلَى الْقَلْبِ مِنْ قَلْبٍ وَتَخَوُّبٍ

”قلب کو قلب اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس میں تبدیلی واقع ہوتی رہتی ہے۔ لہذا تم قلب کی فکر کیا کرو کہ کہیں اس میں کوئی تبدیلی واقع نہ ہو جائے۔“

اور اس کی تصدیق رسول اکرم ﷺ کے اس فرمان سے بھی ہوتی ہے کہ

((مَثَلُ الْقَلْبِ كَرِشَةٍ بِأَرْضٍ فَلَا تَقْلِبُهَا الرِّيحُ ظَلَمًا لِبَنَاتِنِ))

”قلب کی مثال اس پر کی سی ہے جو چٹیل زمین پر پڑا ہو اور ہوائیں اسے ایسا الٹ پلٹ کریں کہ کبھی وہ پیچھے کے بل ہوتا تو کبھی پیٹ کے بل ہوتا ہے۔“^①

یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دلوں کی کیفیت کے ایک جیسا نہ رہنے پر بہت فکر مند رہتے تھے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے کہا: یا رسول اللہ! ہمیں کیا ہو گیا ہے کہ ہم جب تک آپ کے پاس رہتے ہیں تو ہمارے دل نرم ہوتے ہیں، دنیا سے بے رغبت ہو جاتے ہیں اور آخرت کو یاد کرنے والوں میں شامل ہو جاتے ہیں۔ لیکن جب آپ کے پاس سے اٹھ کر جاتے ہیں اور اپنے اہل و عیال سے مانوس ہوتے ہیں تو ہمیں اپنی حالت عجیب سے محسوس ہوتی ہے! تو رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لَوْ أَنْتُمْ تَكُونُونَ إِذَا خَرَجْتُمْ مِنْ عِنْدِي كُنْتُمْ عَلَى خَالِكُمْ ذَلِكَ . لَزَارَتْكُمْ الْمَلَائِكَةُ فِي بُيُوتِكُمْ . وَلَوْ لَمْ تُذْنِبُوا لَجَاءَ اللَّهُ بِخَلْقٍ خَبِيدٍ كُنْ يَذْنِبُوا . فَيَغْفِرَ لَهُمْ))

”میرے پاس سے نکلنے وقت جو تمہاری حالت ہوتی ہے اگر تم ہر وقت اسی میں رہو تو فرشتے تمہارے گھروں میں آکر تمہاری زیارت کرتے۔ اور اگر تم گناہ نہ کرتے تو اللہ تعالیٰ ایک نئی مخلوق کو لے آتا جو گناہ کرتی، پھر وہ انہیں معاف کرتا۔“^②

دل کی اس بدلتی کیفیت کی وجہ سے رسول اکرم ﷺ اس کی ثابت قدمی کے لیے اکثر و بیشتر دعا کیا کرتے تھے۔

① صحیحہ الالبانی فی مشکاة: 103. ② جامع الترمذی: 2526. و صحیحہ الالبانی.

جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اکثر یہ دعا فرماتے تھے: «يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوبِ ثَبِّتْ قَلْبِي عَلَى دِينِكَ» ”اے دلوں کو پھیرنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر ثابت رکھنا۔“

آپ ﷺ سے کہا گیا: اے اللہ کے نبی! ہم آپ پر اور آپ کے دین پر ایمان لا چکے ہیں، تو کیا آپ کو کوئی خدشہ ہے؟ آپ ﷺ نے جواب دیا: ہاں۔ اور اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا:

«إِنَّ الْقُلُوبَ بَيْنَ أَصْبُعَيْنِ مِنْ أَصَابِعِ الرَّخْفِ . يَقْلِبُهَا كَيْفَ يَشَاءُ»

”ہندوں کے دل اللہ تعالیٰ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہیں، وہ انھیں جیسے چاہے پھیر دے۔“^(۱)

ان تمام دلائل سے یہ ثابت ہوا کہ دل کی کیفیت تبدیل ہوتی رہتی ہے اور ہر وقت ایک جیسی نہیں رہتی۔ یہ دل کبھی خیر کی طرف راغب ہوتا ہے تو کبھی شر کی طرف مائل ہوتا ہے۔ اس میں کبھی اخلاص ہوتا ہے تو کبھی تعریف سننے کی خواہش پیدا ہو جاتی ہے۔ اس میں کبھی اللہ تعالیٰ پر ہی بھروسہ ہوتا ہے تو کبھی اسباب و وسائل یا بعض افراد پر بھروسہ ہوتا ہے۔ لہذا نبی ﷺ کی یہ مسنون دعا بھی کثرت سے پڑھنی چاہیے۔ اس کے علاوہ وہ دعا بھی بار بار پڑھتے رہنا چاہیے جس کی تعلیم اللہ تعالیٰ نے یوں دی ہے:

﴿رَبَّنَا لَا تُخِزْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً ۚ إِنَّكَ أَنْتَ الْوَكَابُ ۝﴾

”اے ہمارے رب! ہمیں ہدایت دینے کے بعد تو ہمارے دلوں کو کج رو نہ بنا۔ اور ہمیں اپنے ہاں سے رحمت عطا فرما۔ بے شک تو ہی سب کچھ عطا کرنے والا ہے۔“^(۲)

وَأَخِرُ دَعْوَانَا أَنْ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

① جامع الترمذی: 2140۔ وصحیحہ الالبانی، (۲) ال عمرن: 8:3۔

نماز میں نمازیوں کی اخطاء

اہم عناصر خطبہ

- (۱) نمازیوں کے لباس میں اخطاء
- (۲) نمازیوں کی جائے نماز میں اخطاء
- (۳) نمازیوں کی نماز میں اخطاء
- (۴) نمازیوں کی نماز باجماعت میں اخطاء

پہلا خطبہ

محترم حضرات !

نماز دین اسلام کے بنیادی ارکان میں سے ایک رکن ہے۔ اور عبادات میں سب سے اہم عبادت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے باقی تمام عبادات کی فرضیت و مشروعیت زمین پر نازل کی اور جب نماز کی باری آئی تو اس نے اپنے حبیب حضرت محمد ﷺ کو اپنے پاس بلایا اور وہاں آپ ﷺ اور آپ کی امت پر نمازوں کو فرض کیا۔ اور نماز کی اہمیت اور قدر و منزلت کے پیش نظر قیامت کے روز سب سے پہلے اسی نماز کا حساب لیا جائے گا۔ اور اسی کی بناء پر انسان کی کامیابی یا ناکامی کا فیصلہ کیا جائے گا۔

حریب بن قہیصہ رضی اللہ عنہ (جو ایک تابعی ہیں وہ) بیان کرتے ہیں کہ میں مدینہ منورہ آیا تو میں نے دعا کی کہ «اللّٰهُمَّ ارْزُقْنِي خَلِيصًا صَالِحًا» «اے اللہ! مجھے کسی اچھے ساتھی کے ساتھ بیٹھنے کا موقع دے۔» چنانچہ مجھے جناب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیٹھنے کا موقع ملا۔ میں نے ان سے کہا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ وہ مجھے کسی اچھے ساتھی کے ساتھ بیٹھنے کا موقع دے۔ تو آپ سے گزارش ہے کہ مجھے کوئی ایسی حدیث بیان کریں جو آپ نے رسول اکرم ﷺ سے سنی ہو، شاید اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مجھے فائدہ پہنچائے۔ تو انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اکرم ﷺ سے آپ کا یہ ارشاد سنا تھا کہ

« إِنْ أَوَّلَ مَا يُحَاسِبُ بِهِ الْعَبْدُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ عَمَلِهِ : صَلَاتُهُ . فَإِنْ صَلَحَتْ فَقَدْ أَفْلَحَ وَأَنْجَحَ ، وَإِنْ فَسَدَتْ فَقَدْ خَابَ وَخَسِرَ... »

”بے شک قیامت کے روز سب سے پہلے بندے کے جس عمل کا حساب لیا جائے گا وہ ہے اس کی نماز، اگر وہ ٹھیک طرح سے ادا کی گئی ہوگی تو وہ کامیاب و کامران ہو جائے گا۔ اور اگر وہ ٹھیک طرح سے ادا نہیں کی گئی ہوگی تو وہ ذلیل و خوار اور خسارہ اٹھانے والا ہوگا۔“^①

بلکہ ایک اور روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ باقی اعمال کی قبولیت کا دار و مدار بھی اسی نماز کی قبولیت پر ہوگا۔ اس روایت کے الفاظ یوں ہیں :

« أَوَّلُ مَا يُحَاسِبُ عَلَيْهِ الْعَبْدُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ : الصَّلَاةَ . فَإِنْ صَلَحَتْ صَلَحَ سَائِرُ عَمَلِهِ . وَإِنْ فَسَدَتْ فَسَدَ سَائِرُ عَمَلِهِ »

”قیامت کے روز بندے سے سب سے پہلے نماز کا حساب لیا جائے گا، اگر نماز ٹھیک طرح سے ادا کی گئی ہوگی تو باقی تمام اعمال بھی درست تسلیم کر لیے جائیں گے۔ اور اگر نماز فاسد نکلی تو باقی تمام اعمال بھی فاسد ہی تصور کیے جائیں گے۔“^②

اس لیے مسلمان بھائیو! ہمیں اپنی نمازوں کی فکر کرنی چاہیے اور یہ سوچنا چاہیے کہ کیا ہم نماز رسول اکرم ﷺ کی تعلیمات اور آپ ﷺ کی سنت کے مطابق ادا کرتے ہیں؟ یا ہم باقی اعمال کی طرح نماز میں بھی من مانی کرتے ہیں اور اپنی منشاء یا اپنے مخصوص مسلک کے مطابق اسے ادا کرتے ہیں؟

حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم چند ہم عمر نو جوان رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ہم نے بیس راتیں آپ کے پاس قیام کیا۔ پھر آپ کو یہ گمان ہوا کہ جیسے ہم اپنے گھر والوں سے ملنے کا شوق رکھتے ہیں، چنانچہ آپ نے ہم سے ہمارے گھر والوں کے بارے میں معلومات نہیں۔ ہم نے آپ کو سب کچھ بتا دیا۔ اور چونکہ آپ بڑے نرم مزاج اور رحمدل تھے اس لیے آپ نے فرمایا :

« اَرْجِعُوا إِلَى أَهْلِيكُمْ فَعَلِمُوهُمْ وَمُرُوهُمْ . وَصَلُّوا كَمَا زَانِتُمُونِي أَصْلَانِي . وَإِذَا خَضَعْتَ الصَّلَاةَ فَلْيُؤَوِّدَنَّ لَكُمْ أَخَذَكُمْ ثُمَّ لِيُؤَمِّكُمْ أَكْبَرَكُمْ »

”تم اپنے گھر والوں کی طرف لوٹ جاؤ، پھر انہیں بھی تعلیم دو اور میرے احکامات ان تک پہنچاؤ۔ اور تم نماز

① جامع الترمذی: 413، سنن النسائی: 465، وصححه الألبانی. ② رواہ الطبرانی فی الأوسط، وصححه الألبانی فی الصحیحة: 1358.

اسی طرح پڑھنا جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔ اور جب نماز کا وقت ہو جائے تو تم میں سے کوئی شخص اذان کہے، پھر تم میں جو بڑا ہو وہ امامت کرائے۔“^①

رسول اکرم ﷺ نے ان نوجوانوں کو جو تعلیم دی، یہ دراصل آپ ﷺ کی پوری امت کے لیے ہے۔ لہذا پوری امت پر یہ لازم ہے کہ وہ نماز اسی طرح پڑھے جیسا کہ رسول اکرم ﷺ پڑھا کرتے تھے۔

ویسے بھی اللہ تعالیٰ نے ہم سب اہل ایمان کے لیے حضرت محمد ﷺ کو ہر عمل میں بہترین نمونہ قرار دیا ہے۔ اس کا فرمان ہے: ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا﴾^② ”یقیناً تمہارے لیے رسول اللہ (ﷺ) میں عمدہ نمونہ موجود ہے، ہر اس شخص کے لیے جو اللہ تعالیٰ کی اور قیامت کے دن کی امید رکھتا ہو اور بکثرت اللہ کا ذکر کرتا رہتا ہو۔“^③

اگر ہم واقعتاً اللہ تعالیٰ سے ملاقات اور آخرت کے دن پر یقین رکھتے ہیں تو پھر ہمیں جناب رسول اکرم ﷺ کے بہترین نمونہ کو سامنے رکھتے ہوئے اپنی نمازوں کی اصلاح کرنی چاہیے۔

آج کے خطبہ جمعہ میں ہم نمازیوں کی بعض اخطاء کی نشاندہی کرنا چاہتے ہیں جو کہ عموماً ان کی نمازوں میں ہمیں نظر آتی ہیں۔ ان اخطاء کو ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ہم ایسی غلطیاں کرنے سے بچیں اور رسول اکرم ﷺ کی سنت مبارکہ کے مطابق نماز ادا کریں۔

① نمازیوں کے لباس میں اخطاء

(۱) تنگ لباس میں نماز پڑھنا

بعض لوگ نہایت ہی تنگ لباس پہنے ہوئے نماز پڑھتے ہیں، حتیٰ کہ ان میں سے کچھ لوگوں پر تو تنگ لباس کی وجہ سے سجدہ کرنا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ اور حتیٰ کہ بعض لوگ اس کی وجہ سے نماز ہی نہیں پڑھتے۔

یہ تنگ لباس ’پینٹ‘ کی شکل میں ہوتا ہے جس میں دو برائیاں پائی جاتی ہیں: پہلی یہ کہ اس میں کفار کے ساتھ مشابہت ہے، کیونکہ یہ لباس پہلے مسلمانوں میں نہیں پایا جاتا تھا، اس سے پہلے مسلمان کھلا لباس پہننے کے عادی تھے، پھر جب استعماری طاقتوں کو کئی ملکوں کو چھوڑ کر جانا پڑا تو جاتے جاتے وہ اپنے پیچھے اپنی ثقافت کا گند بھی چھوڑ گئیں، جسے بعد افسوس مسلمانوں نے قبول کر لیا۔ اسی کا ایک حصہ وہ ہے جو لباس سے متعلق ہے۔ اور دوسری یہ کہ ’پینٹ‘ انسان کے ستر کو نمایاں کرتی ہے، خاص طور پر سجدہ کی حالت میں۔ جبکہ اسلام میں اس بات کی تعلیم دی گئی ہے کہ ستر ڈھانپنے کی چیز ہے، لہذا اس کا مکمل پردہ کیا جائے اور اسے نمایاں ہونے سے بچایا جائے۔ صرف نماز ہی میں نہیں بلکہ

① صحیح البخاری: 628، 631، مسلم: 674، ② الاحزاب: 21:33۔

عام حالات میں بھی اس کی تاکید کی گئی ہے۔

’پینٹ‘ پہننے والے لوگوں میں سے بعض لوگ اُن خواتین کو برا بھلا کہتے ہیں جو تنگ لباس پہنتی ہیں اور جس میں ان کے اعضاء زینت نمایاں ہوتے ہیں۔ جبکہ یہی لوگ خود جب ’پینٹ‘ پہنتے ہیں تو ان کے بھی بعض اعضاء نمایاں ہو جاتے ہیں! اور ان کا نمایاں ہونا شرعی طور پر معیوب ہے۔ تو وہ چیز جو عورتوں کے لیے ناجائز ہے وہ مردوں کے لیے کیسے جائز ہوگئی؟ جبکہ نتیجہ دونوں کے لیے ایک ہی ہے، یعنی بعض مخصوص اعضاء کا نمایاں ہونا۔

بعض لوگ ’پینٹ‘ سے اوپر جو شرٹ پہنتے ہیں وہ بھی چھوٹی سی ہوتی ہے، اگر ایسے لوگ نماز پڑھیں تو عموماً دیکھا جاتا ہے کہ جب وہ رکوع و سجود میں جاتے ہیں تو شرٹ اوپر کو چلی جاتی ہے اور ستر کا کچھ حصہ نکلا ہو جاتا ہے! اس سے یقینی طور پر نماز باطل ہو جاتی ہے کیونکہ پوری نماز میں پورے ستر کا ڈھانپنا نماز کی درستگی کی شرطوں میں سے ایک اہم شرط ہے۔

ہاں اگر پینٹ کھلی ہو، تنگ نہ ہو اور اس سے اوپر شرٹ یا قمیص بھی لمبی ہو جو ناف اور گھٹنوں کے درمیانے حصے کو ڈھانپنے رکھے اور رکوع و سجود میں بعض اعضاء نمایاں نہ ہوں تو اس میں نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(2) باریک اور پتلے کپڑوں میں نماز پڑھنا

بعض لوگ نہایت ہی باریک اور پتلے کپڑوں میں نماز پڑھتے ہیں، خاص طور پر گرمیوں کے موسم میں، اس طرح کے کپڑے اپنے پتلے پن اور باریکی کی وجہ سے پہننے والے شخص کے اعضاء کی شکل و صورت کا پتہ دیتے ہیں۔ جبکہ فقہاء نے صحت نماز کی شرطوں کے ضمن میں لکھا ہے کہ

« يَشْتَرُطُ فِي السَّابِرِ أَنْ يَكُونَ كَثِيفًا ، فَلَا يَخْرُجُ السَّابِرُ الرَّقِيقُ الَّذِي يَصِفُ لَوْنُ الْبَشَرَةِ »

”ستر کو ڈھانپنے والے کپڑے میں شرط یہ ہے کہ وہ موٹا ہو، لہذا باریک و پتلا کپڑا جس کے اندر سے جلد کا رنگ معلوم ہو جائے وہ کافی نہیں ہوتا۔“⁽¹⁾

عرب ملکوں میں کئی لوگ باریک، لمبا جُتہ پہنتے ہیں اور نیچے شلوار یا پاجامہ نہیں پہنتے۔ اس سے رکوع و سجود کی حالت میں بعض مخصوص اعضاء نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔

اسی طرح کے لوگوں کے بارے میں امام شافعی فرماتے ہیں:

« وَإِنْ صَلَّيْ فِي قَمِيصٍ يَشْفُ عَنْهُ ، لَمْ تُجْزِ الصَّلَاةُ »

”اور اگر وہ ایسی قمیص میں نماز میں پڑھے کہ جو اس کے اندرونی اعضاء کا پتہ دے تو اس کی نماز اسے کفایت

(1) الدین الخالص ج 2، ص: 101، للجمع ج 3، ص: 170 وغیرہ۔

نہیں کرے گی۔“^(۱)

اس سلسلے میں عورتوں کا محالہ اور زیادہ سنگین ہے۔ کیونکہ ان کے لیے تو عام حالات میں بھی یہ جائز نہیں کہ وہ باریک اور پتے کپڑے پہنیں، جن میں ان کے اعضائے زینت واضح طور پر نظر آئیں۔ تو نماز کی حالت میں یہ کیسے جائز ہو سکتا ہے!

(۳) گندے، میلے کپڑوں اور نیند کے لباس میں نماز پڑھنا

بعض لوگ بہت ہی گندے اور میلے کپڑوں میں نماز پڑھتے ہیں، حتیٰ کہ کئی لوگوں کے کپڑوں سے پسینے وغیرہ کی بدبو بھی آرہی ہوتی ہے! اور بعض لوگ جس لباس میں سوتے ہیں اسی لباس میں نماز پڑھنے لگتے ہیں! حتیٰ کہ یہ لوگ اگر مسجد میں نماز پڑھنے آئیں تو بھی اسی لباس میں چلے آتے ہیں!

اور یہ یقینی طور پر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہونے کے آداب کے خلاف ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿يَبْنَىٰ آدَمَ خُذْ وَارِثَتَكَ عَنْكَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾

”اے آدم کی اولاد! تم ہر مسجد (میں نماز پڑھتے) وقت اپنی زینت لے لیا کرو۔“^(۲)

”مسجد“ سے مراد ہر وہ جگہ ہے جہاں نماز پڑھی جائے۔ اور ”زینت“ سے مراد وہ لباس ہے جو آرائش کے لیے پہنا جاتا ہے۔ لہذا ہر نماز کے وقت اچھا اور صاف ستھرا لباس پہننا ضروری ہے۔

اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے شاگرد ”نافع“ کو دیکھا کہ وہ ایک ہی کپڑا پہنے خلوت میں نماز پڑھ رہے ہیں۔ تو انھوں نے کہا: میں نے تمہیں دو کپڑے نہ پہنائے تھے؟ نافع نے کہا: کیوں نہیں! ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: کیا تم ایک ہی کپڑا اپنے بازار میں جاسکتے ہو؟ انھوں نے کہا: نہیں! تو ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ﴿فَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ يُتَجَمَّلَ لَهُ﴾ ”تو اللہ تعالیٰ زیادہ حق رکھتا ہے کہ اس کے لیے خوبصورتی اختیار کی جائے۔“^(۳)

اور وہ لوگ جو گندے لباس پہنے یا | sleeping dress | پہنے نماز پڑھتے ہیں، انھیں سوچنا چاہیے کہ کیا وہ اس لباس میں کسی بڑے آدمی کے سامنے جانا گوارا کریں گے؟ یقیناً نہیں، تو وہ اس لباس میں اللہ کے سامنے جو کہ بادشاہوں کا بادشاہ اور پوری دنیا کا خالق و مالک ہے، کھڑا ہونا کیسے گوارا کرتے ہیں؟

(۴) ننگے کندھوں کے ساتھ نماز پڑھنا

بعض لوگ اپنے اوپر والے حصے پر صرف بنیان پہنے ہوئے نماز پڑھتے ہیں اور وہ بھی بغیر بازوؤں کے، جس کے نتیجے میں ان کے کندھے زیادہ تر ننگے رہتے ہیں۔ اور ایسا کرنا غلط ہے۔

(۱) الامج ۱، ص: 78. (۲) الأعراف 7: 31. (۳) شرح معانی الآثار للطحاوی ج 1، ص: 377.

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«لَا يَصْلِيَنَّ أَحَدُكُمْ فِي الثُّوبِ الْوَاحِدِ، لَيْسَ عَلَيْهِ غَائِقِيهِ مِنْهُ شَيْءٌ»

”تم میں سے کوئی شخص ایک ہی کپڑا پہنے نماز نہ پڑھے کہ اس کے کندھوں پر کچھ بھی نہ ہو۔“^①

اس حدیث میں رسول اکرم ﷺ نے کندھوں پر کچھ پہنے بغیر ایک ہی کپڑے میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ اس حالت میں نماز پڑھنا درست نہیں ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اکثر فقہاء کے نزدیک نماز کی حالت میں کندھوں کو کسی نہ کسی چیز کے ساتھ ڈھانپنا واجب ہے۔ اور اگر کسی شخص کے کندھے بالکل ہی ننگے ہوں تو حائل اور بعض سلف صالحین ینسے کے نزدیک اس کی نماز نہیں ہوتی۔ جبکہ جمہور اہل علم کے نزدیک اس کی نماز ہو جاتی ہے لیکن اس کا یہ عمل (نماز کی حالت میں کندھوں کو ننگا رکھنا) مکروہ ہے اور رسول اکرم ﷺ کے فرمان کے خلاف ہے۔

⑤ کپڑا ٹخنوں سے نیچے لٹکائے ہوئے نماز پڑھنا

کپڑا ٹخنوں سے نیچے لٹکانا کبیرہ گناہ ہے۔ چاہے چادر ہو یا شلوار، چنٹ ہو یا پاجامہ، یا لمبا جبہ ہو جو ٹخنوں سے نیچے تک لٹک رہا ہو۔ اور نماز میں اسے لٹکانا تو اور بھی بڑا گناہ ہے۔ اسی لیے رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«لَا يَنْظُرُ اللَّهُ إِلَى صَلَاةِ رَجُلٍ يَجُرُّ إِذَا زِدَ بَطْرًا»

”اللہ تعالیٰ اس آدمی کی نماز کی طرف نہیں دیکھتا جو اپنے تہہ بند کو تکبر سے گھسیٹ رہا ہو۔“^②

اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«مَنْ أَسْبَلَ إِزَارَهُ فِي صَلَاتِهِ خِيَلَاءَ فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ فِي حِلٍّ وَلَا حَرَامٍ»

”جو شخص اپنی نماز میں تکبر کی بناء پر اپنے تہہ بند کو نیچے لٹکائے تو وہ اللہ تعالیٰ سے لا تعلق ہو گیا۔“^③

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی اپنے تہہ بند کو لٹکائے ہوئے نماز پڑھ رہا تھا، تو رسول اکرم ﷺ نے اسے فرمایا: «إِذْهَبْ فَتَوَضَّأْ» ”جاؤ، وضو دوبارہ کرو۔“ وہ گیا، وضو کیا، پھر واپس آیا تو آپ ﷺ نے پھر بھی اسے یہی حکم دیا کہ جاؤ، وضو کرو۔ تب ایک آدمی نے کہا: یا رسول اللہ! کیا وجہ ہے کہ آپ نے اسے وضو دوبارہ کرنے کا حکم دیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

① صحیح البخاری: 359، صحیح مسلم: 516 واللفظ له. ② صحیح ابن خزيمة ج 1، ص: 382. ③ سنن أبی

داود: 637. وصححه الألبانی.

« إِنَّهُ كَانَ يُصَلِّي وَهُوَ مُسْبِلٌ إِزَارَهُ . فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَقْبَلُ صَلَاةَ رَجُلٍ مُسْبِلٍ إِزَارَهُ »

”وہ اپنا تہہ بند لٹکائے ہوئے نماز پڑھ رہا تھا اور اللہ تعالیٰ اس آدمی کی نماز قبول نہیں کرتا جس نے اپنے تہہ بند کو لٹکا یا ہوا ہو۔“^(۱)

(۶) نماز میں خواتین کا لباس !

بعض خواتین اسلام اس طرح نماز پڑھتی ہیں کہ ان کے پورے بال کھلے ہوتے ہیں، یا کچھ بال ظاہر ہوتے ہیں۔ اور یہ بالکل غلط ہے۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے : « لَا يَقْبَلُ اللَّهُ صَلَاةَ حَائِضٍ إِلَّا بِحِمَافٍ »

”اللہ تعالیٰ کسی بالغ عورت کی نماز قبول نہیں کرتا، سوائے اس کے کہ اس نے دوپٹے اوڑھ کر پردہ کر رکھا ہو۔“

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جو خاتون سر پر دوپٹے اوڑھے بغیر نماز پڑھے تو اس کی نماز اللہ تعالیٰ قبول نہیں کرتا۔ یہ وہ اہم اخطاء تھیں جن کا تعلق نمازیوں کے لباس سے ہے۔

② نمازیوں کی جائے نماز میں اخطاء

وہ اخطاء جن کا تعلق جائے نماز، یعنی اس جگہ کے ساتھ ہے جہاں نمازی نماز ادا کرتا ہے، تو اب ہم ان کا تذکرہ کرتے ہیں:

① ایسی جگہ پر نماز پڑھنا جہاں تصویریں ہوں

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک اونٹنی، رنگین پردہ تھا جس کے ساتھ انھوں نے اپنے گھر کی ایک جانب کو ڈھانپا ہوا تھا۔ تو رسول اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا:

« أَمِيطِي عَنِّي . فَإِنَّهُ لَا يَدْأَلُ تَصَاوِيرُهُ تَعْرِضُ لِي فِي صَلَاتِي »

”اے مجھ سے ہٹا دو، کیونکہ اس کی تصویریں میری نماز میں میرے سامنے آرہی تھیں۔“^(۲)

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ایسی جگہ جہاں تصویریں ہوں اور وہ نمازی کی توجہ اپنی طرف مبذول کرتی ہوں تو اس جگہ پر نماز پڑھنا درست نہیں ہے۔ اسی لیے رسول اکرم ﷺ نے تصویروں والے پردے کو ہٹانے کا حکم دیا۔

اس کے علاوہ وہ حدیث بھی مد نظر رہنی چاہیے جس میں رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

« لَا تَدْخُلُ الْمَلَايِكَةُ بَيْتًا فِيهِ صُورَةٌ »

① سنن أبي داود: 638. قال النووي في رياض الصالحين (795): صحيح على شرط مسلم۔ وصححه الذهبي في

الكبائر، ص: 172. ② صحيح البخاري: 374، 5959.

”فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں تصویر ہو۔“^(۱)

(۲) قبر پر یا قبر کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا

بعض لوگ قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیتے ہیں۔ اور قبروں کے سامنے کھڑے ہو کر نماز ادا کرتے ہیں۔ اور جس مسجد میں قبر بھی ہو اس میں نماز پڑھنا دوسری مسجدوں میں نماز پڑھنے سے افضل سمجھتے ہیں۔ اور یہ بالکل غلط ہے۔

جندب بن عبد اللہ البجليؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کی وفات سے پانچ دن قبل آپ ﷺ سے آپ کا یہ ارشاد سنا: «أَلَا وَإِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانُوا يَتَّخِذُونَ قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ . أَلَا فَلَا تَتَّخِذُوا الْقُبُورَ مَسَاجِدَ . فَإِنِّي أَنْتَهَاكُم عَنْ ذَلِكَ »

”خبردار! تم سے پہلے لوگ اپنے انبیاء کی قبروں کو مساجد بنا لیتے تھے، خبردار! تم لوگ قبروں کو مساجد نہ بنانا، کیونکہ میں تمہیں اس سے منع کرتا ہوں۔“^(۲)

اسی طرح رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

«وَلَا تَجْلِسُوا عَلَى الْقُبُورِ ، وَلَا تُصَلُّوا إِلَيْهَا »

”اور تم قبروں پر مت بیٹھنا اور ان کی طرف رخ کر کے نماز بھی نہ پڑھنا۔“

(۳) مسجد میں اپنے لیے کسی جگہ کو خاص کرنا

بعض لوگ مسجد میں اپنے لیے کسی ایک جگہ کو خاص کر لیتے ہیں، پھر وہ ہمیشہ اسی میں نماز پڑھتے ہیں۔ اور یہ غلط ہے۔ کیونکہ رسول اکرم ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔

عبدالرحمن بن شبلؓ بیان کرتے ہیں کہ

«نَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنْ نَفْثَةِ الْغُرَابِ ، وَافْتِرَاشِ السَّبْعِ ، وَأَنْ يُوْطِنَ الرَّجُلُ الْمَكَانَ فِي

الْمَسْجِدِ كَمَا يُوْطِنُ الْبَعِيرُ»

”رسول اللہ ﷺ نے کوئے کے چونچ مارنے کی طرح جلدی جلدی سجدہ کرنے سے، درندوں کی طرح اپنے

بازو زمین پر بچھانے سے اور مسجد میں کسی جگہ کو خاص کرنے سے منع فرمایا جیسا کہ اونٹ ایک جگہ کو اپنے لیے

خاص کر لیتا ہے۔“^(۴)

(۴) بغیر سترہ کے نماز پڑھنا

بعض لوگ بغیر سترہ کے نماز پڑھنا شروع کر دیتے ہیں، حتیٰ کہ ان میں سے کئی لوگ تو بالکل مسجد کے بیچ کھڑے ہو

① صحیح مسلم: 2106، ② صحیح مسلم: 532، ③ صحیح مسلم: 972، ④ سنن ابی داود: 862، سنن ابن ماجہ:

1429، وحسنہ الألبانی فی الصحیحۃ: 1168.

کر سترہ کے بغیر نماز شروع کر دیتے ہیں۔ جس سے آنے جانے والوں کو کافی مشکل پیش آتی ہے۔ اور یہ بالکل غلط ہے۔ نمازی کو مسجد میں دیوار، ستون یا رُحل یا کرسی وغیرہ کا سترہ ضرور رکھنا چاہیے۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«لَا تُصَلِّ إِلَّا إِلَى سِتْرَةٍ ، وَلَا تَدْعُ أَحَدًا يُمْرُئِينَ يَذْنِبُ . فَإِنْ أُنِيَ فَلْيُقَاتِلْهُ فَإِنْ مَعَهُ الْقَرِينُ»^①
 ”تم سترہ کی طرف ہی نماز پڑھا کرو۔ اور کسی کو اپنے سامنے سے گزرنے نہ دیا کرو۔ اگر وہ (گزرنے والا) انکار کرے (اور ضرور گزرتا چاہے) تو اس سے لڑائی کرو۔ کیونکہ اس کے ساتھ شیطان ہے۔“^①

اسی طرح ابوسعید الخدري رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ فَلْيُصَلِّ إِلَى سِتْرَةٍ وَلْيَذْنُبْ مِنْهَا . وَلَا يَدْعُ أَحَدًا يُمْرُئِينَ وَبَيْنَهُمَا ، فَإِنْ خَاءَ أَحَدٌ يُمْرُئًا فَلْيُقَاتِلْهُ فَإِنَّهُ شَيْطَانٌ»

”جب تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھنا چاہے تو سترہ کی طرف پڑھے اور اس سے قریب ہو جائے۔ اور اپنے اور سترہ کے درمیان کسی کو گزرنے نہ دے۔ پھر اگر کوئی شخص آئے تو وہ اس سے لڑائی کرے کیونکہ وہ شیطان ہے۔“^②

یہ دونوں احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ بغیر سترہ کے نماز پڑھنا درست نہیں ہے۔ اور ان احادیث کے الفاظ «لَا تُصَلِّ إِلَّا إِلَى سِتْرَةٍ» اور «فَلْيُصَلِّ إِلَى سِتْرَةٍ» کو سامنے رکھتے ہوئے بعض اہل علم نے نماز میں سترہ رکھنا واجب قرار دیا ہے۔^③

بہر حال اس سلسلے میں غفلت نہیں کرنی چاہیے اور جہاں تک ممکن ہو نمازی کی کوشش یہی ہونی چاہیے کہ وہ سترہ کی طرف ہی نماز پڑھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس معاملے میں بہت سختی کرتے تھے، جیسا کہ قرۃ بن ایاس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ میں دوستوں کے درمیان کھڑا ہو کر نماز پڑھ رہا ہوں۔ تو انھوں نے مجھے میری گدی سے پکڑا اور سترہ کے قریب کھڑا کر دیا اور فرمایا: «صَلِّ إِلَيْهَا» ”اس کی طرف نماز پڑھو۔“^④

سترہ کے مسائل میں یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ سترہ کی لمبائی کم از کم ایک ہاتھ ہونی چاہیے۔ کیونکہ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: «إِذَا وَضَعَ أَحَدُكُمْ تَيْنِ يَذْبَهُ مِثْلَ مُوَجِّزَةِ الرُّحْلِ فَلْيُصَلِّ ، وَلَا يُبَالِي مِنْ مَرَّةٍ وَذَاءِ ذَلِكَ»

① صحیح مسلم: 260، مسنن أبي داود: 697، ابن ماجہ: 954، وصححه الألبانی، ② السبل الجرار للشوکانی: ج 1، ص: 167، ③ صحیح البخاری تعلیقاً: کتاب الصلاة باب الصلاة إلى الأسطوانة.

”جب تم میں سے کوئی شخص اپنے سامنے پالان کی پچھلی لکڑی کے برابر کوئی چیز رکھ لے تو وہ نماز پڑھ لے اور اس کے پیچھے سے جو بھی گزرے اس کی پروا نہ کرے۔“^(۱)

’پالان کی پچھلی لکڑی‘ تقریباً ایک ہاتھ کے برابر ہوتی ہے۔

سترہ کے مسائل میں سے ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ امام کا سترہ تمام نمازیوں کا سترہ ہوتا ہے۔ لہذا اگر کوئی شخص دورانِ جماعت صفوں کے درمیان سے گزرے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک گدھی پر سوار ہو کر آیا اور اس وقت میں جوان ہونے کو تھا، رسول اللہ ﷺ منیٰ میں لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے، چنانچہ میں صف کے سامنے سے گزرا، پھر میں نیچے اترا اور گدھی کو چرنے کے لیے چھوڑ دیا۔ پھر میں صف میں شامل ہو گیا۔ تو کسی نے مجھے کچھ بھی نہ کہا۔^(۲)

﴿۳﴾ نماز میں نمازیوں کی اخطاء

اب ہم ان خطاء کا تذکرہ کرتے ہیں جن کا تعلق نماز کی کیفیت کے ساتھ ہے۔

(۱) نیت زبان کے ساتھ کرنا

بعض لوگ نماز کی نیت زبان کے ساتھ کرتے ہیں اور اس کے وہ الفاظ جو بعض لوگوں کی طرف سے ایجاد کیے گئے ہیں انھیں وہ اپنی زبان کے ساتھ دہراتے اور پھر نماز شروع کرتے ہیں۔ اور یہ بالکل غلط ہے۔ کیونکہ ’نیت‘ دل کے ارادے کا نام ہے۔ لہذا جو بھی نماز پڑھنی ہو اس کا تعین کرتے ہوئے دل میں اس کا ارادہ کر لیا جائے تو یہی کافی ہے۔ اگر نیت زبان کے ساتھ کرنی لازم ہوتی تو اس کے الفاظ نبی کریم ﷺ اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سکھلاتے اور وہ اپنی نمازوں کو انھی الفاظ کے ساتھ شروع کرتے۔ لیکن کسی بھی حدیث میں، حتیٰ کہ ضعیف حدیث میں بھی ایسے الفاظ ذکر نہیں کیے گئے۔ جو اس بات کی دلیل ہے کہ ان الفاظ کا دین میں کوئی وجود نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سارے اہل علم نے زبان کے ساتھ نیت کرنا بدعت قرار دیا ہے۔ چاہے وہ شافعی ہوں یا مالکی، ضیلی ہوں یا حنفی، حتیٰ کہ امام ابن ابی العزحلی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ

«لَمْ يَقُلْ أَحَدٌ مِنَ الْأَئِمَّةِ الْأَرْبَعَةِ . لَا الشَّافِعِيُّ وَلَا غَيْرُهُ بِاشْتِرَاطِ التَّلَفُّظِ بِالنِّيَّةِ . وَإِنَّمَا النِّيَّةُ مَخْلُصَةُ الْقَلْبِ بِاتِّفَاقِهِمْ»

”چاروں اماموں میں سے کسی نے بھی، نہ شافعی نے اور نہ کسی اور نے زبان کے ساتھ نیت کرنا شرط نہیں کہا۔ بلکہ ان سب کا اتفاق ہے کہ نیت کی جگہ دل ہے۔“^(۳)

(۱) صحیح مسلم: 499، (۲) صحیح البخاری: 76، مسلم: 405، (۳) الاتباع، ص: 62۔

اور امام ابن القیم رحمہ اللہ کہتے ہیں:

”نبی اکرم ﷺ جب نماز کو کھڑے ہوتے تو (اللہ اکبر) کہتے۔ اس سے پہلے کچھ بھی نہیں کہتے تھے۔ اور ایسا بھی نہیں ہوا کہ آپ نے نیت زبان کے ساتھ کی ہو۔ اور نہ ہی آپ نے یوں کہا کہ میں نماز پڑھتا ہوں اللہ کے لیے، فلاں نماز، منہ طرف قبلہ شریف، چار یا دو رکعات، امام یا مقتدی، اداء یا قضاء، فرض یا نفل..... یہ دس بدعات ہیں جن کا ایک لفظ بھی رسول اللہ ﷺ سے منقول نہیں ہے، نہ صحیح سند کے ساتھ، نہ ضعیف سند کے ساتھ، نہ کسی مسند یا مرسل روایت کے ساتھ، نہ کسی صحابی سے مروی ہے اور نہ ہی تابعین یا ائمہ اربعہ میں سے کسی نے اسے مستحسن عمل قرار دیا ہے۔“^(۱)

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ

«كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَسْتَفْتِي الصَّلَاةَ بِالتَّكْبِيرِ»

”رسول اللہ ﷺ نماز کا افتتاح تکبیر کے ساتھ کرتے تھے۔“^(۲)

اور جب ایک شخص نے رسول اکرم ﷺ کے سامنے تین مرتبہ نماز پڑھی اور ہر مرتبہ آپ ﷺ نے اسے یہ فرمایا کہ «لَزِجْ فَصَلَ فَإِنَّكَ لَمْ تَصِلْ» ”اوٹ جاؤ اور نماز پڑھو کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی۔“ تو اس نے کہا: یا رسول اللہ! آپ ہی مجھے سکھا دیں کہ میں نماز کیسے پڑھوں۔ تو آپ ﷺ نے اسے فرمایا:

«إِذَا قُمْتَ إِلَى الصَّلَاةِ فَاسْبِغِ الوُضُوءَ . ثُمَّ اسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ . فَكَبِّرْ . ثُمَّ اقْرَأْ بِمَا تيسَّرُ مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ ---»

”جب تم نماز کی طرف کھڑے ہونے کا ارادہ کرو تو مکمل وضو کرو، پھر قبلہ رخ ہو کر تکبیر کہو، پھر قرآن مجید میں سے جو آسانی پڑھ سکو پڑھ لو۔“^(۳)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نیت زبان کے ساتھ کرنا ضروری نہیں ہے، کیونکہ اگر یہ ضروری ہوتا تو رسول اکرم ﷺ اس شخص کو ضرور اس کی تعلیم دیتے۔ یہ موقع تعلیم کا تھا اور ایسے موقع پر نبی ﷺ کے شایان شان نہیں کہ وہ ایک جاہل انسان کو مکمل تعلیم نہ دیں۔

۲۔ نماز میں ہاتھ سینے پر نہ باندھنا

بعض لوگ نماز میں اپنے ہاتھ سینے پر نہیں باندھتے، بلکہ اپنے پیٹ پر باندھتے ہیں، یا ناف کے اوپر یا اس سے نیچے باندھتے ہیں۔ اور یہ بالکل غلط ہے۔

① زاد المعاد: ج ۱، ص: 201، ② صحیح مسلم: 498، ③ صحیح البخاری: 757، صحیح مسلم: 397.

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

« صَلَّيْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَوَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنَى عَلَى يَدِهِ الْيُسْرَى عَلَى صَدْرِهِ »

”میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی تو آپ نے اپنا دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر رکھا اور ان دونوں کو اپنے سینے پر باندھ لیا۔“^(۱)

اسی طرح طاؤس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

« كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَضَعُ يَدَهُ الْيُمْنَى عَلَى يَدِهِ الْيُسْرَى ثُمَّ يَشُدُّ بَيْنَهُمَا عَلَى صَدْرِهِ وَهُوَ فِي الصَّلَاةِ »

”رسول اللہ ﷺ نماز میں اپنا دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر رکھتے تھے، پھر ان دونوں کو اپنے سینے پر کس کے باندھ لیتے تھے۔“^(۲)

یہ حدیث اگرچہ مرسل ہے، تاہم اس کی سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ اسی لیے اس کو محدثین نے صحیح قرار دیا ہے۔ اور ’مرسل‘ روایت کسی اور کے نزدیک قابل حجت ہو یا نہ ہو احناف کے نزدیک بہر حال قابل حجت ہے۔^(۳)

(۳) نماز کے دوران آسمان کی طرف نظر اٹھانا

نماز کے دوران آسمان کی طرف نظریں اٹھانا درست نہیں ہے۔ اور اس کے بارے میں حدیث شریف میں بہت سخت وعید آئی ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

« مَا بَالُ أَقْوَامٍ يَرْفَعُونَ أَبْصَارَهُمْ إِلَى السَّمَاءِ فِي صَلَاتِهِمْ ! » فَاشْتَدَّ قَوْلُهُ فِي ذَلِكَ حَتَّى قَالَ: « لَيَنْتَهَنَّ عَنْ ذَلِكَ أَوْ لَيُخْطَفَنَّ أَبْصَارُهُمْ »

”لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ اپنی نماز میں آسمان کی طرف اپنی نظروں کو اٹھاتے ہیں!“ پھر آپ ﷺ نے اس سلسلے میں بہت سخت گفتگو فرمائی، حتیٰ کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”لوگ اس سے باز آ جائیں ورنہ ان کی نظریں اچک لی جائیں گی۔“^(۴)

(۴) نماز میں غیر ضروری حرکت!

بعض لوگ نماز کے دوران غیر ضروری حرکت کرتے رہتے ہیں۔ کبھی خارش کرتے ہیں تو کبھی داڑھی میں ہاتھ

(۱) صحیح ابن خزیمہ: ج ۱، ص: 244، 479، السنن الکبریٰ للبیہقی: ج 2، ص: 30، السنن أبی داود: 759، وصحیحہ الألبانی، (۲) ظفر الأمانی، عبدالحی لکھنوی، ص: 35، (۳) صحیح البخاری: 750،

پھیرنے لگتے ہیں، کبھی انگلیاں چٹاتے ہیں تو کبھی ناخن صاف کرنا شروع کر دیتے ہیں، کبھی اپنے کپڑے سنوارتے ہیں تو کبھی گھڑی کو دیکھنے لگتے ہیں..... اس طرح کی کئی اور بے ہودہ حرکات بھی کثرت سے کرتے ہیں۔ تو یہ سب حرکتیں نماز میں خشوع و خضوع کے بالکل برخلاف ہیں۔ جو شخص اس طرح کی حرکتیں کر رہا ہو اس کے بارے میں یقین کر لینا چاہیے کہ اس کے دل میں خشوع نہیں ہے۔ کیونکہ اگر اس کے دل میں خشوع ہوتا تو وہ ہرگز ایسی حرکتیں اللہ رب العزت کے سامنے کھڑا ہو کر نہ کرتا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ۝ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ ۝﴾

”وہ مومن یقیناً کامیاب ہو گئے جو اپنی نمازوں میں (قلب و جوارح کی) یکسوئی اور انہماک اختیار کرتے ہیں۔“^(۱)
اور رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: « مَا لِي أَرَاكُمْ زَافِعِي أَيْدِيكُمْ كَأَنَّهَا أَذُنَابُ خَيْلٍ شُفَّسَ ، أَسْكُنُوا فِي الصَّلَاةِ »

”مجھے کیا ہو گیا ہے کہ میں تمہیں یوں ہاتھ اٹھائے ہوئے دیکھتا ہوں کہ جیسے سرکش گھوڑوں کی دُمیں ہوں! تم نماز میں سکون اختیار کرو۔“^(۲)

اس حدیث میں رسول اکرم ﷺ نے دائیں بائیں سلام پھیرتے وقت ہاتھ اٹھانے والوں کو سرکش گھوڑوں کے ساتھ تشبیہ دی ہے جو کہ آرام و سکون سے ٹھہرتا نہیں، بلکہ اپنی ٹانگوں اور دُم کو بہت زیادہ حرکت دیتا رہتا ہے۔ ’سکون‘ کا مطلب یہ ہے کہ گھوڑے کی دُم کی طرف بار بار حرکت نہ کیا کرو۔ بلکہ نہایت عاجزی و انکساری کے ساتھ نماز پڑھا کرو۔
[۵] امام کے پیچھے تکبیرات انتقال نہ کہنا

بعض لوگ امام کے پیچھے بالکل ہی خاموش رہتے ہیں۔ حتیٰ کہ اس کے ساتھ تکبیرات انتقال بھی نہیں کہتے۔ اور یہ غلط ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

« إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ ، فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوا ، وَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوا ، وَإِذَا سَجَدَ فَاسْجُدُوا ، وَإِنْ صَلَّى قَائِمًا فَصَلُّوا قَائِمًا »

”بے شک امام اس لیے بنایا گیا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے۔ لہذا جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو۔ اور جب وہ رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو۔ اور جب وہ سجدہ کرے تو تم بھی سجدہ کرو۔ اور اگر وہ کھڑا ہو کر نماز پڑھائے تو تم بھی کھڑے ہو کر نماز پڑھو۔“^(۳)

[۱] للؤمنون: 2، 1: 23، [۲] صحيح مسلم: 430، [۳] صحيح البخاري: 378.

۶۔ ارکان نماز میں عدم اعتدال

بعض حضرات ارکان نماز اعتدال و اطمینان سے مکمل نہیں کرتے، بلکہ جلد بازی کا ارتکاب کرتے ہیں جو نماز کی روح کے سراسر خلاف ہے۔ رکوع میں جاتے ہیں تو پیچھے اور سر کو برابر کیے بغیر ہی جلدی سے کھڑے ہو جاتے ہیں، پھر قوم میں ابھی کمر سیدھی نہیں ہوتی کہ سجدے میں چلے جاتے ہیں، پھر دونوں سجدے بھی جلدی جلدی کرتے ہیں اور ان کے درمیان سیدھے ہو کر اطمینان سے نہیں بیٹھتے۔ ارکان نماز میں اس بے اعتدالی اور عدم اطمینان کی وجہ سے نماز نہیں ہوتی۔ بلکہ نماز پڑھنے کے باوجود بھی ایسے ہوتا ہے جیسے اس نے نماز پڑھی ہی نہیں۔ اسی لیے رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

« لَا تُجْزِئُ صَلَاةُ الرَّجُلِ حَتَّى يُقِيمَ ظَهْرَهُ فِي الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ »

”کسی آدمی کی نماز کفایت نہیں کرتی، یہاں تک کہ وہ رکوع و سجود میں اپنی پیچھے کو سیدھا کرے۔“^①

اور حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص مسجد میں داخل ہوا اور رسول اللہ ﷺ مسجد کے کونے میں تشریف فرما تھے۔ اس شخص نے (جلدی جلدی) نماز پڑھی۔ پھر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کو سلام کیا۔ آپ نے اسے جواب دیا اور فرمایا:

« اِزْجِعْ فَصْلًا فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ » ”لوٹ جاؤ اور نماز پڑھو کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی۔“

وہ پھر گیا اور نماز پڑھی (جس طرح پہلے جلدی جلدی پڑھی تھی) پھر آیا اور سلام کیا۔ رسول اکرم ﷺ نے جواب دیا، پھر فرمایا: « اِزْجِعْ فَصْلًا فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ » ”واپس جاؤ اور نماز پڑھو کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی۔“ لہذا اس شخص نے تیسری بار (بھی جلدی جلدی) نماز پڑھنے کے بعد کہا: یا رسول اللہ! مجھے (نماز پڑھنے کا صحیح طریقہ) سکھلا دیجئے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا:

« إِذَا قُمْتَ إِلَى الصَّلَاةِ فَاسْبِغِ الوُضُوءَ . ثُمَّ اسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ فَكَبِّرْ . ثُمَّ اقْرَأْ بِمَا تيسَّرُ مِنْ الْقُرْآنِ . ثُمَّ ارْكَعْ حَتَّى تَطْمِئِنَّ رَاكِعًا . ثُمَّ ارْفَعْ حَتَّى تُسْتَوِيَ قَائِمًا . ثُمَّ اسْجُدْ حَتَّى تَطْمِئِنَّ سَاجِدًا . ثُمَّ ارْفَعْ حَتَّى تَطْمِئِنَّ جَالِسًا . ثُمَّ اسْجُدْ حَتَّى تَطْمِئِنَّ سَاجِدًا . ثُمَّ ارْفَعْ حَتَّى تَطْمِئِنَّ جَالِسًا) وَفِي رِوَايَةٍ : (ثُمَّ ارْفَعْ حَتَّى تُسْتَوِيَ قَائِمًا . ثُمَّ افْعَلْ ذَلِكَ فِي صَلَاتِكَ كُلِّهَا »

”جب تم نماز کے ارادے سے اٹھو تو (پہلے) خوب اچھی طرح وضو کرو۔ پھر قبلہ رخ کھڑے ہو کر تکبیر

① سنن أبي داود: 855، جامع الترمذی: 265، سنن النسائی: 1028، سنن ابن ماجہ: 870، وصححه الألبانی.

(تحریر) کہو۔ پھر قرآن سے جو تجھے میسر ہو پڑھو۔ پھر رکوع کرو، یہاں تک کہ تم رکوع کی حالت میں مطمئن ہو جاؤ۔ پھر (سر رکوع سے) اٹھاؤ، یہاں تک کہ (قومہ میں) سیدھے کھڑے ہو جاؤ۔ پھر سجدہ کرو، یہاں تک کہ سجدے کی حالت میں اطمینان کر لو۔ پھر (اپنا سر) اٹھاؤ، یہاں تک کہ اطمینان خاطر سے (جلسہ میں) بیٹھ جاؤ۔ پھر (دوسرا) سجدہ کرو، یہاں تک کہ اطمینان خاطر سے سجدہ کر لو، پھر (اپنا سر) اٹھاؤ، یہاں تک کہ اطمینان خاطر سے (جلسہ استراحت میں) بیٹھ جاؤ۔“ اور ایک روایت میں ہے کہ (سر کو سجدے سے) اٹھاؤ، یہاں تک کہ سیدھے کھڑے ہو جاؤ۔ (یعنی اس روایت میں جلسہ استراحت مذکور نہیں۔) پھر اسی طرح اپنی نماز پوری کرو۔“^①

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ

”رسول اکرم ﷺ نماز کا افتتاح تکبیر سے اور قراءت کا آغاز ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ سے کرتے تھے۔ اور جب آپ ﷺ رکوع کرتے تھے تو اپنا سر نہ اوپر اٹھاتے اور نہ ہی نیچے کو جھکاتے تھے بلکہ دونوں کے درمیان رکھتے تھے۔ اور جب آپ ﷺ رکوع سے سر اٹھاتے تھے تو سجدے میں نہیں جاتے تھے یہاں تک کہ بالکل سیدھے کھڑے ہو جاتے۔ اور جب آپ ﷺ سجدے سے سر اٹھاتے تو دوسرے سجدے کے لیے نہیں جاتے تھے یہاں تک کہ بالکل سیدھے بیٹھ جاتے۔ اور ہر دو رکعات کے بعد (التحیات.....) پڑھتے تھے۔ اور اپنا بایاں پاؤں بچھاتے اور دایاں پاؤں کھڑا رکھتے تھے۔ اور آپ ﷺ شیطان کے بیٹھنے کی طرح بیٹھنے سے منع فرماتے تھے۔ (اپنی پنڈلیوں کو کھڑا کیے اور ہاتھوں کو زمین پر رکھے ہوئے سرین کے بل بیٹھنا) اسی طرح آپ ﷺ اس سے منع کرتے تھے کہ کوئی آدمی (سجدے کی حالت میں) درندوں کی طرح اپنے دونوں بازوؤں کو زمین پر بچھائے۔ اور آپ ﷺ نماز کا اختتام سلام کے ساتھ کرتے تھے۔“^②

لہذا رسول اکرم ﷺ کے فرمان اور آپ ﷺ کے طریقہ نماز کی طرح ارکان نماز کو نہایت اطمینان اور اعتدال کے ساتھ پورا کرنا چاہیے۔ ورنہ یہ بات یاد رہنی چاہیے کہ جو شخص اعتدال و اطمینان کے بغیر نماز پڑھتا ہے وہ رسول اکرم ﷺ کے فرمان کے مطابق بدترین چور ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: «أَسْأَلُ النَّاسَ سِرْفَةَ الَّذِي يَسْرِقُ مِنْ صَلَاتِهِ»

”لوگوں میں بدترین چور وہ ہے جو نماز میں سے چوری کرے۔“

تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: کوئی شخص اپنی نماز میں سے کیسے چوری کر سکتا ہے؟

① صحیح البخاری: 757، صحیح مسلم: 397، ② صحیح مسلم: 498۔

تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

« لَا يَتِمُّ رُكُوعُهَا وَلَا سُجُودُهَا » أَوْ قَالَ : « لَا يَقِيمُ صَلَاتَهُ فِي الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ »

”وہ رکوع و سجود کو مکمل نہیں کرتا۔“ یا آپ نے فرمایا: ”وہ رکوع و سجود میں اپنی پیٹھ کو سیدھا نہیں کرتا۔“^①

[7] سات اعضاء پر مکمل سجدہ نہ کرنا

بعض نمازی سجدہ اُن سات اعضاء پر مکمل نہیں کرتے جن پر سجدہ کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ کو دیا۔ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

« أَمَرْتُ أَنْ أَسْجُدَ عَلَى سَبْعَةِ أَغْطَمٍ . عَلَى الْجَنْبَةِ . وَأَشَارَ بِيَدِهِ عَلَى أَنْفِهِ . وَالْيَدَيْنِ . وَالرُّكْبَتَيْنِ . وَأَطْرَافِ الْقَدَمَيْنِ »

”مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سات ہڈیوں پر سجدہ کروں۔ پیشانی پر اور آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ کے ساتھ اپنی ناک کی طرف بھی اشارہ کیا۔ (یعنی پیشانی اور ناک ایک ہی عضو ہوا) اور دو ہاتھوں پر، دو گھٹنوں پر اور پیروں کی انگلیوں پر۔“^②

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پیشانی کے ساتھ ناک کا بھی زمین پر لگنا ضروری ہے۔ اسی طرح دونوں پیروں کی انگلیوں کا بھی۔ جبکہ کئی لوگ صرف پیشانی زمین پر لگاتے ہیں اور ان کی ناک اس سے اٹھی ہوئی ہوتی ہے۔ اور یہ غلط ہے۔ اسی طرح پیروں کی انگلیوں کا زمین پر نہ لگانا بھی غلط ہے۔ اس طرح سجدہ نہیں ہوتا اور جب سجدہ نہ ہو تو نماز نہیں ہوتی۔

[8] سجدے میں اپنے بازوؤں کو زمین پر بچھانا

بعض لوگ سجدے کی حالت میں اپنے بازوؤں کو زمین پر بچھا دیتے ہیں۔ حالانکہ ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ صرف ہتھیلیوں کو زمین پر رکھنا چاہیے اور اپنے بازوؤں کو زمین سے اٹھا کر رکھنا چاہیے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

« اِعْتَدِلُوا فِي السُّجُودِ . وَلَا يَنْسَطُ أَحَدُكُمْ ذِرَاعِيهِ انْبِسَاطَ الْكَلْبِ »

”تم سجدے میں اعتدال اختیار کیا کرو۔ اور تم میں سے کوئی شخص اپنے بازوؤں کو اس طرح نہ بچھائے جیسے کتا بچھاتا ہے۔“^③

① مستند أحمد: 22695 وصححه الأرنؤاط في تحقيق المسند. والالباني في صحيح الترغيب: 524. ② صحيح البخاري: 812، وصحيح مسلم: 490. ③ صحيح البخاري: 822، ومسلم: 493.

(۹) تشہد میں کلمہ شہادت پڑھتے ہوئے انگشت شہادت کو اٹھانا

بعض لوگ تشہد کی حالت میں (التحیات) پڑھتے ہوئے جب کلمہ شہادت پر پہنچتے ہیں تو اسی میں بس ایک بار انگشت شہادت کو اٹھاتے اور پھر نیچے کو کر لیتے ہیں۔ اور یہ غلط ہے۔ کیونکہ رسول اکرم ﷺ پورے تشہد میں، شروع سے لے کر آخر تک اپنی انگلی شہادت کو حرکت دیتے رہتے تھے۔ جیسا کہ وائل بن حجر رحمہ اللہ رسول اکرم ﷺ کی نماز کی کیفیت کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ

« ثُمَّ رَفَعَ إصْبَعَهُ . وَزَانَهُ يُحَرِّكُهَا . يَدْعُو بِهَا »

”پھر آپ ﷺ نے اپنے انگلی کو اٹھایا۔ اور میں نے آپ ﷺ کو دیکھا کہ آپ اسے حرکت دے رہے ہیں اور اس کے ساتھ دعا بھی کر رہے ہیں۔“^①

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ پورے تشہد میں اپنی انگشت شہادت کو اٹھا کر اسے حرکت دیتے رہتے تھے۔ لہذا اسی طرح کرنا چاہیے۔

۱۴۱) باجماعت نماز میں نمازیوں کی اخطاء

(۱) جماعت کے ساتھ ملنے کے لیے دوڑتے ہوئے آنا

بعض لوگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ امام کے ساتھ رکوع کی حالت میں ملنے کے لیے جلد بازی کرتے ہیں اور دوڑتے ہوئے آکر صف میں مل جاتے ہیں۔ اور یہ غلط ہے۔ کیونکہ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«إِذَا سَمِعْتُمْ الْإِقَامَةَ فَامْشُوا إِلَى الصَّلَاةِ. وَغَلِبْكُمْ بِالسَّكِينَةِ وَالْوَقَارِ . وَلَا تُسْرِعُوا، فَمَا أَذَرَكْتُمْ فَصَلُّوا . وَمَا فَاتَكُمْ فَاتِمُوا »

”جب تم اقامت کی آواز سن لو تو نماز کی طرف چل کر آؤ۔ اور تم پر لازم ہے کہ تم ہر سکون اور باوقار انداز سے چلو۔ اور جلدی نہ کرو۔ پھر تم جو نماز (امام کے ساتھ) پا لو وہ پڑھ لو۔ اور جو نماز تم سے فوت ہو جائے تو اسے مکمل کر لو۔“^②

(۲) اقامت ہونے کے بعد سنتیں شروع کرنا، یا سنتیں جاری رکھنا

بعض لوگ اقامت ہونے کے بعد فرض نماز کی جماعت میں شامل ہونے کی بجائے سنتیں پڑھنا شروع کر دیتے ہیں۔ یا اگر وہ سنتیں پڑھ رہے ہوں اور ادھر اقامت ہو جائے تو وہ پھر بھی سنتیں جاری رکھتے ہیں۔ اور یہ غلط ہے۔ کیونکہ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

① سنن النسائي: 1268، 889، وصححه الألباني . ② صحيح البخاري: 236.

((إِذَا أَقِيَمَتِ الصَّلَاةُ ، فَلَا صَلَاةَ إِلَّا الْمَكْتُوبَةُ))

”جب نماز کی اقامت کہہ دی جائے تو پھر کوئی نماز نہیں ہوتی سوائے فرض نماز کے۔“^①

اور جہاں تک فجر کی سنتوں کا تعلق ہے تو وہ اگر فرض نماز سے پہلے نہ پڑھی جائیں تو نماز کے بعد بھی پڑھی جاسکتی ہیں۔ جیسا کہ قیس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو نماز کی اقامت کہی گئی۔ چنانچہ میں نے آپ ﷺ کے ساتھ فجر کی نماز ادا کی۔ پھر نبی ﷺ جانے لگے تو مجھے دیکھا کہ میں نماز پڑھ رہا ہوں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ((مَهْلًا يَا قَيْسُ! أَصَلَّاتَانِ مَعًا؟)) ”ٹھہر جاؤ قیس! کیا دو نمازیں ایک ساتھ؟“ تو میں نے کہا: یا رسول اللہ! میں نے فجر کی دو سنتیں نہیں پڑھی تھیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ((فَلَا إِذْنِي)) ”تب کوئی حرج نہیں ہے۔“^②

(3) صفوں کو سیدھا نہ کرنا یا مل کر کھڑا نہ ہونا

بعض نمازی صفوں کو سیدھا کرنے اور مل کر کھڑے ہونے کا اہتمام نہیں کرتے۔ چنانچہ وہ صفوں میں آگے پیچھے ہوتے ہیں یا ان کے درمیان خالی جگہ ہوتی ہے۔ اور یہ غلط ہے۔ کیونکہ رسول اکرم ﷺ فرمایا کرتے تھے:

((سَوُّوْا صُفُوفَكُمْ فَإِنَّ تَسْوِيَةَ الصُّفُوفِ مِنْ إِقَامَةِ الصَّلَاةِ))

”تم صفیں برابر کرو، کیونکہ صفیں برابر کرنا نماز کو قائم کرنے سے ہے۔“^③

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: ((سَوُّوْا صُفُوفَكُمْ فَإِنَّ تَسْوِيَةَ الصَّفِّ مِنْ تِمَامِ الصَّلَاةِ))

”تم صفیں برابر کرو، کیونکہ صف کو برابر کرنا نماز کو مکمل کرنے سے ہے۔“^④

ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ نماز اُس وقت قائم نہیں ہوتی یا اُس وقت تک مکمل نہیں ہوتی جب تک اس میں صفیں سیدھی نہ کی جائیں۔ اور رسول اکرم ﷺ صفیں سیدھی کرنے کا اس قدر اہتمام کرتے تھے کہ نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ((كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُسَوِّي صُفُوفَنَا حَتَّى كَأَنَّمَا يُسَوِّي بِنَا الْقِدَاحَ))

”رسول اللہ ﷺ ہماری صفوں کو سیدھا کرتے تھے، حتیٰ ایسے لگتا تھا کہ جیسے آپ ان کے ساتھ تیر کی لکڑی کو سیدھا کر رہے ہوں۔“^⑤

اور ابو مسعود کہتے ہیں کہ ((كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَمْسَحُ مَنَاكِبَنَا فِي الصَّلَاةِ وَيَقُولُ : اسْتَوُوا وَلَا تَخْتَلِفُوا فَتَخْتَلِفَ قُلُوبُكُمْ))

”رسول اللہ ﷺ نماز میں ہمارے کندھوں پر ہاتھ پھرتے ہوئے فرماتے تھے: تم برابر ہو جاؤ اور آگے پیچھے نہ ہٹو ورنہ تمہارے دلوں میں پھوٹ پڑ جائے گی۔“^⑥

① صحیح مسلم: 710، جامع الترمذی: 422، وصححه الألبانی، صحیح البخاری: 723، صحیح مسلم:

433، صحیح مسلم: 436، صحیح مسلم: 432.

اور جہاں تک مل کر کھڑے ہونے کا تعلق ہے تو رسول اکرم ﷺ فرماتے تھے:

« أَقْبِمُوا الصُّفُوفَ وَخَازُوا بَيْنَ الْمَنَائِبِ وَسُدُّوا الْخَلَلَ ، وَلْيَتَوَّأ بِأَيْدِي إِخْوَانِكُمْ ، وَلَا تَذَرُوا فُرُجَاتِ الشَّيْطَانِ . وَمَنْ وَصَلَ صَفًّا وَصَلَهُ اللَّهُ وَمَنْ قَطَعَ صَفًّا قَطَعَهُ اللَّهُ »

”تم صفیں سیدھی کرو۔ اور کندھوں کو برابر کرو۔ اور خالی جگہ کو پُر کرو۔ اور اپنے بھائیوں کو صف میں ملنے کا موقع فراہم کرو۔ اور شیطان کے لیے خالی جگہیں نہ چھوڑو۔ اور جو شخص صف کو ملائے گا اسے اللہ تعالیٰ (اپنی رحمت سے) ملائے گا۔ اور جو صف کو کاٹے گا اسے اللہ تعالیٰ (اپنی رحمت سے) کاٹ دے گا۔“^①

اسی طرح جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

« أَلَا تَصُفُّونَ كَمَا تُصَفِّ الْمَلَائِكَةُ عِنْدَ رَبِّهَا ؟ »

”کیا تم اس طرح صفیں نہیں بناتے جس طرح فرشتے اپنے رب کے ہاں صفیں بناتے ہیں؟“

تو ہم نے کہا: یا رسول اللہ! فرشتے اپنے رب کے ہاں کیسے صفیں بناتے ہیں؟

تو آپ ﷺ نے فرمایا:

« يَتَّبِعُونَ الصُّفُوفَ الْأُولَ فَالْأُولَ ، وَيَتَرَاصُّونَ فِي الصُّفُوفِ »

”وہ صفیں مکمل کرتے ہیں، پہلے آگے والی صف اور پھر اس کے بعد والی۔ اور وہ صفوں میں ایک دوسرے کے ساتھ مل کر کھڑے ہوتے ہیں۔“^②

اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اس کی کیفیت بیان کرتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کس طرح صفوں میں مل کر

کھڑے ہوتے تھے۔ وہ فرماتے ہیں: « كَانَ أَحَدُنَا يَنْزِقُ مَنَكِبَهُ بِمَنَكِبِ صَاحِبِهِ وَقَدَمَهُ بِقَدَمِهِ »

”ہم میں سے ہر ایک اپنے کندھے کو اپنے ساتھی کے کندھے سے اور اپنے قدموں کو اس کے قدموں سے ملاتا تھا۔“^③

اور نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ « فَرَأَيْتُ الرَّجُلَ يَلْزِقُ مَنَكِبَهُ بِمَنَكِبِ صَاحِبِهِ وَرُكْبَتَهُ بِرُكْبَةِ

صَاحِبِهِ وَكَعْبَتَهُ بِكَعْبَةِ صَاحِبِهِ »

”چنانچہ میں نے دیکھا کہ ہر آدمی اپنا کندھا اپنے ساتھی کے کندھے سے اور اپنا گھٹنا اس کے گھٹنے سے اور اپنا

مخنیہ اس کے مخنیہ سے ملائے ہوئے ہے۔“^④

① مسنن أبي داود: 666، وصححه الألباني. ② صحيح مسلم: 430. ③ صحيح البخاري: 725. ④ صحيح ذكره

البخاري تعليقا، ورواه أبي داود: 662، واللفظه، وصححه الألباني.

عزیز القدر بھائیو! صف میں خالی جگہ کو پُر کرنے کی اتنی زیادہ فضیلت ہے کہ رسول اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

«مَنْ سَدَّ فُرْجَةَ رَفَعَهُ اللَّهُ بِهَا دَرَجَةً، وَبُنِيَ لَهُ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ»

”جو شخص خالی جگہ کو پُر کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس کا ایک درجہ بلند کر دیتا ہے اور اس کے لیے جنت میں ایک گھر بنا دیتا ہے۔“^(۱)

لہذا ہمیں یہ فضیلت حاصل کرنے کے لیے صفوں میں موجود خلاء کو پُر کرنا چاہیے۔ تاہم یہ بات یاد رہے کہ اپنے پیروں کو اپنے جسم کی ضخامت کے مطابق ہی کھولنا چاہیے۔ اس سے زیادہ نہیں۔ کیونکہ اگر اپنے جسم کی ضخامت سے زیادہ اپنے پیروں کو دائیں بائیں پھیلائیں گے تو اس کے نتیجے میں کندھوں کے ساتھ کندھے نہیں ملیں گے۔ لہذا حد سے تجاوز نہیں کرنا چاہیے اور غلو سے اجتناب کرتے ہوئے اعتدال کی راہ اپنانی چاہیے۔

نماز کے اعمال میں امام سے سبقت لے جانا

بعض لوگ نماز میں جلد بازی کرتے ہیں اور امام سے سبقت لے جاتے ہیں۔ مثلاً امام سے پہلے رکوع یا سجدے میں چلے جاتے ہیں، یا اس سے پہلے رکوع سے سر اٹھا لیتے ہیں، یا اس سے پہلے سجدے سے سر اٹھا لیتے ہیں..... اور یہ بالکل غلط ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اکرم ﷺ نے ہمیں نماز پڑھائی، پھر ہماری طرف منہ کر کے ارشاد فرمایا:

«يَا أَيُّهَا النَّاسُ! إِنِّي إِمَامُكُمْ فَلَا تُسَبِّحُونِي بِالرُّكُوعِ وَلَا بِالسُّجُودِ وَلَا بِالْقِيَامِ وَلَا بِالنُّصْرَةِ» ----

”اے لوگو! میں تمہارا امام ہوں، لہذا تم مجھ سے سبقت نہ لے جاؤ رکوع میں اور نہ سجدے میں۔ اور نہ قیام میں اور نہ سلام پھیرنے میں۔“^(۲)

اور امام سے سبقت لے جانا اتنا سنگین جرم ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«أَمَّا يَخْشَى الَّذِي يَرْفَعُ رَأْسَهُ قَبْلَ الْإِمَامِ أَنْ يُخَوَّلَ اللَّهُ رَأْسَهُ وَأَنْ جَمَارٍ»

”وہ شخص جو امام سے پہلے اپنا سر اٹھاتا ہے تو کیا وہ اگر سے نہیں ڈرتا کہ اللہ تعالیٰ اُس کے سر کو گدھے کے سر میں تبدیل کر دے؟“^(۳)

(۱) رواہ الطبرانی، وصححه الألبانی فی صحیح الترغیب: 505، (۲) صحیح مسلم: 426، (۳) صحیح البخاری: 691، صحیح مسلم: 427 واللفظ له.

اور حضرت براء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

« كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا قَالَ سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ : لَمْ يَحْنِ أَحَدٌ مِنَّا ظَهْرَهُ حَتَّى يَفْعَ النَّبِيُّ ﷺ سَاجِدًا ، ثُمَّ نَفَعَ سُجُودًا بَعْدَهُ »

”رسول اللہ ﷺ جب سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ کہتے تو ہم میں سے کوئی شخص اپنی پیٹھ کو نہیں جھکاتا تھا، یہاں تک کہ آپ ﷺ سجدے میں چلے جاتے۔ پھر ہم بھی سجدے میں گر جاتے۔“⁽¹⁾

[5] پیاز یا لہسن وغیرہ کھا کر باجماعت نماز پڑھنے کے لیے مسجد میں آنا

بعض لوگ کچا پیاز یا کچا لہسن کھانے کے بعد سیدھے مسجد میں چلے آتے ہیں، جبکہ ان کے منہ سے بدبو آ رہی ہوتی ہے۔ پھر اسی حالت میں وہ نماز بھی پڑھتے ہیں جو کہ بہت بڑی غلطی ہے۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے :

« مَنْ أَكَلَ ثُومًا أَوْ بَصَلًا فَلْيَعْتَزِلْنَا ، أَوْ لْيَعْتَزِلْ مَسْجِدَنَا ، وَلْيَقْعُدْ فِي بَيْتِهِ »

”جو شخص لہسن یا پیاز کھائے تو وہ ہم سے دور رہے (یا آپ نے فرمایا) وہ ہماری مسجد سے دور رہے اور اپنے گھر میں ہی بیٹھا رہے۔“⁽²⁾

دوسری روایت میں ہے « مَنْ أَكَلَ الْبَصَلَ وَالْثُومَ وَالْكَرَاثَ فَلَا يَقْضِ مَسْجِدَنَا فَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ

تَتَأَذَى مِنْهُ بِتَأْذَى مَنْهُ يَتَأَذَى »

”جو شخص پیاز، لہسن اور کڑی کھائے تو وہ ہماری مسجد کے قریب تک نہ آئے کیونکہ فرشتوں کو بھی ہر اس چیز سے

اذیت پہنچتی ہے جس سے انسانوں کو اذیت پہنچتی ہے۔“⁽³⁾

محترم حضرات! ہم نے نمازیوں کی بہت ساری اخطاء کی نشاندہی کر دی ہے۔ لہذا تمام مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ

ان اخطاء سے بچیں اور نمازیں سنت رسول ﷺ کے مطابق پڑھیں۔ تاکہ ان کی نمازیں اللہ تعالیٰ کے ہاں قابل قبول

ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو اس کی توفیق دے۔

(1) صحیح البخاری: 690. (2) صحیح البخاری: 855، صحیح مسلم: 564. (3) صحیح مسلم: 564.

دوسرا خطبہ

محترم حضرات! آخر میں نمازیوں کی کچھ مزید اخطاء کی نشاندہی بھی کرتے چلیں۔

ان اخطاء میں سے ایک یہ ہے کہ بعض لوگ باجماعت نماز کے دوران اونچی آواز سے اذکار اور دعائیں وغیرہ پڑھتے ہیں۔ جس سے ان کے دائیں بائیں نمازیوں کو تشویش ہوتی ہے۔ اور ایسا کرنا غلط ہے۔ کیونکہ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

« أَلَا إِنَّ كُلَّكُمْ مُنَاجٍ رَبَّهُ . فَلَا يُؤَذِّينَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا . وَلَا يَرْفَعُونَ بَعْضُكُمْ عَلَى بَعْضٍ بِالْقِرَاءَةِ »

”خبردار! تم میں سے ہر ایک اپنے رب سے سرگوشی کرنے والا ہے۔ لہذا تم میں سے کوئی بھی کسی کو ایذا نہ پہنچائے اور تم میں سے کوئی کسی پر قراءت کے ساتھ آواز بلند نہ کرے۔“^(۱)

اسی طرح آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: « أَمَّا إِنْ أَخَذَكُمْ إِذَا قَامَ فِي الصَّلَاةِ فَإِنَّهُ يُنَاجِي رَبَّهُ . فَلْيَغْلَمْ أَخَذَكُمْ مَا يُنَاجِي رَبَّهُ . وَلَا يَجْهَرْ بَعْضُكُمْ عَلَى بَعْضٍ بِالْقِرَاءَةِ فِي الصَّلَاةِ »

”خبردار! تم میں سے کوئی شخص جب نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو وہ اپنے رب سے سرگوشی کرتا ہے۔ لہذا اسے جان لینا چاہیے کہ وہ اپنے رب سے کیا سرگوشی کرتا ہے۔ اور تم میں سے کوئی بھی کسی پر نماز میں قراءت کے ساتھ آواز بلند نہ کرے۔“^(۲)

(۲) موبائل ٹیلیفون کو کھلا چھوڑ دینا

بعض لوگ نماز کی حالت میں اپنے موبائل فون کھلے چھوڑ دیتے ہیں، چنانچہ جب انہیں کوئی فون کرتا ہے تو ان کے موبائل سے عجیب و غریب آوازیں آنا شروع ہو جاتی ہیں۔ حتیٰ کہ بعض لوگوں کے موبائلوں سے موسیقی اور گانوں کی آوازیں آنا شروع ہو جاتی ہیں۔ اور یہ بہت بڑی غلطی ہے۔ کیونکہ اس سے پوری مسجد میں تشویش ہوتی ہے اور تمام نمازیوں کی نماز میں خلل پڑتا ہے۔ اور تم بالائے ستم یہ ہے کہ اگر کسی کا فون بجنا شروع ہو تو صاحب فون اسے بند کرنا بھی گوارا نہیں کرتا، بلکہ بجتے بجتے جب تک وہ خود خاموش نہ ہو وہ اسے خاموش نہیں کراتا۔

ہونا یہ چاہیے کہ نماز سے پہلے ہی تمام لوگ اپنے اپنے فون سیٹ بند کر دیں، یا کم از کم سائلیٹ پہ کر دیں، تاکہ اگر کسی کا فون آئے بھی تو اس کی آواز نہ نکلے۔ لیکن اگر کوئی شخص ایسا کرنا بھول جائے، پھر نماز کے دوران اس کے فون

(۱) صحیح ابی داؤد: 1334، وصحیحہ الالبانی. (۲) مسند احمد: 4928، وصحیحہ الارناؤط.

کی گھنٹی بجے یا اس سے کسی قسم کی آواز آنا شروع ہو جائے تو وہ اسے فوراً اپنی جیب سے نکالے اور نماز کے دوران ہی اسے بند کر دے۔ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ کیونکہ قراءت قرآن کے ساتھ اگر اپنی آواز کو بلند نہیں کیا جاسکتا تو اس شیطانی آواز کو چلتا رہنے دینا کیسے درست ہو سکتا ہے؟

حیرت ہے ان لوگوں پر جو نماز کے اندر بھی شیطانی آوازوں کو بند نہیں کرتے۔ ایک طرف قرآن پڑھا جا رہا ہوتا ہے تو دوسری طرف شیطان کی آواز بجنا شروع ہو جاتی ہے! ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے اور اپنے موبائلوں کی شیطانی آوازوں سے اللہ کے گھروں کو پاک رکھنا چاہیے۔

[۳] سلام پھیرتے ہی اپنی جگہ کوچھوڑ دینا

بہت سارے لوگ جماعت ختم ہوتے ہی اپنی جگہ چھوڑ کر یا تو چلے جاتے ہیں یا دائیں بائیں یا آگے پیچھے ہو جاتے ہیں۔ اور اپنی جگہ پر بیٹھے رہنے اور وہیں اذکار مکمل کرنے کی جو فضیلت ہے وہ اس سے محروم ہو جاتے ہیں۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«.....وَالْمَلَأَنكِهَ يُصَلُّونَ عَلَى أَحَدِكُمْ مَا ذَامَ فِي مَجْلِسِهِ الَّذِي صَلَّي فِيهِ ، يَقُولُونَ : اَللّٰهُمَّ

ارْحَمْهُ ، اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ ، اَللّٰهُمَّ ثَبِّ عَلَيْهِ ، مَا لَمْ يُؤْذِ فِيهِ ، مَا لَمْ يُخْذِثْ فِيهِ»

”اور تم میں سے کوئی جب تک اپنی جائے نماز پر بیٹھا رہتا ہے فرشتے اس کے لیے دعا کرتے رہتے ہیں۔ وہ

کہتے ہیں: اے اللہ! اس پر رحم فرما۔ اے اللہ! اس کی مغفرت فرما۔ اے اللہ! اس کی توبہ قبول فرما۔ وہ بدستور

اسی طرح دعا کرتے رہتے ہیں جب تک کہ وہ کسی کو اذیت نہ دے یا اس کا وضو نہ ٹوٹ جائے۔“^①

لہذا فرض نماز کے بعد نمازی کو اپنی جگہ پر ہی بیٹھے رہنا چاہیے۔ اور اسی دوران اسے مسنون اذکار مکمل کرنے

چاہئیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی نمازیں قبول فرمائے۔ اور ہمیں اپنی منشاء اور رسول اکرم ﷺ کی سنت کے مطابق

نمازیں پڑھنے کی توفیق دے۔

حدیث «لا ضرر ولا ضرار» کی تشریح

اہم عناصر خطبہ

۱) حدیث «لا ضرر ولا ضرار» کا معنی

۲) کچھ بنیادی باتیں

۳) ضرر پہنچانا حرام ہے

۴) ضرر رسانی کی مختلف صورتیں

۵) سگریٹ نوشی کرنا حرام ہے

پہلا خطبہ

محترم حضرات! رسول اکرم ﷺ کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے جامع کلمات کہنے کی صلاحیت سے نوازا۔ یعنی ایسے کلمات کہ جو بظاہر مختصر اور چھوٹے نظر آتے ہیں لیکن اپنے معانی و مطالب کے لحاظ سے بہت وسعت رکھتے ہیں۔

آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ: «فُضِّلْتُ عَلَى الْأَنْبِيَاءِ بِسِتٍّ: أُعْطِيتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ، وَنُصِرْتُ بِالرُّغْبِ، وَأُجِلْتُ لِي الْغَنَائِمُ، وَجُعِلَتْ لِي الْأَرْضُ طَهُورًا وَمَسْجِدًا، وَأُرْسِلْتُ إِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً، وَخُبِمَ بِيَ النَّبِيُّونَ»

”مجھے چھ چیزوں کے ساتھ دوسرے انبیاء پر فضیلت دی گئی ہے: ایک یہ کہ مجھے جامع کلمات دئے گئے ہیں، دوسری یہ کہ رعب و دبدبہ کے ساتھ میری مدد کی گئی ہے، تیسری یہ کہ میرے لیے مال غنیمت حلال کیا گیا ہے، چوتھی یہ کہ زمین کو میرے لیے پاکیزگی حاصل کرنے کا ذریعہ اور مسجد بنایا گیا ہے، پانچویں یہ کہ مجھے تمام لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے اور چھٹی یہ کہ میرے ذریعے سلسلہ نبوت کو ختم کیا گیا ہے۔“^(۱)

رسول اکرم ﷺ کے انھی جامع کلمات میں سے ایک حدیث آج ہمارے خطبہ جمعہ کا موضوع ہے۔ اور وہ حدیث یہ ہے:

حضرت عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فیصلہ فرمایا کہ
 «لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ»^(۱)

اس حدیث کا معنی تین طرح سے کیا گیا ہے:

① (لا ضرر): بغیر قصد کے کسی کو نقصان پہنچانا جائز نہیں ہے۔ اور (لا ضرار): قصد کسی کو نقصان پہنچانا درست نہیں ہے۔

اس کی مثال یہ ہے کہ ایک آدمی اپنے اُن درختوں کو پانی پلائے جو اس کے گھر میں موجود ہوں۔ بظاہر اس میں کوئی حرج نہیں ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ اس سے اس کے پڑوسی کا کوئی نقصان نہ ہو۔ اگر وہ درختوں کو پانی پلا کر پڑوسی کو نقصان پہنچانے کا ارادہ کرے تو بھی ناجائز۔ اور اگر وہ قصد نہ کرے لیکن پڑوسی کا نقصان از خود ہو جائے تو بھی ناجائز۔

② (لا ضرر): کوئی شخص اپنے آپ کو نقصان نہ پہنچائے۔ اور (لا ضرار): کسی اور کو بھی نقصان نہ پہنچائے۔ اسی سے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی ہے: ﴿لَا تَضَارَّ وَالِدَاكَ يُوْكَلُ هَاوِلًا مَوْلُودًا لَهُ يُوْكَلُ﴾

”نہ تو والدہ کو اس کے بچہ کی وجہ سے نقصان پہنچایا جائے اور نہ ہی باپ کو اس کے بچہ کی وجہ سے۔“^(۲)

ماں کو اس کے بچہ کی وجہ سے نقصان پہنچانے کی کئی صورتیں ہیں۔ پہلی یہ ہے کہ اس سے بچے کو دودھ تو پلویا جائے لیکن اس کے اخراجات نہ اٹھائے جائیں۔ دوسری یہ ہے کہ ممتا کی ماری ماں سے اس کا بچہ چھین کر کسی اور کو دودھ پلانے کو دے دیا جائے۔ اور تیسری یہ ہے کہ ماں کو زبردستی دودھ پلانے پر مجبور کیا جائے۔

اور باپ کو اس کے بچہ کی وجہ سے نقصان پہنچانے کی ایک صورت یہ ہے کہ اس سے اس کی استطاعت و قدرت سے زیادہ اخراجات کا مطالبہ کیا جائے۔ یا ماں صرف تنگ کرنے کے لیے بچے کو دودھ پلانے سے انکار کر دے۔

③ (لا ضرر): کوئی شخص پہل کرتے ہوئے کسی کو نقصان نہ پہنچائے۔ اور (لا ضرار): اگر کوئی اسے نقصان پہنچائے تو وہ نقصان پہنچانے والے کو بدلے میں اپنے نقصان سے زیادہ نقصان نہ پہنچائے۔ یعنی اگر وہ بدلہ لینا چاہتا ہو تو اتنا ہی نقصان پہنچائے جتنا اس کا ہوا ہو۔ اس سے زیادہ نہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِهِ ۖ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصَّابِرِينَ ۝﴾

”اور اگر تمہیں بدلہ لینا ہو تو اتنا ہی بدلہ لو جتنی تم پر زیادتی ہوئی ہو۔ اور اگر برداشت کر جاؤ تو صبر کرنے والوں کے لیے یہی بات بہتر ہے۔“^(۱)

محترم حضرات! اس حدیث کے جو تین مفہوم ہم نے ابھی بیان کیے ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ اس حدیث کی رو سے نہ اپنے آپ کو نقصان پہنچانا جائز ہے اور نہ کسی اور کو نقصان پہنچانا درست ہے۔ نہ قصداً اور نہ ہی بغیر قصد کے۔ نہ پہل کرتے ہوئے اور نہ ہی بدلہ لیتے ہوئے۔ ہر حال میں نقصان پہنچانا حرام ہے۔

اس حدیث کی بنیاد تین چار باتوں پر ہے۔

(۱) پہلی بات یہ ہے کہ ہر شخص اپنے بھائی کے لیے وہی چیز پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہو۔ اور اس چیز کو ناپسند کرے جو اپنے لیے ناپسند کرتا ہو۔ کیونکہ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ»

”تم میں سے کوئی شخص ایمان والا نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لیے بھی وہی چیز پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔“^(۲)

یہ حدیث مسند احمد میں ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے:

«لَا يَبْلُغُ عَبْدٌ حَقِيقَةَ الْإِيمَانِ حَتَّى يُحِبَّ لِلنَّاسِ مَا يُحِبُّهُ لِنَفْسِهِ مِنَ الْخَيْرِ»

”بندہ ایمان کی حقیقت کو نہیں پہنچ سکتا جب تک وہ لوگوں کے لیے بھی اُسی خیر کو پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہو۔“^(۳)

اور یہ ایمان کی واجب خصلتوں میں سے ایک بہت بڑی خصلت ہے۔ اگر اس میں یہ خصلت نہ ہو تو اس کی وجہ سے اس کے ایمان میں کمی واقع ہو جاتی ہے۔ اسی لیے نبی کریم ﷺ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہا تھا:

«أَحِبِّ لِلنَّاسِ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِكَ تَكُنْ مُؤْمِنًا» ”تم لوگوں کے لیے بھی وہی چیز پسند کیا کرو جو اپنے لیے پسند کرتے ہو، اس طرح تم سچے مومن بن جاؤ گے۔“^(۴)

جبکہ ایک روایت میں «تَكُنْ مُسْلِمًا» کے الفاظ ہیں۔ یعنی اگر تمہارے اندر یہ صفت ہوگی تو ”تم سچے مسلمان بن جاؤ گے۔“^(۵)

مسلمان بھائیو اور بہنو! یہ خصلت اتنی عظیم ہے کہ اس کے دو بہت ہی اہم ثمرات ہیں:

① النحل 16: 126، ② صحيح البخاري: 13 وصحيح مسلم: 45، ③ مسند أحمد: 206/3 بلفظ مقارب، وابن حبان في صحيحه: 471/1، ④ سنن ابن ماجه: 4217، وحسنه الألباني، ⑤ جامع الترمذي: 2305، وحسنه الألباني.

﴿جنت کا داخلہ﴾

نبی کریم ﷺ نے ایک صحابی کو اسی خصلت کے نتیجے میں جنت کی خوشخبری دی۔ جیسا کہ مسند احمد میں یزید بن اسد القسریؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ان سے پوچھا: ”کیا تم جنت کو پسند کرتے ہو؟“ انھوں نے کہا: جی ہاں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: « فَأَجِبْتُ لِأَخِيكَ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِكَ » ”تب تم اپنے بھائی کے لیے اسی چیز کو پسند کیا کرو جو اپنے لیے پسند کرتے ہو۔“⁽¹⁾

﴿جہنم سے دوری﴾

عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ کا بیان ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

« مَنْ أَحَبَّ أَنْ يُرَخَّجَ عَنِ النَّارِ وَيَدْخُلَ الْجَنَّةَ فَلْنُدْرِكْهُ مَبِيتُهُ وَهُوَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ . وَيَأْتِي إِلَى النَّاسِ الَّذِي يُحِبُّ أَنْ يُؤْتَى إِلَيْهِ »

”جو شخص یہ پسند کرتا ہو کہ اسے جہنم کی آگ سے دور رکھا جائے اور اسے جنت میں داخل کر دیا جائے تو اس کی موت اس حالت میں آنی چاہیے کہ وہ اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہو اور وہ لوگوں سے ایسا سلوک کرتا ہو جو ان کی طرف سے اپنے لیے پسند کرتا ہو۔“⁽²⁾

یعنی وہ لوگوں کی طرف سے یہ پسند کرتا ہے کہ اس سے اچھا سلوک کیا جائے اور اسے کوئی نقصان نہ پہنچایا جائے۔ اسی طرح اسے خود بھی لوگوں کے لیے بھی یہ بات پسند کرنی چاہیے کہ وہ ان سے اچھا سلوک کرے اور انھیں کسی طرح سے نقصان نہ پہنچائے۔

﴿دوسری بات یہ ہے کہ ہر مسلمان کو دوسرے مسلمان کا خیر خواہ ہونا چاہیے۔ اور جب وہ ہر مسلمان کا خیر خواہ ہوگا تو وہ یقیناً کسی کو نقصان نہیں پہنچائے گا۔﴾

حضرت جریر بن عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ

« بَايَعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ عَلَى إِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ وَالنُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ »

”میں نے رسول اللہ ﷺ کی بیعت کی کہ نماز ہمیشہ پڑھتا رہوں گا، زکاۃ دیتا رہوں گا اور ہر مسلمان کے لیے خیر خواہی کروں گا۔“⁽³⁾

﴿تیسری بات یہ ہے کہ سچا مسلمان تو ہوتا ہی وہ ہے جس کے ہاتھوں اور اس کی زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ

(1) مستدرک: 70/4، صحیح مسلم: 1844، صحیح البخاری: 1401، صحیح مسلم: 56.

رہیں۔ یعنی وہ نہ اپنی زبان سے کسی کو تکلیف پہنچائے اور نہ اپنے ہاتھوں سے کسی کو نقصان پہنچائے۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَبَدَنِهِ»

”سچا مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور اس کے ہاتھ سے مسلمان سلامت رہیں۔“^①

بلکہ ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ سے سوال کیا گیا کہ مسلمانوں میں سب سے افضل کون ہے؟ تو آپ ﷺ نے

ارشاد فرمایا: «مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَبَدَنِهِ»

”جس کی زبان اور اس کے ہاتھ سے دیگر مسلمان محفوظ رہیں۔“^②

④ چوتھی بات یہ ہے کہ نقصان پہنچانا حرام ہے، چاہے انفرادی ہو یا اجتماعی ہو۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾

”بلاشبہ ہم نے رسولوں کو واضح دلائل دے کر بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی تاکہ لوگ

انصاف پر قائم رہیں۔“^③

’میزان‘ سے مراد ماپ تول کے پیمانے ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ نے اس لیے نازل کیا کہ لین دین کے معاملات میں

لوگوں کے باہمی حقوق کا تحفظ ہو اور کوئی کسی پر نہ زیادتی کر سکے اور نہ نقصان پہنچا سکے۔

اسی طرح ’میزان‘ سے مراد اللہ رب العزت کا وہ نظام عدل و انصاف بھی ہے جو تمام لوگوں کے تمام حقوق کی

حفاظت کرتا ہے اور معاشرے میں ظلم و زیادتی اور نقصان سے بچنے کی ضمانت دیتا ہے۔ اور یہ نظام ایسا عادلانہ نظام

ہے کہ نہ صرف مسلمانوں کو ان کے حقوق کے تحفظ کی گارنٹی دیتا ہے بلکہ انہیں یہ بھی حکم دیتا ہے کہ وہ معاشرے میں مقیم

کافروں کو بھی ظلم و زیادتی سے بچائیں اور ان کے حقوق کی حفاظت کریں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ أَن صَدَّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ أَن تَعْتَدُوا﴾

”اور اگر کسی قوم نے تمہیں مسجد حرام سے روک دیا ہو تو اس کی دشمنی تمہیں ناروا زیادتی پر مشتمل نہ کرے۔“^④

اسی طرح اس کا فرمان ہے: ﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾

”اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر مشتمل نہ کرے کہ تم عدل کو چھوڑ دو۔ عدل کیا کرو، یہی بات تقویٰ

کے قریب تر ہے۔“^⑤

① صحیح البخاری: 10، صحیح مسلم: 41، ② صحیح مسلم: 40، ③ الحدید: 25، ④ المائدہ: 2، ⑤ المائدہ: 8.

اور جہاں تک اللہ ایمان کو ایذا یا ضرر پہنچانے کا تعلق ہے تو یہ بہت بڑا گناہ ہے اور اس کا انجام بھی بہت ہی خطرناک ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوا فَقَدْ احْتَمَلُوا بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُّبِينًا﴾^①
 ”اور جو لوگ مومن مردوں اور مومنہ عورتوں کو ان کے کسی قصور کے بغیر تکلیف پہنچاتے ہیں تو انھوں نے بہتان اور صریح گناہ کا بار اٹھا لیا۔“^②

اور رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«مَنْ ضَارَّ ضَارَّ اللَّهُ بِهِ، وَمَنْ شَاقَّ شَاقَّ اللَّهُ بِهِ»

”جو آدمی کسی کو نقصان پہنچاتا ہے تو اللہ اس کو نقصان پہنچاتا ہے۔ اور جو کسی کے لیے مشقت پیدا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے مشقت پیدا کرتا ہے۔“^③

ضرر تو شرعی احکام میں بھی ممنوع ہے ﴿﴾

معزز سامعین! یہ ایک حقیقت ہے کہ اللہ رب العزت اپنے بندوں کے لیے شرعی احکام میں ضرر کو پسند نہیں کرتا۔ چنانچہ جس مسئلہ میں کسی کے لیے کوئی ضرر ہو تو اس میں اللہ تعالیٰ آسانیاں پیدا کر دیتا ہے۔ اور اس کی کئی مثالیں دی جاسکتی ہیں۔

① اللہ تعالیٰ نے نماز کے لیے وضو کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ

«لَا يَقْبَلُ اللَّهُ صَلَاةَ أَحَدِكُمْ إِذَا اخْدَثَ حَتَّى يَتَوَضَّأَ»

”جب تم میں سے کسی شخص کا وضو ٹوٹ جائے تو اللہ تعالیٰ اس کی نماز قبول نہیں کرتا، یہاں تک کہ وہ وضو کر لے۔“^④
 لیکن اگر کوئی شخص مریض ہو اور پانی کا استعمال اس کے لیے مضر ہو، یا وہ صحت مند ہو لیکن پانی تک پہنچنے میں کوئی نقصان دہ چیز حائل ہو تو اسے تیمم کرنے کی اجازت ہے۔

② اللہ تعالیٰ نے نماز کھڑے ہو کر پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ اس کا فرمان ہے:

﴿حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَىٰ ذُكُّوْهُمَا لِلَّهِ قَدَتَيْنِ﴾

”اپنی سب نمازوں کی حفاظت کیا کرو، خاص طور پر درمیانی نماز کی۔ اور اللہ کے حضور ادب سے کھڑے ہوا کرو۔“^⑤

① الاحزاب 33:58، سنن ابن ماجہ: 2342، وحسنہ الالبانی، ② صحیح البخاری: 6954، وصحیح مسلم: 225، البقرة 2:238.

لیکن اگر کوئی شخص کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھ سکتا ہو تو اسے بیٹھ کر پڑھنے کی اجازت ہے۔ اور اگر وہ بیٹھ کر بھی نہ پڑھ سکتا ہو تو اسے لیٹ کر پڑھنے کی اجازت ہے۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

« صِلْ قَائِمًا ، فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِيعْ فَقَاعِدًا ، فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِيعْ فَعَلَى جَنْبٍ »

”تم کھڑے ہو کر نماز پڑھو، اگر استطاعت نہ ہو تو بیٹھ کر پڑھ لو۔ اور اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو اپنے پہلو پر لیٹ کر پڑھ لو۔“^①

③ امام کے لیے جائز ہے کہ وہ نماز میں لمبی قراءت کرے۔ لیکن اگر اس کی طوالت سے مقتدیوں میں سے کسی کا نقصان ہو تو اس پر لازم ہے کہ وہ اس کا لحاظ کرتے ہوئے نماز مختصر پڑھائے۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: « يَا أَيُّهَا النَّاسُ ! إِنْ مِنْكُمْ مُتَقَرِّرِينَ ، فَمَنْ أَمَّ النَّاسَ فَلْيَتَجَوَّزْ ، فَإِنْ خَلَفَهُ الضَّعِيفُ وَالْكَبِيرُ وَذَا الْحَاجَةِ »

”اے لوگو! بے شک تم میں سے کچھ لوگ نفرت پیدا کرنے والے ہیں۔ لہذا جو شخص لوگوں کا امام بنے تو وہ مختصر نماز پڑھائے۔ کیونکہ اس کے پیچھے کمزور، عمر رسیدہ اور محتاج ہوتا ہے۔“^②

ان تینوں مثالوں سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو شرعی احکام میں اپنے بندوں کا ضرر پسند نہیں ہے۔ اور جہاں ضرر کا اندیشہ ہوتا ہے وہاں اللہ تعالیٰ سہولت دے دیتا ہے۔ لہذا ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ دوسروں کو ضرر پہنچانے سے پرہیز کرے۔

ضرر رسائی کی مختلف صورتیں اور ان کی مثالیں

عزیزان محترم! ضرر کا شرعی حکم بیان کرنے کے بعد اب ہم ضرر رسائی کی مختلف صورتیں بیان کرتے ہیں جو کہ آج کل ہمارے معاشرے میں بری طرح سے منتشر ہیں۔

لین دین کے معاملات میں ضرر پہنچانا

① لین دین کے معاملات میں دھوکہ دہی کے ذریعے ضرر پہنچانے کی کوشش کی جاتی ہے، اشیائے خورد و نوش وغیرہ میں ملاوٹ کر کے خریداروں کو دھوکہ دیا جاتا ہے، جبکہ ایسا کرنا حرام ہے۔

ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ کا گزر غلہ کے ایک ڈھیر سے ہوا۔ آپ ﷺ نے اس کے اندر ہاتھ ڈالا تو آپ کی

① صحیح البخاری: 1117، ② صحیح البخاری: 704، صحیح مسلم: 466۔

انگلیوں کو نمی سی محسوس ہوئی۔ آپ ﷺ نے پوچھا! غلہ بیچنے والے! یہ کیا ہے؟ اس نے کہا: اللہ کے رسول! اسے بارش نے ترک کر دیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

« أَفَلَا جَعَلْتَهُ فَوْقَ الطَّغَامِ كَيْ يَرَاهُ النَّاسُ ! مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنِّي »

”اے تم نے اوپر کیوں نہ رکھا تا کہ لوگ اسے دیکھ لیتے! جو شخص دھوکہ کرے اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔“^①

② بائع جس چیز کو بیچنا چاہتا ہو اگر اس میں کوئی عیب ہو تو وہ اسے چھپا کر خریدار کو ضرر پہنچاتا ہے۔ جبکہ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ « الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ . وَلَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ بَاْعٌ مِنْ أَخِيهِ بَيْنَعَا فِيهِ غَيْبٌ إِلَّا بَيِّنَةٌ لَهُ »

”مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ اور کسی مسلمان کے لیے حلال نہیں کہ وہ اپنے بھائی کو عیب والی چیز فروخت کرے، سوائے اس کے کہ وہ اس عیب کو اس کے لیے بیان کر دے۔“^②

③ ماپ تول میں کمی بیشی کر کے خریداروں کو ضرر پہنچایا جاتا ہے، جبکہ ایسا کرنے والوں کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ ۝ اِذَا كُنَّا لِلْآنَاسِ سَوَافٍ ۝ اِذَا كَالُوهُمْ اَوْ زَنَوْهُمْ يُخْسِرُونَ ۝﴾

”ہلاکت و بربادی ہے ماپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے۔ جو جب لوگوں سے ماپ کر لیتے ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں اور جب انھیں ماپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو کم دیتے ہیں۔“^③

④ ضروری ساز و سامان کی قیمت بہت زیادہ بڑھا چڑھا کر مقرر کر کے صارفین کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ حالانکہ بیچنے والے لوگ خود اپنے لیے یہ پسند نہیں کرتے کہ انھیں ان کی ضرورت کا ساز و سامان مہنگے داموں ملے۔ لہذا وہ اپنے بھائیوں کے لیے اس چیز کو کیسے پسند کرتے ہیں؟ جبکہ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی جو ہم پہلے بھی ذکر کر چکے ہیں، یہاں آپ کو دوبارہ اس کی یاد دہانی کراتے چلیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

« لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ »

”تم میں سے کوئی شخص ایمان والا نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لیے بھی وہی چیز پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔“^④

⑤ بعض اوقات بائع کی مجبوری سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کے ساز و سامان کی قیمت کم سے کم لگا کر اسے نقصان پہنچایا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ اخوت و بھائی چارہ کے تقاضوں کے خلاف ہے۔ کیونکہ اس کے تقاضوں میں سے

① صحیح مسلم: 102، سنن ابن ماجہ: 2246، وصحیحہ الالبانی: ⑤ للطفین 1: 83-3، صحیح البخاری: 13
وصحیح مسلم: 45.

ایک تقاضا یہ ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا خیر خواہ ہو۔ جبکہ مجبور آدمی کی مجبوری سے ناجائز فائدہ اٹھانا اس کی خیر خواہی نہیں بلکہ بدخواہی ہے۔ اور یہ کسی بھی مسلمان کے لیے ہرگز جائز نہیں ہے۔

[6] خوردنی اشیاء کو ضرورت کے وقت سٹور کر کے صارفین کو شدید نقصان سے دوچار کیا جاتا ہے۔ جبکہ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

« لَا يَخْتَكِرُ إِلَّا خَاطِلٌ » "ایک گناہ گار ہی ذخیرہ اندوزی کرتا ہے۔" [1]

[7] بولی کی بیع میں خریدار کو دھوکہ دینے کے لیے بائع کے کچھ ایجنٹ وغیرہ اس کے ساز و سامان کی قیمت خواہ مخواہ بڑھاتے چلے جاتے ہیں۔ جس سے ان کا مقصد خریدار کو زیادہ سے زیادہ قیمت پر پھانستا ہوتا ہے۔ اس بیع کے ذریعے یقینی طور پر خریداروں کو نقصان ہوتا ہے۔ جس سے رسول اکرم ﷺ نے منع کیا ہے۔

[8] بعض لوگ اپنے کسی کام کے لیے کچھ مزدور لاتے ہیں اور انھیں ایک مقررہ مقدار میں مزدوری دینے کا وعدہ کر کے ان سے کام لے لیتے ہیں، پھر جب مزدوری دینے کا وقت آتا ہے تو وہ انھیں مزدوری نہیں دیتے اور کل پرسوں آنے کا کہہ کر ٹال دیتے ہیں۔ اس کے بعد انھیں خوب ذلیل و خوار کرتے ہیں۔ اس سے یقینی طور پر مزدوروں کا نقصان ہوتا ہے۔ اور ایسا کرنا حرام ہے۔ کیونکہ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

« أَعْطُوا الْأَجِيرَ أَجْرَهُ قَبْلَ أَنْ يَجْفَ عَرَفُهُ »

"مزدور کو اس کی مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے دے دیا کرو۔" [2]

[9] بعض لوگ قرض لے کر اسے اس کے مقرر شدہ وقت پر ادا نہیں کرتے۔ بلکہ خواہ مخواہ ٹال مٹول کرتے اور اپنے ان محسنوں کو ذلیل کرتے ہیں جو انھیں قرضہ دے کر ان پر احسان کرتے ہیں۔ اور اس سے یقینی طور پر قرضہ دینے والوں کو ضرر پہنچایا جاتا ہے جو کہ حرام ہے۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

« مَطْلُ الْغَنِيِّ ظَلَمٌ -- »

"مالدار آدمی کا ٹال مٹول کرنا ظلم ہے۔" [3]

[10] بعض لوگ لین دین کے معاملات میں کاتب یا گواہ کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ کاتب کو جھوٹ لکھنے اور گواہ کو جھوٹی گواہی دینے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ پھر کاتب کو اس کا معاوضہ ادا نہیں کیا جاتا یا پورا نہیں دیا جاتا۔ اس سے یقیناً ان دونوں کو ضرر پہنچتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے:

« وَلَا يُضَارَّ كَاتِبٌ وَلَا شَهِيدٌ » وَإِنْ تَفَعَّلُوا فَإِنَّهُ فَسُوقٌ بِكُمْ ﴿

① صحیح مسلم: 1605، سنن ابن ماجہ: 2443، وصحیحہ الالبانی: ⑤ صحیح البخاری: 2400، وصحیح

مسلم: 1564.

”اور نہ کاتب کو ضرر پہنچایا جائے اور نہ گواہ کو۔ اور اگر تم ایسا کرو گے تو گناہ کرو گے۔“^(۱)

خاوند بیوی کا ایک دوسرے کو ضرر پہنچانا

شریعت میں خاوند بیوی کے حقوق و فرائض متعین کر دیے گئے ہیں۔ اگر دونوں فریق اپنے اپنے فرائض پوری دیانتداری کے ساتھ ادا کرتے رہیں تو ازدواجی زندگی بہت خوب گزرتی ہے۔ لیکن اگر دونوں میں سے کسی ایک کی طرف سے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی ہو تو ازدواجی زندگی اجیرن بن جاتی ہے۔ اور جس فریق کی طرف سے کوتاہی ہوتی ہے وہ اپنی کوتاہی کے ساتھ دوسرے فریق کو ضرر پہنچاتا ہے۔ اور چونکہ ایسی کوتاہی عموماً خاوند کی جانب سے ہوتی ہے، اس لیے ہم پہلے بیوی کو ضرر پہنچانے کی چند صورتیں عرض کرتے ہیں۔

(۱) خاوند پر لازم ہے کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ اچھے اور بھلے طریقے سے بود و باش اور رہنا سہنا رکھے تاکہ دونوں کی زندگی خوشگوار انداز سے گزرتی رہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِنْ كُفَّتُمْ عَنْهُنَّ فَعَسَىٰ أَنْ تَكُونُوا شِغَاوًا يَجْعَلُ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا ۝﴾
”اور ان کے ساتھ بھلے طریقے سے زندگی بسر کرو۔ اگر وہ تمہیں ناپسند ہوں تو ہو سکتا ہے کہ کوئی چیز تمہیں تو ناگوار ہو مگر اللہ تعالیٰ نے اس میں بہت بھلائی رکھ دی ہو۔“^(۲)

اسی طرح رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: «إِسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا»

”تم عورتوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا کرو۔“^(۳)

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے اس واضح حکم کے باوجود کئی لوگ اپنی بیویوں کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کرتے، بلکہ بد سلوکی کرتے ہیں اور بغیر کسی سبب کے انہیں نقصان پہنچاتے ہیں۔ ایسا طرز عمل اختیار کرنا یقیناً اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے واضح احکامات کے خلاف ہے۔

(۲) ایک آدمی اپنی بیوی کو نہ گھر میں بسانے پر آمادہ ہو اور نہ اسے طلاق دینے پر تیار ہو۔ اس سے اس کی بیوی کو یقیناً ضرر پہنچتا ہے کیونکہ وہ درمیان میں لٹکی رہتی ہے، نہ اپنے خاوند کے پیار و محبت کو حاصل کر پاتی ہے اور نہ ہی وہ اس سے آزاد ہو کر دوسرے خاوند سے شادی کر سکتی ہے۔ اور اس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے:

﴿وَلَا تُنْسِكُوهُنَّ ضَرَارًا يَتَعْتَدُ ۚ وَءَاوَمِنْ يَفْعَلُ ذَلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ﴾

جو شخص ایسا کرے گا تو وہ اپنے اوپر ظلم کرے گا۔“^(۴)

(۳) ایک شخص اپنی بیوی کے پاس نہ جانے کی قسم کھا لیتا ہے۔ ایسے شخص کے لیے حکم یہ ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ چار ماہ تک اس سے دور رہ سکتا ہے۔ لیکن اگر وہ اس سے زیادہ عرصے تک اس کے قریب نہ جانے کی قسم کھالے یا وہ قسم تو چار ماہ کی ہی کھائے لیکن چار ماہ گزرنے کے باوجود بھی اس کے پاس نہ جائے تو یقیناً اس سے اس کی بیوی کو ضرر پہنچتا ہے۔

(۴) ایک آدمی اپنے گھر سے دور کسی دوسرے شہر یا کسی دوسرے ملک میں کام کرتا ہو۔ اور استطاعت کے باوجود لمبے عرصے تک اپنی بیوی کے پاس نہ جاتا ہو تو اس میں بھی بیوی کو یقیناً ضرر پہنچتا ہے۔

(۵) بیوی کا نان و نفقہ خاوند کے ذمہ ہے۔ اگر خاوند اس کا جائز نان و نفقہ اسے نہ دے تو اس میں یقیناً اس کے لیے ضرر ہے۔

بیوی کو نقصان پہنچانے کی ان تمام صورتوں سے پرہیز کرنا چاہیے۔ کیونکہ نقصان پہنچانا حرام ہے۔

اسی طرح بعض بیویاں بھی اپنے خاوندوں کو ضرر پہنچاتی ہیں۔ مثلاً ان کی خدمت نہیں کرتیں، یا ان سے بدکلامی کرتی ہیں اور ان کا ادب و احترام نہیں کرتیں، یا انھیں استمتاع کا موقع نہیں دیتیں، یا ناجائز خرچوں کا مطالبہ کر کے انھیں پریشان کرتی ہیں، یا ان کا مال ان کی اجازت کے بغیر برباد کر دیتی ہیں۔ یہ اور اس طرح کی دیگر تمام صورتیں جن میں خاوند کو ضرر پہنچایا جاتا ہے، ممنوع ہیں۔ لہذا ان سے بچنا ضروری ہے۔

وصیت میں ضرر پہنچانا

بعض لوگ مرنے سے پہلے وصیت میں ظلم کر جاتے ہیں۔ مثلاً کسی وارث کے حق میں وصیت کر جاتے ہیں۔ جس سے دیگر ورثاء کو ضرر پہنچتا ہے۔ جبکہ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ «إِنَّ اللَّهَ قَدْ أَغْطَى كُلَّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ فَلَا وَصِيَّةَ لِبَوَارِثٍ» ”بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر حق والے کا حق مقرر کر دیا ہے۔ لہذا وارث کے لیے وصیت نہیں ہے۔“^(۱)

یا وصیت ایک تہائی سے زیادہ کی کر جاتے ہیں۔ اس سے بھی ورثاء کو ضرر پہنچتا ہے۔ جبکہ رسول اکرم ﷺ نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو زیادہ سے زیادہ ایک تہائی حصے کی وصیت کرنے کی اجازت دی تھی بلکہ اسے بھی آپ ﷺ نے ”کثیر“ قرار دیا۔^(۲)

وصیت میں بعض ورثاء پر ظلم کرنا اور انھیں ضرر پہنچانا اتنا بڑا گناہ ہے کہ اس طرح کی ظالمانہ وصیت کی وجہ سے وصیت کرنے والا زندگی بھر کے اعمال برباد کر بیٹھتا ہے۔

اور اللہ رب العزت نے وصیت میں ضرر پہنچانے سے منع کیا ہے۔ اس کا فرمان ہے:

① سنن ابی داود: 2872، و سنن النسائی: 3641، و صحیحہ الالبانی، (۲) صحیح البخاری: 2742، و صحیح

﴿مَنْ بَعْدَ وَصِيَّتِي يُؤْطَى بِهَا أَوْ دِينَ غَيْرَ مُضَآءٍ﴾

”یہ تقسیم وصیت کی تعمیل اور قرضہ کی ادائیگی کے بعد ہوگی۔ اس میں کسی کو نقصان نہ پہنچے۔“^①

پڑوسیوں کو ضرر پہنچانا

بعض لوگ اپنے پڑوسیوں کے حقوق کا خیال نہیں کرتے اور انھیں کسی نہ کسی طرح سے نقصان اور اذیت پہنچاتے رہتے ہیں۔ جبکہ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ

« مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَنْفُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَصْنُفْ . وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ جَارَهُ . »

”جو شخص اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو تو وہ خیر ہی کی بات کرے، ورنہ خاموش رہے۔ اور جو شخص اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو تو وہ اپنے پڑوسی کی عزت کرے.....“^②

اس حدیث کو بخاری و مسلم نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مختلف طرق کے ساتھ روایت کیا ہے۔ اس کے بعض طرق میں یہ الفاظ ہیں: « فَلَا يُؤْذِ جَارَهُ » ”تو وہ اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ پہنچائے۔“^③

پڑوسی کو اذیت پہنچانا حرام ہے کیونکہ کسی عام آدمی کو ناجائز طور پر تکلیف پہنچانا تو حرام ہے ہی لیکن پڑوسی کے حق میں اس کی حرمت اور زیادہ سخت ہے۔

اور صحیح بخاری میں ابو شریح رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

« وَاللَّهِ لَا يُؤْمِنُ . وَاللَّهِ لَا يُؤْمِنُ . وَاللَّهِ لَا يُؤْمِنُ »

”اللہ کی قسم وہ مومن نہیں ہو سکتا، اللہ کی قسم وہ مومن نہیں ہو سکتا، اللہ کی قسم وہ مومن نہیں ہو سکتا۔“

پوچھا گیا: یا رسول اللہ! کون؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: « الَّذِي لَا يَأْمَنُ جَارَهُ بَوَائِقِهِ »

”جس کی شرارتوں سے اس کا پڑوسی محفوظ نہ ہو۔“^④

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کو بتایا گیا کہ فلاں عورت رات کو قیام کرتی اور دن کو روزہ رکھتی ہے۔ اس کے علاوہ اور کئی نیک کام اور صدقہ وغیرہ بھی کرتی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اپنی زبان کے ساتھ اپنے پڑوسیوں کو ایذا بھی پہنچاتی ہے۔ تو آنحضور ﷺ نے فرمایا: ”اس میں کوئی خیر نہیں ہے۔ وہ جہنم والوں میں سے ہے۔“ پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ کو بتایا کہ فلاں عورت صرف فرض نمازیں پڑھتی ہے، رمضان کے

① النساء: 12:4. صحيح البخاري: 6018، 6019، وصحيح مسلم: 47. ② صحيح البخاري: 6474. ③ صحيح البخاري: 6016.

روزے رکھتی ہے، خیر کے ٹکڑوں ساتھ صدقہ کرتی ہے، اس کے علاوہ کوئی اور عبادت نہیں کرتی۔ لیکن وہ کسی پڑوسی وغیرہ کو ایذا نہیں پہنچاتی۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”وہ جنت والوں میں سے ہے۔“^(۱)

اور صحیحین میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«لَا يَمْنَعَنَّ أَحَدُكُمْ جَارَهُ أَنْ يَغْرِزَ خَشَبَةً عَلَى جِدَارِهِ»

”تم میں سے کوئی شخص اپنے پڑوسی کو اس سے منع نہ کرے کہ وہ اس کی دیوار میں لکڑی گاڑے۔“^(۲)

خلاصہ یہ ہے کہ اپنے پڑوسیوں کو ضرر پہنچانے سے بچنا انتہائی ضروری ہے۔

عام مسلمانوں کو ضرر پہنچانا

بعض لوگ اپنے مسلمان بھائیوں کو ضرر پہنچاتے ہیں۔ اور اس کی متعدد صورتیں ہیں۔ مثلاً

(۱) مسلمانوں کی عام گزرگاہوں اور ان کے عام راستوں پر گندی اور تکلیف دہ چیزیں پھینک دیتے ہیں جس سے گزرنے والے ہر انسان کو ضرر پہنچتا ہے۔ جبکہ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«إِيَّاكُمْ وَالْجُلُوسَ فِي الطُّرُقَاتِ»

”تم راستوں پر بیٹھنے سے بچو۔“

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: یا رسول اللہ! ہمارے لیے مجلسیں ضروری ہیں جن میں بیٹھ کر ہم ایک دوسرے سے تبادلہ

خیال کرتے ہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: «إِذَا أَبَيْتُمْ إِلَّا الْمَجْلِسَ فَأَعْطُوا الطَّرِيقَ حَقَّهُ»

”اگر تم ضرور بیٹھنا چاہتے ہو تو راستے کا حق ادا کیا کرو۔“

انھوں نے کہا: یا رسول اللہ! راستے کا حق کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«غَضُّ الْبَصَرِ . وَكَفُّ الْأَذَى . وَزُدُّ السَّلَامَ . وَالْأَمْرُ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْيُ عَنِ الْمُنْكَرِ»

”نظروں کو جھکانا، کسی کو تکلیف نہ پہنچانا، سلام کا جواب دینا، نیکی کا حکم دینا اور برائی سے منع کرنا۔“^(۳)

لہذا راستے کے ان حقوق کا خیال رکھنا چاہیے۔

(۲) بعض لوگ عمومی گزرگاہوں اور راستوں پر قضائے حاجت کرتے ہیں جس سے گزرنے والوں کو یقیناً ضرر پہنچتا

ہے۔ جبکہ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«إِنْقُوا اللَّعَانَيْنِ» ”تم لعنت کا سبب بننے والے دو امور سے بچتے رہنا۔“

① مسند أحمد: 440/2 المستدرک للحاکم: 166/4. ② صحیح البخاری: 2463، وصحیح مسلم: 1609۔ واللفظ له.

③ صحیح البخاری: 6229، صحیح مسلم: 2121.

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: یا رسول اللہ! وہ دو کام کیا ہیں؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«الَّذِي يَتَخَلَّى فِي طَرِيقِ النَّاسِ أَوْ فِي ظِلِّهِمْ»

”لوگوں کے راستوں پر پیشاپ یا خانہ کرنا یا ان کے وہ سایہ دار جگہ جہاں وہ آرام کرتے ہیں اس پر تھائے حاجت کرنا۔“^①

③ سرکاری محکموں میں کام کرنے والے حضرات عام لوگوں کے مختلف کاموں کو آسان سے آسان تر کرنے کی بجائے ان میں رکاوٹ بنتے ہیں یا انھیں خواہ مخواہ لیٹ کرتے ہیں اور انھیں ادھر ادھر رسوا کرتے ہیں۔ جو کام چند منٹوں میں ہو سکتا ہے اس پر کئی کئی گھنٹے لگا دیتے ہیں۔ اور جو کام چند گھنٹوں میں ہو سکتا ہے اسے وہ کئی کئی دن تک ٹھہرتے ہیں۔ اور جو کام دو چار دنوں میں مکمل ہو سکتا ہے اسے وہ مہینوں میں مکمل کرتے ہیں۔ اس سے یقیناً عام لوگوں کو بے جا طور پر ضرر پہنچتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ عام مسلمانوں کو ضرر پہنچانے سے مکمل طور پر بچنا چاہیے۔ کیونکہ سچا مسلمان تو ہوتا ہی وہ ہے جس کی زبان اور اس کے ہاتھ سے دیگر مسلمان محفوظ رہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق دے۔

دوسرا خطبہ

محترم حضرات! آخر میں ہم ایک ایسے کام کا ذکر کرتے ہیں کہ جس سے اپنے آپ کو اور دوسروں کو بیک وقت ضرر پہنچتا ہے۔ اور وہ ہے سگریٹ نوشی۔

سگریٹ نوشی ایسا مرض ہے کہ ہمارے معاشرے میں بری طرح سے پھیلا ہوا ہے۔ اور باوجود اس کے کہ خود سگریٹ نوشی کرنے والے بھی مانتے ہیں کہ اس سے انھیں اور جن کو ان کی سگریٹ کا دھواں جاتا ہے، سب کو ضرر پہنچتا ہے، پھر بھی وہ سگریٹ نوشی کو پوری ڈھٹائی سے جاری رکھنے پر بضد ہیں۔ جبکہ سگریٹ نوشی قرآن و حدیث کی روشنی میں واضح طور پر حرام ہے۔

سب سے پہلے یہی حدیث جو آج ہمارے خطبہ جمعہ کا موضوع ہے یعنی «لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ»، اس سے پتہ چلتا ہے کہ اپنے آپ کو اور دوسروں کو ضرر پہنچانا حرام ہے۔

اس کے علاوہ قرآن و حدیث کے دیگر دلائل بھی ہم اختصار کے ساتھ پیش خدمت کرتے ہیں۔

① اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: «وَيُحِلُّ لَكُمْ الظِّلَّاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِنَّ الْغُلَبَاتِ»

”اور وہ (محمد ﷺ) پاکیزہ چیزوں کو حلال بتاتے ہیں اور گندی چیزوں کو ان پر حرام فرماتے ہیں۔“^②

جبکہ سگریٹ گندی، بد بودار اور نقصان دہ چیزوں میں سے ایک ہے۔

② اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ﴾

”اور اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو۔“^①

جبکہ سگریٹ کینسر وغیرہ جیسی مہلک بیماریوں کا سبب بنتی ہے۔

③ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ﴾ ”اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو۔“^②

جبکہ سگریٹ نوشی جان لیوا ثابت ہوتی ہے۔

④ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :

﴿وَلَا تُبْذِرْ تَبْذِيرًا ۚ إِنَّ الْمُبْذِرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيْطَانِ﴾

”اور فضول اور بے جا خرچ نہ کرو۔ بے شک فضول خرچی کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہوتے ہیں۔“^③

جبکہ سگریٹ نوشی کرنے میں مال برباد ہوتا ہے۔

⑤ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے :

«إِنَّ اللَّهَ كَرِهَ لَكُمْ ثَلَاثًا: قَبِيلٌ وَقَالَ وَأَضَاعَ الْمَالِ وَكَثْرَةُ السُّؤَالِ»

”بے شک اللہ تعالیٰ کو تمہاری تین چیزیں ناپسند ہیں: قبیل، ضائع کرنا اور زیادہ سوالات کرنا۔“^④

جبکہ سگریٹ نوشی سے مال ضائع ہوتا ہے۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: «كُلُّ أُمَّتِي مُعَاْفِي إِلَّا الْمُجَاهِدِينَ»

”میری امت کے سارے لوگوں کو معاف کر دیا جائے گا سوائے ان کے جو کھلم کھلا گناہ کرتے ہیں۔“^⑤

یعنی تمام صحیح مسلمانوں کو جب اللہ چاہے گا معاف کر دے گا، لیکن کھلم کھلا گناہ کرنے والوں کو جیسا کہ سگریٹ نوشی

کرنے والے ہیں انہیں معاف نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ وہ سب کے سامنے سگریٹ نوشی کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ سے نہیں

ڈرتے اور دوسروں کو بھی اس برے کام پر حوصلہ دلاتے ہیں۔

⑥ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے :

«مَنْ أَكَلَ ثَوْمًا أَوْ بَصَلًا فَلْيَعْتَزِلْنَا وَلْيَعْتَزِلْ مَسْجِدَنَا وَلْيَقْعُدْ فِي بَيْتِهِ»

”جو شخص (کچا) لہسن یا پیاز کھالے تو وہ ہمارے قریب نہ آئے اور ہماری مسجد سے دور رہے۔ اور اپنے گھر

① البقرة: 195، ② النساء: 29، ③ الإسراء: 17، 26، 27، ④ صحيح البخاري، وصحيح مسلم، ⑤ صحيح البخاري،

وصحيح مسلم.

میں بیٹھا رہے۔“^①

جبکہ سگریٹ کی بد بولہسن اور پیاز سے بھی زیادہ تکلیف دہ ہوتی ہے !!

﴿رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: «مَا أَسْكَرَ كُنْفُوزُهُ فَقَلِيلُهُ حَرَامٌ»﴾

”جس چیز کی زیادہ مقدار نشہ آور ہو اس کی تھوڑی مقدار بھی حرام ہے۔“^②

جبکہ سگریٹ کی زیادہ مقدار نشہ آور ہوتی ہے۔ خاص طور پر ایسے شخص کے لیے جو اس کا عادی نہ ہو۔

قرآن و حدیث کے دلائل کے بعد دو عقلی دلائل

⑧ اگر آپ کے منہ پر کوئی شخص پھونک مار دے تو آپ اس سے لڑنے کے لیے تیار ہو جائیں گے۔ یا است پائل سمجھ کر نظر انداز کر دیں گے۔ تو اس شخص کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے جو آپ کے منہ میں بدبودار اور زہر آلود دھواں چھوڑتا رہتا ہے؟ فیصلہ آپ خود کر لیں۔

⑨ کوئی شخص اگر ایک روپے کو آگ لگا کر جلا ڈالے تو آپ اسے پاگل کہنے میں دیر نہیں لگائیں گے۔ تو اس شخص کے متعلق آپ کیا کہیں گے جو ہزاروں روپے سے سگریٹ خریدتا ہے۔ پھر انھیں سلگا کر پھونک دیتا ہے۔ اور گویا اپنے ہاتھوں انھیں آگ لگا دیتا ہے؟ اس کا بھی فیصلہ آپ خود کر لیں۔

محترم حضرات! جو دس دلائل ہم نے ذکر کیے ہیں ان سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ سگریٹ نوشی حرام ہے اور یہ نہ صرف سگریٹ نوشی کرنے والوں کے لیے مضر ہے بلکہ ان کے لیے بھی شدید ضرر کا باعث بنتی ہے جن کو اس کا زہر آلود دھواں پہنچتا ہے۔ اس کے علاوہ سگریٹ نوشی کرنے والے لوگ ان فرشتوں کے لیے بھی اذیت کا سبب بنتے ہیں جو ان کے اعمال کو نوٹ کرنے پر مامور ہیں۔ کیونکہ صحیح حدیث میں ہے کہ فرشتوں کو بھی ہر اس چیز سے اذیت پہنچتی ہے جس سے بنو آدم کو اذیت پہنچتی ہے۔ لہذا جو لوگ اس خطرناک مرض میں مبتلا ہیں انھیں فوری طور پر توبہ کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ سب کو توفیق دے۔

محترم حضرات! آج جس حدیث کو ہم نے موضوع خطبہ بنایا اس کی رو سے ضرر پہنچانے کی تمام صورتیں حرام ہیں۔ اپنے آپ کو بھی اور دوسروں کو بھی۔ قصداً بھی اور بغیر قصد کے بھی۔ لہذا ایسی تمام صورتوں سے پرہیز کرنا چاہیے جن میں اپنا ضرر ہو یا دوسروں کا ہو۔ اللہ تعالیٰ سب کو اس کی توفیق دے۔

① صحیح البخاری، و صحیح مسلم، ② مسند احمد یا سند صحیح،

آلاتِ موسیقی اور گانا بجانا ایک بہت بڑی گتہ

اہم عناصر خطبہ

- ① حرمتِ آلاتِ موسیقی و گانا بجانا
- ② قرآن و حدیث میں حرمتِ موسیقی کے دلائل
- ③ موسیقی کے بارے میں ائمہ اربعہ کا موقف
- ④ موسیقی کے نقصانات
- ⑤ کیا موسیقی روح کی غذا ہے!
- ⑥ موسیقی کے جواز کا فتویٰ دینے والے لوگوں کے بعض شبہات اور ان کا جواب
- ⑦ 'دف' کے استعمال کی شرعی حدود و قیود
- ⑧ موسیقی کے متعلق اہل ایمان کا موقف کیا ہونا چاہیے؟

پہلا خطبہ

محترم حضرات! جیسے جیسے ہم عہدِ نبوت سے دور ہوتے جا رہے ہیں ویسے ویسے دین کی اجنبیت میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے اور لوگ دینِ اسلام سے دور ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ اس کا اہم سبب یہ ہے کہ لوگ دینی علم کی طرف متوجہ نہیں ہو رہے، ان کی پوری توجہ دنیاوی علم اور اعلیٰ سے اعلیٰ ڈگریوں کے حصول پر مرکوز ہے۔ ان کا مطمع نظر زیادہ سے زیادہ دنیاوی آسائشوں کو حاصل کرنا اور اپنے اور اپنے بیوی بچوں کے مستقبل کو زیادہ سے زیادہ 'محفوظ' بنانا ہے۔ ان کی تمنا ہے کہ 'بنک بیلنس' اتنا ہو جائے کہ آنے والی نسل کی ضرورتوں کے لیے پورا ہو جائے! وہ اپنی ان بڑی بڑی خواہشات کو پورا کرنے کے لیے جو جدوجہد اور تنگ و دو کر رہے ہیں اور جس طرح دن رات محنت کر رہے ہیں اس کی وجہ سے وہ دین سے مکمل طور پر یا کافی حد تک غافل ہو چکے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ نکل رہا ہے کہ وہ اور ان کے اہل و عیال دین کے بنیادی مسائل اور حلال و حرام کے بارے میں بالکل جاہل ہیں۔

اس پر مستزاد یہ کہ منبر و محراب کے متولی حضرات میں سے بہت سارے لوگوں نے اپنے خطبات وغیرہ میں سامعین کرام کو قصوں، کہانیوں کا عادی بنا دیا ہے اور دین کے بنیادی اور اہم ترین مسائل پر بہت کم گفتگو فرماتے ہیں۔ اور ان میں سے کئی لوگ ایسے بھی ہیں کہ جو حق گوئی سے کام نہیں لیتے اور لوگوں کی خواہشات کو سامنے رکھتے ہوئے ان کے مزاج اور شوق کے مطابق ہی بات کرتے ہیں۔ اور چونکہ پیٹ بھی ساتھ لگا ہوا ہے اور بیوی بچوں کی ضرورتوں کو بھی پورا کرنا ہوتا ہے اس لیے وہ سامعین کے مزاج کے خلاف بات کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتے!! انھی حضرات کے 'کستمان حق' کی وجہ سے گمراہی ہے کہ بڑھتی ہی چلی جا رہی ہے۔ طوفان بد تمیزی ہے کہ تھمنے کا نام ہی نہیں لے رہا! اور ستم بالائے ستم یہ ہے کہ انھی میں سے کئی لوگ حرام کو حرام کہنے کی بجائے حرام کو حلال کہنے کی بھی جسارت کر جاتے ہیں! یوں وہ خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کی بھی گمراہی کا سبب بنتے ہیں۔

اس کے علاوہ 'میڈیا' آج کل اتنی ترقی کر چکا ہے کہ ایک ہی ملک میں بیسیوں چینل مختلف ناموں کے ساتھ زہر افشانی کر رہے ہیں۔ اور ملکی چینلز کے علاوہ غیر ملکی چینلز بھی بہت زیادہ ہیں جن کے ذریعے مغربی ثقافت کی تباہ کن یلغار ہے اور اخلاق و کردار کا جنازہ نکل رہا ہے! اور نہایت دکھ اور افسوس کی بات یہ ہے کہ ان ملکی و غیر ملکی ٹی وی چینلز تک رسائی بھی بہت آسان کر دی گئی ہے۔ چنانچہ دور دراز کے علاقوں میں بھی 'کیبل' اور 'سیٹلائٹ' کے ذریعے ان کی نشریات نہایت آسانی کے ساتھ پہنچ رہی ہیں۔ چوبیس گھنٹے 'نیوز چینلز'، 'انٹرنیٹ چینلز'، 'سپورٹس چینلز' وغیرہ کے ذریعے بے حیائی کا وہ سہل رواں ہے کہ اللہ کی پناہ! نیوز ہوں، ناک شوہ ہوں، میچز ہوں، انٹرنیٹ کے مختلف پروگرامز ہوں..... ہر ایک میں یہ چینلز کسی نہ کسی طرح بے حیائی اور بے غیرتی کو خوب ہوا دے رہے ہیں۔ جس کے نتیجے میں لوگ بڑی تیزی کے ساتھ دین سے برگشتہ ہو رہے ہیں، فرائض اسلام نسیا نسیا ہو رہے ہیں اور حرام کام رفتہ رفتہ حلال اور ناجائز امور آہستہ آہستہ جائز ہوتے جا رہے ہیں!

اسی طرح جدید وسائل مثلاً موبائل فون، ایم پی تھری (mp3)، ایم پی فور (mp4) اور سی ڈی پلیر وغیرہ جو آج کل تقریباً ہر شخص کے پاس موجود ہیں، ان کے ذریعے مزید آسانیاں ہو گئی ہیں اور 'انٹرنیٹ' کے نام پر بہت ساری چیزیں جنہیں کچھ عرصہ قبل ہمارے بزرگوں کے دور میں بہت بڑا گناہ تصور کیا جاتا تھا، وہ آج کل جائز ہی نہیں بلکہ اس دور کی اہم ترین ضرورت تصور کی جانے لگی ہیں!

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

« لَنَنْقُضَنَّ عَرَى الْإِسْلَامِ عُرْوَةَ عُرْوَةٍ ، فَكَلَّمْنَا نَفَضَتْ عُرْوَةُ نَشَبَتْ النَّاسُ بِالْأَيْ تَلِيهَا .

فَأَوَّلُهَا نَقْضُ الْحُكْمِ وَأَخِيرُهَا الصَّلَاةُ »

”اسلام کے کڑوں کو ایک ایک کر کے توڑ دیا جائے گا۔ جب ایک کڑا ٹوٹے گا تو لوگ دوسرے کے پیچھے پڑ جائیں گے۔ جو کڑا سب سے پہلے ٹوٹے گا وہ ہے: فیصلہ۔ اور سب سے آخری کڑا ہے: نماز“^①

اسلام کے جن کڑوں کو توڑ دیا گیا ہے انہی میں سے ایک حلال و حرام کا کڑا بھی ہے جس کو لوگوں نے پور پور کر دیا ہے۔ حالانکہ تحلیل و تحریم کا اختیار صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ وہ جس چیز کو چاہے حلال قرار دے اور جس کو چاہے حرام قرار دے۔ اور کسی بھی شخص کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اپنی منشا کے مطابق کسی چیز کو حلال یا حرام قرار دے۔ جو شخص ایسے کرے گا وہ یقیناً اللہ تعالیٰ کی حدود کو پھلانگنے والا ہوگا۔ جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ﴾^②

”اور جو شخص اللہ کی حدود کو پھلانگے گا تو ایسے ہی لوگ ظالم ہیں۔“^③

حلال و حرام کا ایک مسئلہ جس کو اس دور میں کھلونا بنالیا گیا ہے اور جو آج ہمارے خطبہ جمعہ کا موضوع ہے وہ ہے آلات موسیقی اور گانے بجانے کا مسئلہ! چنانچہ بہت سارے لوگ نہ صرف ان چیزوں کو سرے سے حرام ہی نہیں سمجھتے بلکہ ستم ظریفی یہ ہے کہ کئی نام نہاد ”روشن خیال“ لوگوں نے ان کے جواز کے فتوے بھی جاری کر دیے ہیں! ان سے پوچھا جائے کہ کیا انھوں نے کسی دلیل کی بناء پر ان چیزوں کو حلال قرار دیا ہے؟ تو اگرچہ ان کی طرف سے جواب یہ ملے گا کہ ہاں فلاں فلاں دلیل کی بناء پر یہ فتویٰ جاری کیا گیا ہے، لیکن حقیقت میں ان کے یہ دلائل خود ساختہ ہیں اور وہ قطعاً اس چیز پر دلالت نہیں کرتے کہ موسیقی حلال ہے۔ تو انھوں نے یہ فتویٰ کیوں جاری کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان لوگوں نے ایسا عام لوگوں کا رجحان دیکھ کر اور اپنی خواہش نفس کی تسکین کی خاطر کیا ہے۔ جبکہ قرآن و حدیث میں آلات موسیقی اور گانے بجانے کے حرام ہونے کے دلائل بالکل واضح ہیں اور ان میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں ہے۔ ان دلائل کو ذکر کرنے سے پہلے ہم آپ کو یہ بتاتے چلیں کہ قرآن مجید کی جو آیات موسیقی کی تحریم پر دلالت کرتی ہیں وہ سب کئی آیات ہیں۔ جبکہ شراب کو مدینہ منورہ میں حرام کیا گیا۔ یعنی موسیقی کی تحریم شراب کی تحریم سے قبل نازل ہوئی، جس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ جس دل میں گانوں کی محبت ہو وہ اللہ رب العزت کی وحی کو سننے اور اس کے احکامات پر عمل کرنے کے قابل نہیں رہتا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے دین کے متعدد احکامات کو نازل کرنے سے قبل صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دلوں کو موسیقی وغیرہ کی محبت سے پاک کرنا چاہا تا کہ جب اس کے احکامات نازل ہوں تو ان کے دل انھیں قبول کرنے کے لیے بالکل تیار ہوں۔

آئیے اب ان دلائل کا تذکرہ کرتے ہیں۔

① مسند احمد بسند حسن۔ ② البقرة: 229.

قرآن مجید میں موسیقی کے حرام ہونے کے دلائل

پہلی آیت:

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَ يُتَّخِذَهَا هُزُوًا أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ۝ وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِ آيَاتُنَا وَلَّى مُسْتَكْبِرًا كَأَن لَّمْ يَسْمَعْهَا كَأَن فِي أذُنِهِ قُورًا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۝﴾

”اور لوگوں میں کوئی ایسا بھی ہوتا ہے جو اللہ سے غافل کرنے والی بات خرید لیتا ہے تاکہ بغیر علم کے اللہ کے بندوں کو اس کی راہ سے بھٹکائے اور اس راہ کا مذاق اڑائے۔ ایسے ہی لوگوں کے لیے رسوا کن عذاب ہے۔ اور جب اس کے سامنے ہماری آیتوں کی تلاوت کی جاتی ہے تو مارے تکبر کے اس طرح منہ پھیر لیتا ہے کہ گویا اس نے انہیں سنا ہی نہیں، گویا کہ اس کے دونوں کان بہرے ہیں۔ لہذا آپ اسے دردناک عذاب کی خوشخبری دے دیجئے۔“^(۱)

ان آیات میں ان لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے جو اللہ سے غافل کرنے والی بات کو اس لیے خرید لیتے ہیں کہ وہ لوگوں کو اللہ کے دین سے دور رکھیں اور دین الہی کا مذاق اڑائیں، تو ان جیسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے توہین آمیز عذاب کی وعید سنائی ہے۔

آیت کریمہ میں ﴿لَهْوَ الْحَدِيثِ﴾ ”اللہ سے غافل کرنے والی بات“ سے مراد گانا بجانا اور موسیقی ہے۔ متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کی یہی تفسیر کی ہے۔

[۱] حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جو کہ اہل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، علماء صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور فتویٰ دینے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک جلیل القدر صحابی تھے، ان سے جب اس آیت کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: «الْغِنَاءُ وَاللَّهْوُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ» بَرَزَهَا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ

”اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں! اس سے مراد گانا ہے۔“ انھوں نے تین مرتبہ اسی طرح کہا۔^(۲)

[۲] ترجمان القرآن عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما جن کے بارے میں اللہ کے رسول ﷺ نے یہ دعا کی تھی کہ «اللَّهُمَّ عَلِّمَهُ التَّأْوِيلَ وَفَقَّهُهُ فِي الدِّينِ» ”اے اللہ! اسے قرآن کی تفسیر کا علم دے اور اسے دین کی سمجھ نصیب فرما۔“ وہ بھی اس آیت کے بارے میں یہی کہتے ہیں کہ ﴿لَهْوَ الْحَدِيثِ﴾ سے مراد گانے گانا اور ان کا سننا ہے۔^(۳)

[۳] حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہ نے بھی ﴿لَهْوَ الْحَدِيثِ﴾ کی تفسیر یہی کی ہے کہ اس سے مراد گانے گانا اور ان

[۱] لقہان 6، 7، 31، 6، 7، 21، 72/21، ابن ابی شیبہ: 309/6 و سندہ حسن۔ [۲] تفسیر ابن جریر: ج 21، ص: 6، 7، 21، 72، ابن ابی شیبہ: ج 6، ص: 310۔

کا سننا ہے۔^(۱)

اسی طرح تابعین عظام رحمہ اللہ بھی اس کی تفسیر یہی کرتے تھے۔ چنانچہ امام مجاہد بن جبر المکی، جو علم تفسیر کے مشہور عالم تھے اور ان کے بارے میں امام سفیان رحمہ اللہ نے کہا تھا کہ «إِذَا جَاءَكَ الْقَاصِمُ عَنْ مُجَاهِدٍ فَخَسِّنْكَ بِهِ»^(۲) ”جب تمہارے پاس مجاہد رحمہ اللہ کی تفسیر آئے تو بس وہی تمہارے لیے کافی ہے۔“
کیونکہ مجاہد رحمہ اللہ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے شاگرد تھے اور انھوں نے قرآن مجید کی تفسیر انھی سے سیکھی تھی، وہ کہتے تھے کہ ﴿لَهُوَ الْحَدِيثُ﴾ سے مراد گانے اور ہر بے ہودہ کلام کو سننا ہے۔
ایک روایت میں ان کے الفاظ یہ ہیں:

«إِشْتَرَاءُ الْمُغَنَّى وَالْمُغَنِّيَةِ بِالْمَالِ الْكَثِيرِ. أَوْ اسْتِغَاغَ إِلَيْهِ أَوْ إِلَى مِثْلِهِ مِنَ الْبَاطِلِ»

”﴿لَهُوَ الْحَدِيثُ﴾ کو خریدنے سے مراد گانا گانے والے مرد یا گانا گانے والی عورت کو مال کثیر کے بدلے خریدنا، یا گانے سننا یا اس جیسے کسی اور باطل امر کی طرف متوجہ ہونا ہے۔“^(۳)
اس کے علاوہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ایک اور قابل قدر شاگرد جناب مکرمہ رحمہ اللہ بھی یہی کہتے تھے کہ اس سے مراد گانا ہے۔^(۴)

امام ابن جریر الطبری اپنی تفسیر میں یہ سارے اقوال ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ اس سے مراد ہر وہ بات ہے جو اللہ کے دین سے غافل کرنے والی ہو، جس کو سننے سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے منع کر دیا ہے..... اور گانا اور شرک بھی اسی میں سے ہے۔^(۵)

لہذا جو شخص بھی گانے سننا اور سناتا ہو یا قص و سرور کی محفلوں میں شرکت کرتا ہو یا گھر میں بیٹھ کر ایسی محفلوں کا نظارہ کرتا ہو تو اس کے لیے اس آیت کے مطابق رسوا کن عذاب ہے۔ والعیاذ باللہ
دوسری آیت:

اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو جنت سے نکالتے ہوئے فرمایا تھا:

﴿وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَعْظَمَ مِنْهُمْ بِصُوتِكَ وَاجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخِيلِكَ وَرَجُلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ وَعَدَّهُمْ مَا يُعَدُّ الشَّيْطَانُ إِلَّا عُرُورًا﴾

”اور ان میں سے جس پر تیرا زور چلے اپنی آواز کے ساتھ اسے بہکا لے۔ اور ان پر اپنے سوار و پیادہ لشکر کو

^(۱) تفسیر ابن جریر - ج 21، ص: 73 و اسنادہ حسن. ^(۲) تفسیر ابن جریر - ج 21، ص: 73 باسناد صحیح. ^(۳) تفسیر ابن جریر، ج 21، ص: 74. ^(۴) تفسیر ابن جریر - ج 21، ص: 74.

دوڑا لے۔ اور ان کے مالوں اور اولاد میں شریک ہو لے اور ان سے وعدے کر لے۔ اور شیطان ان سے جو وعدے کرتا ہے وہ سراسر دھوکہ ہے۔“^(۱)

اس آیت کریمہ میں ﴿يَصْوِتُونَ﴾ ”اپنی آواز“ سے مراد موسیقی کی آواز ہے جس کے ساتھ شیطان انسانوں کو بہکاتا ہے۔ اور وہ انھیں اللہ تعالیٰ کے دین سے دور رکھنے اور انھیں اس کے ذکر سے غافل کرنے کے لیے انھیں اپنی سریلی آوازوں میں گمن کردیتا اور راگ گانوں کا دلدادہ بنا دیتا ہے۔

امام مجاہد بن جبر الہمی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر کرتے ہوئے کہتے ہیں: «(بِالْغِنَاءِ وَالْغِنَاءِ)» ”بے ہودہ کلام اور موسیقی کے ساتھ“ یعنی اے الہی! تو انسانوں میں سے جس پر قدرت حاصل کر لے اسے ہر قسم کے بے ہودہ کلام اور موسیقی وغیرہ کے ساتھ بہکا لے۔“^(۲)

تیسری آیت:

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿أَخِمْ هَذَا الْحَدِيثَ تَعْبُونَ ۝ وَتَضْحَكُونَ وَلَا تَبْكُونَ ۝ وَأَنْتُمْ سِيمُونَ ۝﴾ ”کیا تم لوگ اس بات (قرآن مجید) کو سن کر تعجب کرتے ہو؟ اور ہنستے اور روتے نہیں ہو؟ اور غفلت میں مبتلا ہنس کھیل رہے ہو؟“^(۳)

اس آیت کریمہ میں کفار کو تو بخ ہو رہی ہے کہ تم قرآن مجید کو سن کر تعجب کا اظہار کرتے ہو اور اس کا مذاق اڑاتے ہوئے ہنستے رہتے ہو؟ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ تم اسے سن کر اس سے متاثر ہوتے اور رو دیتے۔ لیکن تم اس کے برعکس ہنس کھیل رہے ہو اور تمہارے اوپر اس کا ذرا سا بھی اثر نہیں ہوتا؟

﴿وَأَنْتُمْ سِيمُونَ ۝﴾ کا معنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما یہ کرتے ہیں کہ ”تم گانے سننے رہتے ہو“ کیونکہ کفار مکہ جب قرآن سننے لگے تو گانا بجانا شروع کر دیتے تھے اور کھیل تماشے میں گمن ہو جاتے تھے۔ اہل یمن کی زبان میں سمد گانے کو کہتے ہیں۔^(۴)

تو اللہ تعالیٰ نے اس پر انھیں سختی سے ڈانٹا۔ اور اس کے بعد اہل ایمان کو حکم دیا کہ ﴿فَاسْجُدُوا لِلَّهِ وَاعْبُدُوا ۝﴾ ”پس تم اللہ ہی کے لیے سجدہ کرو اور اسی کی عبادت کرو۔“ یعنی تم اُن کافروں کی طرح نہ بنو جو قرآن کو سن کر اس کا مذاق اڑاتے ہیں، بلکہ تم قرآن مجید کو سن کر اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز ہو جایا کرو اور اس کی عبادت میں مشغول رہا کرو۔ خلاصہ یہ ہے کہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے کفار کو قرآن مجید کو چھوڑ کر گانے سننے پر سختی سے ڈانٹا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ گانے سننا اللہ کے نزدیک حرام ہے۔ اگر یہ حرام نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ انھیں اس فعل پر نہ ڈانٹتا۔

① الإسراء: 64، ② تفسیر ابن جریر - ج 15، ص: 36، ③ النجم: 53: 59-61، ④ تفسیر ابن جریر الطبری، ج 27، ص: 96، ⑤ باسناد صحیح۔

سامعین کرام! یہ تو تھے قرآنی دلائل جن سے ثابت ہوتا ہے کہ گانے گانا اور سننا حرام ہے۔

اب آئیے نبی کریم ﷺ کی احادیث مبارکہ سے یہ جاننے کی کوشش کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے موسیقی اور اس کے آلات کے متعلق کیا ارشاد فرمایا۔ اور احادیث ذکر کرنے سے پہلے آپ کی معلومات کے لیے آپ کو بتاتے چلیں کہ حافظ ابن القیم رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ گانوں کی حرمت کے متعلق جو احادیث مروی ہیں وہ متواتر درجہ کی ہیں اور انھیں روایت کرنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد تیرہ ہے۔

حدیث نبوی میں موسیقی کے حرام ہونے کے دلائل

پہلی حدیث:

حضرت ابو عامر۔ یا ابو مالک۔ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«لَتَكُونَنَّ مِنْ أُمَّتِي أَقْوَامٌ يَسْتَجْلُونَ الْجَزَّ وَالْحَرِيرَ، وَالْخَمْرَ، وَالْمَعَازِفَ»

”میری امت میں ایسے لوگ یقیناً آئیں گے جو زنا، ریشم کا لباس، شراب اور آلات موسیقی کو حلال تصور کر لیں گے۔“^(۱)

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے پیشین گوئی فرمائی ہے کہ کئی لوگ ان چار چیزوں کو حلال تصور کر لیں گے حالانکہ یہ چاروں چیزیں دین اسلام میں حرام ہیں۔ چنانچہ اس دور میں ہم دیکھتے ہیں کہ کئی ایسے لوگ موجود ہیں جو ان چیزوں کو حلال تصور کرتے ہیں۔ اور اس کے لیے انھوں نے بعض اہل علم کے کمزور اقوال کا سہارا لینے کی کوشش اور ابن حزم کی تقلید کرتے ہوئے صحیح بخاری کی اس حدیث کو ضعیف ثابت کرنے کی سعی نامشکور کی ہے۔ حالانکہ یہ حدیث بالکل صحیح ہے جیسا کہ ہم بعد میں اس پر بات کریں گے۔ ان شاء اللہ

اس حدیث میں ایک بات نہایت ہی قابل توجہ ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے آلات موسیقی کا ذکر زنا، ریشم کا لباس اور شراب نوشی جیسے کبیرہ گناہوں کے ساتھ کیا جو اس بات کی دلیل ہے کہ جس طرح زنا کاری، مردوں کے لیے ریشم کا لباس پہننا اور شراب نوشی کرنا حرام ہے اسی طرح آلات موسیقی بھی حرام ہیں۔ اور جس طرح زنا کاری اور شراب نوشی کرنے سے اور مردوں کو ریشم کا لباس پہننے سے بہت بڑا گناہ ہوتا ہے اسی طرح گانا گانے اور سننے سے بھی بہت بڑا گناہ ہوتا ہے۔

دوسری حدیث:

حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

① صحیح البخاری: 5590.

«لَيُشْرِبَنَّ أَنْاسٌ مِنْ أُمَّتِي الْخَمْرَ وَيُسْمَوْنَ بِغَيْرِ اسْمِهَا . يُعَزَفُ عَلَى زُؤُوسِهِمْ بِالْمَعَازِفِ وَالْمَغْنِيَّاتِ . يَخْسِفُ اللَّهُ بِهِمُ الْأَرْضَ وَيَجْعَلُ مِنْهُمْ الْقِرْدَةَ وَالْغَنَازِينَ»

”میری امت کے کچھ لوگ ضرور بالضرور شراب نوشی کریں گے اور شراب کا نام کوئی اور رکھ لیں گے۔ ان کے سروں کے پاس آلات موسیقی بجائے جائیں گے اور گانے والیاں گائیں گی۔ اللہ تعالیٰ انھیں زمین میں دھنسا دے گا اور انھی میں سے کئی لوگوں کو بندر اور سور بنا دے گا۔“^①

اس حدیث میں نہایت سخت وعید ہے ان لوگوں کے لیے جو قص و سرور کی محفلوں میں شریک ہوتے یا ایسی محفلوں کوئی وی یا کیسیوٹر کی سکرین پر دیکھتے ہیں۔ اور اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس طرح کی محفلیں بپا کرنا کہ جن میں گانے والیاں گانے لگائیں اور شرکائے محفل شراب نوشی کریں، بہت بڑا گناہ ہے۔ اور ایسا کرنا یقینی طور پر حرام ہے۔ اگر یہ حرام نہ ہوتا تو اتنی بڑی وعید نہ ہوتی کہ ایسا کرنے والوں اور اس عمل کو حلال تصور کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ زمین میں دھنسا دے گا اور ان کی شکلوں کو بندروں اور سوروں کی شکل میں تبدیل کر دے گا۔

تیسری حدیث:

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«إِنَّ اللَّهَ حَزَمَ عَلَيْكُمْ الْخَمْرَ وَالْمَيْسِرَ وَالْكَؤُوبَةَ وَقَالَ : كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ»

”بے شک اللہ تعالیٰ نے تم پر شراب، جو اور ڈھول کو حرام کر دیا ہے۔ اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔“^②

اس حدیث میں پوری صراحت کے ساتھ ڈھول وغیرہ کو حرام قرار دیا گیا ہے۔

چوتھی حدیث:

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«سَيَكُونُ فِي آخِرِ الزَّمَانِ خُسْفٌ وَقَذْفٌ وَمَسْحٌ . قِيلَ : وَمَنْ ذَٰلِكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ ؟ قَالَ : إِذَا ظَهَرَتِ الْمَعَازِفُ وَالْقِنَانَاتُ وَاسْتَجَلَّتِ الْخُمُرُ .

”آخری زمانے میں لوگوں کو زمین میں دھنسا یا جائے گا، ان پر پتھروں کی بارش کی جائے گی اور ان کی شکلیں مسخ کی جائیں گی۔ آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ ایسا کب ہوگا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: جب آلات موسیقی پھیل جائیں گے، گانے والیاں عام ہو جائیں گی اور شراب کو حلال سمجھا جائے گا۔“^③

① سنن ابن ماجہ: 4020، وصححه الألبانی. ② سنن أبي داود: 3696، وصححه الألبانی. ③ صحيح الجامع للألبانی: 3665.

اس حدیث میں رسول اکرم ﷺ نے پیشین گوئی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جب آلات موسیقی پھیل جائیں گے، گانے عام ہو جائیں گے اور شراب نوشی کو حلال تصور کر لیا جائے گا تو اُس وقت تین صورتوں میں اللہ تعالیٰ کا سخت عذاب نازل ہوگا۔

پہلی صورت: لوگوں کو زمین میں دھنسیا جائے گا۔ یعنی زلزلوں کے ساتھ لوگ اپنے گھروں اور بڑی بڑی عمارتوں کے ساتھ زمیں میں بوس ہو جائیں گے۔

دوسری صورت: ان پر پتھروں کی بارش کی جائے گی۔

تیسری صورت: ان کی شکلوں کو مسخ کیا جائے گا۔

پانچویں حدیث:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((صَوْتَانِ مَلْعُونَانِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ : مِزْمَارٌ عِنْدَ بَغْمَةٍ وَرَنَّةٌ عِنْدَ مُصِيبَةٍ))

”دو آوازیں دنیا و آخرت میں ملعون ہیں: خوشی کے وقت گانے بجانے کی آواز اور مصیبت کے وقت رونے کی آواز۔“^①

اس حدیث میں رسول اکرم ﷺ نے گانے بجانے کی آواز کو ملعون قرار دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ آواز حرام ہے تو تبھی ملعون ہے! اگر یہ حرام نہ ہوتی تو ملعون بھی نہ ہوتی۔ لہذا اس ملعون آواز سے بچنا اور اس سے اپنے کانوں کو دور رکھنا انتہائی ضروری ہے۔

معزز سامعین! ان واضح ترین دلائل کے بعد اب کسی کے ذہن میں شک نہیں رہنا چاہیے اور اس بات پر یقین کر لینا چاہیے کہ گانے گانا اور ان کا سنا حرام ہے۔

موسیقی کے بارے میں ائمہ اربعہ رحمہم کا موقف

ائمہ اربعہ رحمہم اس بات پر متفق ہیں کہ گانے گانا اور موسیقی سنا حرام ہے۔ اور جو شخص گانے گانا یا سنا ہو وہ فاسق و فاجر ہے۔

① امام ابو حنیفہ رحمہ: امام صاحب کے مقلدین (احناف علماء) نے اپنی کتب میں ثابت کیا ہے کہ گانے سنا فسق ہے اور گانوں کے ذریعے لذت حاصل کرنا کفر ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ کے سب سے بڑے شاگرد امام ابو یوسف رحمہ جو ہارون الرشید کے زمانے میں قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) تھے وہ کہتے ہیں کہ اگر میں کسی گھر کے پاس سے گزرتے

① صحیح الجامع للآلبانی: 3695۔

ہوئے گانوں کی آواز سن لوں تو میں اس گھر میں بغیر اجازت کے داخل ہو جاتا ہوں اور گھر والوں کو اس سے منع کرتا ہوں کیونکہ برائی سے روکنا واجب ہے۔ اور گانے سننا بھی ایک برائی ہے۔

اور یہی وہ قاضی ابوسف ہیں جنہوں نے یہ حکم دیا تھا کہ ملک میں موجود ذمی لوگوں کو ساز و سوز، آلات موسیقی اور ڈھول وغیرہ سے منع کیا جائے۔

میرے بھائیو! جب ذمی لوگوں کے لیے ان کا یہ حکم تھا تو اس سلسلے میں مسلمانوں کے لیے ان کا حکم کتنا سخت ہوگا! [2] امام مالک رحمہ اللہ: امام صاحب سے گانوں کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے کہا:

«إِنَّمَا يَفْعَلُهُ الْفُسَّاقُ عِنْدَنَا»

”ہمارے ہاں (مدینہ منورہ میں) یہ کام صرف فاسق لوگ ہی کرتے ہیں۔“

اور ایک مرتبہ ایک شخص نے ان سے موسیقی کے متعلق سوال کیا تو آپ نے کہا: تمہارا کیا خیال ہے کہ یہ گانے قیامت کے روز باطل کے ساتھ ہوں گے یا حق کے ساتھ؟ تو اس نے کہا: باطل کے ساتھ ہوں گے۔ تب امام صاحب نے کہا: باطل کہاں جائے گا؟ جنت میں یا جہنم میں؟ اس نے کہا: جہنم میں۔ تو امام صاحب نے کہا: «إِذْهَبْ فَقَدْ أَفْنَيْتَ نَفْسَكَ» ”جاؤ، تم نے اپنے سوال کا جواب خود ہی دے دیا۔“

اور القاسم بن محمد رحمہ اللہ کہتے ہیں: «الْغِنَاءُ بَاطِلٌ وَالْبَاطِلُ فِي النَّارِ» ”گانا باطل ہے اور باطل جہنم میں ہے۔“ [3] امام شافعی رحمہ اللہ: موصوف جب بغداد سے مصر کی طرف گئے تو انہوں نے کہا: میں بغداد سے نکل آیا ہوں اور میں اپنے پیچھے ایک چیز چھوڑ کر جا رہا ہوں جسے چند زندیقیوں نے اس لیے ایجاد کر لیا ہے کہ وہ اس کے ذریعے لوگوں کو قرآن سے دور کرنا چاہتے ہیں، وہ اس کا نام ’تغییر‘ رکھتے ہیں۔ اور ’تغییر‘ موسیقی کا ایک آلہ تھا۔

[4] امام احمد رحمہ اللہ: امام صاحب کے صاحبزادے ’عبداللہ‘ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے والد گرامی سے گانے کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا: مجھے اچھا نہیں لگتا۔ اور گانا دل میں نفاق کو اُگاتا ہے جیسا کہ پانی سبزی کو اُگاتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ چاروں ائمہ کرام رحمہم کے نزدیک گانا بجانا اور گانے سننا حرام ہے۔

موسیقی اور گانوں کے نقصانات

ویسے تو موسیقی اور گانوں کے نقصانات بہت سارے ہیں، لیکن ہم یہاں ان میں سے چند ایک کا تذکرہ کرتے ہیں:

[1] موسیقی نفاق پیدا کرتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رحمہ اللہ کہتے ہیں: «الْغِنَاءُ يُنْبِتُ النِّفَاقَ فِي الْقَلْبِ كَمَا يُنْبِتُ الْمَاءُ الزُّرْعَ»

”گناہ دل میں یوں نفاق پیدا کرتا ہے جیسے پانی کھیتی کو پیدا کرتا ہے۔“^①

اور آج ہم خود اس بات کا مشاہدہ کر سکتے ہیں کہ گانوں کے دلدادہ مسلمانوں میں سے بہت سارے لوگ ایسے ہیں جن میں منافقت پائی جاتی ہے۔ ان کا ظاہر کچھ اور باطن کچھ اور ہوتا ہے۔

(ج) موسیقی اللہ کے دین سے دور کرتی ہے۔ کیونکہ موسیقی کی آواز شیطانی آواز ہے اور جس شخص کے کان موسیقی کے گرویدہ ہوتے ہیں وہ شیطان کا قیدی بن جاتا ہے۔ اور جو شخص شیطان کا قیدی ہوتا ہے وہ یقینی طور پر دین الہی سے غافل ہوتا ہے۔ اسی لیے آج ہم دیکھتے ہیں کہ وہ لوگ جو گانے اور موسیقی وغیرہ سننے کے اس قدر شوقین ہوتے ہیں کہ انہیں گانے سننے بغیر نیند ہی نہیں آتی، ان میں سے اکثر لوگ فجر کی نماز سے خصوصاً اور باقی نمازوں سے عموماً غافل رہتے ہیں اور دین کے اس بہت بڑے فریضے کی بالکل پرواہی نہیں کرتے۔ اسی طرح دین کے باقی فرائض کے متعلق بھی وہ مجرمانہ غفلت برتتے ہیں۔ یہ غفلت کس بات کا نتیجہ ہے؟ یقینی طور پر یہ اس بات کا نتیجہ ہے کہ شیطانی آوازیں سن سن کر شیطان ان پر غالب آچکا ہے اور اس نے انہیں رب العزت کے دین سے بالکل غافل کر دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿اسْتَعِذَّ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ﴾ اَلَا اِنَّ جُزْبَ الشَّيْطَانِ هُمْ الْخُسِرُونَ ﴿١٠﴾

”شیطان ان پر مسلط ہو گیا ہے اور اس نے انہیں اللہ کی یاد سے غافل کر دیا ہے۔ یہی لوگ شیطان کی پارٹی

ہیں۔ خبردار! شیطان کی پارٹی کے لوگ ہی خسارہ پانے والے ہیں۔“^②

(ج) موسیقی انسان کے شہوانی جذبات کو بھڑکا کر اسے بدکاری کی طرف لے جاتی ہے۔ کیونکہ موسیقی آج کل کے دور میں صرف گانوں کی آواز تک ہی محدود نہیں رہی بلکہ اس سے کہیں آگے چلی گئی ہے۔ چنانچہ گانے والے اور گانے والیاں سب ایک ساتھ گاتے بھی ہیں اور ننگا ناچ بھی کرتے ہیں۔ فحش اور بے ہودہ حرکات کا ارتکاب بھی کرتے ہیں اور کھلے عام بے حیائی و بے غیرتی کی دعوت بھی دیتے ہیں۔ نیم برہنہ مغنیات (گانے والیاں) گانے کے ساتھ ساتھ رقص بھی کرتی ہیں اور اس کے ذریعے دیکھنے والوں کو بہکانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتی ہیں۔ اسی لیے الفضل رحمۃ اللہ علیہ کہا کرتے تھے: «الْغِنَاءُ زُفْيَةُ الزَّيْنَا» ”گانا بدکاری کا زینہ ہے۔“

یعنی بدکاری کی ابتداء گانوں سے ہوتی ہے۔ کیونکہ عام طور پر موسیقی کے ساتھ جو کچھ گایا اور کہا جاتا ہے وہ عشق و محبت کے میٹھے میٹھے بولوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ معشوق یا معشوقہ کی وفایا بے وفائی کا تذکرہ ہوتا ہے۔ اگر سننے والا آدمی عشق میں ناکامی کا منہ دیکھ چکا ہو تو گانے اس کے زخموں کو تازہ کر دیتے ہیں۔ اگر موسیقی اور گانوں کو سننے والا شخص بے حیائی

① قال الابانہ فی تحریم آلات الطرب، ص: 13 [مسنادہ جید، ② للمجادلة 19:58].

پر مشتمل مناظر کو بھی دیکھ رہا ہو تو وہ اور زیادہ متاثر ہوتا ہے۔ اور اگر وہ ان چیزوں کو سننے اور دیکھنے کا عادی بن جائے تو ساز و سوز کا نشہ اس کی عقل پر پردہ ڈال دیتا ہے اور اسے انتہائی اقدام پر آمادہ کرتا ہے۔ جب گانے سن کر اور حیا باختہ مناظر دیکھ کر اس کی شہوت بیدار ہوتی ہے تو وہ اسے پورا کرنے کے لیے ادھر ادھر کوشش کرتا ہے اور آخر کار بے حیائی کے ارتکاب سے بھی گریز نہیں کرتا۔

۴) جس محفل میں گانے والے اور گانے والیاں اکٹھے ہوتے ہیں وہاں بے دریغ پیسہ برباد کیا جاتا ہے۔ چونکہ گانے والوں اور گانے والیوں کی طرف سے زر کثیر کا مطالبہ کیا جاتا ہے اس لیے ان کی محفلوں میں شرکت کے خواہشمند لوگوں کے لیے باقاعدہ ٹکٹ رکھا جاتا ہے اور بے بہا مال جمع کر کے منتظمین بھی اپنی جیبیں بھرتے ہیں اور فنکاروں کو بھی راضی کیا جاتا ہے۔ صرف گانے سننے اور فنکاروں کے رقص کا مشاہدہ کرنے کی خاطر لوگ اپنا سرمایہ ضائع کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ آڈیو اور ویڈیو کیسٹس اور سی ڈیز وغیرہ خرید کر بھی پیسہ برباد کیا جاتا ہے۔

ایسے ہی لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :

﴿إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيْطَانِ﴾

”بے شک تبذیر (ناجائز کاموں میں پیسہ ضائع) کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں۔“^①

۵) موسیقی فارغ اوقات کی بربادی کا بہت بڑا سبب ہے۔ جبکہ فارغ اوقات انسان کی زندگی کا ایک قیمتی حصہ ہیں اور ان کے بارے میں قیامت کے روز انسان سے پوچھ گچھ کی جائے گی کہ انھیں اللہ کی اطاعت میں لگایا تھا یا اس کی نافرمانی میں ضائع کر دیا تھا؟ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے :

«لَا تَزَالُ قَدْ مَاتَ عَبْدٌ حَتَّى يُسْأَلَ عَنْ أَوْقَاتِهِ فَيَقُولُ مَا فَعَلْتُ فِيهَا؟ وَعَنْ عَمَلِهِ مَا فَعَلْتُ فِيهِ؟

وَعَنْ مَالِهِ مِمَّنْ أَكْنَسْتَهُ وَفِيمَنْ أَنْفَقَهُ؟ وَعَنْ جَسَمِهِ فَيَقُولُ أَتْلَا؟»

”کسی بندے کے قدم اس وقت تک نہیں ہل سکیں گے جب تک اس سے چار سوالات نہیں کر لیے جائیں گے

: اس نے اپنی عمر کو کس چیز میں ختم کیا؟ اپنے علم پر کہاں تک عمل کیا؟ اور اس نے اپنا مال کہاں سے کمایا اور

کس چیز میں خرچ کیا؟ اور اس نے اپنے جسم کو کس چیز میں بوسیدہ کیا؟“^②

لہذا جو شخص موسیقی سنتے ہوئے اور موسیقی پر مشتمل متعدد پروگرام دیکھتے ہوئے روزانہ کئی گھنٹے برباد کر دیتا ہو وہ یہ

سوچ لے کہ قیامت کے روز اس سوال کا جواب کیا دے گا کہ تم نے اپنی عمر کو کس چیز میں ختم کیا؟

’فارغ وقت‘ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے جس کی قدر و قیمت صرف وہ شخص جانتا ہے جو اس نعمت سے محروم ہوتا

① الإسراء 27: 27. ② جامع الترمذی، بحوالہ صحیح الجامع للآلکبانی: 7300.

ہے۔ لیکن بہت سارے لوگ اس عظیم الشان نعمت کی قدر نہیں کرتے اور وہ اسے فضول و بے ہودہ کاموں میں ضائع کر دیتے ہیں۔ اور اس لحاظ سے وہ یہ نعمت پا کر بھی خسارے میں رہتے ہیں۔
رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«نِعْمَتَانِ مَغْبُوتُونَ فِيهِمَا كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ: الصَّنْعَةُ وَالْفَرَاغُ»

”دو نعمتیں ایسی ہیں جن میں بہت سارے لوگ گھائلے میں رہتے ہیں: تندرستی اور فارغ وقت۔“^(۱)
لہذا فارغ اوقات کو موسیقی وغیرہ میں برباد کرنے کی بجائے انھیں دینی لحاظ سے نفع بخش اور فائدہ مند کاموں میں مشغول کرنا چاہیے۔

دل کو بہلانے اور فارغ اوقات کو مشغول کرنے کا ذریعہ!

نام نہاد ”روشن خیال“ لوگوں کے فتوے کی بناء پر آج کل بہت سارے لوگ موسیقی کو دل کے بہلانے اور فارغ اوقات کو مشغول کرنے کا بہترین ذریعہ تصور کرتے ہیں! حالانکہ موسیقی دلوں کو مردہ کرتی اور فارغ اوقات کو برباد کرتی ہے۔ اسلام میں دلوں کو سکون پہنچانے اور فارغ اوقات کو مشغول کرنے کا بہترین ذریعہ قرآن مجید کی تلاوت اور اس میں غور و فکر کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُمْ بِذِكْرِ اللَّهِ أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ﴾

”جو لوگ ایمان لاتے ہیں اور ان کے دل اللہ کے ذکر سے مطمئن ہو جاتے ہیں۔ یاد رکھو! دل اللہ کے ذکر سے ہی مطمئن ہوتے ہیں۔“^(۲)

اللہ کے ذکر سے مراد صرف تسبیحات پڑھنا ہی نہیں ہے بلکہ یہ ایک جامع لفظ ہے جس میں بقول شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے والا اور اس کے قریب کرنے والا ہر لفظ شامل ہے، چاہے علم کا حصول ہو، تعلیم ہو، امر بالمعروف ہو یا نہی عن المنکر ہو۔

اور شیخ عبد الرحمن السعدی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جب ’ذکر اللہ‘ کہا جائے تو اس سے مراد ہر وہ چیز ہے جو اللہ کے قریب کر دے، چاہے اس کا تعلق عقیدے سے ہو یا سوچ و فکر سے ہو۔ چاہے وہ دل کا عمل ہو یا بدن کا۔ خواہ وہ اللہ تعالیٰ کی تعریف ہو یا حصول علم نافع ہو۔ اور اس جیسی باقی ساری عبادات اللہ تعالیٰ کا ذکر ہی ہیں۔
لہذا یہ تصور کرنا غلط ہے کہ ذکر صرف تسبیحات میں ہی منحصر ہے، ذکر ہر وہ عمل ہے جو قرآن وحدیث کے مطابق ہو اور وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے انجام دیا جائے۔

① صحیح البخاری، الرقاق باب الصلحة والفراغ: 6412. ② الرعد 28:13.

کیا موسیقی روح کی غذا ہے؟

معزز سامعین! موسیقی کے دلدادہ لوگ موسیقی کو روح کی غذا تصور کرتے ہیں! حالانکہ موسیقی روح کی غذا نہیں بلکہ اس کو بیمار کرنے والی چیز ہے۔ آپ ذرا غور کریں کہ

- ❖ اگر موسیقی دل میں نفاق پیدا کرتی ہے تو یہ روح کی بیماری ہوئی یا اس کی غذا؟
 - ❖ اور اگر موسیقی شیطانی آواز ہے اور سننے والے شخص کو شیطان کا قیدی بناتی ہے تو یہ روح کی بیماری ہے یا اس کی غذا؟
 - ❖ اور اگر موسیقی اللہ کے دین سے دوری کا سبب بنتی ہے تو یہ روح کی بیماری ہوئی یا اس کی غذا؟
 - ❖ اور اگر موسیقی بے حیاء اور بے غیرت بناتی ہے تو یہ روح کی بیماری ہوئی یا اس کی غذا؟
 - ❖ اور اگر موسیقی انسان کو بدکاری پر اکساتی اور اس کی عقل پر پردہ ڈال دیتی ہے تو یہ روح کی بیماری ہوئی یا اس کی غذا؟
- اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ تمام مسلمانوں کو اس بیماری سے دور رکھے اور اس بہت بڑی لعنت سے بچائے۔

دوسرا خطبہ

معزز سامعین! موسیقی اور گانوں کی حرمت کے دلائل اور ان کے متعلق ائمہ اربعہ رحمہم کے موقف کا تذکرہ کرنے اور گانوں کے نقصانات کا جائزہ لینے کے بعد اب ہم ان لوگوں کے 'شبہات' کا جائزہ لیتے ہیں جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ گانے گانا اور سننا جائز ہے۔

پہلا شبہ:

یہ لوگ گانوں کے متعلق ابن حزم رحمہ اللہ کے موقف کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔ جنہوں نے صحیح بخاری کی اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے جس کو ہم نے تھوڑی دیر پہلے ذکر کیا ہے اور اس میں رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ”میری امت میں ایسے لوگ یقیناً آئیں گے جو بدکاری، ریشم کا لباس، شراب اور آلات موسیقی کو حلال تصور کر لیں گے۔“^①

ابن حزم رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ یہ حدیث منقطع ہے، کیونکہ امام بخاری رحمہ اللہ اور ان کے شیخ (ہشام بن عمار) کے درمیان انقطاع پایا جاتا ہے۔ اسی لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے (قال هشام بن عمار) کے الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے!

اس کا جواب یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کی اپنے شیخ (ہشام بن عمار) سے ملاقات اور ان سے ان کا سماع حدیث

① صحیح البخاری: 5590.

ثابت ہے۔ لہذا اس میں انقطاع نہیں پایا جاتا۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر امام بخاری رحمہ اللہ مدلس راوی ہوتے تو ابن حزم رحمہ اللہ کا موقف درست مانا جاتا، لیکن کسی نے بھی امام بخاری رحمہ اللہ کو مدلس نہیں کہا۔ اس لیے ابن حزم رحمہ اللہ کا موقف غلط ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ اگر ابن حزم رحمہ اللہ کی بات کو درست بھی مان لیا جائے تو اسی حدیث کو امام ابو داؤد رحمہ اللہ نے متصل سند کے ساتھ روایت ہے۔ لہذا یہ حدیث یقینی طور پر صحیح ہے۔

دوسرا شبہ:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اُس وقت تشریف لائے جب میرے پاس انصار کی نو خیز لڑکیوں میں سے دو لڑکیاں ان اشعار کے ساتھ گارہی تھیں جو 'بعث' کے دن انصار نے پڑھے تھے۔ اور حقیقت میں وہ گانے والی نہ تھیں۔ یہ عید کا دن تھا۔ چنانچہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا:

((أَمْزَامِيْرُ الشَّيْطَانِ فِي نَيْتِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ ؟))

”کیا رسول اکرم ﷺ کے گھر میں شیطان کی آواز گونج رہی ہے؟“

تو رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((يَا أَبَا بَكْرٍ . إِنَّ لِكُلِّ قَوْمٍ عِيْدًا وَهَذَا عِيْدُنَا))

”ابو بکر! ہر قوم کا ایک تہوار ہوتا ہے اور یہ ہمارا تہوار ہے۔“^①

صحیح مسلم کی ایک اور روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جن دنوں رسول اکرم ﷺ منیٰ میں ٹھہرے ہوئے تھے اُسی دوران حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ان کے پاس آئے اور اُس وقت دو نو خیز لڑکیاں دف بجاتے ہوئے گارہی تھیں اور رسول اکرم ﷺ چادر لپیٹ کر لیٹے ہوئے تھے۔ چنانچہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے انھیں ڈانٹ ڈپٹ کی۔ تو رسول اکرم ﷺ نے اپنے چہرہ انور سے چادر کو ہٹایا اور فرمایا:

((دَعْنَهُمَا يَا أَبَا بَكْرٍ فَلْيَتَّخِذَا أَيَّامٌ عِيدًا))

”ابو بکر! انھیں چھوڑ دو (اور مت روکو) کیونکہ یہ عید کے ایام ہیں۔“

اس حدیث کو بھی موسیقی کو جائز قرار دینے والے لوگ بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔ حالانکہ اس میں ان کے لیے کوئی دلیل نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا ہے کہ دو نو خیز لڑکیاں جو اصلاً گانے والی نہیں تھیں، جنگلی اشعار دف بجاتے ہوئے گارہی تھیں۔ تو بتلائیے اس میں مروجہ گانے اور موسیقی کا جواز کہاں سے ملتا ہے؟

① صحیح البخاری: 454، صحیح مسلم: 892۔

۱) جنگی اشعار جن میں شجاعت و بہادری کا اظہار اور فتح و نصرت کا تذکرہ کیا جاتا ہے، وہ کہاں اور عشق و محبت کے متعلق اور شہوت کو بھڑکانے والے اشعار کہاں!

۲) دونوں خیز لڑکیاں جو پیشہ وراثہ طور پر گانے والی نہیں تھیں، وہ کہاں اور اس دور میں بے پردہ نوجوان لڑکیاں اور پیشہ ور گانے والی اداکارائیں کہاں!

۳) وہ بچیاں دف بجاری تھیں، آلات موسیقی نہیں بجاری تھیں! دف اور آلات موسیقی میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

۴) وہ عید کا موقع تھا جس میں رسول اکرم ﷺ نے اظہارِ فرحت و مسرت سے منع نہیں کیا۔ لہذا ایک خاص موقع پر گائے جانے والے جنگی اشعار کو عام طور پر موسیقی اور گانوں کے جواز کی دلیل کیسے بنایا جاسکتا ہے؟

۵) وہ دونوں بچیاں عائشہؓ کے پاس گارہی تھیں اور رسول اکرم ﷺ چادر لپیٹ کر سو رہے تھے۔ وہاں پر مرد و زن کا اختلاط قطعاً نہیں تھا۔ لہذا اسے قص و سرور کی ان منفلوں کے جواز کی دلیل نہیں بنایا جاسکتا جن میں مرد و زن کا اختلاط ہوتا ہے اور حسن کی نمائش کے ذریعے بے حیائی کا مظاہرہ کیا جاتا ہے۔

سامعین کرام! یہاں ہم آپ حضرات کی معلومات کے لیے عرض کرتے چلیں کہ 'دف' بجاتے ہوئے اشعار پڑھنے یا گانے کی اسلام میں کچھ شروط و قیود ہیں جن کا خیال رکھنا لازم ہے:

۱) 'دف' بجانا اور اس کے ساتھ اشعار پڑھنا صرف دو مواقع پر ثابت ہے: عیدین اور شادی بیاہ۔ جبکہ بعض اہل علم کے نزدیک ایک تیسرا موقع بھی ہے جس میں دف بجائی جاسکتی ہے اور وہ ہے: سفر کے بعد واپس لوٹنے والے شخص کے استقبال کے وقت۔ ان تین مواقع کے علاوہ کسی اور موقع پر ایسا ثابت نہیں ہے۔ واللہ اعلم

عیدین کے حوالے سے ہم حدیث ذکر کر چکے ہیں۔ شادی بیاہ کے متعلق حضرت ربیع بنت معوذہؓ بیان کرتی ہیں کہ میری شادی کے موقع پر رسول اکرم ﷺ تشریف لائے اور میرے بستر پر بیٹھ گئے۔ چنانچہ چھوٹی چھوٹی بچیاں دف بجانے لگیں اور بدر کے دن میرے آباء میں سے جو شبید ہوئے تھے ان کے متعلق اشعار پڑھنے لگیں۔ اسی دوران ان میں سے ایک نے کہا: وَفِينَا نَبِيٌّ يَعْلَمُ مَا فِي غَدَبٍ

”ہم میں وہ نبی ہے جو (آنے والی) کل کی بات کو بھی جانتا ہے۔“

تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”اس کو چھوڑ دو اور پہلے والے شعر پڑھو۔“^①

اور جہاں تک استقبال کے موقع پر دف بجانے کا تعلق ہے تو بعض اہل علم نے اس کی دلیل یہ پیش کی ہے کہ حضرت بریدہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کسی جنگ کے لیے نکلے، پھر جب واپس لوٹے تو ایک کالے رنگ

کی بچی آئے اور کہنے لگی: یا رسول اللہ! میں نے نذر مانی تھی کہ اگر آپ کو اللہ تعالیٰ صحیح سالم واپس لوٹا دے تو میں آپ کے سامنے دف بجاؤں گی اور گاؤں گی۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”اگر تم نے نذر مانی تھی تو دف بجا سکتی ہو ورنہ نہیں۔“ چنانچہ وہ دف بجانے لگی۔ اسی دوران ابو بکر رضی اللہ عنہ آئے تو وہ دف بجاتی رہی۔ پھر علی رضی اللہ عنہ آئے، اس کے بعد عثمان رضی اللہ عنہ آئے تو وہ بدستور دف بجاتی رہی۔ بعد ازاں عمر رضی اللہ عنہ آئے تو اس نے فوراً دف کو اپنے پیچھے چھپایا اور اس پر بیٹھ گئی۔ تب نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”عمر! تم سے تو شیطان بھی ڈرتا ہے۔ یہ بچی میرے سامنے دف بجا رہی تھی، پھر ابو بکر رضی اللہ عنہ آئے تو یہ بجاتی رہی، پھر علی رضی اللہ عنہ آئے تو یہ بجاتی رہی، پھر عثمان رضی اللہ عنہ آئے تو یہ بجاتی رہی، پھر جب تم آئے تو اس نے اسے پھینک دیا۔“^①

بعض اہل علم کا کہنا ہے کہ اس حدیث میں مطلقاً اس بات کا جواز نہیں ہے کہ جو بھی سفر کے بعد واپس لوٹے تو اس کا استقبال کرتے ہوئے دف بجائی جاسکتی ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اُس بچی کو صرف نذر کی وجہ سے اجازت دی تھی اور یہ بھی فرمایا تھا کہ اگر نذر نہیں مانی تو پھر دف مت بجاؤ۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ استقبال کے موقعہ پر دف بجانا مشروع نہیں ہے۔ واللہ اعلم

یہاں ہم آپ کو یہ بھی بتاتے چلیں کہ بعض لوگ اس کی دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ جب رسول اکرم ﷺ ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تھے تو اُس وقت مدینے کی بچیوں نے ’دف‘ بجاتے ہوئے یہ اشعار پڑھے تھے:

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوُدَاعِ

وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا مَا دَعَا لِلَّهِ دَاعِ

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ واقعہ اگرچہ سیرت کی کتابوں میں ذکر کیا گیا ہے، لیکن اس کی سند ضعیف ہے۔ کیونکہ اس میں تین یا اس سے زیادہ راوی ساقط ہیں اور اس طرح کی روایت کو محدثین کی اصطلاح میں ’معضل‘ کہا جاتا ہے جو ضعیف کی اقسام میں سے ایک قسم ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر اس کو سند کے اعتبار سے درست بھی مان لیا جائے تو اس کا تعلق ہجرت کے واقعہ سے نہیں ہے کیونکہ ایک تو اس میں ہجرت کا ذکر ہی نہیں ہے، دوسرا اس میں یہ جو کہا گیا ہے کہ ((طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوُدَاعِ)) تو ’ثَنِيَّاتِ الْوُدَاعِ‘ مکہ سے مدینہ کی طرف آتے ہوئے نہیں بلکہ شام سے مدینہ کی طرف آتے ہوئے نظر آتی ہیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ نبی ﷺ جب غزوہ تبوک کے بعد مدینہ منورہ کو واپس لوٹے تو شاید اُس وقت ان کے استقبال میں یہ اشعار پڑھے گئے۔ لیکن ہم پہلے ہی کہہ چکے ہیں کہ اس کی سند ضعیف ہے۔ لہذا یہ ناقابل حجت ہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ اس روایت میں ’دف‘ کا تو سرے سے ذکر ہی

① جامع الترمذی: 3690، وصححه الألبانی.

- نہیں ہے! تو یہ واقعہ آج کل 'دف' کے ساتھ پڑھی جانے والی نعتوں کے جواز کی دلیل کیسے بن سکتا ہے!!!^①
- ② 'دف' ڈھول کو نہیں کہتے بلکہ اس کو کہتے ہیں جس میں جلد لگی ہوتی ہے اور وہ ایک طرف سے بند اور دوسری طرف سے کھلی ہوتی ہے۔ اور اسے ایک ہی جانب سے بجایا جاتا ہے۔
- ③ جو اشعار پڑھے جائیں وہ بے حیائی اور جھوٹ پر مبنی نہ ہوں۔
- ④ پڑھنے یا گانے والی نو خیز لڑکیاں ہوں اور ان کے پاس صرف عورتیں ہوں۔ مردوں کے لیے دف بجانا جائز نہیں ہے کیونکہ اس سے عورتوں کے ساتھ ان کی مشابہت ہوتی ہے جو کہ ممنوع ہے۔
- ⑤ مرد وزن کا اختلاط نہ ہو۔

معزز سامعین! 'دف' کے متعلق جو شرعی شروط و قیود ہم نے ذکر کی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے استعمال کی اجازت نہایت ہی محدود ہے۔ لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اس دور میں اس کا استعمال اس قدر وسیع ہو گیا ہے کہ کوئی نعت یا کوئی نظم اس کے بغیر نہیں پڑھی جاتی۔ بلکہ اب تو بعض ٹی وی چینلز کے ذریعے اس رجحان کو خوب ہوا دی جا رہی ہے اور بہت سارے لوگوں کو قرآن مجید سے دور کر کے انھی نعتوں کا ہی گرویدہ بنا دیا گیا ہے۔ ولا حول ولا قوة الا باللہ

نہایت افسوس کی بات یہ ہے کہ آج کل 'دف' کے ساتھ جس طرح نعتیں پڑھی جا رہی ہیں اور اس میں نو جوان و بے پردہ لڑکیاں بھی شامل ہوتی ہیں، یہ اس دور کا بہت بڑا فتنہ ہے کیونکہ ایک طرف نو جوان نسل کی بہت بڑی تعداد اگر گانوں اور موسیقی کی دلدادہ ہے تو دوسری طرف بہت سارے لوگ، جن میں ہر عمر کے مرد و خواتین شامل ہیں، ان میں اب انھی نعتوں کا رجحان بڑی تیزی سے پھیل رہا ہے۔ یوں قرآن مجید ایک سائیڈ پر رکھ دیا گیا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اس لیے اتارا کہ اس کے ماننے والے اس کی تلاوت کریں، اس میں غور و فکر کریں اور اسے اپنا دستور حیات بنائیں۔ مسلمانوں کی کثیر تعداد اسے صرف رمضان المبارک میں ہاتھ لگاتی ہے۔ پھر سارا سال اسے غلافوں میں لپیٹ کر رکھا جاتا ہے اور اسے پڑھنے کی زحمت بھی نہیں کی جاتی، چہ جائیکہ اس میں تدبر کیا جاتا اور اس کے احکامات کو سمجھ کر ان پر عمل کیا جاتا۔ ہم سمجھتے ہیں کہ گانوں اور موسیقی کے ذریعے قرآن مجید سے دور رکھنے کی کوششیں تو پہلے بھی ہوتی تھیں، اب بھی ہو رہی ہیں، لیکن اس کے ساتھ ساتھ اب ایک نیا انداز ایجاد کر لیا گیا ہے اور وہ ہے 'دف' کے ساتھ نعتیں پڑھنا اور انھیں 'اسلامی موسیقی' کا نام دے کر گھر گھر تک پہنچانا۔ حالانکہ 'موسیقی' اور اسلام دونوں اکٹھے نہیں ہو سکتے۔ ہم ان لوگوں سے پوچھتے ہیں کہ کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اسی طرح 'دف' کے ساتھ نعتیں پڑھا کرتے تھے؟ اور

① منسلکة الأحادیث الضعیفة: 598، زاد المعاد: ج 3، ص: 13.

کیا وہ بھی 'محفل نعت' منعقد کیا کرتے تھے؟ اور کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بیٹیاں بھی اسی طرح نعتیں پڑھا کرتی تھیں؟ اگر یہ سب کچھ اُس دور میں نہیں ہوتا تھا تو آج کیوں ہو رہا ہے؟ اگر یہ سب کچھ قرونِ اولیٰ میں دین کا حصہ نہیں تھا تو آج کیوں اسے دین کا حصہ بنایا جا رہا ہے؟

موسیقی کے متعلق اہل ایمان کا موقف کیا ہونا چاہیے؟

موسیقی اور گانوں کے متعلق اہل ایمان کا موقف وہی ہونا چاہیے جو ہم نے کتاب و سنت اور اقوالِ ائمہ کی روشنی میں ذکر کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ گانے گانا اور سننا حرام ہے اور ہر قسم کی موسیقی سے اپنے کانوں کو دور رکھنا ضروری ہے۔ اور اسی لیے ہم آپ اور دیگر تمام اہل ایمان کو دعوت دیتے ہیں کہ

① گانوں اور موسیقی وغیرہ سے فوراً توہ کریں اور ان چیزوں کو قطعی طور پر ترک کر دیں۔ اگر آپ نے اپنے گھروں میں آلاتِ موسیقی رکھے ہوئے ہیں تو انھیں نکال باہر پھینکیں۔ اور اگر آپ نے اپنے گھر میں یا اپنی گاڑی میں گانوں اور موسیقی پر مشتمل آڈیو یا وڈیو کیسٹس یا سی ڈیز رکھی ہوئی ہیں تو انھیں ضائع کر دیں۔ اور آئندہ کے لیے ان چیزوں کے قریب نہ جانے کا پختہ عزم کریں۔

② گانے والوں اور گانے والیوں سے سخت نفرت کریں کیونکہ یہ لوگ کھلم کھلا حرام کام کا ارتکاب کرتے ہیں، خود بھی بے حیائی کا مظاہرہ کرتے ہیں اور سننے اور دیکھنے والوں کو بھی اس پر آمادہ کرتے ہیں۔ معاشرے میں بے راہ رادی اور بے غیرتی کو پھیلانے میں ان لوگوں کا بہت بڑا کردار ہے۔ اس کے علاوہ یہ حرام کھاتے بھی ہیں اور حرام کھاتے بھی ہیں۔ اور ایسے ہی لوگوں کے متعلق اللہ کا ارشاد ہے کہ

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ٥٠﴾

”وہ لوگ جو یہ پسند کرتے ہیں کہ ایمان والوں میں بے حیائی پھیل جائے تو ان کے لیے یقیناً دنیا و آخرت میں دردناک عذاب ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔“ ①

لہذا ان جیسے لوگوں سے اللہ کی رضا کے لیے بغض رکھیں، نہ یہ کہ انھیں آمیزدیل تصور کرتے ہوئے ان کے بول بولیں، ان کے ڈائلاگ یاد کریں اور ان کے گن گائیں۔ ان جیسے لوگوں کے ساتھ عقیدت و محبت رکھنا بہت بڑا گناہ ہے۔ لہذا انھیں اور وہ جو کچھ گاتے ہیں اسے ناپسندیدہ نگاہوں سے دیکھیں اور اپنے کانوں کو ان کے حرام گانوں سے پاک رکھیں۔

ہم خاص طور پر نوجوان نسل کو تنبیہ کرتے ہیں کہ وہ ان سنگرز کو آئیڈیل سمجھنے کی بجائے نوجوان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آئیڈیل سمجھیں جو اس طرح کی تمام چیزوں سے اپنے آپ کو دور رکھتے تھے۔

نافع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ جا رہا تھا کہ انھوں نے ایک چرواہے کی آواز کو سنا جو کسی آلہ موسیقی کے ساتھ گا رہا تھا۔ انھوں نے فوراً اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ٹھونس لیں۔ آگے جا کر پوچھا: نافع! کیا تم ابھی وہ آواز سن رہے ہو؟ تو میں جب تک یہ کہتا رہا کہ ہاں ابھی آواز آرہی ہے تب تک وہ چلتے رہے اور اپنی انگلیوں کو اپنے کانوں سے نہ ہٹایا۔ جب میں نے کہا کہ اب آواز نہیں آرہی، تب انھوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں سے الگ کر لیں اور فرمایا: اسی طرح میں نبی اکرم ﷺ کے ساتھ تھا کہ آپ نے ایک چرواہے کی آواز کو سنا جو اپنے آلہ موسیقی کے ساتھ گا رہا تھا تو آپ ﷺ نے بھی اسی طرح کیا جس طرح میں نے کیا ہے۔^(۱)

﴿اگر آپ کے گھر والوں میں سے کوئی شخص موسیقی اور گانے وغیرہ سنتا ہو تو اسے سختی سے منع کریں۔ اسی طرح آپ جہاں کہیں ہوں اور وہاں موسیقی چل رہی ہو یا گانے سنے جا رہے ہوں یا حیا باختہ مناظر دیکھے جا رہے ہوں تو آپ رسول اکرم ﷺ کی اس حدیث پر ضرور عمل کریں جس میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ

« مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ . فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ . فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ ، وَذَلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ »

”تم میں سے جو شخص کسی برائی کو دیکھے تو وہ اسے اپنے ہاتھ سے روکے۔ اگر وہ اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اپنی زبان سے منع کرے۔ اور اگر اس کی بھی طاقت نہ رکھتا ہو تو اپنے دل میں اسے برا جانے۔ اور یہ کمزور ترین ایمان ہے۔“^(۲)

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ تمام مسلمانوں کو موسیقی اور گانوں کی لعنت سے بچنے کی توفیق دے اور ہم سب کی حفاظت فرمائے۔

(۱) مسند احمد: 4535، وصحیحہ الارناؤط، سنن ابی داؤد: 4924، وصحیحہ الاکبانی، (۲) صحیح مسلم: 49.

خرید و فروخت کے آداب و احکام

اہم عناصر خطبہ

① بیع (خرید و فروخت) حلال ہے

② خرید و فروخت کے آداب

③ خرید و فروخت کے احکام

پہلا خطبہ

محترم حضرات!

روئے زمین پر سب سے زیادہ پسندیدہ جگہ مسجد ہے اور سب سے زیادہ ناپسندیدہ جگہ بازار ہے۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

« أَحَبُّ الْبِلَادِ إِلَى اللَّهِ مَسَاجِدُهَا ، وَأَبْغَضُ الْبِلَادِ إِلَى اللَّهِ أَسْوَاقُهَا »

”شہروں میں اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب ان میں پائی جانے والی مساجد ہیں۔ اور شہروں میں اللہ تعالیٰ

کو سب سے زیادہ ناپسندیدہ ان میں پائے جانے والے بازار ہیں۔“ ①

’بازار‘ جہاں خرید و فروخت کے معاملات طے ہوتے ہیں، اگرچہ سب سے زیادہ ناپسندیدہ جگہ ہے، لیکن اس بازار

میں جانا اور خرید و فروخت کرنا انسان کی ایک اہم ضرورت ہے اور اُس کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔ اسی

لیے اللہ تعالیٰ نے ’بیع‘ (یعنی خرید و فروخت) کو حلال قرار دیا ہے۔ جیسا کہ اس کا فرمان ہے:

﴿وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا﴾

”اور اللہ نے خرید و فروخت کو حلال اور سود کو حرام کر دیا ہے۔“ ②

جاہلیت کے دور میں بھی عربوں کے مشہور بازار لگتے تھے اور ان میں لوگ تجارت و کاروبار کرتے تھے اور ضرورت مند

لوگ اپنی ضرورتوں کے مطابق لین دین کیا کرتے تھے۔ پھر جب رسول اکرم ﷺ تشریف لائے تو آپ بھی بازار میں جایا کرتے تھے اور ضروری اشیاء کی خرید و فروخت کیا کرتے تھے۔ کفار مکہ نے آپ ﷺ پر جو اعتراضات کیے تھے ان میں سے ایک اعتراض یہ تھا کہ

﴿مَالِ هَذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ الظَّعَامَ وَيَمْشِي فِي الْأَسْوَاقِ﴾

”یہ کیسا رسول ہے کہ جو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔“^①

اسی طرح آپ ﷺ کے صحابہ کرام بھی بازاروں میں جا کر مختلف چیزوں کا کاروبار کیا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کپڑے کا کاروبار کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بعض شرعی احکام سے ناواقفیت کا عذر یہ پیش کرتے تھے کہ وہ بازاروں میں لین دین کے معاملات میں مشغول رہتے تھے۔ اسی طرح حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بھی مشہور تاجروں میں سے تھے۔

اس سے یہ ثابت ہوا کہ بازار اگرچہ اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ ناپسندیدہ ہے، اس کے باوجود اپنی ضرورتوں کے لیے اس میں جانا اور وہاں خرید و فروخت کرنا شرعی طور پر جائز ہے۔ تاہم اس کے کچھ آداب و احکام ہیں جن کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ آج کے خطبہ جمعہ میں ہم۔ ان شاء اللہ۔ انہی آداب و احکام کا تذکرہ قرآن و حدیث کی روشنی میں کریں گے۔

خرید و فروخت کے آداب

① بازار میں داخل ہونے کی دعا

بازار میں داخل ہونے سے پہلے مسنون دعا پڑھ لینی چاہیے جس کی بہت زیادہ فضیلت ہے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

”جو شخص بازار میں داخل ہوتے وقت یہ دعا پڑھے:

«لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَخَذَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ . لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْخَمْدُ . يُحْيِي وَيُمِيتُ وَهُوَ حَيٌّ لَا يَمُوتُ .

بِإِذْنِهِ الْخَيْرُ . وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ»

تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے دس لاکھ نیکیاں لکھ دیتا ہے، دس لاکھ گناہ مٹا دیتا ہے اور دس لاکھ درجے بلند کر دیتا ہے۔“^②

اس حدیث کی ایک اور روایت میں ”دس لاکھ درجات کی بجائے“ یہ الفاظ ہیں:

① الفرقان 25:7. ② الترمذی: 3428. وحسنہ الألبانی.

« وَبَنَى لَهُ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ » اور اس کے لیے جنت میں ایک گھر بنا دیتا ہے۔^①

② شور شرابہ اور ہنگامہ برپا کرنے سے بچنا

کئی لوگ بازاروں اور مارکیٹوں میں شور شرابہ کر کے ہنگامہ سا برپا کر دیتے ہیں۔ حالانکہ ایسا کرنا درست نہیں ہے۔ رسول اکرم ﷺ کے اوصاف حمیدہ میں سے یہ بھی تھا کہ «لَيْسَ بِفَخْرٍ وَلَا غَلِيظٍ وَلَا سَخَّابٍ بِالْأَسْوَاقِ وَلَا يَذْفَعُ السَّيِّئَةَ بِالسَّيِّئَةِ وَلَكِنْ يَغْضُو وَيَصْفَحُ۔»

”آپ نہ بد اخلاق ہیں اور نہ سخت مزاج ہیں۔ اور نہ ہی بازاروں میں اونچی آواز سے بات کرتے ہیں۔ اور برائی کا جواب برائی سے نہیں دیتے بلکہ معاف اور درگزر کر دیتے ہیں۔“^②

③ لین دین میں اخوت و بھائی چارے کے تقاضوں کو پورا کرنا

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ﴾

”مومن تو آپس میں بھائی بھائی ہیں۔“^③

اور رسول اکرم ﷺ نے اپنی اگلیوں کو ایک دوسرے کے ساتھ ملاتے ہوئے ارشاد فرمایا:

«الْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا»

”مومن دوسرے مومن کے لیے ایک مضبوط عمارت کی طرح ہے جس کا ایک حصہ دوسرے حصے کو مضبوط کرتا ہے۔“^④

اس اخوت و بھائی چارے کے کئی تقاضے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ ہر شخص خرید و فروخت کے معاملات میں سخت رویہ اختیار کرنے کی بجائے نرم رویہ اختیار کرے۔ ہر مسلمان اپنے بھائی کے لیے آسانیاں پیدا کرے۔ خرید کر رہا ہو تب بھی، فروخت کر رہا ہو جب بھی۔ کوئی چیز لے رہا ہو یا کسی چیز کی قیمت ادا کر رہا ہو دونوں صورتوں میں سہل پسندی سے کام لے اور اچھے اخلاق کا مظاہرہ کرے۔

رسول اکرم ﷺ نے دعا کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

«رَحِمَ اللَّهُ رَجُلًا سَمِعًا إِذَا بَاعَ وَإِذَا اشْتَرَى وَإِذَا اقْتَضَى»

”اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہو اُس آدمی پر جو بیچتے وقت، خریدتے وقت اور تقاضا کرتے وقت نہایت آسان

① الترمذی: 3429، سنن ابن ماجہ: 2235، وحسنہ الألبانی، ② صحیح البخاری: 4838، ③ الحجرات: 10:49، ④

صحیح البخاری: 2446، 481، صحیح مسلم: 2585،

اور (اپنے حق کو) معاف کرنے والا ہو۔^①

بلکہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ «إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ سَفْحَ الْبَيْعِ . سَفْحَ الشِّرَاءِ . سَفْحَ الْقَضَاءِ»
”بے شک اللہ تعالیٰ اُس آدمی سے محبت کرتا ہے جو خرید و فروخت اور ادائیگی میں آسان ہو اور اپنے حق سے کم پر راضی ہو جانے والا ہو۔“^②

نیز فرمایا: «أَدْخَلَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ رَجُلًا كَانَ سَهْلًا مُشْتَرِيًا وَتَانِعًا وَقَاضِيًا وَمُفْتَضِيًا الْجَنَّةَ»
”اللہ تعالیٰ نے اس آدمی کو جنت میں داخل کر دیا جو خرید و فروخت میں اور کسی کو اس کا حق ادا کرنے میں اور کسی سے اپنے حق کا تقاضا کرنے میں بہت آسان تھا۔“^③

اسی طرح اخوت کے تقاضوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ لین دین اور خرید و فروخت کے معاملات میں مومن اپنے بھائی کے لیے وہ چیز پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہو اور وہ چیز نا پسند کرے جو اپنے لیے نا پسند کرتا ہو۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ»

”تم میں سے کوئی شخص کامل ایمان والا نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لیے وہی چیز پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔“^④

لہذا خریدار اور بائع دونوں پر یہ بات لازم ہے کہ وہ ایک دوسرے کا فائدہ سوچیں اور ان میں سے کوئی بھی دوسرے کو نقصان پہنچانے کے درپے نہ ہو۔ صرف اپنا فائدہ سوچنا، خواہ دوسرے فریق کا نقصان کیوں نہ ہو، یہ مومن کے شایان شان نہیں ہے اور اخوت و بھائی چارے کے سراسر خلاف ہے۔

صحیحین میں ایک واقعہ ذکر کیا گیا ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”تم سے پہلے لوگوں میں سے ایک شخص نے زمین کا ایک ٹکڑا خریدا۔ اسے اس میں ایک ٹھلیا (گھڑا) ملا جس میں سونا رکھا ہوا تھا۔ تو خریدار نے [یہ نہیں سوچا کہ بس اب تو دارے نیارے ہو گئے، اتنا سرمایہ ہاتھ لگ گیا، پتہ نہیں میں زندگی بھر اتنا کما سکتا یا نہیں، بلکہ اس نے] بائع سے کہا: اپنا سونا واپس لے لو، کیونکہ میں نے تم سے صرف زمین خریدی ہے، یہ سونا نہیں خریدا۔ بائع نے کہا: میں نے تو زمین اور اس میں جو کچھ ہے سب تیرے ہاتھ فروخت کر دیا ہے۔ [یعنی نہ خریدار سونا ساتھ لے جانے کے لیے تیار ہے اور نہ ہی بائع اسے واپس لینے پر تیار ہے، بلکہ دونوں کی

① صحیح البخاری: 2076، ② الترمذی: 1319، وصححه الالبانی، ③ سنن النسائی: 4696، وحسنہ

الالبانی، ④ صحیح البخاری: 13، 1239.

خواہش ہے کہ اس کا بھائی اسے لے جائے [اب وہ اپنا یہ معاملہ ایک اور شخص کے پاس لے گئے۔ تو اس نے دونوں سے پوچھا: کیا تمہاری کوئی اولاد ہے؟ ان میں سے ایک نے کہا: میرا ایک لڑکا ہے اور دوسرے نے کہا: میری ایک لڑکی ہے۔ تو ثالث نے کہا: اس سونے کے ساتھ لڑکے اور لڑکی کی شادی کر دو، اس میں سے کچھ اپنے اوپر بھی خرچ کرو اور اس میں سے کچھ صدقہ بھی کر دو۔“^(۱)

۴ نظروں کو جھکانا ﴿۴﴾

بازار میں چونکہ خواتین بھی ہوتی ہیں اور آج کل بے پردگی بھی عام ہے، اس لیے اپنی نظروں کو جھکا کر رکھنا چاہیے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوْنَ أَبْصَارَهُمْ وَ يَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ۚ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝﴾

”مومنوں سے کہئے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کیا کریں۔ یہ ان کے لیے زیادہ پاکیزہ ہے۔ اور جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس سے یقیناً باخبر ہے۔“^(۲)

اور رسول اکرم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا تھا:

« يَا عَلِيُّ ! لَا تُثْبِيعِ النَّظْرَةَ النَّظْرَةَ ، فَإِنَّ لَكَ الْأُولَىٰ وَلَيْسَتْ لَكَ الْآخِرَةُ)

”علی! ایک مرتبہ (اچانک) نظر پڑ جائے تو اس کے بعد دوسری نظر نہ اٹھایا کرو، کیونکہ تمہارے لیے پہلی نظر تو معاف ہے، لیکن دوسری نظر معاف نہیں ہے۔“^(۳)

یہ اس لیے ضروری ہے کہ غیر محرم عورت کو دیکھنا شریعت کی نظر میں آنکھ کا زنا ہے۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

« اِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ عَلٰى ابْنِ اٰدَمَ حَظْلَهُ مِنَ الزِّنَا . اَذْرَكَ ذٰلِكَ لَا مَحَالَةَ ، فَرَزَنِ الْعَيْنَيْنِ النَّظْرَ . وَزَنِ الْبَشَانِ النَّطْقُ --- »

”بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر انسان پر زنا سے اس کا حصہ لکھ دیا ہے جس کو وہ ہر حال میں پا کر رہے گا۔ لہذا آنکھوں کا زنا (غیر محرم عورت پر) نظر ڈالنا ہے اور زبان کا زنا بولنا ہے۔“^(۴)

۵ سچ بولنا اور جھوٹ بولنے سے پرہیز کرنا ﴿۵﴾

جس طرح عام گفتگو میں سچ بولنا اور جھوٹ سے بچنا لازم ہے اسی طرح خرید و فروخت کے معاملات طے کرتے

① صحیح البخاری: 3472، صحیح مسلم: 1721، ② النور: 30:24، ③ مسنن أبي داود: 2149، جامع ترمذی: 2777 وحسنہ الألبانی، ④ صحیح مسلم: 2657.

ہوئے بھی یہی وتیرہ اختیار کرنا چاہیے۔

حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے کچھ لوگوں کو کاروبار میں مشغول دیکھا تو آپ نے فرمایا: «يَا مَعْشَرَ النَّجَّارِ!» ”اے تاجروں کی جماعت!“

تو وہ لوگ گردنیں اٹھا اٹھا کر آپ ﷺ کی طرف متوجہ ہوئے اور آپ کا ارشاد بغور سننے کے لیے تیار ہو گئے۔ تب آپ نے فرمایا: «إِنَّ النَّجَّارَ يَنْعَثُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فُجَّارًا إِلَّا مَنْ اتَّقَى اللَّهَ وَتَزَوَّدَ»

”بے شک تاجروں کو قیامت کے روز اس حال میں اٹھایا جائے گا کہ وہ گناہگار ہوں گے سوائے اس کے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہا، نیکی کرتا رہا اور سچ بولتا رہا۔“^(۱)

لین دین میں سچ بولنے کی بناء پر اللہ تعالیٰ اس میں برکت دے دیتا ہے اور جھوٹ بولنے کی بناء پر اس کی برکت کو مٹا دیا جاتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: «الْبَيْعَانِ بِالْخِيَارِ مَا لَمْ يَنْفَرَقَا . فَإِنْ صَدَقَا وَبَيَّنَّا بُرُوكَ لِهَمَا فِي بَيْعِهِمَا . وَإِنْ كَذَبَا وَكَتَمَا مُحِقَّتْ بَرَكَةُ بَيْعِهِمَا»

”خریدار اور بیچنے والے کو جدا ہونے تک اختیار ہے کہ وہ چاہیں تو سودا طے کر لیں اور اگر چاہیں تو اسے منسوخ کر دیں۔ اگر وہ دونوں سچ بولیں اور ہر چیز کو کھول کر بیان کر دیں تو ان کے سودے میں برکت آئے گی۔ اور اگر وہ جھوٹ بولیں اور کسی بات کو چھپائیں تو ان کے سودے میں برکت ختم ہو جائے گی۔“^(۲)

جبکہ آج کل ہم دیکھتے ہیں کہ خرید و فروخت میں بہت زیادہ جھوٹ بولا جاتا ہے۔ مثلاً آپ کوئی چیز خریدنے گئے، ابھی آپ اپنی منشاء کے مطابق اُس چیز کو دیکھ ہی رہے ہوں گے کہ دوکاندار خود ہی اس کی تعریف کرنا شروع کر دے گا۔ اور اس کے ہارے میں وہ باتیں بتائے گا جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہ ہوگا۔ مثلاً وہ آپ کو بتائے گا کہ یہ چیز فلاں ملک کی بنی ہوئی ہے اور وہ اُس ملک کا نام لے گا جس کی پروڈکٹ لوگوں میں زیادہ پسندیدہ ہوگی، حالانکہ وہ اُس ملک کی بنی ہوئی نہیں ہوگی۔ پھر جب قیمت کی بات ہوگی تو وہ دانستہ طور پر بہت زیادہ قیمت بتائے گا، تاکہ وہ گاہک کے ساتھ مک مکا کرتے ہوئے اسے اس قیمت پر لے آئے جس میں اس کے لیے اتنا نفع ہوگا کہ جو اس نے اپنے ذہن کے مطابق پہلے ہی طے کر رکھا تھا۔ اگر گاہک کہے کہ یہ چیز مجھے اتنے میں دے دو تو وہ فوراً کہے گا، نہیں، یہ تو میری خرید ہی نہیں ہے!!! حالانکہ اس کی قیمت خرید اس سے بہت کم ہوگی۔ پھر جب سودا طے ہو جائے گا تو گاہک مطالبہ کرے گا کہ میں دوں گا تو اتنے پیسے جتنے طے ہوئے ہیں لیکن آپ رسید زیادہ پیسوں کی بنا کر دیں! کیونکہ ہو سکتا

(۱) جامع الترمذی: 1210، حسن صحیح، سنن ابن ماجہ: 2146، (۲) صحیح البخاری: 1973، صحیح مسلم: 1532.

ہے کہ وہ اپنی کمپنی یا اپنے محکمے یا کسی شخص یا کسی ادارے کی طرف سے اُس چیز کو خریدنے گیا ہو تو وہ اپنا کمیشن بھی اس کی قیمت خرید میں شامل کرنا چاہتا ہے۔ اس طرح وہ خود بھی جھوٹ میں ملوث ہوتا ہے اور دکاندار کو بھی اس میں ملوث کرتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ خرید و فروخت اور لین دین کے معاملات میں ہمیشہ سچ بولنا اور سچ ہی لکھنا چاہیے۔ اور جھوٹ سے قطعی طور پر پرہیز کرنا چاہیے۔

⑥ عیب کو بیان کرنا اور صاف گوئی سے کام لینا

باع (فروخت کنندہ) پر لازم ہے کہ وہ جس چیز کو بیچ رہا ہو اس میں اگر کوئی عیب ہو تو اسے خریدار کے سامنے پوری امانت داری کے ساتھ بیان کر دے اور کسی عیب کو مت چھپائے۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: «لَا يَجِلُّ لِأَخِي أَنْ يَبِيعَ شَيْئًا إِلَّا بَيَّنَّ مَا فِيهِ، وَلَا يَجِلُّ لِمَنْ عِلِمَ ذَلِكَ إِلَّا بَيَّنَّهُ»

”کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ کوئی چیز فروخت کرے جب تک کہ اس کے عیبوں کو بیان نہ کر دے۔ اور جو

بھی اس کے عیبوں کو جانتا ہو اس پر لازم ہے کہ وہ انھیں خریداروں کے سامنے بیان کرے۔“^①

ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں: «الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ، وَلَا يَجِلُّ لِمُسْلِمٍ بَاعَ مِنْ أَخِيهِ بَيْعًا فِيهِ عَيْبٌ إِلَّا بَيَّنَّهُ لَهُ»

”مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ اور کسی مسلمان کے لیے حلال نہیں کہ وہ اپنے بھائی کو عیب والی چیز فروخت کرے، سوائے اس کے کہ وہ اس عیب کو اس کے لیے بیان کر دے۔“^②

⑦ دھوکہ دہی سے بچنا

خرید و فروخت کے معاملات میں دھوکہ دہی سے بچنا بھی ضروری ہے۔

ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ کا گزر غلہ کے ایک ڈھیر سے ہوا۔ آپ ﷺ نے اس کے اندر ہاتھ ڈالا تو آپ کی انگلیوں کو نمی سی محسوس ہوئی۔ آپ ﷺ نے پوچھا: غلہ بیچنے والے! یہ کیا ہے؟ اس نے کہا: اللہ کے رسول! اسے بارش نے تر کر دیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَفَلَا جَعَلْتَهُ فَوْقَ الطَّعَامِ كَي يَرَاهُ النَّاسُ! مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنِّي»

① المستدرک: 2175، صحیحہ الحاکم ووافقه الذہبی، ③ سنن ابن ماجہ: 2246، و صحیحہ الالبانی.

”اے تم نے اوپر کیوں نہ رکھا تا کہ لوگ اسے دیکھ لیتے! جو شخص دھوکہ کرے اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔“^①

جبکہ آج کل لوگ مختلف طریقوں سے خریداروں کو دھوکہ دیتے ہیں۔ مثلاً اشیائے خورد و نوش میں ملاوٹ کرتے ہیں۔ اور یہ ملاوٹ اس قدر زیادہ ہے کہ شاید ہی کوئی چیز اس سے محفوظ ہو۔ بازار میں زیادہ تر چیزیں ملاوٹ شدہ ہی ہوتی ہیں۔ خالص چیزیں تو تلاشِ بسیار کے بعد کہیں جا کر ملتی ہیں۔ ورنہ حالت یہ ہے کہ نہ پانی خالص اور نہ دودھ خالص، نہ آنا خالص اور نہ مسالہ جات خالص، حتیٰ کہ گوشت کو بھی پانی لگایا جاتا ہے جس سے اس کا وزن کئی گنا بڑھ جاتا ہے، پھر اسی حالت میں اسے بیچ دیا جاتا ہے۔

اسی طرح جن ڈبوں میں مختلف چیزوں کو پیک کیا جاتا ہے ان پر بھی دھوکہ کیا جاتا ہے اور ان پر لگے ہوئے لیبل تبدیل کر دیے جاتے ہیں، کمپنی یا ملک کا نام تبدیل کر دیا جاتا ہے۔ اور تاریخوں میں بھی رد و بدل کر دیا جاتا ہے۔ اس طرح دھوکہ دے کر گاہکوں سے مال بنوا جاتا ہے!

﴿جھوٹی قسم کھانے سے پرہیز کرنا﴾

بعض لوگ اپنا تجارتی ساز و سامان جلد از جلد بیچنے کے لیے گاہکوں کے سامنے جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں۔ اور یہ اس قدر سنگین گناہ ہے کہ قیامت کے روز ایسے لوگوں سے اللہ تعالیٰ نہ بات کرنا پسند کرے گا اور نہ ان کی طرف دیکھے گا۔ بلکہ انھیں دردناک عذاب میں مبتلا کرے گا۔ والعیاذ باللہ

نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«ثَلَاثَةٌ لَا يَكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ . وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ»

”تین قسم کے لوگوں سے اللہ تعالیٰ قیامت کے روز نہ بات چیت کرے گا، نہ ان کی طرف دیکھے گا اور نہ انھیں پاک کرے گا۔ اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔“

آپ ﷺ نے یہ الفاظ تین بار کہے۔ تو حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نے کہا: وہ یقیناً ذلیل و خوار ہوں گے اور خسارہ پائیں گے۔ یا رسول اللہ! وہ کون ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

«الْمُسْبِلُ إِزَارَةَ . وَالْمُنْفِقُ . وَالْمُنْفِقُ بِالسُّلْطَانِ بِالْخِلْفِ الْكَاذِبِ»

”اپنے تہ بند کو نیچے لٹکانے والا، احسان جتلانے والا اور اپنے سودے کو جھوٹی قسم کھا کر بیچنے والا۔“^②

اسی طرح رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: «مَنْ خَلَفَ عَلَى يَمِينٍ فَاَجَزَ لِيَنْقُطَعَ بِهَا مَالٌ اَوْ بَرِيءٌ مُسْلِمٌ

لَقِيَ اللَّهَ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضَبَانِ»

① صحیح مسلم: 102. ② صحیح مسلم: 106.

”جو آدمی جھوٹی قسم اٹھائے تاکہ اس کے ذریعے کسی مسلمان کے مال پر قبضہ کر لے تو وہ اللہ تعالیٰ کو اس حال میں ملے گا کہ وہ اس پر ناراض ہوگا۔“^(۱)

قسم کھانے سے مال تو فروخت ہو جاتا ہے لیکن اس کی برکت ختم ہو جاتی ہے۔
رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

« الْجَلْفُ مُنْقِفَةٌ لِلْمَيْلَةِ وَمُمْجِقَةٌ لِلْكَسْبِ »

”قسم سے سودا بک جاتا ہے اور کمائی (کی برکت) مٹ جاتی ہے۔“^(۲)

لہذا خرید و فروخت میں جھوٹی قسم کھانے سے بچنا چاہیے۔

۹ مپ تول میں کمی کرنے سے بچنا

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَأَوْفُوا الْكَيْلَ إِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوا بِالْقِسْطِ الِاسْتَقِيمِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا﴾^(۱)
”اور جب تم مپ کر دو تو پورا پورا مپ اور تول تو سیدھی ترازو سے تولو۔ یہ اچھا طریقہ ہے اور انجام کے لحاظ سے بھی بہتر ہے۔“^(۲)

اسی طرح حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا تھا: ﴿وَيَقْوِرْ أَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْيِزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخُسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَعْتُوا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ﴾^(۳)

”اے میری قوم! مپ اور تول کو انصاف کے ساتھ پورا کیا کرو اور لوگوں کو ان کی اشیاء کم نہ دیا کرو۔ اور زمین میں فساد نہ پھیلاتے پھرو۔“^(۴)

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مپ اور تول میں کمی کرنا اور لوگوں کو ان کی چیزیں پوری پوری نہ دینا فساد فی الارض ہے، جو کہ حرام ہے۔ اور جو لوگ ایسا کرتے ہیں ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ ۝ الَّذِينَ إِذَا أَكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ ۝ وَإِذَا كَانُوا لَهُمْ أَوْ ذُنُوبُهُمْ يَخْشَوْنَ ۝﴾^(۵)

”ہلاکت و بربادی ہے مپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے۔ جو جب لوگوں سے مپ کر لیتے ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں اور جب انھیں مپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو کم دیتے ہیں۔“^(۶)

یعنی جن لوگوں نے دوہرا معیار اپنا رکھا ہے کہ جب لیتے ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں اور جب کوئی چیز دیتے ہیں تو مپ تول میں ڈنڈی مارتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے تباہی و بربادی ہے۔ والعیاذ باللہ۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے

① متفق علیہ، ② صحیح البخاری : 2087، صحیح مسلم : 1606، ③ الإسراء : 35، ④ ہود : 85، ⑤ المطففین : 3-1، 83

قوم شعیب علیہ السلام کو ان کے اسی جرم کی پاداش میں اور حضرت شعیب علیہ السلام پر ایمان نہ لانے کی وجہ سے دنیا میں ہی بدترین عذاب چکھا دیا۔

اور رسول اکرم ﷺ نے اس جرم کی سنگینی کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

«وَلَمْ يَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ إِلَّا أُخْذُوا بِالسِّنِينَ وَشِدَّةِ الْمَنُونَةِ وَخَوْرِ السُّلْطَانِ عَلَيْهِمْ»

”جو قوم ماپ تول میں کمی کرتی ہے اسے قحط سالی، مہنگائی اور بادشاہ کے ظلم میں جکڑ لیا جاتا ہے۔“^①

اور آج ہم انہی چیزوں کا سامنا کر رہے ہیں، چنانچہ مہنگائی کا طوفان ہے کہ رکنے کا نام ہی نہیں لیتا، ہر دس پندرہ دن میں ہر چیز کی قیمت کئی گنا بڑھ جاتی ہے۔ اور اس پر ستم یہ ہے کہ حکمران ہر آئے دن نئے نئے ٹیکس لگا کر ظلم کی انتہاء کر رہے ہیں۔ یوں بیچاری عوام مہنگائی اور ظلم کی چکی میں بری طرح پس رہی ہے..... لیکن یہاں غور طلب بات یہ ہے کہ اس ظلم و ستم کا سبب کیا ہے؟ ہم سمجھتے ہیں کہ اس کا سبب دراصل خود عوام کے اپنے کرتوت ہیں، انہی کرتوتوں میں سے ایک کرتوت ماپ تول میں کمی کرنا بھی ہے، جس کے بارے میں رسول اکرم ﷺ نے پیشین گوئی کی کہ جب لوگ اس طرح کریں گے تو ان پر ظالم حکمرانوں کو مسلط کر دیا جائے گا۔ لہذا ہمیں اپنی اصلاح کرتے ہوئے اس جرم سے اور لین دین کے معاملات میں دیگر جرائم سے بچی تو بہ کرنی چاہیے۔ تاکہ اللہ تعالیٰ ہم سے راضی ہو جائے اور وہ ہمیں ظالم حکمرانوں سے نجات دلائے۔

ماپ تول میں کمی کرنے کی بجائے کچھ زیادہ ہی دینا چاہیے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ بازار میں تشریف لے گئے۔ تو آپ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا جو مزدوری لے کر وزن کیا کرتا تھا تو آپ ﷺ نے اس سے فرمایا: «زِنْ وَأُزْجِجْ» ”وزن کرتے وقت قدرے جھکتا تول۔“ یعنی کچھ زیادہ ہی دیا کر۔^②

اس معاملے کا ایک اور پہلو یہ ہے کہ جہاں رسول اکرم ﷺ نے بائع کو یہ ترغیب دی کہ وہ کچھ زیادہ ہی دے، وہاں آپ ﷺ نے ادائیگی کرنے والے کو بھی ترغیب دی کہ وہ بہتر انداز سے ادا کرے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نبی کریم ﷺ سے اپنے قرض کا (جو ایک اونٹ تھا) تقاضا کرنے آیا تو اس نے آپ سے سخت کلامی کی۔ آپ ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہم اس کی طرف بڑھے لیکن آپ نے فرمایا: «دَعُوهُ فَإِنَّ لِصَاحِبِ الْحَقِّ مَقَالًا» ”اے چھوڑ دو کیونکہ حق والا (سختی سے) بات کر سکتا ہے۔“

پھر آپ ﷺ نے فرمایا: «أَغْلُوهُ سِنًا مِثْلَ سِنْتِهِ» ”اے اس کے اونٹ جیسا اونٹ دے دو۔“

① سنن ابن ماجہ: 4019۔ وصححه الألبانی۔ ② سنن أبي داود: 3336، جامع الترمذی: 1305، سنن النسائی: 4592۔ وصححه الألبانی۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہمیں اس سے بہتر اونٹ ہی ملا ہے، اُس جیسا نہیں ملا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: «أَعْطُوهُ فَإِنَّ مِنْ خَيْرِكُمْ أَحْسَنَكُمْ قَضَاءً»

”اُسے وہی دے دو کیونکہ تم میں سے بہتر وہ ہے جو اونٹنی میں بہتر ہو۔“^(۱)

﴿۱۰﴾ خرید و فروخت کے دوران نماز اور اللہ کے ذکر سے غافل نہ ہوں ﴿۱۰﴾

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿رَفِئَ بَيُّوتِ الَّذِينَ اللَّهُ أَنْ تُرْفَعَ وَيَذْكُرَ فِيهَا اسْمُهُ يُسَبِّحُ لَهُ فِيهَا بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ ۚ رِجَالٌ لَا تُلَهِیْهُمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ ۚ لِيُخْزِيَهُمْ اللَّهُ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا وَيزِيدَهُمْ مِنْ فَضْلِهِ ۚ وَاللَّهُ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝﴾

”ان گھروں میں جن کے متعلق اللہ نے حکم دیا ہے کہ انہیں بلند کیا جائے اور ان میں اس کا نام ذکر کیا جائے،

ان میں وہ لوگ صبح و شام اللہ کی تسبیح کرتے ہیں جنہیں اللہ کے ذکر، اقامتِ صلاۃ اور ادائے زکاۃ سے نہ

تجارت غافل کرتی ہے اور نہ خرید و فروخت۔ وہ اس دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس میں دل اور آنکھیں الٹ

جائیں گی۔ تاکہ وہ جو عمل کرتے ہیں اللہ انہیں اس کا بہترین بدلہ دے اور اپنے فضل سے اور زیادہ بھی دے۔

اور اللہ جسے چاہتا ہے بغیر حساب کے رزق عطا کرتا ہے۔“^(۲)

محترم حضرات! ان آیات میں ذرا غور فرمائیے۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی تعریف کی ہے جو تجارت اور خرید

و فروخت میں مشغول رہتے ہوئے اللہ کے گھروں (یعنی مساجد) میں بھی جاتے ہیں، جہاں وہ صبح و شام اللہ کی تسبیح بیان

کرتے ہیں، پانچ وقتی نماز پابندی سے اور باجماعت ادا کرتے رہتے ہیں اور اپنے مال کی زکاۃ بھی دیتے رہتے ہیں۔

وہ قیامت کے روز اللہ کے عذاب سے ڈرتے ہوئے اس کے احکامات سے غافل نہیں ہوتے۔ ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ

ان کے اعمال کا بہترین بدلہ بھی دے گا اور اپنے فضل و کرم سے مزید بھی عطا کرے گا۔ اور ایسے ہی لوگوں کو اللہ تعالیٰ

بے حساب رزق عطا کرتا ہے۔

خرید و فروخت کے احکام ﴿۱۱﴾

محترم حضرات! خرید و فروخت کے آداب بیان کرنے کے بعد اب ہم خرید و فروخت کے چند اہم احکام قرآن

و حدیث کی روشنی میں بیان کرتے ہیں۔

﴿۱﴾ فریقین کی باہمی رضامندی ﴿۱﴾

خرید و فروخت اور لین دین میں بائع اور خریدار کی باہمی رضامندی از حد ضروری ہے۔ لہذا دونوں فریق جبر و اکراہ

﴿۱﴾ صحیح البخاری: 2306، صحیح مسلم: 1601، ﴿۲﴾ النور: 24-36-38۔

اور دھونس و دھاندلی کی بجائے خوشی خوشی معاملہ طے کریں۔ بائع اپنے مال کا بھاؤ بتائے، پھر خریدار کو سوچنے کا موقع دے، اگر اسے وہ بھاؤ پسند ہو تو خرید لے، اگر پسند نہ ہو تو نہ خریدے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَاْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ﴾

”اے ایمان والو! اپنے آپس کے مال نا جائز طریقے سے مت کھاؤ، ہاں تمہاری آپس کی رضامندی سے خرید و فروخت ہو (تو ٹھیک ہے)۔“^①

اور رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ

« لَا يَنْفَرِقَنَّ عَنْ بَيْعٍ إِلَّا عَنْ تَرَاضٍ »

”بائع اور خریدار رضامندی کی حالت میں ہی کسی چیز کی بیع سے جدا ہوں۔“^②

② شرح منافع کیا ہونی چاہیے؟

اسلام میں شرح منافع کی تحدید نہیں کی گئی اور اسے محنت و مزدوری، اخراجات، بار برداری اور لاگت وغیرہ پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ کیونکہ ہر کاروبار میں یہ چیزیں ایک جیسی نہیں بلکہ کم و بیش ہوتی ہیں۔ تاہم ایسا بھی نہیں کہ اس معاملے میں شریعت نے کاروباری حضرات کو بالکل ہی آزاد چھوڑ دیا ہو۔ بلکہ اس نے کچھ اصول متعین کر دیے ہیں جن کی روشنی میں منافع کی شرح کا فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔ ان میں سب سے اہم اصول یہ ہے کہ کاروباری حضرات ہر مسلمان کی خیر خواہی کریں اور اپنی مصلحت کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی مصلحت کا بھی خیال رکھیں۔ اور اپنے فائدے کے ساتھ ساتھ عامۃ الناس کا بھی فائدہ سوچیں۔ نہ وہ اپنا نقصان کریں اور نہ ہی گاہکوں کا نقصان برداشت کریں۔ کسی بھی چیز کی لاگت کو سامنے رکھتے ہوئے اس کا جائز نفع کمائیں۔ اور کوشش کریں کہ عام ضروریات تک پبلک کی رسائی آسان سے آسان تر ہو۔

اسی طرح دوسرا اصول یہ ہے کہ ہر شخص اپنے بھائی کے لیے وہی چیز پسند کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے اور ہر وہ چیز اس کے لیے ناپسند کرے جو اپنے لیے ناپسند کرتا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ ایک تاجر جب خود خریدار ہوگا تو وہ یہ چاہے گا کہ ہر چیز اسے سستے داموں مل جائے۔ اور وہ قطعاً یہ نہیں چاہے گا کہ کوئی چیز اسے مہنگے داموں فروخت کی جائے۔ لہذا جس طرح وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے کہ اس سے جائز نفع ہی لیا جائے اسی طرح اسے یہ بھی پسند ہونا چاہیے کہ وہ اپنے بھائی سے بھی جائز نفع ہی کمائے۔ اور جس طرح وہ اپنے لیے ناپسند کرتا ہے کہ اس سے نا جائز نفع نہ کمایا جائے اسی طرح اسے یہ بھی ناپسند ہونا چاہیے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی سے نا جائز نفع کمائے۔

① النساء: 29، ② جامع الترمذی: 1284، وصححه الألبانی.

ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں: «لَا تَبِيعْ مَا لَيْسَ عَنْذَكَ» ”تم وہ چیز نہ بیچو جو تمہارے پاس موجود نہ ہو۔“^① اس کی وجہ یہ ہے کہ جس غیر موجود چیز کا وہ سودا کرے گا، ہو سکتا ہے کہ وہ اسے نہ ملے، یا ویسی نہ ملے جیسی کا اس نے سودا ملے کیا! اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس قیمت پر نہ ملے جس کو سامنے رکھتے ہوئے اس نے اس کا سودا کیا۔ چونکہ یہ امکانات موجود ہیں اس لیے وہ کسی بھی ایسی چیز کا سودا نہ کرے جو اس کے پاس موجود نہ ہو۔

﴿منذی یا بازار میں پہنچنے سے پہلے ہی کسی مال کا سودا ملے نہ کیا جائے﴾

شہر میں رہنے والے تاجر حضرات منذی یا بازار کے اتار چڑھاؤ سے واقف ہوتے ہیں اور باہر سے تجارتی ساز و سامان لانے والا بائع اُس سے واقف نہیں ہوتا، چنانچہ اس کی لاعلمی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ اسے راستہ میں ہی روک کر کم قیمت پر اس کے ساتھ سودا ملے کر لیتے ہیں۔ اس سے انھیں تو فائدہ ہو جاتا ہے لیکن بائع کو نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ اس لیے یہ معاملہ درست نہیں ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ «أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ نَهَى أَنْ تُتْلَقَ الْمَسْلُوعَةُ حَتَّى تُبْلَغَ الْأَسْوَاقُ»

”رسول اکرم ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا کہ بازاروں میں پہنچنے سے پہلے ہی تجارتی مال کا آگے جا کر سودا کیا جائے۔“^②

جس بائع کے ساتھ اس طرح ہاتھ ہو جائے، پھر وہ بازار آئے اور اسے پتہ چلے کہ اُس کے ساتھ تو ہاتھ ہو چکا ہے تو اسے اس سودے کو منسوخ کرنے کا اختیار حاصل ہے۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد فرامی ہے: «لَا تَلْقُوا الْجَلْبَ . فَمَنْ تَلَقَّى فَاشْتَرِ مِنْهُ . فَإِذَا أَتَى سَيْدَهُ الْمَشُوقَ فَهُوَ بِالْخِيَارِ»

”غلہ وغیرہ کے قافلوں کو آگے جا کر مت ملو۔ لہذا جو شخص آگے جا کر ملے اور بائع سے خرید لے، پھر اس کا مالک بازار میں آئے تو اسے سودا منسوخ کرنے کا اختیار ہے۔“^③

﴿ماپ تول کے بغیر کسی ڈھیر کا سودا کرنا درست نہیں ہے﴾

غلے وغیرہ کا وہ ڈھیر جس کا وزن معلوم نہ ہو اس کا وزن کیے بغیر سودا کرنا ممنوع ہے۔

① جامع الترمذی: 1233، سنن ابی داؤد: 3505، سنن النسائی: 4613، سنن ابن ماجہ: 2187، وصححه الألبانی.

② صحيح البخاري: 2165، وصحيح مسلم: 1517 واللفظ له. ③ صحيح مسلم: 1519.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ «نہی رسول اللہ ﷺ عَنْ بَيْعِ الصَّنْبَرِ مِنَ الثَّمَرِ لَا يُعْلَمُ مَكِيلُهَا بِالْكَيْلِ الْمُسْتَقْبَلِ مِنَ الثَّمَرِ»

”رسول اکرم ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا کہ ایسے ڈھیر کا سودا کیا جائے جس کا ماپ کھجور کے ماپنے کے معروف پیمانے سے معلوم نہ ہو۔“^①

لہذا غلے وغیرہ کے ڈھیر میں اگر ماپنے کی چیز ہے تو اسے ماپ کر اور اگر تولنے کی چیز ہے تو اسے تول کر اس کا سودا طے کیا جائے۔ ورنہ جو شخص مجہول الوزن ڈھیر کا سودا کرے تو اس کا جرم قابل سزا ہے۔ جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے ان لوگوں کو دیکھا جو رسول اکرم ﷺ کے زمانے میں اناج کے ڈھیر بغیر ماپ تول کے خرید لیتے تھے، ان کو مار پڑتی تھی۔^②

⑦ خرید کردہ مال کو اپنے سنور وغیرہ میں منتقل کیے بغیر اس کا آگے سودا کر دینا ممنوع ہے

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے بازار میں زیتون کا سودا کیا۔ اس کے بعد مجھے ایک آدمی ملا جو مجھ سے اسی زیتون کو معقول منافع پر خریدنے کے لیے تیار تھا۔ میں نے ارادہ کیا کہ اس کے ہاتھوں بیچ دوں، لیکن اچانک ایک شخص نے پیچھے سے میرے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو وہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ تھے۔ انھوں نے کہا: اس زیتون کو اسی مقام پر مت بیچو جہاں تم نے خریدا ہے، جب تک کہ اسے اپنے ٹھکانے پر منتقل نہ کر لو۔ پھر انھوں نے کہا:

«إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ نَهَى أَنْ تُبَاعَ الْمَبْلَغُ حِينَ تُبْنَعُ ، حَتَّى يَخُوضَهَا التُّجَّارُ إِلَى رِخَالِهِمْ»

”رسول اکرم ﷺ نے سامان کو اسی جگہ پر فروخت کرنے سے منع فرمایا جہاں اسے خریدا گیا ہو۔ جب تک کہ تاجر لوگ اسے اپنے ٹھکانے (سنور وغیرہ) پر نہ لے جائیں۔“^③

⑧ جب سودا ہو رہا ہو تو اسی چیز کی بیچ کی غرض سے بائع اور مشتری کے درمیان کسی تیسرے آدمی کا گھس آنا ممنوع ہے۔ بعض اوقات بائع اور مشتری کے درمیان بات چیت چل رہی ہوتی ہے کہ بیچ میں کوئی تیسرا آدمی گھس آتا ہے اور وہ بائع کو زیادہ قیمت کی پیش کش کر کے ان دونوں کے سودے کو خراب کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«لَا يَبِيعُ الرَّجُلُ عَلَى بَيْعِ أَخِيهِ ، وَلَا يَخْطُبُ عَلَى خُطْبَةِ أَخِيهِ . إِلَّا أَنْ يَأْذَنَ لَهُ»

① صحیح مسلم: 1530۔ ② صحیح البخاری: 2131۔ ③ سنن ابی داود: 3499۔ وحسنہ الألبانی۔

”کوئی آدمی اپنے بھائی کے سودے پر سودا نہ کرے۔ اور نہ ہی اپنے بھائی کی معتنی پر معتنی کا پیغام بھیجے۔ ہاں اگر وہ اجازت دے دے تو ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔“^(۱)

اسی طرح رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

«لَا يَسْلِمُ الْمُسْلِمُ عَلَى سُؤْمٍ أَخِيهِ...»

”کوئی مسلمان اپنے بھائی کے سودے پر سودا نہ کرے۔“^(۲)

❦ کسی کی مجبوری سے ناجائز فائدہ اٹھانا درست نہیں ہے ❦

عام طور پر جب کوئی آدمی اپنی کسی مجبوری کے تحت کسی چیز کو فروخت کرنا چاہتا ہے تو اس سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کی قیمت کم سے کم لگائی جاتی ہے، کیونکہ اس کے بارے میں پتہ ہوتا ہے کہ اس نے یہ چیز بیچی تو بے ہی، اس لیے صرف اپنا ہی فائدہ نہ نظر رکھا جاتا ہے، چاہے بائع کو نقصان کیوں نہ ہو۔ اور یہ اخوت و بھائی چارے کے سراسر خلاف ہے۔ جو شخص اپنے بھائی کو اس طرح نقصان پہنچانے کی کوشش کرتا ہے اسے یہ سوچنا چاہیے کہ اگر وہ اس کی جگہ پر مجبور ہوتا تو کیا وہ اس بات کو پسند کرتا کہ کوئی اسے نقصان پہنچائے یا اس کی مجبوری سے ناجائز فائدہ اٹھائے؟ یقیناً وہ اسے پسند نہ کرتا۔ تو وہ اس بات کو اپنے بھائی کے لیے کیوں پسند کرتا ہے؟

اس کے برعکس ہر مسلمان کو اپنے بھائی کا خیر خواہ ہونا چاہیے۔ جیسا کہ جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کی بیعت کی کہ میں ہمیشہ نماز قائم کروں گا، زکوٰۃ ادا کرتا رہوں گا اور ہر مسلمان کی خیر خواہی کروں گا۔^(۳) ایک مرتبہ جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کے ایک غلام نے ان کے لیے ایک گھوڑا تین سو میں خریدا۔ چنانچہ انھوں نے جب اس گھوڑے کو دیکھا تو اس کے مالک کے پاس آئے اور کہا: تمہارے اس گھوڑے کی قیمت تین سو سے زیادہ ہے۔ پھر اسے زیادہ قیمت کی پیش کش کی، حتیٰ کہ اسے آٹھ سو دے دیے۔^(۴)

❦ سودا واپس موڑ لینا کارِ ثواب ہے ❦

سودا طے ہونے اور خرید و فروخت مکمل ہو جانے کے بعد بعض اوقات مشتری اپنی رائے تبدیل کر لیتا ہے کہ مجھے یہ چیز خریدنی نہیں چاہیے تھی، یا اس چیز میں کوئی عیب نکل آتا ہے اور وہ اسے واپس کرنے کا ارادہ کر لیتا ہے تو اگر بائع کو کوئی نقصان نہ ہو تو اسے اس چیز کو واپس لے کر اس کی قیمت خریدار کو لوٹا دینی چاہیے۔ خصوصاً اگر ’خیار عیب‘ کی شرط

① صحیح مسلم: 1412، ② صحیح مسلم: 1413، ③ صحیح البخاری: 57، صحیح مسلم: 56، ④ فتح الباری۔

الإيمان باب قول النبي ﷺ: الدين النصيحة.....

رکھ لی گئی ہو اور خرید کردہ چیز میں واقفیت کوئی عیب ظاہر ہو جائے تو بائع کو اس چیز کے واپس لینے میں کسی ہچکچاہٹ سے کام نہیں لینا چاہیے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«مَنْ أَقَالَ مُسْلِمًا أَقَالَهُ اللَّهُ عَثْرَتُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»

”جو بائع کسی مسلمان کا سودا واپس کر لے، اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کے گناہ معاف فرما دے گا۔“^(۱)

۱۱) اشیائے محرمہ کا کاروبار کرنا حرام ہے

جو چیزیں حرام ہیں ان کا کاروبار کرنا بھی حرام ہے۔ اور جو شخص ان چیزوں کی تجارت کرے جو شرعی لحاظ سے حرام ہوں تو اس تجارت کے ذریعے ہونے والے اس کی آمدنی بھی یقیناً حرام ہوگی۔

مثلاً سگریٹ، تمباکو، شراب اور تمام نشہ آور اشیاء کا کاروبار حرام ہے۔ اسی طرح موسیقی اور گانوں پر مشتمل کیسٹوں یا فحش افلام والی سی ڈیز کا کاروبار بھی حرام ہے۔ اسی طرح حرام جانوروں کی خرید و فروخت بھی حرام ہے اور ان کے ذریعے ہونے والی آمدنی بھی۔ اس کے علاوہ کسی حرام کام کے ذریعے پیسہ کمانا بھی حرام ہے۔ مثلاً بدکاری، کہانت اور داڑھی مونڈ کر کمائی کرنا وغیرہ۔

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے کتے کی قیمت، زانیہ کی آمدنی اور نجومی کی کمائی سے منع فرمایا۔^(۲)

اور جب حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ کیا کتے اور بیلے کی قیمت وصول کرنا جائز ہے؟ تو انھوں نے کہا کہ نبی کریم ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔^(۳)

ہاں البتہ شکاری کتا اس سے مستثنیٰ ہے۔^(۴)

۱۲) مسروقہ مال کی خرید و فروخت حرام ہے

جو شخص مسروقہ مال کو فروخت کر کے پیسہ کمائے، وہ یقیناً حرام ہے۔ اور اسے خریدنے والا شخص اگر یہ جانتا ہو کہ یہ مسروقہ مال ہے، پھر بھی وہ اسے اپنے لئے خرید لے تو وہ بھی اس کے گناہ میں شریک تصور کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾

(۱) سنن ابی داؤد: 3462، سنن ابن ماجہ: 2199۔ وصححه الالبانی۔ (۲) صحیح البخاری: 2237، صحیح مسلم:

1567، (۳) صحیح مسلم: 1569، (۴) جامع الترمذی: 1281، قال الالبانی: حسن۔

”اور تم گناہ اور زیادتی کی بنیاد پر ایک دوسرے سے تعاون نہ کرو۔“^①

اگر مسروقہ مال کے مالک کو یہ پتہ چل جائے کہ اس کا مال فلاں شخص نے لاعلمی میں خرید لیا ہے تو اس کو اختیار ہے کہ اگر وہ چاہے تو اس سے وہی مال پیسوں سے خرید لے۔ اور اگر چاہے تو اس سے اس کے چور کے بارے میں معلومات لے کر اس کے خلاف عدالت سے رجوع کرے۔

اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فیصلہ فرمایا کہ «إِذَا كَانَ الَّذِي ابْتِاعَهَا «يَغْنِي السَّرِقَةَ» مِنَ الَّذِي سَرَقَهَا غَيْرَ مُتَّبِعٍ، يُخَيَّرُ سِنْدُهَا، فَإِنْ شَاءَ أَخَذَ النَّبِيُّ سَرِقًا مِنْهُ بَقَمْنَهَا، وَإِنْ شَاءَ اتَّبَعَ مَنَاقِبَهَا»

”وہ شخص جس نے مسروقہ مال چور سے خرید کیا ہو، اگر وہ اس جرم میں شریک نہ ہو اور لاعلمی میں اس نے وہ مال خرید لیا ہو تو اس کے مالک کو اختیار ہے کہ اگر وہ چاہے تو چوری شدہ مال کی قیمت ادا کر کے لے لے۔ اور اگر چاہے تو اس کے چور کا پیچھا کرے۔“^②

اس حدیث میں اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی وفات کے بعد تینوں خلفائے راشدین، ابو بکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم نے بھی اس کے متعلق یہی فیصلہ فرمایا تھا۔ شیخ البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

”اس حدیث میں دو اہم فائدے ہیں: پہلا یہ کہ جو شخص اپنا مسروقہ مال کسی ایسے شخص کے پاس پڑا ہوا دیکھے کہ جو اس کی چوری میں ملوث نہیں ہوا بلکہ اس نے غاصب یا سارق سے اسے خرید کیا تو اسے یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اسے اس سے لے لے، الا یہ کہ وہ اس کی قیمت ادا کرے۔ اور اگر وہ چاہے تو حاکم کے ہاں غاصب یا سارق کے خلاف اپیل کر سکتا ہے۔“^③

بعض حضرات کا کہنا ہے کہ اگر صاحب مال کو معلوم ہو جائے کہ اس کا مال فلاں شخص کے پاس موجود ہے تو وہ بے روک ٹوک اسے لے جاسکتا ہے۔ رہی مشتری کی رقم جو وہ چور کو ادا کر چکا تو اس کی یہی صورت ہے کہ وہ چور کو تلاش کر کے اس سے اپنی رقم واپس لے۔ ورنہ اس کی رقم ضائع ہو جائے گی۔ ان حضرات نے اس کی دلیل سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث پیش کی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«مَنْ وَجَدَ عَيْنَ مَالِهِ بِيَدِ رَجُلٍ فَهُوَ أَحَقُّ بِهِ، وَيُسْبِغُ الْبَيْعُ مَنْ بَاعَهُ»

”جو شخص اپنا مال بیعت کسی دوسرے آدمی کے پاس پڑا ہوا پالے تو وہ اس کا زیادہ حقدار ہے۔ اور مسروقہ مال کو

خریدنے والا اُس شخص کو ڈھونڈے جس نے اس کے پاس یہ مال بیچا تھا۔^①
تو معلوم ہونا چاہیے کہ یہ حدیث ضعیف ہے اور جو حدیث ہم نے ابھی ذکر کی ہے اُس کے خلاف ہے۔

⑬ مسجد میں خرید و فروخت ممنوع ہے ﴿﴾

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

« إِذَا رَأَيْتُمْ مَنْ يَبِيعُ أَوْ يَبْتَاعُ فِي الْمَسْجِدِ فَقُولُوا : لَا أُنْفِخُ اللَّهُ بِتِجَارَتِكَ »

”جب تم مسجد میں کسی کو کوئی چیز فروخت کرتے ہوئے یا خرید کرتے ہوئے دیکھو تو کہو: اللہ تمہاری تجارت میں کوئی برکت نہ ڈالے۔“^②

⑭ حیلہ سازی کے ذریعے سودی لین دین کرنا ﴿﴾

سودی لین دین بلاشبہ حرام ہے۔ قرآن و حدیث کے واضح دلائل اس کی حرمت پر دلالت کرتے ہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے سودی لین دین کی حرمت معلوم ہونے کے بعد اسے جاری رکھنا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے خلاف اعلان جنگ کے مترادف قرار دیا ہے۔ لیکن صد افسوس ہے ان لوگوں پر جو حیلہ سازی کے ذریعے سودی لین دین جاری رکھتے ہیں۔ ویسے تو اس کی متعدد صورتیں ہمارے معاشرے میں موجود ہیں، لیکن ہم اس کی ایک ہی صورت کی طرف اشارہ کیے دیتے ہیں۔ اور وہ ہے بیع عین۔

’بیع عین‘ یہ ہے کہ ایک شخص کو نقد پیسوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ تو وہ کسی سے کوئی چیز مثلاً گاڑی ایک لاکھ روپے میں ایک سال کے وعدے پر خرید لیتا ہے۔ پھر ایک آدھ دن کے بعد وہ وہی گاڑی اسی آدمی کو نوے ہزار روپے میں نقد قیمت پر فروخت کر دیتا ہے۔ اور نوے ہزار وصول کر لیتا ہے۔ پھر سال گزرنے پر وہ اسے ایک لاکھ روپے دے دیتا ہے۔ اس طرح اسے فوری طور پر نوے ہزار روپے مل گئے۔ اور گاڑی کے مالک کو ایک سال بعد دس ہزار روپے منافع مل گئے جو دراصل نوے ہزار روپے کا ایک سال کا سود ہے۔ گاڑی کی بیع کو درمیان میں لا کر اس سود کو حلال بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ بیع عین سود پر مشتمل ہے۔ اس لیے یہ حرام ہے۔

⑮ خوردنی اشیاء کی ذخیرہ اندوزی حرام ہے ﴿﴾

بعض تاجر حضرات خوردنی اشیاء کو ذخیرہ کر لیتے ہیں، جبکہ مارکیٹ میں ان کی اشد ضرورت ہوتی ہے، وہ اس انتظار میں رہتے ہیں کہ جب ان اشیاء کی قلت ہوگی تو یقینی طور پر ان کا ریٹ بڑھ جائے گا، چنانچہ جب واقعات ریٹ بڑھ جاتا

① سنن ابی داؤد: 3531، سنن النسائی: 4681، جامع الترمذی: 1321، وصحیحہ الالبانی.

ہے تو وہ اپنا 'شاک' مارکیٹ میں لے آتے ہیں۔ اس کا ملکی معیشت پر بہت برا اثر پڑتا ہے اور خوردنی اشیاء بہت مہنگی ہو جاتی ہیں۔ بیچارے غریب عوام ان خوردنی اشیاء کو ترستے رہ جاتے ہیں جبکہ تاجر حضرات صرف ہوس زر پوری کرنے کے لیے اس طرح کے ہتھکنڈے استعمال کرتے اور زیادہ سے زیادہ منافع حاصل کرتے ہیں۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«لَا يَخْتَكِرُ إِلَّا خَاطِلٌ» "ایک گناہ گار ہی ذخیرہ اندوزی کرتا ہے۔" (۱)

اس کے برعکس ہونا یہ چاہیے کہ تاجر حضرات خوردنی اشیاء وافر مقدار میں مارکیٹ میں بھیجیں، تاکہ عام لوگوں کو یہ چیزیں سستے داموں مل جائیں۔ ظاہر ہے کہ جب یہ چیزیں سستے داموں ملیں گی تو جلدی نکل جائیں گی، اس طرح تاجروں کے ہاتھوں میں سرمایہ جلد از جلد آئے گا اور وہ اس سے مزید اشیاء خرید کر مارکیٹ میں بھیج سکیں گے۔ اور انھیں مزید منافع حاصل کرنے کے مواقع میسر آئیں گے۔

لیکن اگر تاجر حضرات ایسا نہ کریں اور خوردنی اشیاء کو شاک کر کے مارکیٹ میں ان اشیاء کی مصنوعی قلت پیدا کریں تو حکومت وقت کو اختیار حاصل ہے کہ وہ جبراً ان سے خوردنی اجناس وغیرہ باہر نکلوائے اور مصنوعی قلت کا خاتمہ کرے۔ یا وہ خود مناسب وقت پر ان اجناس کو خرید لے اور حسب ضرورت انھیں مارکیٹ میں بھیجتی رہے۔ آخر میں ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں دین حق کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق دے۔

دوسرا خطبہ

محترم حضرات! آخری گزارش یہ ہے کہ خرید و فروخت کی بروہ صورت جس میں جہالت (لا علمی) ہو یا دھوکہ پایا جاتا ہو وہ ممنوع ہے۔ 'جہالت' سے مراد یہ ہے کہ جس چیز کو خریدنا ہو وہ نامعلوم ہو یا اس کی قیمت نامعلوم ہو۔ اس اصول کے تحت خرید و فروخت کی بعض ممنوع صورتیں نہایت اختصار کے ساتھ پیش خدمت ہیں:

(۱) باغ کا پھل پکنے سے پہلے ہی اس کا سودا کرنا ممنوع ہے۔ کیونکہ طوفان باد و باران یا بیماری وغیرہ کی وجہ سے اس کے تباہ ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے پھل کے پکنے سے پہلے اس کا سودا کرنے سے منع کیا اور ارشاد فرمایا:

«أَرَأَيْتَ إِذَا مَنَعَ اللَّهُ الثَّمَرَةَ بِمَ يَأْخُذُ أَخَذَكُمْ مَالٌ أُخِيهِ؟»

"تمہارا کیا خیال ہے، جب اللہ تعالیٰ پھل روک دے تو تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کا مال کس چیز کے بدلے میں لے گا؟" (۲)

① صحیح مسلم: 1605، ③ صحیح البخاری: 2198.

② کھیتی کے تیار ہونے سے پہلے ہی اس کا سودا کرنا بھی ممنوع ہے۔

③ کسی باغ کی پیداوار کا کئی سالوں کے لیے پیشگی سودا کرنا بھی ممنوع ہے۔

④ حاملہ جانور کے پیٹ میں جو کچھ ہو اس کی ولادت سے پہلے ہی اس کا سودا کرنا ممنوع ہے۔

⑤ شیردار جانور کو فروخت کرنے سے تین چار دن پہلے اس کے تھنوں میں دودھ روک دینا۔ تاکہ گاہک کے سامنے جب اس کا دودھ نکالا جائے تو وہ بہت زیادہ ہو اور دھوکہ دے کر اس سے جانور کی قیمت زیادہ وصول کی جائے۔ یہ بھی حرام ہے۔

⑥ ماہی گیر سے سودا کرنا کہ اس مرتبہ جتنی مچھلیاں تمھاری جال میں آئیں گی وہ میں اتنی رقم میں تم سے خرید لوں گا۔ اس میں ماہی گیر اور مشتری دونوں کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ جال میں کتنی مچھلیاں آئیں گی۔ جہالت کی بناء پر یہ بیع ممنوع ہے۔

⑦ بیع نجش بھی حرام ہے۔ جس کی صورت یہ ہے کہ ایک بائع کسی چیز کو فروخت کرنے سے پہلے اپنے دوستوں کے ذمے لگا دے کہ جب اس چیز کی قیمت لگنا شروع ہو تو وہ اس کی قیمت بڑھاتے جائیں۔ تاکہ خریدار کو زیادہ سے زیادہ قیمت پر پھانسا ممکن ہو۔ یقیناً یہ بھی دھوکہ دہی ہے جو کہ حرام ہے۔ اور رسول اکرم ﷺ نے صراحتاً اس سے منع فرمایا ہے۔^①

محترم حضرات! خرید و فروخت کے جو آداب و احکام ہم نے قرآن و حدیث کی روشنی میں بیان کیے ہیں، اگر تمام مسلمان پابندی سے ان پر عمل کریں تو یقینی طور پر ان کے بہت سارے مالی مسائل حل ہو سکتے ہیں، معاشی پریشانیوں کا خاتمہ ہو سکتا ہے اور ان کے رزق میں برکت آ سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان آداب و احکام پر عمل کرنے کی توفیق دے۔ آمین

① صحیح البخاری: 2142، صحیح مسلم: 1413، 1515.

زاد الخطیب کے بارے میں حدیث کے تاثرات

شیخ الحدیث حافظ عبدالستار حماد رحمہ اللہ

”ہمیں دورانِ مطالعہ ان خطبات میں درنِ ذیل خصوصیات دیکھنے کو ملی ہیں: ① ہر خطبے کے آغاز میں معین موضوع کے متعلق تہییدی کلمات اور اس کے اہم عناصر کا ذکر ہے، پھر ہر عنصر کے لیے کتاب و سنت سے مواد فراہم کیا گیا ہے۔ ② صرف صحیح احادیث کا انتخاب کیا گیا ہے ③ ان خطبات میں دوسرے خطبے میں بھی اختصار اور جامعیت سے کام لیتے ہوئے وعظ و نصیحت کا اہتمام کیا گیا ہے جو کہ مستنون ہے۔ ④ ان خطبات میں علمی ثقافت اور جلالِ بیان کی جھلک نمایاں ہے، کیونکہ ہر بات حوالے سے مزین اور بر دعویٰ دلیل سے مبرہن ہے۔ ⑤ شعر گوئی اور قافیہ بندی سے گریز کرتے ہوئے اندازِ بیان سادہ مگر انتہائی پرمغز، اسلوبِ تحریر میں پانی کی سی روانی، آسان محاورات اور سہل عبارات سے اپنا مدعا بیان کرنے کی بھرپور کوشش کی گئی ہے تاکہ دل سے نکلنے والی بات دل میں جاگزیں ہو جائے۔ الغرض یہ ”خطبات جمعہ“ نہ صرف خطباء اور واعظین کے لیے مفید ہیں بلکہ ہمارے نزدیک ہر لائبریری اور ہر گھر کی بھی ضرورت ہیں، ان سے ہر ممکن استفادہ کرنا چاہیے۔“

حافظ صلاح الدین یوسف رحمہ اللہ

”عرصہ دراز سے اس بات کی شدید ضرورت محسوس کی جا رہی تھی کہ: ① ایک تو خطباء حضرات کے لیے خطبات کا ایک ایسا مجموعہ مرتب ہو جس میں خالص اسلام کی صحیح تعبیر و تشریح ہو۔ ② دوسرے نمبر پر ایسے بدی اعمال پر تنبیہ ہو جنہوں نے دینِ اسلام کو سوخا کر دیا ہے۔ ③ تیسرے، ہر موضوع کی تفصیلات صرف صحیح روایات پر مشتمل ہوں، ضعیف اور بے سرو پا روایات کا سہارا نہ لیا گیا ہو۔ یہ مجموعہ خطبات، علماء و خطباء کے لیے بلاشبہ ایک نعمت غیر مترقبہ، ایک ارمغانِ علمی، علوم و معارف کا ایک گنجینہ اور آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ صحیحہ کا ایک خزانہ ہے۔
پروفیسر عبدالجبار شا کر رحمہ اللہ

”مجھے ان خطبات کو پڑھنے کی سعادت نصیب ہوئی ہے۔ میرے نزدیک یہ وقت کی اہم ترین ضرورت ہے کہ ائمہ کرام اور خطیبانِ عظام کو کتاب و سنت کی روشنی میں موضوعاتی خطبے ملیں۔ ان خطبات کی زبان سادہ و سلیس ہے، اندازِ نگارش کلفت اور متین ہے، حوالے مستند اور کامل ہیں۔ اپنے موضوع پر جو موازنہ اور معلومات فراہم کی گئی ہیں وہ لائقِ داد ہیں۔ اللہ تعالیٰ مصنفِ مذکور کی اس کاوش کو قبول و منظور فرمائے اور اس سے خطباء کو استفادے کی توفیق بخشے۔ آمین یا رب العالمین۔“

ناشر: دار الفکر الخیریہ